

ت ج 328

کاروان هزار

مقدم

تاریخ

آزادی بر مناسبت

جانباز مرزا

کاروان احرار

جلد دوم

تاریخ آزادی برصغیر

||

گزشتہ نصف صدی کی تاریخ تحریر

مجلس احرار مسلم لیگ، کانگریس اور جمعیۃ علمائے ہند کی

جدوجہد آزادی کے پس منظر میں

||

(یکم جولائی ۱۹۴۷ء تا یکم اپریل ۱۹۴۸ء)

جانبا ز مرزا

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

5887

| | |
|-------------|--------------------|
| ناشر | مکتبہ تبصرہ، لاہور |
| طبع | چٹان پریس لاہور |
| اشاعت اول | ایک ہزار |
| کتابت | مقصود احمد - لاہور |
| تاریخ اشاعت | جون - ۱۹۶۶ء |
| صفحات | پانچ سو بارہ |

قیمت ۳۰ روپے



ہم نے تاریخ پر احسان کیا ہے لوگو
ہم نے اس بات میں نوازا ہے لوگو

میں نے دنیا کی ساری باتیں لکھی
میں نے دنیا کی ساری باتیں لکھی

زندگی نام ہے اس دور کا بیت
ہم نے یہ زہر بہ طور ہدیہ دیا ہے

میں نے دنیا کی ساری باتیں لکھی
میں نے دنیا کی ساری باتیں لکھی

دیر میں نام خدا ہے پتو تو خدا میری ہیں
ہاں مگر جو نے یہی نام بیجا ہے لوگو

ہم سے نذر ہے سب رند و سہم اما الحق کی صدا
بنا بجا اور سچ ہے ہم نے دیا ہے لوگو

آج شہر ہے ہر طرف سے لوگوں کا
ہم نے نکت کے لیے گام کیا ہے لوگو

جس کی نوید ہمیں منوں کے لئے ہے
خون جاکباز سے ہے لوگو

جانباز مرزا

فہرست

| نمبر شمار | مضامین | صفحہ | نمبر شمار | مضامین | صفحہ |
|-----------|-------------------------------------|------|-----------|---------------------------------|------|
| ۱ | پٹلر پر قاتلانہ حملہ | ۲۳ | ۲۶ | ایک خبر | ۷۶ |
| ۲ | کانگریس کو احوار کا جواب | ۲۴ | ۲۷ | ہندو مسلم اتحاد کا جدید نعرہ | ۷۶ |
| ۳ | گاندھی جی کے نام خط | ۲۵ | ۲۸ | تحریک شاہ قمر رسول کی بازگشت | ۷۸ |
| ۴ | وزیر اعظم کی علیحدگی کا مطالبہ | ۲۶ | ۲۹ | منظر طہار اللہ کا تقریر | ۷۹ |
| ۵ | یوم کیپور تھلہ | ۲۸ | ۳۰ | گاندھی کا کانگریس سے استعفیٰ | ۸۰ |
| ۶ | گاندھی جی کا اعتراف | ۲۸ | ۳۱ | لیگ اور مسلم کانگریس کے امیدوار | ۸۰ |
| ۷ | جیل وارڈز کی علیحدگی | ۲۹ | ۳۲ | قادیان احوار کانگریس | ۸۱ |
| ۸ | سر آغا خاں کا مطالبہ | ۲۹ | ۳۳ | کانگریس ہائی کمان میں تبدیلی | ۹۰ |
| ۹ | ہمارا جہ کا جواب | ۵۱ | ۳۴ | تحریک کیپور تھلہ | ۹۲ |
| ۱۰ | آل انڈیا احوار ورکنگ کمیٹی کا اجلاس | ۵۱ | ۳۵ | کانگریس اور ریاستیں | ۹۲ |
| ۱۱ | قرار دادیں | ۵۲ | ۳۶ | احوار پر انبار کا آغاز | ۹۳ |
| ۱۲ | شعبہ تبلیغ کا قیام | ۵۵ | ۳۷ | خالد لطیف گاہا کی کامیابی | ۹۵ |
| ۱۳ | تیسرا محاذ | ۵۸ | ۳۸ | وزیر اعظم کیپور تھلہ کی علیحدگی | ۹۵ |
| ۱۴ | وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل | ۶۱ | ۳۹ | دوسرا اعلان | ۹۶ |
| ۱۵ | سندھ اور پاکستان | ۶۲ | ۴۰ | جنرل انتخاب کے نتائج | ۹۶ |
| ۱۶ | کیونسٹ پارٹی | ۶۳ | ۴۱ | جائمنٹ سلیکٹ کمیٹی کی رپورٹ | ۹۷ |
| ۱۷ | الہدیت لیگ | ۶۵ | ۴۲ | لنڈن میں خوف سراس | ۹۸ |
| ۱۸ | احوار سے سمجھوتہ | ۶۵ | ۴۳ | دنیا جھکتی ہے مگر ثروت کے سامنے | ۱۰۰ |
| ۱۹ | وائسرائے ہند کا اعلان | ۶۵ | ۴۴ | پسند اپنی اپنی | ۱۰۱ |
| ۲۰ | ۱۷- اگست کا اجلاس | ۶۵ | ۴۵ | سیماش چند بوس کو نوٹس | ۱۰۲ |
| ۲۱ | پٹلر جوڑن کا صدر منتخب ہو گیا | ۶۶ | ۴۶ | شاہ جی کی گرفتاری | ۱۰۳ |
| ۲۲ | نئی آفر تقرری | ۶۶ | ۴۷ | ریاستہائے ہند کا اجلاس | ۱۰۴ |
| ۲۳ | ہمارا جہ جیتنے کے نام | ۷۱ | ۴۸ | قادیان کانگریس کا ذکر | ۱۰۵ |
| ۲۴ | پنجاب کا مسلم پریس | ۷۲ | ۴۹ | کیپور تھلہ کا نیا وزیر اعظم | ۱۰۶ |
| ۲۵ | مولانا ظفر علی خان خاکسار کی سبھا | ۷۲ | ۵۰ | وائسرائے ہند کا تقریر | ۱۰۶ |

| نمبر شمار | مضامین | صفحہ | نمبر شمار | مضامین | صفحہ |
|-----------|--|------|-----------|----------------------------------|------|
| ۵۱ | معاہدہ دارسانی کو خطرہ | ۱۰۷ | ۸۶ | مشر جناح کی تقریر | ۱۴۷ |
| ۵۲ | قائد اعظم کی واپسی | ۱۰۸ | ۸۷ | نمائندہ احرار کا بیان | ۱۴۸ |
| ۵۳ | ۱۹۳۵ء | ۱۰۹ | ۸۸ | بنگالی سلمان | ۱۴۹ |
| ۵۴ | چودھری عبدالعزیز کی اپیل | ۱۱۰ | ۸۹ | وایان ریاست | ۱۵۰ |
| ۵۵ | فرانس اور اٹلی کا معاہدہ | ۱۱۱ | ۹۰ | نئے رفیق سفر | ۱۵۱ |
| ۵۶ | جلد کا پنجم | ۱۱۲ | ۹۱ | جناح راجندر گنگو کا خاتمہ | ۱۵۲ |
| ۵۷ | سجاش بابو کی یورپ روانگی | ۱۱۶ | ۹۲ | سکھوں کا اعلان | ۱۵۲ |
| ۵۸ | شیخ عبدالحمد سندھی کو احرار کی دعوت | ۱۱۶ | ۹۳ | غازی عبدالقیوم کو پچاسی | ۱۵۳ |
| ۵۹ | تجویز اور افواہیں | ۱۲۰ | ۹۴ | معاہدہ دارسانی سے جلد کا انکار | ۱۵۳ |
| ۶۰ | ایڈیٹنگنٹ پارٹی کا قیام | ۱۲۱ | ۹۵ | یونینسٹ پارٹی | ۱۵۶ |
| ۶۱ | اسمبلی کا اجلاس | ۱۲۲ | ۹۶ | کیمپوئل ایوارڈ کا نفرس | ۱۶۰ |
| ۶۲ | کیور تھلہ میں یک روزہ ہڑتال | ۱۲۲ | ۹۷ | حادثہ کراچی پر احتجاج | ۱۶۰ |
| ۶۳ | احرار کو ملاقات کی دعوت | ۱۲۲ | ۹۸ | احرار وفد کراچی کو | ۱۶۱ |
| ۶۴ | دفتر احرار پر پولیس کے چھاپے | ۱۲۳ | ۹۹ | پریس نوٹ | ۱۶۱ |
| ۶۵ | نیشنل لیگ کا قیام (قادیانی جماعت) | ۱۲۴ | ۱۰۰ | ایک اہم الزام کی تردید | ۱۶۲ |
| ۶۶ | اسمبلی کی صدارت | ۱۲۶ | ۱۰۱ | روس اور برطانیہ میں اتحاد | ۱۶۲ |
| ۶۷ | وائسرائے کی تقریر | ۱۲۶ | ۱۰۲ | تحقیقات سے انکار | ۱۶۲ |
| ۶۸ | وایان ریاست کا اجلاس | ۱۲۷ | ۱۰۳ | شیخ عبدالحمد سندھی کا استعفیٰ | ۱۶۳ |
| ۶۹ | ریاستوں کی قرارداد | ۱۲۸ | ۱۰۴ | احرار کے خلاف ملک گیر مہم | ۱۶۴ |
| ۷۰ | سجاش بابو کی کتاب پر پابندی | ۱۲۹ | ۱۰۵ | حمایت اسلام کی قرارداد | ۱۶۶ |
| ۷۱ | یوم احتجاج | ۱۳۰ | ۱۰۶ | کراچی کے حادثہ پر احتجاج | ۱۶۶ |
| ۷۲ | حکومت کو خوش فہمی | ۱۳۰ | ۱۰۷ | مرکزی احرار ورکنگ کمیٹی کا اجلاس | ۱۶۸ |
| ۷۳ | سلم لیگ کا اجلاس | ۱۳۰ | ۱۰۸ | قادیانیوں کا سالانہ سبک | ۱۶۲ |
| ۷۴ | کیور تھلہ فرائیجوائس کمیٹی کی سفارشات | ۱۳۱ | ۱۰۹ | جناح، راجندر فارمولا کی اشاعت | ۱۶۲ |
| ۷۵ | خدیجہ تونہ میٹھی کا محشر میں جنون میرا | ۱۳۲ | ۱۱۰ | شاہ جی کو سنرا | ۱۶۴ |
| ۷۶ | چودھری عبدالعزیز کی رہائی | ۱۳۳ | ۱۱۱ | ڈاکٹر اقبال کا استعفیٰ | ۱۶۴ |
| ۷۷ | چودھری عبدالعزیز | ۱۳۵ | ۱۱۲ | سکھوں میں جنگ امر آرائی | ۱۶۶ |
| ۷۸ | اسمبلی کا اکھاڑا | ۱۳۷ | ۱۱۳ | یکم مئی | ۱۶۶ |
| ۷۹ | مشر محمد علی جناح کی تقریر | ۱۴۰ | ۱۱۴ | ملکیت پر برطانیہ کا قبضہ | ۱۶۸ |
| ۸۰ | تحریک کیور تھلہ کا خاتمہ | ۱۴۳ | ۱۱۵ | دوسری جنگ عظیم کے آثار | ۱۶۹ |
| ۸۱ | ایڈیٹل پر سبکدوش | ۱۴۵ | ۱۱۶ | خالد لطیف گاہا کی لندن روانگی | ۱۸۰ |
| ۸۲ | مشر جناح کی صدر کانگریس کو دعوت | ۱۴۶ | ۱۱۷ | کنٹرل لارنس کا انتقال | ۱۸۰ |
| ۸۳ | سرکاری مجلہ کی رائے | ۱۴۶ | ۱۱۸ | دفتر احرار پر چراغاں | ۱۸۱ |
| ۸۴ | جناح راجندر گنگو | ۱۴۶ | ۱۱۹ | کنٹرل لارنس | ۱۸۱ |
| ۸۵ | سلم لیگ کا اجلاس | ۱۴۷ | ۱۲۰ | شریف حسین کا مطالبہ | ۱۸۶ |
| | | | ۱۲۱ | برطانیہ کا جواب | ۱۸۶ |

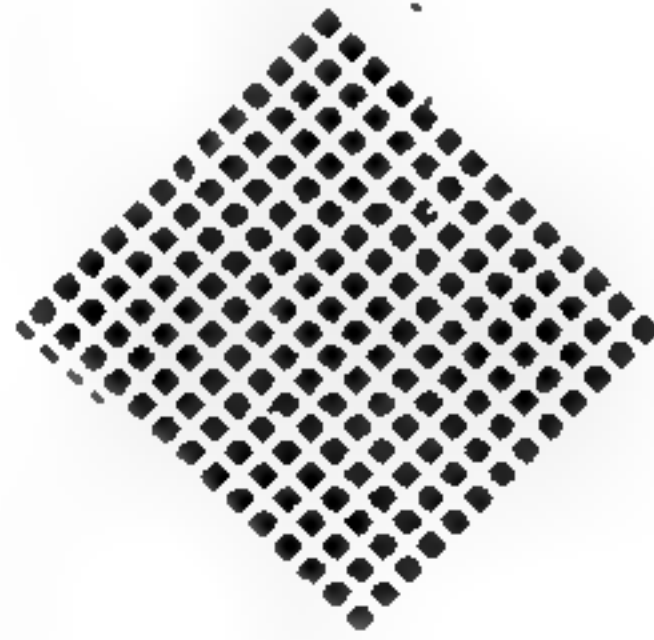
| نمبر شمار | مضامین | صفحہ | نمبر شمار | مضامین | صفحہ |
|-----------|---|------|-----------|--|------|
| ۱۲۲ | آخر | ۱۸۷ | ۲۵۲ | نام میں تبدیلی | ۲۵۲ |
| ۱۲۳ | لارنس | ۱۸۸ | ۲۵۲ | کون کیا تھا | ۲۵۲ |
| ۱۲۴ | جرمن اور برطانیہ | ۱۸۹ | ۲۵۲ | حکومت سعودیہ کا برطانوی کمپنی سے معاہدہ | ۲۵۲ |
| ۱۲۵ | کوئٹہ میں زلزلہ | ۱۹۲ | ۲۵۵ | معاہدہ | ۲۵۵ |
| ۱۲۶ | احرار کا کوئٹہ ریڈیف کمیٹی | ۲۰۰ | ۲۵۷ | انڈیا بل کی منظوری | ۲۵۷ |
| ۱۲۷ | احرار وفد پر پابندی | ۲۰۱ | ۲۵۷ | ہندوستان کا نیا واسلرئے | ۲۵۷ |
| ۱۲۸ | صدر مرکز یہ کا حکم | ۲۰۲ | ۲۵۸ | تحریک کا نیا موڑ | ۲۵۸ |
| ۱۲۹ | احرار کمیٹی کا معاہدہ | ۲۰۳ | ۲۵۸ | رفند نامہ مجاہد کا اجرا | ۲۵۸ |
| ۱۳۰ | برائی، نیکی سے خائف | ۲۰۴ | ۲۵۹ | تحریک التوا | ۲۵۹ |
| ۱۳۱ | لاوارث بچے | ۲۰۵ | ۲۶۱ | ایک اور مسجد کا انہدام | ۲۶۱ |
| ۱۳۲ | کوئٹہ اور مجلس احرار | ۲۰۶ | ۲۶۲ | ڈاکٹر محمد عالم اور مسجد کی تحریک | ۲۶۲ |
| ۱۳۳ | میوہ ہسپتال کا چارج | ۲۰۷ | ۲۶۲ | سکھوں کی آئینی تحریک | ۲۶۲ |
| ۱۳۴ | احرار بلٹین | ۲۰۷ | ۲۶۲ | حکومت ہند کا اعلان | ۲۶۲ |
| ۱۳۵ | وائسرائے کا اعتراف | ۲۰۸ | ۲۶۳ | بسا بے شہید گنج کا نیا مہرہ | ۲۶۳ |
| ۱۳۶ | یوم کراچی | ۲۰۸ | ۲۶۳ | یہ مفاد عامہ کے خلاف ہے | ۲۶۳ |
| ۱۳۷ | فوتروں کی فہرست | ۲۰۸ | ۲۶۳ | پنجاب میں مسلمانوں کو تلوار رکھنے کی مکمل اجازت ملنی چاہیے | ۲۶۳ |
| ۱۳۸ | جرمن، برطانوی معاہدہ | ۲۱۰ | ۲۶۵ | یوم شہید گنج | ۲۶۵ |
| ۱۳۹ | مسجد شہید گنج، تحریک شہید گنج اور اس کے اسباب | ۲۱۰ | ۲۶۵ | تلوار رکھنے کی اجازت | ۲۶۵ |
| ۱۴۰ | ایک اخباری نوٹ | ۲۱۳ | ۲۶۶ | مولانا احمد علی لاہوری کا بیان | ۲۶۶ |
| ۱۴۱ | حادثہ مسجد شہید گنج | ۲۱۳ | ۲۶۷ | احرار کو دعوت مباہلہ | ۲۶۷ |
| ۱۴۲ | احرار کا موقف | ۲۲۲ | ۲۷۱ | امیر ملت کا خطاب | ۲۷۱ |
| ۱۴۳ | سکیم لیڈروں سے ملاقات | ۲۲۳ | ۲۷۱ | امیر شریعت اور امیر ملت | ۲۷۱ |
| ۱۴۴ | مصالحیت کی تجویز | ۲۲۶ | ۲۷۳ | مرکزی مجلس احرار کی عامرہ کا اجلاس | ۲۷۳ |
| ۱۴۵ | سید حبیب "روزنامہ سیاست لاہور" | ۲۲۶ | ۲۷۳ | سکھوں کے خلاف دعویٰ | ۲۷۳ |
| ۱۴۶ | بات بنتے بنتے رہ گئی | ۲۲۷ | ۲۷۳ | یوم شہید گنج | ۲۷۳ |
| ۱۴۷ | مسجد شاہ چراغ | ۲۳۲ | ۲۷۳ | حبشہ کی جنگ | ۲۷۳ |
| ۱۴۸ | مرزائی اور تحریک شہید گنج | ۲۳۶ | ۲۷۴ | احرار کی تاریخ کا مختصر اجتماع | ۲۷۴ |
| ۱۴۹ | جعلی خطوط | ۲۳۷ | ۲۷۵ | تلوار کے متعلق حکومت پنجاب کا اعلان | ۲۷۵ |
| ۱۵۰ | جعلی خط کا محرک | ۲۳۹ | ۲۷۷ | امیر ملت کا منصب | ۲۷۷ |
| ۱۵۱ | احرار کا ورلی جتھہ | ۲۴۲ | ۲۷۸ | روزنامہ انقلاب اور مرزائی | ۲۷۸ |
| ۱۵۲ | فتویٰ | ۲۴۷ | ۲۷۹ | ڈاکٹر امیتکھ کا بیان | ۲۷۹ |
| ۱۵۳ | صدر بلدیہ لاہور کا بیان | ۲۴۹ | ۲۷۹ | مجلس احرار اور اچھوت | ۲۷۹ |
| ۱۵۴ | مشترک اجلاس | ۲۵۰ | ۲۸۱ | مولانا داؤد غزنوی کا استحقاق | ۲۸۱ |
| ۱۵۵ | کانفرنس کی مشترک قرارداد | ۲۵۱ | ۲۸۱ | امریکن اور انگریز کمپنیوں کو ٹھیکہ دیا گیا | ۲۸۱ |
| ۱۵۶ | اراکین کمیٹی | ۲۵۱ | ۲۸۲ | آل انڈیا یونیٹیکل احرار کانفرنس سیکرٹ | ۲۸۲ |

| نمبر شمار | مضامین | صفحہ | نمبر شمار | مضامین | صفحہ |
|-----------|---|------|-----------|-------------------------------------|------|
| ۱۹۷ | جیش احرار کا اجلاس | ۲۸۸ | ۲۲۷ | نئی صورت حال | ۲۲۳ |
| ۱۹۸ | مدعی نبوت کو سزا | ۲۹۰ | ۲۲۷ | احرار کا چیلنج | ۲۲۷ |
| ۱۹۹ | یورپ، جنگ کا اکھاڑہ | ۲۹۰ | ۲۲۸ | حبشہ اور اٹلی کی جنگ | ۲۲۸ |
| ۱۹۵ | بوسولینی | ۲۹۲ | ۲۲۹ | مجلس احرار کا مطالبہ | ۲۲۸ |
| ۱۹۶ | شہنشاہ ہیل سلاسی | ۲۹۳ | ۲۳۰ | سکھ تحریک ختم ہو گئی | ۲۲۹ |
| ۱۹۷ | پنجاب کونسل میں شہید گنج پر بحث | ۲۹۴ | ۲۳۱ | چارچ پنجم کا انتقال | ۲۲۹ |
| ۱۹۸ | مرزا نیوں کی درخواست | ۲۹۵ | ۲۳۲ | امیر ملت کی حج کو روانگی | ۲۲۹ |
| ۱۹۹ | پنجاب کونسل میں بحث کا دوسرا روز | ۲۹۶ | ۲۳۳ | امجدیٹ پنجاب کی قرارداد | ۲۳۰ |
| ۲۰۰ | صوبہ سرحد میں تلوار کی اجازت | ۲۹۷ | ۲۳۴ | جمعیتہ علمائے ہند کی قرارداد | ۲۳۱ |
| ۲۰۱ | پھر مبادلہ کا چیلنج | ۲۹۸ | ۲۳۵ | شاہ حجاز کا اعلان | ۲۳۲ |
| ۲۰۲ | آل انڈیا احرار کانفرنس کی صدارت | ۲۹۸ | ۲۳۶ | اوروند کی حجاز کو روانگی | ۲۳۳ |
| ۲۰۳ | تمغہ خدمت | ۲۹۹ | ۲۳۷ | کراچی سے روانگی | ۲۳۵ |
| ۲۰۴ | نظر بندوں کی رہائی | ۳۰۰ | ۲۳۸ | ایک اور وفد | ۲۳۶ |
| ۲۰۵ | ایک اور نوٹس | ۳۰۰ | ۲۳۹ | سر آغا خاں کی آمد | ۲۳۷ |
| ۲۰۶ | دفتر ۱۸۸۸ اور ۱۹۲۲ | ۳۰۱ | ۲۴۰ | مشر خاں لاہور منہج گئے | ۲۳۸ |
| ۲۰۷ | مدیر سیاست کی معذرت | ۳۰۱ | ۲۴۱ | قائد اعظم کا بیان | ۲۳۹ |
| ۲۰۸ | شہنشاہ حبشہ نے مصالحتی فارمولا مسترد کر دیا | ۳۰۱ | ۲۴۲ | ایک اہم سوال | ۲۳۹ |
| ۲۰۹ | احرار کی قادیان میں سول ناظرانی | ۳۰۲ | ۲۴۳ | ڈیفنس کمیٹی کا فیصلہ | ۲۳۹ |
| ۲۱۰ | یوم حجاز | ۳۰۲ | ۲۴۴ | سر آغا خاں کا مشورہ | ۲۴۰ |
| ۲۱۱ | کرنیو ہٹیا کی | ۳۰۲ | ۲۴۵ | مشر خاں کی دہلی روانگی | ۲۴۰ |
| ۲۱۲ | خاکسار لڈر کا اعلان | ۳۰۳ | ۲۴۶ | عالمی حالات اور ہٹلر | ۲۴۰ |
| ۲۱۳ | احرار کانگریس کی گولڈن جوبلی میں | ۳۰۳ | ۲۴۷ | جمعیتہ اقوام کو جرمن کا جواب | ۲۴۲ |
| ۲۱۴ | شامل نہ ہوں | ۳۰۴ | ۲۴۸ | چارچ پنجم کا سوگ | ۲۴۳ |
| ۲۱۵ | اقبال کا استعفیٰ | ۳۰۴ | ۲۴۹ | سرفضل خلیفہ کی کامیابی | ۲۴۳ |
| ۲۱۶ | دوسری اور تیسری گرفتاری | ۳۰۶ | ۲۵۰ | مدینہ منورہ میں مرزا نیوں کو شکست | ۲۴۵ |
| ۲۱۷ | صاحبزادہ فیض الحسن کا تقریر سالار پنجاب | ۳۰۷ | ۲۵۱ | سلطان حجاز سے احرار وفد کی ملاقات | ۲۴۷ |
| ۲۱۸ | چوتھی گرفتاری | ۳۰۸ | ۲۵۲ | مفتی کفایت اللہ کا بیان | ۲۴۸ |
| ۲۱۹ | احرار کی انوکھی جہارت | ۳۰۹ | ۲۵۳ | کانگریس نے بحث ختم کر دی | ۲۴۸ |
| ۲۲۰ | دوسری جہارت | ۳۱۱ | ۲۵۴ | ہندوستان میں مظہر کے خلاف پروپیگنڈہ | ۲۴۸ |
| ۲۲۱ | پانچویں گرفتاری | ۳۱۳ | ۲۵۵ | انتخابات کی سرگرمیاں | ۲۴۹ |
| ۲۲۲ | ۱۹۳۶ء | ۳۱۴ | ۲۵۶ | کانگریس کی قرارداد | ۲۵۲ |
| ۲۲۳ | حکومت کو شکست | ۳۱۶ | ۲۵۷ | نئے دائرہ کے کی آمد | ۲۵۲ |
| ۲۲۴ | سر آغا خاں کا بیان | ۳۱۸ | ۲۵۸ | قائد اعظم کی تقریر | ۲۵۲ |
| ۲۲۵ | قادیان میں نماز جمعہ | ۳۱۹ | ۲۵۹ | علی گڑھ یونیورسٹی کا وائس چانسلر | ۲۵۲ |
| | کشمیری بھائیوں کے نام | ۳۲۱ | ۲۶۰ | نیا امیر ملت | ۲۵۴ |
| | | | ۲۶۱ | انسانیت پر سب سے بڑا ظلم | ۲۵۴ |

| نمبر شمار | مضامین | صفحہ | نمبر شمار | مضامین | صفحہ |
|-----------|--|------|-----------|------------------------------------|------|
| ۲۹۲ | مسلم لیگ کا اجلاس | ۳۵۵ | ۲۹۸ | یونی | ۳۹۹ |
| ۲۹۳ | یونینسٹ پارٹی | ۳۵۶ | ۲۹۹ | آپ ڈھونڈی کیوں گئے تھے | ۳۹۸ |
| ۲۹۴ | مشرک اپیل | ۳۵۷ | ۳۰۰ | خارج کی لاہور سے روانگی | ۳۰۰ |
| ۲۹۵ | کانگریس کا اجلاس | ۳۵۸ | ۳۰۱ | بنگالی پارٹی لیگ بورڈ سے الگ ہوگئی | ۳۰۱ |
| ۲۹۶ | رفضل حسین کی تقریر | ۳۵۹ | ۳۰۲ | لال ڈھنڈورا | ۳۰۲ |
| ۲۹۷ | اخبار اور دیگر رہنماؤں میں بات چیت | ۳۶۰ | ۳۰۳ | سندھ بھی گیا | ۳۰۳ |
| ۲۹۸ | اخبار و فک کی واپسی | ۳۶۱ | ۳۰۴ | سید گیلانی کا استعفیٰ | ۳۰۴ |
| ۲۹۹ | کانڈا عظم کی بے بسی | ۳۶۲ | ۳۰۵ | حکومت پنجاب کا اعلان | ۳۰۵ |
| ۳۰۰ | اخبار پر نیا عتاب | ۳۶۳ | ۳۰۶ | ایکٹ ۱۹۲۵ کی منظوری | ۳۰۶ |
| ۳۰۱ | کانڈا عظم کی اخبار رہنماؤں سے ملاقات | ۳۶۴ | ۳۰۷ | سکھ لیڈر کا اعلان | ۳۰۷ |
| ۳۰۲ | ڈاکٹر عبد الفتوحی لقمان | ۳۶۵ | ۳۰۸ | رفضل حسین کا انتقال | ۳۰۸ |
| ۳۰۳ | ایک نئی انقلابی تحریک | ۳۶۶ | ۳۰۹ | یونینسٹ پارٹی کا نیا لیڈر | ۳۰۹ |
| ۳۰۴ | مجلس اتحاد ملت | ۳۶۷ | ۳۱۰ | مسلمانوں کا قبرستان | ۳۱۰ |
| ۳۰۵ | یونی مجلس اخبار کا اجلاس | ۳۶۸ | ۳۱۱ | سودیشی بی کی تلاش | ۳۱۱ |
| ۳۰۶ | امرتسر کے واقعہ پر اظہارِ افسوس | ۳۶۹ | ۳۱۲ | مسجد شاہ چراغ کی واپسی | ۳۱۲ |
| ۳۰۷ | روزنامہ مجلیک ضمانت | ۳۷۰ | ۳۱۳ | عبد اللہ ارون کا استعفیٰ | ۳۱۳ |
| ۳۰۸ | نوابزادہ بیات علیا کی علیحدگی | ۳۷۱ | ۳۱۴ | امرتسر کے علما کا فتویٰ | ۳۱۴ |
| ۳۰۹ | مسلم لیگ پارلیمانی بورڈ کا اجلاس | ۳۷۲ | ۳۱۵ | تحریک مدح صحابہ | ۳۱۵ |
| ۳۱۰ | تحریک شہید گنج کا فیجہ | ۳۷۳ | ۳۱۶ | بنائے فساد | ۳۱۶ |
| ۳۱۱ | ۲۷ مئی کے روزنامہ انقلاب کا اداریہ | ۳۷۴ | ۳۱۷ | اخبار کی سول نافرمانی | ۳۱۷ |
| ۳۱۲ | مقدمہ کا فیصلہ | ۳۷۵ | ۳۱۸ | سکندر حیات کی آمد | ۳۱۸ |
| ۳۱۳ | حکایت کا اعلان | ۳۷۶ | ۳۱۹ | مستندہ محاذ | ۳۱۹ |
| ۳۱۴ | رفضل حسین کا بیان | ۳۷۷ | ۳۲۰ | کانگریس اور ہندو سماج | ۳۲۰ |
| ۳۱۵ | یہ خاموشی کیوں؟ | ۳۷۸ | ۳۲۱ | مولانا فخر علیا کی تقریر | ۳۲۱ |
| ۳۱۶ | ایک اخباری افواہ | ۳۷۹ | ۳۲۲ | یونائیٹڈ پریس کی اطلاع | ۳۲۲ |
| ۳۱۷ | پنڈت جواہر لال نہرو لاہور میں | ۳۸۰ | ۳۲۳ | اسبلی میں تحریک التوا | ۳۲۳ |
| ۳۱۸ | ہاتما گاندھی کا رٹ کا مسلمان ہوگئی | ۳۸۱ | ۳۲۴ | اخبار رہنماؤں کی گرفتاری | ۳۲۴ |
| ۳۱۹ | ہاتما گاندھی کا بیان | ۳۸۲ | ۳۲۵ | قبل از مرگ واویلا | ۳۲۵ |
| ۳۲۰ | مشر خدیج کی گفتیر سے واپسی | ۳۸۳ | ۳۲۶ | تحریک رواں | ۳۲۶ |
| ۳۲۱ | سید حبیب کا استعفیٰ | ۳۸۴ | ۳۲۷ | یونی پارلیمانی بورڈ کا اجلاس | ۳۲۷ |
| ۳۲۲ | روزنامہ انقلاب کی رائے | ۳۸۵ | ۳۲۸ | بنگال قسے ہندوؤں کو جواب | ۳۲۸ |
| ۳۲۳ | اخبار یونی بورڈ اور عجیبہ علانے ہندوؤں | ۳۸۶ | ۳۲۹ | مداس کا مسلمان | ۳۲۹ |
| ۳۲۴ | ایک خبر | ۳۸۷ | ۳۳۰ | نوابزادہ بیات علیا کا استعفیٰ | ۳۳۰ |
| ۳۲۵ | مولانا منظر علی کا بیان | ۳۸۸ | ۳۳۱ | بے نیا و افواہیں | ۳۳۱ |
| ۳۲۶ | سر سکندر اور رفظل حسین کے درمیان گفتیر | ۳۸۹ | ۳۳۲ | حکومت حجاز کو تشویش | ۳۳۲ |
| ۳۲۷ | پنجاب | ۳۹۰ | ۳۳۳ | پنجاب پارلیمانی بورڈ کا اجلاس | ۳۳۳ |

| نمبر شمار | مضامین | صفحہ | نمبر شمار | مضامین | صفحہ |
|-----------|-------------------------------------|------|-----------|--|------|
| ۳۳۳ | مولانا ابوالکلام آزاد کا جواب | ۴۲۰ | ۳۶۰ | سوالات | ۴۶۰ |
| ۳۳۵ | حلف نامہ | ۴۲۱ | ۳۶۳ | ہوم ممبر کے جواب | ۴۶۳ |
| ۳۳۶ | پارلیمنٹری بورڈ کی نئی شرائط | ۴۲۲ | ۳۶۵ | تشدد کی نئی تحریک | ۴۶۵ |
| ۳۳۷ | احرار کی پارلیمنٹری بورڈ سے علیحدگی | ۴۲۳ | ۳۶۶ | ہندو مسلم فساد | ۴۶۶ |
| ۳۳۸ | احرار پارلیمنٹری بورڈ | ۴۲۴ | ۳۶۷ | آل انڈیا شہید گنج کانفرنس | ۴۶۷ |
| ۳۳۹ | پول کا ڈاکٹر قتل کر دیا گیا۔ | ۴۲۵ | ۳۶۸ | پہنچی وہیں پر خاک جہاں کا خمیر تھا | ۴۶۸ |
| ۳۴۰ | منشی احمد دین کی گرفتاری | ۴۲۶ | ۳۶۹ | تحریک مدح صحابہ ملتوی کر دی گئی | ۴۶۹ |
| ۳۴۱ | لکھنؤ میں گرفتاریاں | ۴۲۷ | ۳۷۰ | کارسوز کی گرفتاری | ۴۷۰ |
| ۳۴۲ | اتحاد ملت کا پارلیمنٹری بورڈ | ۴۲۸ | ۳۷۱ | انتخاب کی تیاریاں | ۴۷۱ |
| ۳۴۳ | مسجد شاہ چراغ کا قبضہ دے دیا گیا | ۴۲۹ | ۳۷۲ | پنجاب خیمہ پولیٹیکل کانفرنس کی قراردادیں | ۴۷۲ |
| ۳۴۴ | مجلس احرار کا مرکزی اجلاس | ۴۳۰ | ۳۷۳ | برطانیہ کے شاہی خاندان میں انقلاب | ۴۷۳ |
| ۳۴۵ | جمعیت علماء ہند کا اجلاس | ۴۳۱ | ۳۷۴ | آل انڈیا کانفرنس کی قرارداد | ۴۷۴ |
| ۳۴۶ | پنجاب تقسیم ہو گیا | ۴۳۲ | ۳۷۵ | مجلس احرار نے اپنے امیدواروں کا اعلان کر دیا | ۴۷۵ |
| ۳۴۷ | تیزاب ڈالنے کی تحریک کا خاتمہ | ۴۳۳ | ۳۷۶ | جدید دستور کو مسترد کر دیا | ۴۷۶ |
| ۳۴۸ | رواں تحریک | ۴۳۴ | ۳۷۷ | پنجاب اہل حدیث کا فیصلہ | ۴۷۷ |
| ۳۴۹ | احرار پراونشل کانفرنس | ۴۳۵ | ۳۷۸ | ہندو مسلم اتحاد | ۴۷۸ |
| ۳۵۰ | مالیر کوٹہ کے مہاجرین | ۴۳۶ | ۳۷۹ | تحریک مدح صحابہ شیعوں کی خلاف ورزی | ۴۷۹ |
| ۳۵۱ | سر سکندر حیات کی واپسی | ۴۳۷ | ۳۸۰ | صدر مجلس احرار کا جواب | ۴۸۰ |
| ۳۵۲ | انتخاب کا آغاز | ۴۳۸ | ۳۸۱ | ۱۹۳۶ء | ۴۸۱ |
| ۳۵۳ | روز نامہ انقلاب لاہور کے ادارے | ۴۳۹ | ۳۸۲ | صدر کانگریس کا خط | ۴۸۲ |
| ۳۵۴ | نواب آف میر کوٹہ کا اعلان | ۴۴۰ | ۳۸۳ | جواب | ۴۸۳ |
| ۳۵۵ | نئے ریونیو ممبر | ۴۴۱ | ۳۸۴ | احرار امیدواروں کے اعلان | ۴۸۴ |
| ۳۵۶ | آل انڈیا پولیٹیکل کانفرنس لاہور | ۴۴۲ | ۳۸۵ | تیسری پارٹی بھی ہے | ۴۸۵ |
| ۳۵۷ | رسم پرچم کشائی | ۴۴۳ | ۳۸۶ | جواہر لال | ۴۸۶ |
| ۳۵۸ | قراردادیں | ۴۴۴ | ۳۸۷ | بنکال کا مسئلہ طے ہو گیا | ۴۸۷ |
| ۳۵۹ | سیکرٹری استقبالیہ | ۴۴۵ | ۳۸۸ | منشی احمد دین کو سزا | ۴۸۸ |
| ۳۶۰ | اچھوت تبلیغ کانفرنس | ۴۴۶ | ۳۸۹ | سر سکندر حیات کی تقریر | ۴۸۹ |
| ۳۶۱ | مجلس احرار کا انتخابی منشور | ۴۴۷ | ۳۹۰ | مولانا شوکت علی کی ناراضگی | ۴۹۰ |
| ۳۶۲ | عبداللہ گاندھی کی مخالفت | ۴۴۸ | ۳۹۱ | مرزائی اور سکندر حیات | ۴۹۱ |
| ۳۶۳ | مظفر فضل الحق کا جواب | ۴۴۹ | ۳۹۲ | ججلی چیمپیوں کی اشاعت | ۴۹۲ |
| ۳۶۴ | قائد اعظم اور روزنامہ انقلاب | ۴۵۰ | ۳۹۳ | ملک برکت علی پر ازار | ۴۹۳ |
| ۳۶۵ | ایک خبر اور اس کے عنوان | ۴۵۱ | ۳۹۴ | پنڈت مالوی پنجاب میں | ۴۹۴ |
| ۳۶۶ | سندھ میں نئی پارٹی | ۴۵۲ | ۳۹۵ | حلف نامہ آزادی خلافت قانون قرار دیا گیا | ۴۹۵ |
| ۳۶۷ | جرمن دور جاپان میں سمجھوتہ | ۴۵۳ | ۳۹۶ | مجلس احرار کا اعلان | ۴۹۶ |
| ۳۶۸ | مسجد شاہ چراغ | ۴۵۴ | ۳۹۷ | مولانا عبید اللہ سندھی کی صدارت پر گشت | ۴۹۷ |
| ۳۶۹ | یورپی کونسل میں تحریک مدح صحابہ | ۴۵۵ | ۳۹۸ | | ۴۹۸ |

| نمبر شمار | مضامین | صفحہ | نمبر شمار | مضامین | صفحہ |
|-----------|-------------------------------------|------|-----------|-----------------------------------|------|
| ۴۰۵ | انتخابات شروع ہو گئے | ۴۹۱ | ۴۲۲ | کانگریس کی قراردادوں | ۴۹۹ |
| ۴۰۶ | برطانیہ کی جنگی تیاریاں | ۴۹۲ | ۴۲۳ | علامہ اقبال کا خط مشر خاج کے نام | ۵۰۱ |
| ۴۰۷ | راجہ ضامن علی کا بیان | ۴۹۳ | ۴۲۴ | یونی میں نیڈر شپ کا جھگڑا | ۵۰۲ |
| ۴۰۸ | پٹلر کا اعلان | ۴۹۳ | ۴۲۵ | وزارت میں ختم ہو گئیں | ۵۰۵ |
| ۴۰۹ | انتخاب کے نتائج | ۴۹۴ | ۴۲۶ | کانگریس کے رویے پر صدر مجلس احرار | ۵۰۵ |
| ۴۱۰ | مجلس احرار | ۴۹۵ | | کا اظہار افسوس | |
| ۴۱۱ | یونیٹس پارٹی | ۴۹۵ | ۴۲۷ | کانگریسی ارکان کے لیے حلف نامہ | ۵۰۶ |
| ۴۱۲ | پنجاب میں ناکامی پر مشر خاج کا بیان | ۴۹۶ | ۴۲۸ | مشر محمد علی خاج کا اعلان | ۵۰۶ |
| ۴۱۳ | سیکرٹری انجمن اسلامیہ | ۴۹۷ | ۴۲۹ | ایک نظم کی مضبوطی | ۵۰۷ |
| ۴۱۴ | سیاسی قیدیوں کی رہائی | ۴۹۷ | ۴۳۰ | پنڈت خرو کا اعتراف شکست | ۵۰۷ |
| ۴۱۵ | حکومت پنجاب کا اعلان | ۴۹۷ | ۴۳۱ | یکم اپریل کو برٹش | ۵۰۸ |
| ۴۱۶ | وزیر اعظم پنجاب کا اعلان | ۴۹۸ | ۴۳۲ | مدح صحابہ کرام | ۵۰۸ |
| ۴۱۷ | مذہب نامہ پر تاپ کی ایک خبر | ۴۹۸ | ۴۳۳ | مسلم ماس کنٹیکٹ | ۵۰۹ |
| ۴۱۸ | مشر خاج کا ایک اور بیان | ۴۹۸ | ۴۳۴ | ایکٹ ۱۹۳۵ کا نفاذ | ۵۰۹ |
| ۴۱۹ | مرکزی مجلس احرار کا اجلاس | ۴۹۸ | ۴۳۵ | براعلیہ کردیاگی | ۵۱۰ |
| ۴۲۰ | سرحد میں وزارت | ۴۹۹ | ۴۳۶ | وزیر اعظم بنگال کا اعلان | ۵۱۰ |
| ۴۲۱ | سیاحت بابو کی رہائی | ۴۹۹ | ۴۳۷ | جدید دستور | ۵۱۱ |



جلد دوم کے ترتیب دینے اور اخبارات کے فائل دیکھنے میں جن اداروں نے تعاون کیا ان میں ریسرچ سوسائٹی آف پاکستان اور عجائب گھر لائبریری کے منتظمین کا شکر یہ کہ مستحق ہیں۔ نیز ڈاکٹر محمد جہانگیر ڈائریکٹر ریسرچ سوسائٹی آف پاکستان اور ان کے عملہ کا بھی ممنون ہوں کہ ان کے مفید مشورے اکثر مہمیں رہنمائی کرتے رہے۔ ان کے علاوہ حسب ذیل کتب تاریخ رواں میں میرے لیے کارآمد ثابت ہوئیں۔

مصنف چودھری خلیق الزمان

۱۔ شاہراہ پاکستان

سر محمد یامین خاں

۲۔ نامہ اعمال حصہ اول

مولانا مظہر علی ظہر

۳۔ ایک خوفناک سازش

مولانا مظہر علی ظہر

۴۔ تاریخ مدح صحابہ

مولانا عزیز الرحمن جاحی

۵۔ رئیس الاحرار

محمد شفیع چودھری

۶۔ تحریک پاکستان۔ دستور اسلامی جمہوریہ

عاشق حسین بٹالوی

۷۔ ڈاکٹر اقبال کے آخری دو سال

سید نور احمد

۸۔ مارشل لاء سے مارشل لاء تک

اور دیگر

کچھ حکایتیں کچھ شکائتیں

الحمد للہ کہ کاروانِ احرار کی جلد دوم مکمل ہو کر قارئین تک پہنچ چکی زمانہ جس تیزی سے اپنی منزل کی جانب رواں دواں ہے۔ ماضی کے واقعات اسی قدر وقت کی گرد و غبار میں لپیٹے جا رہے ہیں۔ کھنڈرات کی دیواروں نے انہیں اور گہرے گڑھے میں دبا دیا ہے نہ تو حالات مہلت دے رہے ہیں اور نہ قلم اس بوجھ کا شمل ہے۔ اس پر بھی گمشدہ اوراق کی تلاش میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔

غیر ملکی حکمرانوں نے جن ہاتھوں میں قلم دیا ان کی حرکت پر نظر رہی اور اس کے نتیجے میں حقیقت افسانے میں ڈھل کر رہ گئی۔ ہزاروں میل جست کے باوجود تنگ میل دکھائی نہیں دیتا کہ منزل کی راہ سمجھائی دے۔ آخر اس راہ کا مسافر جی مار کر بیٹھ جاتا ہے۔ لیکن ایک میں ہوں کہ بے سرو سامانی کے باوجود آرزوؤں کی گیل یہ کھنڈرات کی ایک ایک اینٹ الٹ پٹ کر تاریخ کٹھنڈر ہوں۔ کہیں ناکرہ گناہ انسانوں کا خون بکھرا ہوا ہے کہیں لاشوں کے ڈھیر ہیں۔ کہیں تمنائیں تڑپ رہی ہیں اور کہیں حسرتیں ماتم کناں۔ ان سب کو جوڑ کر تاریخ ماضی کا ایک ہیوئی تعمیر کر رہا ہوں، خدا اگر کامیاب کر دے۔

میں نہیں کہہ سکتا کہ کتاب بڑا کا نقشِ اول آپ کی اوزانِ خواہشات پر پورا اتر رہا ہے یا نہیں۔ ہاں یہ درست ہے کہ آئندہ مؤرخ کو اپنا اثاثہ حیات جمع کرنے پر وقت نہیں ہوگی۔ ۱۹۷۵ء کے اکتوبر میں پہلی جلد مارکیٹ میں آئی تو عوام کے ساتھ ملکی صحافت نے بھی اس کا غیر مقدم کیا اور اسے تاریخ کا اہم جزو قرار دے کر اس کی مزید ضرورت کا احساس دلایا چاہیے تو یہ تھا کہ وہ ادارے جو عوام تک ایسا طریقہ پہنچانے کے مدعی ہیں اور اس ضرورت کے لیے حکومت سے لاکھوں روپے وصول کرتے ہیں، کاروانِ احرار (جلد اول) کی پذیرائی کرتے۔ مگر انہوں نے اس سے بے اعتنائی کا پورا مظاہرہ کیا۔ محض اس لیے کہ اس صام میں

وہ بری طرح ننگے تھے۔ اس آئینے میں ان کے خدوخال واضح تھے۔ انہیں یہ ڈر رہا کہ آئینہ
نسلیں ان کی راکھ تک جلا دیں گے۔ اس خوف و ہراس کی وجہ سے انہوں نے کاروانِ احرار
کو اپنی دہلیز سے باہر رکھا۔ لیکن تاکے؟

عام طور پر پاکستان نیشنل سنٹر اور نیشنل بک سنٹر لاہور نئی کتب کی افتتاحی تقریب
کے لیے مقرر ہیں۔ ان اداروں کے منتظمین سے جب کاروانِ احرار (جلد اول) کی افتتاحی تقریب
کے لیے کہا گیا تو انہوں نے کتاب کا مطالعہ کیے بغیر تقریب کی اجازت دینے سے انکار
کر دیا۔ حالانکہ تاریخ کسی کی طرفدار نہیں ہوتی لیکن محض لفظِ احرار پر ان کا خون خشک ہو گیا اور
ان عوامی اداروں نے یہ کہہ کر تقریب کی اجازت دینے سے انکار کر دیا کہ یہ سرکاری ادارے
ہیں۔ ان میں سیاسی کتب کی تقریب کی گنجائش نہیں۔

خیر..... ناخدا جن کا نہ ہوا ان کا خدا ہوتا ہے۔

میں عوام اور ملک کے جوائنڈ کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے کاروانِ احرار جلد اول
کا بڑی گرمجوشی سے استقبال کیا۔

امید ہے کہ کتاب ہذا جلد دوم بھی اپنے معیار پر پوری اترے گی۔

آپ کا جانباز مرزا

۴ جون ۱۹۷۷ء

کتاب سے پہلے صاحب کتاب کا سمجھنا ضروری ہے۔

۔ ۵

کہانی میری روئدادِ جہاں معلوم ہوتی ہے
جو سنتا ہے اسی کی داستان معلوم ہوتی ہے

(۲)

ہاں تو میں عرض کر رہا تھا کہ ہم ڈیرہ اسماعیل سے لاہور پہنچے۔

کاروانِ زندگی ۱۹۳۹ء تک انہیں راہوں سے گذر رہا تھا کہ میری ازدواجی زندگی کے منصوبے از سر نو باندھے جانے لگے۔ انسانی فطرت کا تقاضہ بھی تھا کہ شادی کر لی جائے۔ بچپنا، جوانی کی سرحدوں پر چھوڑ کر رخصت ہو چکا تھا۔ گو مجھے اس دور کی آمد کا احساس نہیں تھا تاہم بہار کے دنوں نافہ فطرت سے خوشبو اپنا رنگ دکھائے بغیر نہیں رہتی۔ یہ خیال بھی تھا کہ جس خارزارِ وادی سے میں گذر رہا ہوں، نو آموز رفیق سفر اس کا متحمل ہوگا؟۔ نیز زندگی جس کھیل تماشے میں مصروف ہے۔ اس میں ذاتی کردار کی سختی خشتِ اول سے ازدواجی بندھنوں کے بغیر اس میں پائیداری کا آنا مشکل ہے۔ جبکہ ہر موڑ پر ہزاروں نکتے رستہ رو کے کھڑے ہوں۔ ایسے میں دل و نظر کا سفیدہ سنبھالنا دشوار ہے اور سائل تک پہنچنے کے لیے ہزاروں طوفانوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ پھر مسلمان قوم کی رہنمائی جس کی انگلیاں خواہ مخواہ اٹھنے کی عادی ہوں۔ اس دنیاوی رسم و رواج سے گذرے بغیر گزارہ نہیں۔

اس پر میں نے مہینوں غور کیا۔ آخر ضلع ہوشیار پور کے ایک غیر مسلم نے اپنی لڑکی کا رشتہ دنیا منظور کر لیا۔ یہ لڑکی اس کی مسلمان بیوی کے بطن سے تھی جس نے اپنا مذہب تبدیل کر کے غیر مسلم سے شادی کر لی تھی۔ لیکن مذکورہ لڑکی ہنوز اپنے ایمان پر قائم تھی۔ اس کے سوتیلے باپ کی خواہش پر یہ رشتہ منظور کر لیا گیا۔ ابتدائی رسم قریباً ختم ہو چکی تھی کہ اس کی اطلاع برادرِ اکبر سمیت برادری تک پہنچ گئی۔ وہ سب بگڑ گئے۔ آخر یہ رشتہ پروان پڑھے بغیر ٹوٹ گیا۔

اس موقعہ پر میں اعتراف کرتا ہوں کہ میرے ایسا آزاد منش جو برطانوی سلطنت کی غلامی سے وطن کو آزاد کرانے کا حزم کیے ہوئے ہے۔ وہ برادری کے بندھنوں کو توڑ سکا۔

رسم درواج: قوموں کے عروج و زوال کی داستان تاریخ کے اوراق پر بکھری پڑی ہے۔ اگر دیکھا جائے تو غارت گری کے اسباب میں قوموں کے مصنوعی رسم و رواج بھی ایک حیثیت رکھتے ہیں۔ امرتسر کے مسلمان رؤسا کی کہانی اس باب کی عظیم المیہ کہانی ہے۔ یہ لوگ کبھی سارے شہر کے مالک تھے لیکن دنیاوی رسم و رواج میں ایسے الجھے کہ آخر کو انہیں شہری آبادی سے دور اپنے ٹھکانے تلاش کرنے پڑے۔ ان کی جائیدادوں کی وارث ہمسایہ قوم بن گئی اور یہ یوسف بے کارواں ہو کر اپنی کھوئی ہوئی عظمت پھر کبھی حاصل نہ کر سکے۔

پیدائش سے موت تک انسانی زندگی میں جس قدر غمی اور خوشی کے موڑ آئے اترس کی کشمیری برادری خصوصاً ان مواقع پر آپے سے باہر ہو کر خوج کرتی۔ اس کے لیے مکان بندو کے ہاں رہن رکھنے پڑتے۔ جو سودر سود کی رقم سے آخر انہیں کے ہو جائے لیکن سبائی چارے میں ناک اونچی رہتی۔

میرے ایسا آدمی جس نے ہمیشہ ان برائیوں سے منع کیا تھا اور راستے کی روک

بنارہا۔ اپنے لیے عمل کا وقت آیا تو ساری حقیقت کرکری ہو گئی۔ میرا فعل میرے قول

کے خلاف نکلا

فروری ۱۹۳۹ء کو میری شادی اوسط درجے کے ایک راجپوت گھرانے میں ہونا قرار پائی۔ سسرال والوں کی خواہش تھی کہ رات کے ساتھ باجا اور دو لہا گسٹریسے پر سوار ہو۔ میرا موقف اس کے برعکس تھا۔ گھر میں برادر اکبر میرے ہم آہنگ تھے۔ مگر مجھ و سسرال والوں کی ہم نوائی تھیں۔ یہ جھگڑا چار دن گھر میں وجہ نزاع بنارہا۔ آخر سسرال والوں کی بات رہ گئی۔ مجھے اپنے ارادوں میں شکست ہو گئی۔ جاہتی دوست رات میں شرکت کے لیے آئے مگر اس فیصلہ کی وجہ سے ناراض ہو کر چلے گئے۔ اس کے باعث رات کی رونق ضائع ہو گئی۔ نتیجہ میں میں نے پھر کبھی حوام کو ان کے رسم و رواج پر ٹوکنے کی گفتگو نہیں کی۔

گھر کا احوال سکون بخش ہو تو اس جیسی جنت کوئی نہیں۔ مگر اس کا انحصار بیوی کی محبت پر ہے۔ اگر اس میں خاوند کی اطاعت کے ساتھ صبر و تحمل کا وہ ہے تو سمجھو زندگی نفع بخش رہی۔ ورنہ مختلف طبیعتوں کا ملاپ جہنم سے کم نہیں ہوتا۔ میری نئی رفیقہ حیات سیرت کے لحاظ سے فرشتہ صفت ثابت ہوئی۔ میرے ایسے آوارہ مزاج آدمی کے لیے ایسی بیوی کا ملنا میرے خالق کا مجھ پر انجام تھا۔ اس کے آتے ہی کتاب زندگی کا نیا باب شروع ہوا۔ خانگی نشیب و فراز گھر و مدرسیاں اور عزیز واقارب کی قرابت داری حاصل ہوئی۔

یہ تمام میری پیشتر کی زندگی میں اجنبی چیزیں تھیں۔ میری طبیعت نے یہاں سے نئی کرٹ لی۔ مجھے ایسا محسوس ہونے لگا، جیسے میں یکاکی کسی نئی راہ پر آ نکلا ہوں۔ نئے سفر نے نئی نئی راہیں سمجھائیں۔ اضطرابی زندگی میں ٹھہراؤ پیدا ہوا۔ شب و روز میں تغیر آیا۔ گھر سے باہر کے کام مختصر کرنے کی عادت پڑ گئی۔ البتہ نئے سفر میں زاد راہ کی کمی بری طرح کھٹکنے لگی۔ تہی دہائی نے نئی شادی کے رکھ رکھاؤ اور اس خوشی کی عمر بہت مختصر کر دی۔

بھائی سے علیحدگی۔ دہن کا لباس ہنوز اجلا تھا کہ اس کا چہرہ میلا ہونے لگا۔ مانگ کا سینہ درد پھلا پڑ گیا۔ جوانی کی ابھرتی ہوئی تمناؤں پر اس پڑنے لگی۔ آرزوؤں کی ابتدائی عمارت کے آثار گرنے لگے۔ یہ سارا کچھ بھائی اور بھادوہ کی بے رخی کے سبب تھا۔

عورت ہو ہو کہ ساس، نند ہو کہ بھادوہ۔ ایک جنس ہونے پر بھی ایک جگہ امن سے نہیں رہ سکتی۔ بلاشبہ عورت فطرت کے نگار خاں کے ایک حسین شاہکار ہے۔ اس میں ماں ابلیس بہن اور بیوی کے مختلف روپ شامل ہیں۔ مگر جب یہ تصویر اپنا رخ بدلتی ہے تو اس کے تمام روپ ماند پڑ جاتے ہیں۔ اس وقت یہ صرف عورت رہ جاتی ہے اور بس۔ اور اس روپ میں جب وہ انتقام پر اترتی ہے تو امان الحفیظ۔

نہ جانے بھادوہ نے اندر خانے بھائی کو کیا سکھایا پڑھایا کہ وہ بھی مجھے پرانی نگاہوں سے دیکھنے لگے۔ حالانکہ مجھے شادی سے زیادہ اگر کوئی مسرت تھی تو یہ کہ دونوں بھائی مدت کے بعد ایک جگہ بیٹھ کر دکھ مکھ کے سانجھی ہوں گے۔ دونوں ماں جائے خون کی سانجھ سے بیگانگی کے سارے راستے مسدود کر دیتے۔ مگر اس خوشی میں ایسا زہر گھول دیا گیا کہ اس کا ہر گھونٹ حلق

سے اترتے ہی جسم میں آگ لگتا چلا گیا۔

بھائی کا رشتہ ایک ایسا رشتہ ہے، جس میں ماں کے دودھ اور باپ کے خون کی ملاوٹ ہوتی ہے۔ ان دونوں چیزوں نے اس رشتے میں ایسی گرہ دے رکھی ہے کہ اگر اس میں ذرا سی دراڑ آجائے تو ایسا لگتا ہے جیسے ایک بازو میں زخم آگیا ہو۔ اور کہیں اگر نصیب بھیناں بھائی بھائی کے باہم لکیر آجائے تو جیسے دونوں بازو جسم سے ٹوٹ کر گر گئے ہوں۔ بھائی، بھائی کی پشت پناہ ہوتا ہے ان کی حمایت کی ہے وہ دیوار گر جاتی ہے، جو ایک دوسرے کو سہارا دیے ہوئے ہوتی ہے۔ دشمن یہیں سے حملہ آور ہوتا ہے اور اپنے ارادوں کی تکمیل میں دور تک چلا جاتا ہے۔

مگر آہ! میری سوچ کے یہ سائے بہت جلد ڈھل گئے۔

آ کے بیٹھے بھی نہ تھے اور کالے بھی گئے

میری بہار کی عمر مختصر نکلی۔ نزاں نے تمام پھول پتیاں بکھیر دیں اور بادِ سموم نے ایسا جھاڑ پھیرا کہ چمن میں ویرانی کے سوا باقی کچھ نہ رہا۔

کوئی ویرانی سی ویرانی ہے

دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا

تنگ دستی ہو تو جھگڑے کے ہزار مہانے مل جاتے ہیں۔ پریشان حالی کے باعث پہلے تو عورتوں میں باہم تکرار ہوئی۔ آخر گھر میں مستقل فساد رہنے لگا۔ مجاہدہ کی طبیعت شروع سے تیز تھی۔ نئی دامن بھی ان عورت مٹھری۔ سمجھانے کے باوجود کسی بات کا جواب دینا ہی پڑ جاتا۔ اسی بات کا تعلق بنتا۔ آخر نوبت یاس جا رسید کریم دونوں بھائی ہمیشہ کے لیے ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ اگرچہ اس سانحہ پر سے برس برس گزر چکے ہیں۔ لیکن زخم کی سسک بنو رہی ہے۔ آٹھویں گرفتاری۔ ایک مخلص مسلمان قومی کارکن کی زندگی کس طرح آگے بڑھتی ہے۔ وہ کیونکر گزر بسر کرتا ہے۔ یہ سوال واقعی جواب طلب ہے۔ مگر جواب کون دے؟ زندہ قوموں کے ورکر جب میدانِ کارزار سے گزرتے ہیں تو ان پر دل نہچا اور بوتے ہیں۔ ان کی بلائیں لی جاتی ہیں۔ ان کے قدم جب تاج شاہی کو روندھتے ہوئے بڑھتے ہیں تو وقارِ سلطنت خاک ہو کر ان کے پاؤں سے چمٹ جاتا ہے۔ لیکن مردہ قومیں اور بے ضمیر افراد ایسی دولت کی توقیر نہیں

سمجھتے۔ ان کی نا سمجھی سے یہ گنجائے گراں مایہ مٹی کے تول تل جاتا ہے۔ اور اگر کوئی اس سودے سے رہ جائے تو اس کی ساری زندگی اپنے آنسوؤں میں بیگھ کے رہ جاتی ہے۔ بھائی کے روٹھ جانے سے شب و روز اتر ہوتے چلے گئے۔ جس آشیانے کی بنیاد شکوں پر رکھی تھی اس کا سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ حادثات روزگار کے باعث ہر گھڑی دل کی دھڑکن تیز ہوتی جا رہی تھی۔ پیٹ کا مسئلہ تو تھا ہی گھر بلیو ضروریات کی خرید بھی دردِ سر میں گئی۔ جیسے کیسے ہو سکا حالات سے لڑھکڑ کر تعمیر آشیانہ کے لیے بہر طور مزید تنگے فراہم کیے۔ ایسے میں شب عروسی کے خوبصورت لمحات بے مزہ ہو کر رہ گئے۔

مجلس اوار غریبوں کی جماعت تھی۔ یہاں خلوص، قربانی کے سوا کوئی شے نہیں تھی۔ ویسے بھی میرے مسلک کے خلاف تھا کہ میں کسی کے سامنے دست سوال بڑھاؤں۔ اگر کہیں کبھی ایسا ارادہ کیا بھی تو حیار مانع رہی۔

دہن جو کھاتے پیتے گھرانے سے آئی تھی، میرے گھر سے اسے ایک وقت کی روٹی بھی دشوار ہو گئی۔ ان دنوں امرتسر میں چودھری افضل حق کانگریس کے مقابل انتخاب لڑ رہے تھے۔ یہ ضمنی الیکشن تھا۔ ڈاکٹر کچلو کے خلاف یونینسٹ پارٹی کے شیخ محمد صادق نے عذر داری جیت لی تھی۔ اب کی دفعہ جماعت نے اس سٹیٹ پر شیخ حسام الدین کی بجائے چودھری صاحب کو اپنا نمائندہ نامزد کیا۔ دوسری طرف ڈاکٹر سیف الدین کچلو کو پنجاب کانگریس نے ٹکٹ دے دیا۔ یونینسٹ پارٹی کے امیدوار سے مقابلہ تھا۔ (ایک ہنی سیاسی عقیدے کے دو مسلمان باہم کیوں ٹکرائے اس کی تفصیل آئندہ اوراق میں دیکھیے) یہ دن امرتسر میں ہی نہیں پنجاب بھر کیئے کشمکش کے دن تھے۔ جماعتی مصروفیت کی وجہ سے ہر صبح دفترِ ہزار میں چلا جاتا اور رات گئے واپس آتا۔ بیوی میرے انتظار میں بیٹھی رہتی۔ میرے آنے پر دیکھی سوکھی کھا کر ہم میاں بیوی سو رہتے۔ دن یوں ہی بیتتے رہے۔

۲۶۔ نومبر ۱۹۳۹ء الیکشن کا آخری دن تھا کہ مجھے امرتسر کو توالی کے سامنے گرفتار کر لیا گیا۔

رفیقہ حیات کو عمر میں پہلی بار اس صدمہ سے دوچار ہونا پڑا۔ اس پر متم یہ کہ وہ عنقریب بچہ کی بننے والی تھی۔ یہ خوف مجھے ہر گھڑی ستانے لگا کہ کہیں اس صدمے سے بچے یا اس کی اپنی جان کو نقصان نہ پہنچے۔ اس خیال میں ایک رات اور دو دن گزرے تھے کہ بیوی اپنی والدہ کے ساتھ

ٹرسٹرکٹ جیل میں ملاقات کے لیے آئی۔ اس کا چہرہ میری گرفتاری کے تاثر سے خالی نہیں تھا۔ اڑی اڑی سی رنگت پریشان حالی کی غماز تھی۔ بظاہر اسے دیکھ کر مجھے خوشی ہوئی۔ مگر اندر سے دل بیٹھا جا رہا تھا۔ بہت دیر تک ہم دونوں میں گفتگو رہی۔ اس دوران نہ تو اس نے اپنے فاقوں کا شکوہ کیا اور نہ مجھے بہت ہوئی کہ اس سے پوچھوں کہ تم نے یہ دن کیسے گزارے۔ گو اس کی نظریں بار بار سوال کرتی رہیں مگر میرا دل اس کے سوال کے جواب پر شرمندہ تھا۔ ہنرمیری خوشدامن سے نہ رہا گیا اور یہ بات اس کے منہ سے نکل ہی گئی کہ گھر میں اللہ کے سوا کوئی شے نہیں۔ اس کے ساتھ ہی اس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ اس پر رفیقہ حیات والدہ پر ناراض ہوئیں، کہ آپ نے ایسا کیوں کہہ دیا۔ میرے پاس خدا کا اور ان کا دیا بہت کچھ ہے۔ مجھے تسلی دیتے ہوئے کہا کہ آپ پریشان نہ ہوں۔

خدا والی بات تو درست تھی اور جہاں تک میرے دینے کا سوال تھا، اس حقیقت کا خود مجھے علم تھا۔ ان کے چلے جانے کے بعد میں نے اپنے خالق سے گڑ گڑا کر دعا مانگی۔ اے جہانوں کے پالنہارا میں نے اپنے کو صرف تیری خوشنودی کے لیے مشکلات میں ڈال دیا ہے۔ میرے پائے ثبات میں لغزش نہ آنے پائے۔ میری حفاظت کرنا۔ دوسرے دن خواجہ عبدالرحیم عاجز ملاقات کے لیے آئے تو ان سے عرض کیا کہ خدا کے بعد میں گھر کی نگہداشت آپ کے سپرد کرتا ہوں۔

انہوں نے ایک روز جیل میں آکر کہا۔ کل میں نے امرتسر چھوڑ منڈی میں تیرے گھر کے لیے ایک دوست سے تعاون کی درخواست کی۔ اس نے کہا، جاننا زکے پاس تو کافی دولت ہے۔ اس کا حساب تو بینک میں ہے۔ میں نے جب اپنے متعلق یہ سنا تو عاجز صاحب سے کہا کہ اب کسی کے پاس مت جائیے، تاکہ یہ بھرم بھاؤ نہ رہے۔

ایک ہفتہ کے بعد مقدمہ عدالت میں پیش ہوا۔ میری فرد جرم میں ایک جلوس کی رہنمائی کا الزام تھا۔ جس میں فوجی بھرتی کے خلاف نعرے لگائے گئے تھے۔ حالانکہ یہ واقعہ ہے کہ انتخاب کے دنوں نہ تو کوئی جلوس نکلا اور نہ میں نے کسی جلوس کی رہنمائی کی۔ حکومت کا یہ افسانہ چارہ تک بحث کا موضوع رہا۔ آخر مارچ ۱۹۴۰ء کے تیسرے ہفتے سرکاری وکیل کے کہنے پر عدالت نے مقدمہ واپس لے لیا۔

ملی جبرہ کی پیدائش۔ سو اس کے کہ بیوی بی بی حسرت میں فریق آیا ہو۔ جیل سے واپسی پر گھر کے

ماحول میں کوئی تبدیلی نظر نہ آئی۔ تبدیلی آتی بھی کیا۔ گھر میں رکھا ہی کیا تھا جو تبدیل ہو جاتا۔ البتہ بیوی کی صحت بڑھاد ہو گئی اور یہ اثرات تازہ لیت رہے۔

رہائی کے کچھ دنوں بعد گو جرحہ ضلع لائپزور جاحتی حکم کے تحت مقامی میونسپل انتخابات کے لیے جانا پڑا۔ تیسرے دن گھر سے اطلاع آئی کہ میرے ہاں لڑکی پیدا ہوئی ہے۔ یہ مارچ کا آخری دن تھا۔ یہ خبر سن کر مجھ پر اس سی ٹرگنی اور آنکھوں نے سادون بھادوں کا سماں باندھ دیا۔ میں دل برداشتہ ہو گیا۔ میرے آنسو لڑکی کی پیدائش پر نہیں، بلکہ لڑکی کی جو ذمہ داری مجھ پر آن پڑی تھی اس سے میرا دل کانپ اٹھا۔ میں خدا کے خوف سے رویا تھا۔ سفر سے واپسی پر بچی کو گود میں لیا اور خدا سے دعا مانگی کہ

”اے میرے پالنہ مارا اس بچی کی صحت، آبرو سب تیرے سپرد ہیں۔“

اور اس کا نام طاہرہ رکھا۔

ایام مغروری۔ دوسری جنگ عظیم کے بڑھتے ہوئے شعلے یورپ سمیت ایشیا اور مشرق وسطیٰ کو اپنی لپیٹ میں لے رہے تھے۔ جرمن کے بمبار طیارے لندن پر آگ برسا رہے تھے۔ برطانوی حکومت اتحادی طاقتوں کی معیت میں اس طوائی میں شامل تھی۔ اپنی غلام رکھایا کو بھی اس نے اس آگ میں جھونکنا چاہا۔ ان کے انکار پر تمام ایسے ہندوستانی عناصر کو ۱۹۳۹ء کے آخری دنوں جیل خانوں میں بند کر دیا گیا۔

مجلس احوار نے اپنی قرارداد میں برطانیہ سے ترک تعاون کا اعلان کیا۔ جس پر اس کے تمام رہنما اور کارکن جیلوں میں ڈال دیے گئے۔ مجلس احوار کے نزدیک ہندوستان کی نجات کے لیے اس سے بہتر کوئی موقعہ نہیں تھا۔ نازی ازم کے سیلاب نے یورپ میں انگریزی قہار کا استقبال محذوف کر دیا تھا۔ ان حالات میں حبیب صیاد کا دامن اس کے اپنے گل بوٹوں کے خارداروں سے الجھا ہوا ہوا گلچیں کا قفس کی تیلیاں توڑ کر نگہب بادبہاری کی راہ لینا کوئی دشوار نہیں تھا۔ میرے تمام ہمسفر وقت کا تقاضا پورا کرتے ہوئے مجھ سے کوسوں دور جا چکے تھے۔ امیران افرنک کی صدائیں بار بار مجھے میری ذمہ داریوں کا احساس دلا رہی تھیں۔

دوڑوا زانہ چال قیامت کی چل گیا۔

خود تاریخ مجھے پکارتی کہ لوہا گرم ہے۔ اٹھو تم بھی ایک ضرب لگاؤ۔ شاید تمہاری قربانی سے اس اندھیرے میں نکھارا جائے۔ لیکن خانگی حالات نے میرے پاؤں بری طرح جکڑے ہوئے تھے۔ میں کسی کروٹ سنبھلنے کے قابل نہیں تھا۔ میں جن راہوں پر سفر کر چکا تھا۔ اس کی تھکان ہنوز باقی تھی۔ پاؤں کے تلوے لوہان ہو رہے تھے۔ اس پر بھی دل مضطر کی صدا تھی کہ جانبازا وطن عزیز اس جنگ کے بعد آزاد ہو جائے گا۔ تیرے ہمراہی فاتحانہ نغمے الاپتے جب گھروں کو لوٹیں گے، تو تیرا ماضی تجھے شرمندہ کرے گا۔

ان دنوں مولانا عبدالکریم مبارک نے امرتسر سے ایک اہمہ جاری کر رکھا تھا۔ یہ شعبہ تبلیغ مجلس احرار کا آرگن تھا۔ میں نے تین سو روپے ماہوار پر اس ادارہ میں ملازمت اختیار کر لی۔ جنگ کے دنوں ہر چیز گراں تھی۔ یہ قلیل تنخواہ میرے لیے ناکافی تھی تاہم بادل خواستہ سے قبول کر لیا۔ پنجاب کے مختلف شہروں میں دن بھر رسالہ مذکور کے لیے خرید و فراہم کرتا اور رات کو جنگ کے خلاف لوگوں کو بغاوت پر ابھارتا۔ مگر یہ سلسلہ زیادہ دیر قائم نہ رہ سکا۔ کیونکہ جنگ کے دنوں فوجی بھرتی کے خلاف عوام کو اکسانا سلطنتِ وقت کا مجرم ہونا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خوشاب (ضلع سرگودھا) اور نکودر (ضلع جالندھر) سے گرفتاری کے وارنٹ جاری ہو گئے۔ اس پر پنجاب پولیس نے میری تلاش شروع کر دی۔ مجھے اس کی اطلاع جالندھر اور امرتسر کے درمیان سفر کرتے ہوئے ملی۔ چنانچہ احباب کے مشورہ پر پنجاب کو چھوڑنا پڑا اور میں یوپی چلا گیا۔ جامعہ پالیسی کے مطابق سہارنپور سے دہلی، آگرہ، بنارس، بریلی، علی گڑھ، مراد آباد اس طرح سارے صوبے میں قریباً پچاس اجلاسوں میں شمولیت کی اور عوام سے نظم و نشر میں خطاب کیا۔

ایک دلچسپ واقعہ۔ یوپی میں دورہ کے دوران ایک دلچسپ واقعہ پیش آیا۔

حضرت غالب سے کسی نے پوچھا، آپ کا آموں کے متعلق کیا خیال ہے جواب میں کہنے لگے۔ بہت زیادہ ہوں اور بہت میٹھے ہوں۔ اپنا بھی یہی ایمان ہے۔ ویسے بھی ام جنت کے میوہ جات میں شامل ہے۔ جب یہ موسم آتا ہے تو کوئل کی میٹھی آواز اس میں مزید رس بھرتی ہے۔ سادوں کے برستے بادل جوان تماؤں میں عجیب کیفیت پیدا کرتے ہیں۔

مغرب سے اٹھتی ہوئی گھٹائیں زلزلہ یا رکی طرح بل کھاتی ہوئی باغوں میں پڑے ہوئے جھولنوں کو ہوا دیتی ہیں تو برسات کا یہ موسم دو آتشہ ہو جاتا ہے۔

یوپی کی مسلسل دھوڑ دھوپ سے تھک ہار کر کچھ دیر ستانے کو جی چاہا تو میں دیوبند چلا آیا۔ علمی مرکز بھی ہے اور آموں کی فصل بھی یہاں وافر ہوتی ہے۔ میلج آباد کے بعد ضلع سہارنپور اس فصل کا مرکز ہے۔ شہر کی جامع مسجد میں نماز جمعہ کی تیاری ہو رہی تھی کہ میں مسجد میں پہنچا۔ وضو سے فارغ ہو کر نیت رہا تھا کہ ایک آواز نے چونکا دیا۔
”حضرات! آپ کو سن کر خوشی ہوگی کہ ہندوستان کے انقلابی شاعر جاناں مرزا مسجد میں موجود ہیں۔ وہ نماز کے بعد اپنا کلام سنائیں گے۔“

یہ تھے مولانا ضیاء الدین (مولانا مفتی نعیم لدھیانوی کے فرزند اکبر) میران سے زندگی میں پہلی بار آنا سامنا ہو رہا تھا۔ انہوں نے مجھے دیکھ کر اعلان کر دیا۔ اڑتے اڑتے یہ خبر شہر اور پھر مدرسہ میں جا پہنچی۔ نا آشناؤں سے بھی تعارف ہوا۔ مدرسہ ہذا کے اساتذہ کی خدمت میں حاضری دی۔ مدرسہ کی عمارت اور دوسری تاریخی یادگاریں بھی دیکھیں۔ طلباء سے ملاقات ہوئی۔ ہر روز دعوتوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ آموں کی محفلیں بھی لگیں۔ اسی طرح دو ہفتے گزر گئے۔ اب چلنے کا ارادہ تھا کہ طلباء نے دارالحدیث میں آخری مرتبہ مجھ سے میرا کلام سننے کی خواہش کی اس لیے خاصہ انتہام کیا گیا۔ نماز عشاء کے بعد نشست تھی۔

یوپی میں عام طور پر مشاعرہ بیٹھ کر پڑھنے کا رواج ہے۔ اس رسم کے مطابق میں نے بھی مصرعہ اٹھایا یہی تھا کہ دارالحدیث کی تمام بقیاں گل کر دی گئیں۔ اس قدر شور ہوا کہ کوئی بات سمجھ میں نہ آئی۔ ایک کونے سے ہم نہیں آئیں گے، دوسری طرف سے ہم ضرور سنیں گے۔ ان آوازوں کے باہم تضادم کے پس منظر میں مدرسہ کی دیرینہ سیاسی کشمکش کا رفرما تھی جس سے میں ناواقف تھا۔ بنگالی اور یوپی کے طلباء کا ایک گروہ تھا۔ پنجابی اور پٹھان دوسری طرف تھے۔ آخر ہاتھ پائی کی نوبت آنے سے پیشتر یہ محفل میرے اعلان پر برخاست ہو گئی کہ میں اپنا کلام نہیں سناؤں گا۔

رات پریشانی میں کٹی۔ دیوبند میں میرے قیام کے دوران میرے لیے اپنی نوعیت کا

یہ پہلا واقعہ تھا۔

میرے سیاسی انکار ڈھکی چھپی بات نہیں تھے جس پر طلباء مشتعل ہوتے اور پھر حبیب کو گذشتہ نپدھواڑہ میں اس قسم کی کئی محفلوں میں شریک ہو چکا تھا۔ پھر کئی طلباء کی طبیعتوں میں انقلاب کیسا، صبح کی نماز کے بعد ماضی کا دسترخوان آراستہ ہو رہا تھا کہ حضرت مولانا اعجاز علی تشریف لائے اور مجھے بے لخت گالیاں دینے لگے۔

مولانا اعجاز علی مدرسہ ہذا کے اساتذہ میں جلالی طبیعت رکھتے ہیں۔ اس پر احباب کا تقاضہ ہوا کہ میں خاموش رہوں۔ چنانچہ وہ غصہ نکال کر چلے گئے۔ پتہ چلا کہ انہیں رپورٹ دی گئی تھی کہ

”ایک داڑھی مونڈے نے رات حضرت شیخ کی مسند پر بیٹھ کر سگریٹ پیے اور قوالی کی۔“

ظاہر ہے کہ اس پر غصہ آنا چاہیے تھا۔ مگر حقیقت یہ نہیں تھی۔ نہ تو میں سگریٹ کا عادی ہوں اور نہ ہی مجھے علم تھا کہ یہ شیخ کی مسند ہے۔ جہاں بیٹھ کر حضرت شیخ المسند مولانا حسین احمد مدنی طلباء کو حدیث پڑھاتے ہیں۔ اس پرستم یہ کہ مولانا اعجاز علی سے میرا تعارف نہیں کرایا گیا تھا۔

اس حادثہ کے بعد احباب نے رائے دی کہ مجھے مولانا قاری محمد طیب ناظم دارالعلوم دیوبند اور مولانا شبیر احمد عثمانی سے ملاقات کرنی چاہیے، کہیں یہ انساں حقیقت نہ بن جاتے۔ اس تجویز پر میں قاری طیب صاحب کے ہاں حاضر ہوا۔ مجھے دیکھتے ہی قاری صاحب ازراہ شفقت اپنی جگہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ مصافحہ اور حائق کے بعد فرمایا۔

”مجھے رات اور صبح کی ساری رپورٹ مل گئی ہے۔ اچھا بوا کہ تم آگئے۔ ورنہ یہ بات آگے بڑھ جاتی۔“

اتنے میں چائے آگئی۔ حبیب میں چلنے لگا تو کہا: ”جانے سے پہلے حضرت عثمانی صاحب سے ملتے جانا۔ نیز مناسب ہو تو رات حضرت مدنی دورے سے واپس تشریف لارہے ہیں ان سے ملنا نہایت اہم ہوگا۔“

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی سے ملا تو آپ اس وقت مطالعہ میں مصروف تھے۔ میں نے اپنا تعارف کرایا تو جلدی سے مجھے گلے لگالیا اور پیشانی کا بوسہ لیا۔ "رات ایک اطلاع ملی تھی، کہیں وہ تمہارے متعلق تو نہیں؟ مگر تم نے سگریٹوں کا سلسلہ کب سے شروع کیا ہے۔ مراد آباد کی ملاقات میں تو تم نے کہا تھا کہ مجھے یہ عادت نہیں۔"

حضرت یہ سارا کچھ آپ سے غلط کہا گیا۔ میں اب بھی منشیات سے نفرت کرتا ہوں، اچھا تو اب ٹھہرنے کا ارادہ ہے؟ "نہیں! حضرت میں آج جانا چاہتا تھا، میری بات کاٹ کر حضرت عثمانی نے فرمایا: "رات شیخ واپس پہنچ رہے ہیں اگر ان سے مل جاؤ تو بہتر ہے۔" بڑے لوگوں کی باتیں بڑی ہوتی ہیں۔

مجلس احرار بھگوانہ (ریاست کپورت تھلہ) کے کارکن مولوی برکت اللہ (آجکل حیم یار خاں) میں قیام کرتے ہیں، ان دنوں مدرسہ دیوبند کے محاسب تھے۔ ان کے سپرد کیا گیا کہ وہ رات ٹیوشن پر پہنچ جائیں اور جیسے ہی حضرت گاڑی سے اتریں، تمام واقعہ ان کی خدمت میں عرض کر دیا جائے۔ پختانچہ ایسے ہی ہوا۔ میں خدمت میں حاضر ہوا تو اپنے اخلاق عالیہ کا مظاہرہ کرتے ہوئے معافہ کیا اور فرمایا: "تم احرار والے جہاں جاؤ گے فساد ہی کراؤ گے۔"۔۔۔ غیر صبح چائے میرے ساتھ پی لینا۔ مگر یہ چائے لیڈروں کی سی نہیں ہوگی، حضرت میں جیسی پاہوں گا مجھے ملے گی۔"

نماز فجر کے بعد حضرت کے دربار دولت پر حاضری دی تو شہر کے معززین کا اچھا خاصا ہجوم تھا۔ اس میں مقامی کانگریس کے صدر، مدرسہ کے اساتذہ اور قومی کارکن شامل تھے۔ بعض مجلس احرار کے ایک کارکن کی عزت افزائی تھی یا اس دافع کو دھونا تھا، جو بعض نا عاقبت اندیش طلباء نے ایک سوپے سمجھے منصوبے کے تحت مہمان کے دامن پر لگایا تھا۔ نیز دارالعلوم کے استاد سے جو غلطی ہوئی تھی۔ بہر حال کچھ بھی ہو۔ میں اسے حضرت شیخ احمد کی عالی ظرفی کے سوا کچھ نہیں سمجھتا۔ ع۔ جن کے مرتبے ہیں سوا

ناشتے میں یوپی کا انداز تکلف پوری طرح شامل تھا۔ اس سے فارغ ہوتے تو میں

نے جلسے کی اجازت چاہی۔ فرمایا: ”ابھی نہیں تمہیں میرے ساتھ مدرسے چلنا ہے۔“ چنانچہ وہاں لوگوں کو رخصت کرنے کے بعد میں حضرت کی معیت میں مدرسے پہنچا اور حضرت شیخ نے مجھے اپنے ساتھ مسند پر بیٹھنے کا حکم کیا اور خود طلباء کو پڑھانے لگے۔ تھوڑی دیر بعد فرمایا۔ طلباء بار بار اشارے کر رہے ہیں۔ غالباً یہ تم سے کچھ سننا چاہتے ہوں گے۔ لہذا کچھ سننا دو۔ میں نے تعمیل ارشاد پر گزشتہ رات کی ادھوری نظم سنائی۔ حضرت اور طلباء بہت محظوظ ہوئے۔ اس کے بعد فرمایا: ”اب تمہیں اجازت ہے۔“ خود دروازے تک چھوڑنے آئے مصافحہ اور معافقہ کے بعد کان میں فرمایا: ”دل میں کوئی میل لے کر نہ جانا۔“

اس واقعہ سے مقصود میری پذیرائی نہیں۔ بلکہ مجلس احرار کے موقف کا احترام تھا۔ یا اسے ان لوگوں کے ذاتی کردار کی بلند حوصلگی کہیے۔

یہ دور میرے پختہ شعور سے ماوروی تھا۔ لیکن حضرت شیخ الہند مولانا حسین احمد مدنی مولانا شبیر احمد عثمانی اور قاری طیب نے مجھے جو اعزاز بخشا وہ تمنّہ افتخار ہے جو ہمیشہ میرے دل کی گرامیوں میں آویزاں رہا۔

سرحد کا دورہ۔ یوپی کے بعد میں شمال مغربی صوبہ سرحد چلا گیا۔ پہلا مقام ایبٹ آباد تھا۔ سرحد کا یہ پہاڑی علاقہ موسم گرما کے لیے بہترین فضا کا مقام ہے۔ دو ایک روز دوستوں سے ملاقات رہی۔ مقامی جماعت نے جلسے کا اعلان کر دیا۔ عوامی اجتماع کے لیے جامع مسجد کے بعد کمپنی باغ موزوں ترین جگہ ہے۔ عام پبلک جلسے میں ہوتے ہیں۔ جلسے کی صدارت حکیم عبدالسلام نے کی۔ آپ سرحد کے ممتاز رہنما تھے۔ مزاریت کے خلاف میری لطموں نے جھوٹی نبوت کی عارت ریزہ ریزہ کر دی۔ اس وقت عوام کے جذبات میں طوفان تھا اگر ان کا بس چلتا تو جبحی خلافت کی اینٹ سے اینٹ بجا دیتے۔ صبح اظہار ملی کہ مقامی حکام کی نیت میرے متعلق درست نہیں۔ چنانچہ یہاں ٹھہرنا ٹھیک نہیں۔ نیرواپی کے لیے لاری کا سفر بھی مخدوش سمجھا گیا۔ بہتر ہے کہ حویلیاں ریوے اسٹیشن تک پہاڑی راستہ اختیار کیا جائے۔ چنانچہ عزلی ملازم کے دو طالب علم میرے ساتھ کر دیے گئے۔ حکیم صاحب دو میل تک راستے کی نشاندہی کے لیے خود ساتھ آئے۔ یہ سفر چچین میل کا تھا۔ پہاڑی راستے

کے باعث منزل پر پہنچنا تکلیف دہ تھا۔ ہماری خود اس سفر کے عادی نہیں تھے۔ صبح ستاروں کی نو میں ہم سفر پر روانہ ہوئے۔ دن کے گیارہ بجے ایک گاؤں پہنچے۔ بھوک اور پیاس سے جان پر بن رہی تھی۔ ایک راہ گیر سے عرض کیا، جو اسی گاؤں کا رہنے والا تھا۔ وہ اپنے گھر لے گیا۔ باجرے کی روٹی، شلجم کا اچارسی کے ساتھ پیش کیا۔ گو میں اس خوراک کا عادی نہیں تھا لیکن بھوک کی شدت اور میربان کے خلوص نے ایسا مزہ دیا کہ آج تک اس لذت کی حلاوت محسوس ہو رہی ہے۔ دوپہر ڈھل رہی تھی۔ خشک پہاڑوں کے چہروں پر آہستہ آہستہ رات کی سیاہی کے نشان ابھرنے لگے۔ یہ سنگلاخ زمین جسے میں صبح سے روندنا چلا آ رہا تھا۔ میرے قدموں کی آہٹ سے کبھی کبھار ایسے لگنے لگا، جیسے اس کا دامن میرے لیے سکرٹنے لگا ہو۔ کہیں ندی نالے راستے کی روک بنتے۔ لیکن میرا عزم دیکھتے ہی اپنی راہ لیتے۔ اب آسمان پر ستارے چمکنے لگے۔ مجھے یوں محسوس ہونے لگا، جیسے فرنگی آئین کے محافظ بہت سے چراغ لے کر میرے تعاقب میں آئے ہیں۔ پہاڑوں کی بلندیاں میرا محاصرہ کر رہی ہیں۔ انجانی راہوں پر چلتے ہوئے مجھے سوراگھنٹے بیت چکے تھے۔ جواں بہت اور صحت کی موجودگی نے اس سفر کی تھکان کا احساس نہ ہونے دیا۔ سامنے حویلیاں کاریلوے سٹیشن دکھائی دیا تو جان میں جان آئی۔ یہاں میری ملاقات ملک خدا بخش سے ہوئی۔ یہ سرحد اسمبلی کے سپیکر تھے۔ میری ان سے یہ دوسری ملاقات تھی۔ پیشتر ازیں ہم کو ہاٹ کے ایک مشاعرہ میں مل چکے تھے۔ ملک صاحب کو آئینی وضع کے آدمی تھے مگر آزادی پسند عناصر سے انہیں محبت تھی۔ اس صوبہ میں ان کا وجود بڑا ہی غنیمت تھا۔ میری اچانک ملاقات پر بہت خوش ہوئے۔ کھانا کھایا اور اپنے صوبے کی سیاسیات پر بڑی دیر تک باتیں کرتے رہے۔ رات یہیں ریلوے اسٹیشن میں گزاری اور دوسری صبح میں پشاور چلا گیا۔

اسی رات چوک یادگار میں جلسہ ہوا۔ ان دنوں متحدہ ہندوستان میں فوجی بھرتی کے خلاف مجلس احرار کی تحریک زوروں پر تھی۔ مفتی سرحد مولانا عبدالقیوم پوپلانی اس جلسہ کے صدر تھے۔ میری سیاسی نظمیں دوسرے کارکنوں کو زیر تھیں۔ اس وجہ سے عوام میں میرا تعارف تھا۔ لیکن صدر جلسہ نے میرا تعارف پر تھکے انداز میں کرایا۔ نظمیں پڑھیں تو مجمع میں ایک قسم کی بجاوت

کے آثار ابھرنے لگے۔

دوسرے روز صوبے کے دیگر شہروں کے لیے روانہ ہوا۔ کوہاٹ میری دوسری منزل تھی۔ یہاں کے دوستوں نے سنا تو والہانہ دوڑے آئے۔ شیخ ابراہیم پراچہ، سید محمد دم شاہ بنوری اور میر لالی معروف کارکن اکڑے۔ ایک رات اور دو دن یہاں قیام رہا۔ پھر بنوں چلا گیا۔ ان دنوں مشہور تھا کہ آزاد قبائل مسافروں کا مال و اسباب لوٹ لیتے ہیں۔ اس بناء پر شام سے پہلے پہلے روانہ ہو جانا چاہیے۔ چنانچہ دن کے دوسرے پہر دوستوں سے اجازت چاہی اور لاری کے ذریعے بنوں پہنچ گیا۔ شہر میں نو وارد کی حیثیت سے کسی سے آشنا نہیں تھا۔ رات کو چونکہ یہاں ٹھہرنا تھا۔ لہذا کھوج شروع کی کہ کوئی ٹھکانا ملے کہ شہر کے ایک بڑے چوک میں جلسہ کا اہتمام ہو رہا تھا۔ لوگ جمع تھے۔ میں بند دکان کے ایک تختے پر بیٹھ گیا۔ جلسے کی کارروائی شروع ہوئی۔ مقررین نے جی بھر کر حکومت کے خلاف آگ برساتی۔ مجھ سے نہ رہا گیا۔ میں نے صدر جلسہ کو رقعہ لکھا کہ میں بھی کچھ کہنا چاہتا ہوں اور نیچے اپنا نام لکھ دیا۔ نام پڑھتے ہی صدر صاحب خود مجھے تلاش کرنے لگے۔ لوگ حیران تھے کہ ماجرا کیا ہے۔ انہیں اپنی تلاش میں آنے دیکھ کر میں بھی کھڑا ہو گیا۔ وہ مجھے اسٹیج پر لے گئے۔ میرے تعارف میں وہ بڑی دیر عوام سے گفتگو کرتے رہے۔ آخر میں میں نے فوجی بھرتی کے خلاف جماعتی موقوف پیش کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب میں اگلے روز صبح بنوں کی فوجی چھاؤنی میں ایک غیر مسلم دوست سے جو ٹھہری اکاؤنٹس کے دفتر میں ملازم تھا، ملنے گیا تو گیٹ پر روک لیا گیا اور اسی وقت ایریا کمانڈر کے پیش کیا گیا۔

”آپ یہاں کیوں آئے ہیں؟“

”میرا ایک دوست پنڈت ہری ناتھ یہاں ہے۔ اسے ملنا چاہتا ہوں۔“

چنانچہ مجھے بٹھا دیا گیا اور اسی وقت پنڈت جی کو بلوایا۔ ایریا کمانڈر نے ان سے چند

سوال کیے۔ ہم تھوڑی دیر ایک دوسرے سے باتیں کرتے رہے اور میں واپس چلا آیا

کئی دنوں بعد مجھے جالندھر جیل میں اطلاع ملی کہ پنڈت جی کو میری دوستی کے جرم میں

ملازمت سے عینہ کر دیا گیا ہے۔

نوں سے اسی روز ڈیرہ اسماعیل خاں پہنچ گیا۔ یہاں کے عوام سے خاصی جان بچان تھی میری آمد پر جماعتی احباب نے فوراً جلسے کا اہتمام کر لیا۔ شہر کی مسجد میں نمازِ عشاء کے بعد خاصے لوگ جمع ہو گئے۔ مجلس احوار کی موجودہ پالیسی پر قریباً ایک گھنٹہ عوام سے گفتگو کی۔ دوسرے روز راستہ دریا خان پنجاب پہنچ گیا۔ یہاں آکر معلوم ہوا کہ انگریزی قانون کے محافظ شکاری کتوں کی طرح میری تلاش میں ہیں۔ اس کے باوجود میں بچوں کی خیریت دریافت کرنے اتر گیا۔ مختصر وقت گھر ٹھہر کر لاہور واپس آ گیا۔ احباب سے دیگر باتوں کے علاوہ میری گرفتاری پر بھی بحث ہوئی۔ مفردی کے دوران اکثر مقام پر پولیس سے ڈبھٹہ ہوئی۔ مگر کسی نہ کسی طرح میں بچتا رہا۔ ایک دفعہ اترسر میں ایک مشاعرے میں شامل ہوا کہ پولیس آن پہنچی اب گرفتاری یقینی تھی۔ ڈاکٹر محمد دین تاثیر جو ان دنوں اترسر میں آئے۔ اوکالج کے پرنسپل تھے، مشاعرے کی صدارت کر رہے تھے۔ جیسے ہی پولیس میری گرفتاری کے لیے آگے بڑھی تاثیر صاحب نے اسے ایسی ڈانٹ پلائی کہ وہ اپنا سامنے لے کے رہ گئی۔ اس موقع پر محفل میں جو بھگڑ مچی میں اس میں غائب ہو گیا۔ پولیس دروازے پر کھڑی میرا انتظار کرتی رہی۔ مگر میں ہال کے برابر گندے نالے سے ہوتا ہوا اسٹیشن پر اور وہاں سے گاڑی پر لاہور پہنچ گیا۔

ان دنوں زانا بھانڈا خاں اترسر پولیس کے سٹی انسپکٹر تھے۔ میرے دوران کے مبین شیخ حسام الدین کی وساطت سے ایک معاہدہ طے پایا کہ میں مفردی کے دوران اگر کبھی گھر آنا چاہوں تو رات کی سیاہ چادر میں چھپ کر اور صبح کے سفید دامن پر میرا سیاہ ابھرنے نہ پاتے اس معاہدے پر کافی دیر عمل ہوتا رہا۔

چودھری افضل حق کی وفات۔ پنجاب کی یونیورسٹی گورنمنٹ نے چودھری افضل حق کو ان کی بیماری کے باعث میعادِ امیری سے قبل رہا کر دیا تھا یہ سزا کا موسم تھا۔ ان دنوں دہ کا مرض اپنے مریض پر شدید حملہ آور ہوتا ہے۔ چودھری صاحب اس مرض میں مدت سے مبتلا تھے۔ جاڑے کے دن اپنے شباب پر تھے کہ ۲۸ جنوری ۱۹۴۲ء کو نصف رات گئے چودھری صاحب دفتر مجلس احوار لاہور کی بالائی منزل پر اس جہان فانی سے رخصت ہو گئے۔ انا شد وانا الیہ راجعون۔ اس وقت چودھری صاحب کی فیملی کے علاوہ ڈاکٹر عبد القوی نعمان اور راقم موجود تھے۔

ہم دونوں نے مرحوم کے جسم کو ان کے آخری سفر کے لیے تیار کیا۔ یہ سعادت تھی جو مجھے اس مردِ مومن کے قریب رہ کر حاصل ہوئی۔

مرحوم اپنے وقت کے صاحبِ فکر لوگوں میں سے تھے۔ سیاسیات کے جوار بھاٹا ان کے ہمیشہ مرہونِ منت رہے۔ اپنے سیاسی حولیت کی رائے کا چودھری صاحب وزن کرتے اور اسے اپنے سے کبھی کمزور نہ خیال کرتے۔ میاں رفیع حسین سے چودھری صاحب کو زندگی بھر سیاسی اختلاف رہا۔ لیکن جب ان کی موت کی خبر ایک رضا کار نے سنا تو چودھری صاحب نے رضا کار کے منہ پر زور سے تھپڑ مارا۔ اور خود تیزی سے ٹھہرنے لگے۔ میں قریباً گیارہ برس چودھری صاحب کے قریب رہا ہوں لیکن اس قدر غصے اور افسوس میں اس سے پیشتر کبھی نہیں دیکھا، جتنا نہیں اس روز دیکھا۔

دوسری جنگِ عظیم کی خبر سننے ہی مرحوم چودھری صاحب بچوں کی طرح ناچنے لگ گئے۔ ارد گرد کے لوگ حیران تھے کہ اچھی بھلی باتیں کرتے ہوئے انہیں یکایک کیا ہوا۔ جب اس پر سوال کیا گیا تو فرمایا کہ اس لڑائی کا انجام خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو لیکن اب ہندوستان غلام نہیں رہ سکتا۔ آپ کی رہنمائی میں مجلسِ اوار نے جو فیصلے کیے وہ ماضی کی تاریخ میں مستقبل کیلئے سنگِ میل کی طرح آج بھی راستہ دکھا رہے ہیں۔ کاش سالارِ قافلہ کی وفات کے بعد قافلے کے لوگ متھک ہار کر بیٹھ نہ جاتے۔

چودھری صاحب میرے ایسے کارکنوں کے روحانی باپ تھے۔ وہ ہر ساعت کارکنوں کی نگہداشت کرتے۔ جلسہ میں ان سے تقریریں سن کر خوش ہوتے۔ مگر دفتر پہنچ کر ان کا محاسبہ کرتے کہ یہ تم نے کیا کہا۔ اس کا اثر یہ ہوگا۔ فلاں بات جو تم نے کہی اہل ذہ اسے یوں مت کہنا۔ بلکہ یوں کہنا۔ حالانکہ مقرر جلسہ میں حوام سے بڑی داد لے کر آتا تھا۔ لیکن چودھری صاحب کے نزدیک سیاسی اعتبار سے اس میں کمزوری تھی۔ اس محاسبہ سے کارکنوں کا حوصلہ بڑھتا۔ افسوس کہ ان کی موت کے بعد جماعت میں اس کا فقدان رہا۔

ادب کی دنیا میں ان کی شخصیت اپنا جواب آپ تھی۔ ان کی تصانیف نے نوجوانوں کو زندگی کی نئی راہیں دکھائیں۔ آپ ہمیشہ اپنے ساتھیوں کو کچھ نہ کچھ کھتے رہنے کی تلقین فرمایا کرتے۔

۱۹۳۹ء میں مجھے امرتسر جیل میں کچھ وقت ان کی خدمت میں رہنے کا موقع ملا۔ فقط یہ اسی کا اثر ہے کہ میں کبھی کبھار چنداٹے سیدھے حروف لکھ لیتا ہوں۔

میری ایک تصنیف پر بحث کرتے ہوئے روزنامہ ”امروز“ نے لکھا تھا۔

”جانناز مرزا کی تحریر پر چودھری افضل حق کی چھاپ نظر آتی ہے۔“

یہ حقیقت ہے کہ میں چودھری صاحب مرحوم کی تحریر سے متاثر ہوں میرے ہر موضوع کی اٹھان انہی کے طرز نگارش پر ہے۔ حالانکہ مجھے امرتسر جیل میں ان کی رفاقت کے صرف چند ماہ میسر آئے۔

میری ایک کتاب تھی (اور میں سنتا چلا گیا) یہ میں نے ۱۹۴۱ء کو راولپنڈی جیل میں لکھی تھی۔ رہائی کے بعد جب اس کا مسودہ چودھری صاحب کی خدمت میں پیش کیا تو بڑے خوش ہوئے اور فرمایا کہ میں اس پر دیباچہ لکھوں گا۔ مگر افسوس کہ زندگی نے انہیں مہلت نہ دی تو ۹ گز قمار ہی۔ ڈیڑھ برس کی مسلسل بھاگ دوڑ کے بعد آخر مجھے لاہور جمعیت علماء ہند کے سالانہ اجلاس کے موقع پر گرفتار کر لیا گیا۔ تاریخ یاد نہیں۔ شاید یہ وہی دن تھے جب جرمن ماورجاپان کی فوجیں یورپ اور ایشیا کو اپنے فاتحانہ اقدام سے روکتی ہوئیں آگے

بڑھ رہی تھیں۔ غالباً مارچ ۱۹۴۲ء کا ذکر ہے کہ پولیس کے زیر حراست مجھے جالندھر جیل بھیجا گیا۔ یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ مقدمہ کی بنا زکودر ضلع جالندھر کی کوئی پرانی تقریر ہے۔ جالندھر جیل۔ جالندھر مرزا آبائی وطن ہے۔ مادامرحوم کے چار بیٹے تھے۔ میرے والد سب سے چھوٹے اور لاڈلے تھے۔ قیمی کا داغ ان کے دامن پر بھی بچنے میں ہی لگ گیا تھا یہیں سے چاروں بھائی الگ الگ ہو گئے۔ ایک کو پہلوانی کا شوق تھا۔ وہ ریاست برودا میں ہمارا جہ کے ہاں ملازم ہو گئے۔ ان کا نام بوٹا پہلوان تھا اور وہیں فوت ہوئے۔ ان سے چھوٹے فتح دین تھے جو احمد آباد میں کپڑے کا کاروبار کرتے رہے اور بعد میں حلوانی کا کام بھی کرنے لگے۔ انہوں نے وہاں کافی روپیہ پیدا کیا اور اپنی زندگی کے آخری دن جالندھر آکر گزادے۔ تاآنکہ۔

پہنچی وہیں پر خاک جہاں کا خیر تھا۔

ان سے چھوٹے حاجی کریم بخش تھے، جو والد صاحب کے ساتھ امرتسر آ گئے۔ اور یہیں ایک بنگلہ کے ہاں ملازمت کر لی۔ محلہ چوڑی بھیری میں ان کا ذاتی مکان بھی تھا جو ان کی وفات کے بعد ہم دونوں بھائیوں کے حصے میں آیا۔ ان سے چھوٹے میرے والد صاحب تھے، جن کے ہاں چھ بیٹے پیدا ہوئے۔ چار راقم کی پیدائش سے پہلے فوت ہو گئے۔ اور بڑا بزرگ دمرزا محمد عبداللہ ۱۹۴۷ء کے انقلاب کے بعد کراچی میں فوت ہوئے۔ اس طرح سے میرا رشتہ جاندھر سے وابستہ ہے۔ آج بھی آباد اجداد کی ہڈیاں جاندھر کی خاک سے پیوست ہیں۔ پولیس مجھے جاندھر کی کچری میں لے کر پہنچی تو بہت سے قریبی عزیز سربراہ مل گئے۔ لیکن میرے جرم کی نوعیت جان کر اپنے مستقبل کے پیش نظر ان سرکاری ملازم رشتے داروں نے میرے ایسے باغی کو مزہ لگانا مناسب سمجھا۔ ایسے دوست بھی تھے جو اب وکیل بن چکے تھے۔ ان کی تلاش بھی کی۔ مگر کون سنتا ہے۔ عدالت کی ابتدائی کارروائی کے بعد مجھے مقامی جیل میں بھیج دیا گیا۔ اس جیل میں میں آج پہلی مرتبہ لایا گیا تھا۔ جیسے ہی بڑے دروازے میں داخل ہوا۔ سامنے دیوار پر لکھا تھا،

جب تک سانس تپتا ہے اس!

قیدی کے لیے یہ س قدر مایوس کن الفاظ تھے۔ نہ جانے میری نظریں بار بار اس موٹے سے سیوں ٹکراتی رہیں۔ جیسے مجھے کوئی کہہ رہا ہو کہ سائز زندگی کے تار ڈھیلے نہ ہونے پائین زندگی کا دوسرا نام اس ہے۔ تمام عمارت اسی ایک لفظ پر تعمیر ہے۔ ذرا سی لغزش سے ساری عمارت متزلزل ہو جائے گی۔

اس جیل میں چند کمیونسٹ قیدی بھی تھے، جن سے اکثر مذہبی چھیڑ چھاڑ رہتی۔ یہ سب کے سب بظاہر سکھ مذہب کے پیرو تھے۔ لیکن یہ فریب تھا۔

انہی دنوں لندن سے سرسٹیفورڈ کرسپ برطانوی حکومت کی طرف سے چند شرائط پر بندوں سے آزادی کا سودا کرنے آئے تھے۔

ایہاں افرنک کو یقین تھا کہ ان کی بیڑیاں اب ٹوٹ جائیں گی۔ سچی بات یہ ہے کہ کھیتے وقت ان پر کیا۔ آخر کار ان کی عدالتی کارروائی کے بعد مجھے چودا قید با مشقت ملی۔

دیا گیا۔

جائزہ سے روانگی۔ مجھ سے سیاسی اختلاف رکھنے والے کیونسلٹ قیدی خوش تھے کہ یہ کاغذ بھی نکل گیا۔ کیونکہ جب تک میں یہاں رہا یہ دوسرے لوگوں پر اپنا جادو نہ چلا سکے۔ یہی وجہ تھی کہ میری ان کی اکثر ٹڈ بھڑکتی رہتی۔ سزا کے بعد مقامی حکام نے مجھے لائپزور جیل تبدیل کرنے کا فیصلہ کیا۔ چند سپاہیوں کی معیت میں ہتھکڑی اور پٹریاں پہن کر جب میں جیل سے باہر نکلا تو میری نظریں اس مصرعہ سے انہری بار ٹکرائیں۔

جب تک سانس تب تک آس

سو ہے کی بو بھل پٹریاں اور کمزور پاؤں۔ اس پر ستم یہ کہ ریلوے اسٹیشن تک پیدل چلتا ہو گا سواہ چلتی نگاہوں نے نہ جانے کن خیالات سے دیکھا۔ پابجواں، موٹا گاڑھے کا کرتہ پولیس کے زرخے میں جب میں جائزہ کے بازوؤں سے گزرا تو کسی نے کہا چور ہو گا، کسی نے کہا مسافروں کی اولاد ایسی بد معاشیوں میں پکڑی جاتی ہے، کسی نے گرہ کٹ سمجھا۔ بچے تماشہ سمجھ کر ساتھ ہو لیے۔ آشنائوں نے دانستہ منہ پھیر لیا۔ عزیزوں نے راستہ کاٹ کر دوسری طرف رخ کر لیا۔ لیکن پٹریوں نے آواز سے کہے۔ البتہ چند دوست جو واقعہ حال تھے۔ گاڑی چھوٹنے سے پہلے اسٹیشن پہلے۔ ان میں منور غوری بھی تھے۔ (اگر یہ جواں مرگ نہ ہو جاتے تو شاید دوسرے افضل حق ہوتے) بڑے سمجدار اور مخلص نوجوان تھے کاش موت انہیں کچھ دن زندگی کی فہمت دیتی۔ گاڑی میں سوار ہوتے وقت احساس ہوا کہ پاؤں میں پٹریوں کے باعث زخم اچکے ہیں۔ اور ان سے خون بہہ رہا ہے۔ آج اس واقعہ پر سے کئی برس بیت چکے۔ لیکن زخموں کے نشان پر جب نظر پڑتی ہے تو یوں محسوس ہوتا، جیسے یہ پھر تازہ ہوا ہے۔ میں گاڑی لاہور پہنچی یہاں سے لائپزور کے لیے دوسری گاڑی تبدیل کرنا تھی۔ اس دوران فرصت کے چند لمحات مل گئے۔ مرکزی دفتر حرا میں خواجہ عبدالرحیم عاجز کو پیغام بھیجا تو وہ آتی دفعہ اپنے ساتھ کچھ آم لیتے آئے۔ یہ پھل مجھے بڑا مرغوب ہے۔

کچھ اور لوگ بھی ملنے آئے۔ اتنے میں گاڑی کی روانگی کا وقت ہو چکا تھا۔ اوٹلنے والے ایک لمبے عرصہ کے لیے جدا ہو گئے۔

لائپور جیل۔ رات کے گیارہ بج چکے تھے۔ شہر کے لوگ کا دربار سے فارغ ہو کر گھروں کو جا چکے تھے، جب ہم لائپور گھنٹہ گھر تک پہنچے۔

بھوانہ بازار سے گذرتے وقت عید باغ میں کچھ بھیڑ دیکھی تو معلوم ہوا، سٹر فاروق سرحدی آج مقامی جیل سے رہا ہوئے ہیں۔ یہ ان کے اعزاز میں جلسہ ہو رہا ہے۔ چند لمحے ٹھہر کر آدمی بھیجا کہ انہیں بلا لائے۔ یہ خبر سارے جیلے میں پھیل گئی اور تمام ہجوم میری طرف اٹھ آیا۔ سٹر فاروق نے بتایا کہ مقامی جیل کا انتظام بہت گندہ ہے۔ افسران جیل بڑی بے اعتنائی کا ثبوت دے رہے ہیں۔ خیر۔۔۔۔۔ !

تاروں بھری رات پورے شباب پر تھی۔ جب میں لائپور جیل میں داخل ہوا۔ یہ ایسا وقت تھا، جب قیدی اپنی محدود دنیا کو چھوڑ کر خواب کے سہانے مریے سے رہا ہوتا ہے۔ اس وقت کسی حکومت کا آئین اڑے نہیں آسکتا۔

”آپ کو بستر تو نہیں چاہیے؟“ یہ سوال ساڑھے چھ فرٹ لمبے ایک سیاہ فام وارڈر نے کیا۔ جب وہ میری کوٹھڑی کا دروازہ بند کر چکا۔ مگر میرے پاس اس سوال کا جواب کیا تھا۔ اچھا ہوا کہ اس نے اس کا انتظار بھی نہیں کیا۔ اس کے جانے کے تھوڑی دیر بعد مجھے معلوم ہوا کہ ع۔

یہاں اب میرے رازداں اور بھی ہیں

اس احساس نے میری تنہائی کی ساری عمارت کو توڑ پھوڑ دیا۔ ہم شرب قیدیوں نے میلہ استقبال قومی نعروں سے کیا۔ رات کے سناٹے میں یہ نعرے واقعی آرام طلب قیدیوں کی برہمی کا باعث ہوئے ہوں گے۔ لیکن خیر۔ یہ گناہ بھی میرے ہی دامن میں باندھ دیکھئے۔

جس کمرے میں ہم مقفل تھے۔ اس کا رقبہ چھ مربع فٹ تھا۔ اندھیرے اندھے میں بہت سے سوال و جواب ہوئے۔ جن کا تعلق جیل حکام کی بے اعتنائی سے تھا۔ اس مختصر کمرے میں اٹھارہ پولیٹیکل قیدی تھے۔ اس پر جوان کی گرمی۔ کمرے کی کھڑکیاں اس ڈھب سے بنائی گئی تھیں کہ اگر کہیں ہوا کا اندر نہ ہو بھی تو غریب قیدی اسے خامہ نہ کر سکیں۔ اس رات گرمی کا یہ عالم تھا کہ حشرات الارض اپنی بلوں سے باہر نکل آئے تھے۔ سان کی

تشریف آوری مزید تکلیف کا باعث بنی۔ آخر خدا خدا کر کے صبح ہوئی۔ صورتوں کی جان پہچان اور تعارف کے بعد باہر آئے۔ احاطہ دیکھا جہاں ہماری کوٹھڑی تھی۔ یہاں ایک بھی تو درخت نہیں تھا۔ حالانکہ عام طور پر جیلوں میں درخت ہوتے ہیں، تاکہ مشقت سے فارغ ہو کر قیدی کچھ دیر سستا سکیں۔ لیکن لائیکپور کی جیل شاید ہمارے ہی دم قدم سے آباد کرنے کی تجویز تھی۔ پانی کا نل اس قدر ناقص کہ گھنٹوں انتظار کے بعد کہیں چلو بھر پانی میسر آتا۔ ان مشکلات کے پیش نظر جیل حکام کو توجہ دلائی اور مسلسل درخواستیں کیں کہ خدارا، ایک دفعہ معائنہ کر لیجئے کہ اتنے آدمیوں کے رہنے کی گنجائش اس کمرے میں ہے؟ لیکن کون سنتا ہے؟ طوطی کی صدا نقار خانے میں۔“

برابر ایک ہفتے کی صدا تے بے ہنگام کے باعث ہم نے جیل انتظامیہ کے خلاف ایک ایسا فیصلہ کیا، جس کے لیے ہم تیار نہیں تھے۔ کیونکہ ہمارا یہ قدم موت کی طرف لے جانے والا تھا۔ یعنی ہم نے بھوک ہڑتال سے اپنے کو ختم کرنے کا عزم کر لیا۔ جب ہمارے اس فیصلے کی اطلاع جیل حکام کو پہنچی تو وہ اس قدر برہم ہوئے کہ ہمارے احاطے کا دروازہ جو کبھی کبھار کھلتا تھا، اس کی آس بھی جاتی رہی۔ آخر چار دن کے بعد پانی کے گھڑے بھی چین لیے گئے۔ کون اندازہ کر سکتا ہے کہ موسم گرا اور پھر لائیکپور۔ ہم مردوں کی طرح ایک دوسرے پر پڑے رہتے تھے۔ ہفتہ بھر کی بھوک ہڑتال کے بعد ہم میں سے اکثر جو میرے ایسے نحیف جسم کے مالک تھے۔ قریباً ختم ہو چکے تھے۔ نبض کی رفتار مدھم پڑ چکی تھی۔ قوت گویا بھی سلب ہو چکی تھی۔ جب نوبت یہاں تک پہنچی تو حکام کو بھی اپنی جان کے لالے پڑے۔ انہوں نے اپنے فیصلے پر غور کیا۔ اگلی ہوئی گردنیں ہمارے عزم کے دروازے پر جھک گئیں۔ ہم چاہتے تھے کہ اس سارے واقعہ کو ایک مقدمہ کی شکل میں عدالت تک لے جائیں کہ جیل حکام انسانیت کے کس قدر مجرم ہیں۔ جنہوں نے اٹھارہ آدمیوں کو چھوٹے مرحلہ کوٹھڑی میں جانوروں سے بدتر جان کر بند کیا ہوا ہے۔ مگر ہماری یہ تجویز کامیاب نہ ہو سکی۔ البتہ بارہ دن کی بھوک ہڑتال کے بعد ہمیں ایک بہت بڑی بیرک دے دی گئی۔ یہ ایسے لوگوں کے لیے مخصوص تھی، جن کے دربار جیل پرنٹنڈنٹ سے بالا بالا فیصلہ کر لیا کرتے۔ اس

طرح کا سلسلہ پنجاب کی اکثر جیلوں میں رائج ہے۔

ہماری نئی برک پکر کے بالکل ملحق تھی، جس سے ریڈیو کی آواز اکثر سنائی دیا کرتی۔ یہ ریڈیو سیل سہارا
مہیٹی کی طرف سے قیدیوں کی تفریح طبع کے لیے لگایا گیا تھا۔
ہماری اس تحریک کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم سب قیدی ایک ماہ کے بعد پنجاب کی مختلف جیلوں
میں تبدیل کر دیے گئے۔

شاہ پور جیل۔ ابھی میری سابقہ سزا کے کچھ دن باقی تھے اور یقین تھا کہ اس دوران دوسرے مقدمہ
کے لیے مجھے بلا لیا جائے گا، تاکہ سزا ایک ساتھ شروع ہو۔ حالانکہ اسی غرض سے لاہور سے
شاہ پور جیل میں تبدیل کیا گیا تھا۔ مگر یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ حکام جیل کے پاس اس قسم کی
کوئی اطلاع نہیں۔

شاہ پور جیل کے متعلق مشہور ہے کہ یہاں گذشتہ صدی اللہ کے کسی نیک بندے کی
بیٹھک رہی ہے۔ گاؤں والوں نے عقیدت کے طور پر ایک کنواں کھدوا دیا۔ چونکہ اس کنواں
کی زمین نمکین واقع ہوئی ہے، لہذا پانی نمکین نکلا۔ جب اس کا پتہ مذکورہ درویش کو ہوا تو اس
نے اللہ سے دعا مانگی اور کنویں کا پانی میٹھا ہو گیا۔ نہ جانے یہ کب کی بات ہے۔ لیکن پانی
اچھا اور میٹھا نہ کیجے کہ پنجاب گورنمنٹ نے بیمار قیدیوں کے لیے بطور ہسپتال یہ جگہ جیل کے
لیے منتخب کر لی۔

واقعی اس جیل کا پانی میٹھا اور زود منعم ہے۔ جب مجھے یہاں لایا گیا تو مجھے ایسے دن
کہ میں کسی ٹرسٹ باغیچے میں آگیا ہوں۔ جیل ہی آپ یقین نہ کریں لیکن یہ حقیقت ہے کہ شاہ پور
جیل پنجاب میں کوئی نہیں۔ یہاں پہنچ کر میری صحت چند دنوں میں اچھی ہو گئی۔ ان دنوں کا راجہ جی
تحریر "ہندوستان چھوڑ دو" کا آغاز ہو چکا تھا۔ پنجاب کے تمام سیاسی رہنما اس جیل میں نظر
تھے۔ رات گیارہ بجے مجھے یہاں لایا گیا تھا۔ صبح ہوتے ہی تمام قیدیوں سے الگ مجھے
کوٹھڑی میں بند کر دیا گیا۔ دو دن کی بحث کے بعد باقی سیاسی قیدیوں میں مجھے شامل کر دیا گیا۔
لالہ بھیم سین سچر، ڈاکٹر گوپی چند بھارگو اور میں ایک کیمپ میں تھے۔ مولانا داؤد غزنوی
ہمارے جرحشن مالک روزنامہ "پرتاب" لاہور دوران کے دوران، مہاجرین کے لیے برابر کے کیمپ میں

اس طرح پانچ صد کے قریب سیاسی رہنما یہاں نظر بند تھے۔ حکام جیل سے ہر روز کسی نہ کسی بات پر نوک جھونک رہتی تھیں۔ ڈاکٹر منظر حسین پرنٹنگ پریس جیل بہت حد تک شریف آدمی تھے لیکن سیاسی قیدیوں کی مسلسل آمد اور ان کی بعض ناجائز ضروریات نے ان کے دماغ کو چڑچڑا کر دیا تھا۔ گذشتہ جیلوں میں مجھے سرکاری طور پر (writing) لکھنے پڑھنے کی اجازت تھی۔ مگر ان دنوں سیاسی قیدیوں پر پابندی کے باعث مجھ سے یہ مراعات چھین لی گئیں۔ اب میں صرف پڑھ سکتا تھا، لکھ نہیں سکتا تھا۔ جیل قانون کے مطابق کسی قیدی کو خواہ وہ سیاسی ہو یا غیر سیاسی جیل حکام کی اجازت کے بغیر کسی قسم کی تحریر کا حق حاصل نہیں۔

گو گھر کے حالات پریشان کن تھے تاہم برادرِ اکبر کے ایک خط نے ڈھارس بندھائی کہ گھر کے حالات کی کوئی فکر نہ کریں۔ بہر حال بڑے لوگوں کی سنگت میں ایامِ اسیری گزرتے محسوس نہ ہوتے اتنے میں دوسرے مقدمے کی اطلاع بھی آن پہنچی اور اس کی کارروائی بھی شروع ہو گئی۔ خوشاب۔ اس شہر کی تاریخ تو معلوم نہیں لیکن سرگودھا سے دور دریا تے راوی کے کنارے واقع ہے۔ جیسے کرنام سے ظاہر ہے (خوش آب) یہاں کا پانی اچھا ہے اور خاص طور پر مٹی کے برتن مثلاً صراحی اور گھڑے تو امرار عموماً موسمِ گرما میں یہیں سے منگواتے ہیں۔ شہر صاف ستھرا اور ریلوے اسٹیشن سے تھوڑی دور چل کر آبادی شروع ہو جاتی ہے۔ دریا کے کنارے تک ایک ہی بازار چلا جاتا ہے۔ مکانوں کی ساخت پرانی وضع کی ہے۔

۱۹۴۰ء فروری کے دنوں یہاں ایک تقریر کر گیا تھا۔ نیا مقدمہ اس زمانے کی صدائے بازگشت تھی۔ جب روزِ اول بغور مجرم یہاں لایا گیا تو تمام احوار دوست ملنے آئے۔ اور مقدمے میں مجھے احانت کا یقین دلایا۔ اگرچہ یہ علاقہ انگریزی سلطنت کی کھاد سمجھا جاتا ہے۔ اس لیے میرے ایسے کے لیے ان کے دل میں کیا عزت ہو سکتی تھی۔ تاہم غریب دوستوں کے ساتھ دیا۔ ایک وکیل سے بھی بات لے ہو گئی، مختلفانہ بھی ادا کر دیا۔ تاہم اس نے مقدمے، پیروی میں کوئی دلچسپی نہ لی۔ آخری فیصلے کی تاریخ سرگودھا کی عدالت میں تھی۔ وکیل نے نہ مانا مانا آیا۔ اس کی انتظار میں وقت ضائع کرنا مناسب نہ جان کر میں نے خود اپنے مقدمے پر بحث کی۔ تقریباً گھنٹہ بھر مختلف پہلوؤں پر گفتگو کرتا رہا۔

سیاسی مقتضے کی نوعیت چاہے کچھ ہو۔ قانون اسے مجرم قرار دیتا ہو یا نہ، حکومت کی پالیسی بہر طور سیاسی ورکر کو جیل بھیجنے کی ہوتی ہے۔ اور عدالت اس ضابطے کی پابند ہوتے ہوئے قانونی پہلوؤں کو نظر انداز کرتے ہوئے ملزم کو مجرم قرار دے دیتی ہے۔ مجھے اس پیشی پر اڑھائی سال قید سخت کا حکم ہوا۔ میں نے عدالت کا شکریہ ادا کیا اور اسی وقت شاہ پور جیل واپس آ گیا۔ یہاں سے چند دنوں کے بعد دیگر قیدیوں کے ساتھ اولڈ سنٹرل جیل متان تبدیل کر دیا گیا۔

لاہور اور ساہیوال کے بعد پنجاب میں اولڈ سنٹرل جیل متان عادی مجرموں کے لیے معروف اور سخت جیل سمجھی جاتی تھی۔ اس جیل کے افسانے عام لوگوں کی زبانی اکثر سننے میں آیا کرتے تھے۔ دسمبر ۱۹۴۲ء کے شروع میں تو یہاں کافی تعداد میں سیاسی قیدی موجود تھے۔ جیل لار کے مطابق مجھے اس روز ننہائی کو ٹھٹھری میں بند کر دیا گیا۔ جاڑے کا موسم تھا۔ تمام دن کو ٹھٹھری میں تنہا رہتے گزر جاتا۔ بد قسمتی سے اس جیل کے حکام دو گروہوں میں بٹے ہوئے تھے۔ سیاسی قیدی بھی ان کے جال میں الجھے ہوئے تھے۔ ۲۰۔ جنوری کا یوم آزادی اس بجگڑے کا عملی آغاز تھا۔ ایک فریق پرنٹنٹ جیل سردار رام سنگھ کی طرفداری میں تھا، جبکہ دوسرا دادرخ جیل سٹرینی لال کالیہ کے ساتھ تھا۔ یوم آزادی پر جھنڈا لہرانے کی رسم کے وقت کچھ کمیونسٹ نظریے کے لوگ پرنٹنٹ جیل کے معاون تھے۔ صبح آٹھ بجے احاطہ نمبر ۳ میں مہاشا خوشحال چند فورسند مالک روزنامہ "ملاپ" لاہور کے فرزند سٹریش پال نے پرچم کشائی کی رسم ادا کرنا چاہی کہ جیل کے قیدی نمبردار اور وارڈن مجاہدوں کے لالٹیاں لے کر ان پر ٹوٹ پڑے۔ نما جیل میں ہمارا کارمچ گئی۔ ہر بیرک کے سیاسی قیدی خواہ ان کا تعلق اس رسم سے تھا یا نہیں سب کو بلا امتیاز تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ اس مار پیٹ سے راقم کو بھی چوٹیں آئیں میرے علاوہ سینکڑوں سیاسی قیدی زخمی ہوئے۔ نیز طبی امداد کے بغیر انہیں بیرکوں میں بند کر دیا گیا۔ سردی کے موسم میں اس قدر چوٹیں کھانے کے بعد ہم سب کو دھوپ تاپنے سے محروم کر دیا گیا۔ یہ عمل ایک ماہ تک رہا۔ اس دوران کپڑوں میں جوٹیں پڑ گئیں۔ زخموں سے بو آنے لگ پڑی۔ معمولی چوٹیں بھی خاصے زخم بن گئے۔ ان حالات میں تمام قیدیوں نے فیصلہ کیا کہ اس ظلم کے خلاف بطور احتجاج آج سے ایک وقت کا کھانا ترک کر دیا جائے۔ چنانچہ اس تحریک کا بھی یہی تحت پر

برا اثر پڑا۔

جیل افسران اور قیدیوں کے مابین کھینچا تانی کا یہ سلسلہ مسلسل تین ماہ تک رہا۔ پنجاب کے اخبارات میں جب اس ظلم و جور کی کہانی شائع ہوئی تو بالآخر پنجاب گورنمنٹ نے تمام متعلقہ افسران کو اس جیل سے تبدیل کر دیا۔ ان کی جگہ نئے افسران نے سنبھال لی۔ ان میں بطور سپرنٹنڈنٹ کے ڈاکٹر منظر حسین شاہ بوروا سے بھی تھے جہاں ان کا براؤ پوٹیکل قیدیوں کے ساتھ نہایت اچھا رہا۔

خلال اور جھٹکا۔ اس سال پنجاب کی یونیسیٹ گورنمنٹ نے سکھوں کا یہ مطالبہ منظور کر لیا کہ سکھ پوٹیکل قیدیوں کو جیل خانوں میں جھٹکے کا گوشت دیا جائے۔ چنانچہ کانگریس کی ہندوستان چھوڑ دو۔ تحریک کے پوٹیکل قیدیوں کو ملتان سنٹرل جیل میں اکٹھا کر دیا گیا۔ ان کی کل تعداد غالباً پندرہ کے قریب تھی۔ اس کے مقابل مسلمان پوٹیکل قیدیوں کی تعداد جو کانگریس کے تحت آئے تھے قریباً تیس اور چالیس کے درمیان تھی۔ ان میں خنزیر آزاد سمبٹریا لومی سوشلسٹ لیڈر منشی احمد دین کے بھائی، کامرپڈ غلام احمد اور اسی طرح کے دوسرے معروف لوگ تھے۔ راقم مجلس احرار کا واحد قیدی تھا۔ اب یہاں سوال پیدا ہوا کہ واقعی جیل میں جھٹکے کا گوشت دیا جائے یا نہ۔ یہی سوال سپرنٹنڈنٹ نے مجھ سے کیا۔ کیوں بھی جانتا ہوں کہ اس کا مطالبہ ہے کہ انہیں جھٹکے کا گوشت دیا جائے۔ حکومت پنجاب نے بھی اس کی اجازت دے رکھی ہے۔ آپ لوگوں (مسلمانوں) کو اس پر اعتراض تو نہیں؟

گورنمنٹ کے فیصلے کے باوجود سپرنٹنڈنٹ جیل کا یہ سوال انتظامی نوعیت کا تھا۔ اس پر میں نے سپرنٹنڈنٹ سے کہا: ہمیں اس پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ اپنے منہ سے چاہے کوئی گندگی کھائے۔ اس جواب پر سکھوں نے میرے خلاف ایک ہنگامہ کھڑا کر دیا۔ لیکن اس کی نوعیت اہم نہ ہوئی۔

بیف (BEAF)۔ یوں تو ملتان جیل کے واقعات اس قدر اہم ہیں کہ انہیں زمانہ گزشتہ کی سیاسیات کا آئینہ دار بھی کہا جاسکتا ہے۔ جیل خانہ ایک ایسا مقام ہے کہ یہاں انسان فطرتاً تنکا ہو کر چورا ہے میں اکٹھا ہوتا ہے جس سے اس کے اندرونی خدوخال صاف اور واضح نظر آنے لگتے ہیں۔

جھٹکے کے سوال پر کچھ ہندوؤں نے بھی سکھوں کا ساتھ دیا۔ مجھے حیرت ہوئی لیکن ہم مسلمان قیدی وقت کے انتظار میں خاموش رہے۔ یقیناً جیل حکام ہمارے رویے سے متاثر ہوئے تاخیر میں بھی انتقام کی سوچھی۔ روہتک کے چودھری محمد حسین میرے ہم نوا تھے۔ باہم مشورے سے ہم نے پرنسٹنٹنٹ جیل سے درخواست کی کہ آپ بحیثیت مسلمان جانتے ہیں کہ مسلمان سال میں ایک بار اپنا ایمان تازہ کرنے کے لیے گائے کا گوشت کھاتے ہیں۔ لہذا ہماری مذہبی ضرورت کے پیش نظر ہمیں باہر سے گائے کا گوشت منگوانے کی اجازت دی جائے۔

ہماری اس درخواست پر حکام جیل نے جس طرح جھٹکے کے معاملے میں ہم سے مشورہ کرنا بہتر سمجھا تھا اسی طرح ہماری درخواست کے جواب میں غیر مسلموں سے بھی سوال ہوا۔ لیکن بجائے جواب دینے کے سب کے سب میرے دشمن بن گئے۔ ”یہاں فرقہ وارانہ فساد ہو جائے گا اور اس کی تمام تر ذمہ داری تم پر ہوگی۔ یہ جواب بگڑے ہوئے تیوروں کے ساتھ لچھ ہندو اور تمام سکھ نوجوانوں نے دیا۔ میں نے کہا کہ اس میں فرقہ وارانہ فساد کا کیا سوال ہے۔ یہ تو ہمارے ایمان کی بات ہے اور مذہبی ضرورت کا تقاضہ بھی ہے۔“

ایمان کی تازگی کا یہ سوال ایک ہفتہ بحث کا موضوع بنا رہا۔ اس پر بہت لمبے دے ہوئی۔ آخر بات یہاں ٹھہری کہ اگر سکھ جھٹکا بند کر دیں تو مسلمان اپنا مطالبہ چھوڑ دیں گے؟ ہم نے کہا کہ ہمارا مطالبہ ضد کی بنا پر نہیں بلکہ ایک مذہبی فریضہ ہے، جس کی ادائیگی میں ہم کوتاہی نہیں کر سکتے۔“

ہمیں معلوم تھا کہ یہ ایک سازش ہے جس کی بنا پر ہم سے ایسا کہا جا رہا ہے۔ اگر ہم ذرا سی ٹھوکر کھا جاتے تو سارا معاملہ ہی چو پٹ ہو جاتا۔ مگر ہم اپنے مطالبے پر اڑتے رہے جھٹکے پر ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ آخر لالہ کیدار ناتھ سیکل اور پرنسٹنٹنٹ جیل ڈاکٹر منظر حسین نے فیصلہ کیا کہ جیل میں آئندہ کوئی ایسی چیز نہیں آسکے گی جس سے کسی فرقے کے مذہبی جذبات کو ٹھیس لگے۔

مہبت اچھا صاحب۔ اگر آپ حضرات کی یہی مرضی ہے تو ہم اس سال ایمان تازہ نہیں کرتے۔ آئندہ سال ہی۔ لیکن آپ کے فیصلے پر پھول ضرور چڑھائیں گے۔ اس طرے

ہم نے یہ مودہ پھینچ کر لیا۔

غازی علم الدین اور شردھانند۔ جیسا کہ سطور بالا سے ظاہر ہو چکا کہ ان دنوں تان جیل میں ایک ہزار کے قریب پولیٹیکل قیدی تھے۔ ان میں کانگریسی سوشلسٹ، کمیونسٹ اور اکالی۔ مجلس احرار کی طرف سے صرف میں ہی ایک قیدی تھا۔ میرے متعلق ان سب میں مشہور تھا کہ میں فرقہ پرست ہوں۔ حالانکہ تاریخ گواہ ہے کہ میں عمر بھر فرقہ پرستی کے خلاف جنگ آزار رہا ہوں۔ لیکن جیل میں میرے دامن پر یہ دافع بھی لگ گیا۔

تان سنٹرل جیل میں عام رواج تھا کہ دوپہر کے بعد تمام سیاسی قیدی اور نظر بند ایک دوسرے سے ملاقات کے لیے ایک دوسرے احاطوں میں آجا سکتے تھے۔ چنانچہ ایک دن کا ذکر ہے کہ حسب معمول میں احاطہ نمبر چار کے دوسرے کمرے میں پہنچا تو دیکھتا ہوں کہ سامنے سیاہ تختی پر یہ اعلان لکھا ہے کہ آج شام کو سوامی شردھانند ڈسے منایا جائے گا۔

سوامی شردھانند کو دہلی میں غازی عبدالرشید نے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی توہن کرنے پر قتل کر دیا۔

یہ اعلان اگرچہ کوئی برا نہیں تھا۔ ہر شخص کو حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنے بزرگوں کی یاد منائے لیکن یہ مقام اس کے لیے موزوں نہیں تھا۔ کیونکہ یہاں سب کے سب آزادی وطن کے لیے قید و بند کے مصائب جھیل رہے تھے۔ غیر..... میں نے واپس آکر اپنی بیرک کے سیاہ بورڈ پر غازی علم الدین ڈسے منانے کا اعلان لکھ دیا۔ بس پھر کیا تھا، تمام جیل میں ہڑتال مچ گیا۔ ہندو اور سکھ بار بار میری بیرک میں آتے۔ آخر یہ بات پرنٹنڈنٹ جیل تک جا پہنچی۔ وہ بھی آدھمکے "کیوں بھئی جانباڑ! آج یہ نئی شرارت کیا سوچی؟" میں نے پرنٹنڈنٹ کا ہاتھ پکڑا اور انہیں بیرک نمبر چار میں لے گیا۔ جیل کے ہندو، سکھ بھی اس بیرک میں جمع ہو گئے۔ پرنٹنڈنٹ نے بیرک والوں سے سوال کیا کہ سوامی شردھانند ڈسے کا اعلان کس نے لکھا ہے؟ اس کی ذمہ داری کسی نے قبول نہ کی۔ جب اس تحریر کا کوئی وارث نہ بنا تو وہ تحریر مٹا دی گئی۔ میں نے اپنی بیرک میں پہنچ کر اپنا تحریر کردہ اعلان مٹا دیا۔ اس واقعہ کے بعد جیل میں گو میرے خلاف ہندوؤں سکھوں میں اچھی خاصی نفرت پھیل گئی۔ تاہم کوئی ایسا واقعہ نہیں ہوا جس سے انتقام کا

خدا پیدا ہوتا۔

کرشن کا جہنم دن۔ جیل میں ہر فرقہ کے لوگ اپنے مذہبی بزرگوں کا تہوار مناتے۔ گورو نانک کے جہنم دن پر مسلمان اور ہندو اپنا تمام راشن سکھوں کے حوالے کر دیتے۔ اسی طرح مسلمانوں کے کسی مہوار پر اپنا راشن مسلمانوں کو دے دیتے۔ دن بھر جلسے اور کھانے پینے کی ہنگامہ رانی میں گذر جاتا۔ اس طرح قیدی ایک میدہا مناتے۔ چنانچہ کرشن جی کا جہنم دن بھی آیا۔ اس موقع پر باہر سے مٹھائی اور پھلوں کا انتظام بھی کیا گیا۔ اس جلسہ میں راقم کو بھی دعوت تھی۔ میں نے بہت کہا کہ مجھے نہ بلایں۔ اور کئی مسلمان قیدی بھی تو یہاں ہیں۔ وہ مجھ سے کہیں زیادہ قابل ہیں۔ لیکن وہ بضد رہے۔

ان دنوں میں قرآن کریم اور فارسی پڑھ رہا تھا۔ ابوالفضل فیضی کی گیتا میرے فارسی سبق میں تھی۔ جیسے جیسے میں نے گیتا کا مطالعہ کیا۔ مہاراج کرشن کی زندگی میرے سامنے آتی گئی۔ اس سے پیشتر میں نے کرشن کو ایسی تصویروں میں دیکھا تھا جو پنواڑی کی دکان پر آویزاں ہوتیں۔ لیکن گیتا کے کرشن اور تصویروں میں نمایاں فرق تھا۔

میں نے ہندو قوم کے سمجھدار طبقے کو خطاب کرتے ہوئے کہا: آپ ہی بتلائیں کہ کسی اوتار کی زندگی ایسی ہو سکتی ہے کہ تالاب میں عورتیں نہا رہی ہوں اور ان کے کپڑے اٹھا کر کرشن جی مہاراج درخت پر بیٹھ کر بالسر می بجائیں۔ کوئی سطحی درجے کا آدمی بھی ایسی غیر شریفانہ حرکت نہیں کر سکتا۔ لہذا ایسی تصویریں بنانے والے مہاراج کرشن کی توہین کے مرتکب ہوتے ہیں۔ میں نے ہندو نوجوانوں سے اپیل کی کہ آپ رہا ہو کر جہاں کہیں ایسی تصویریں دکھیں انہیں ضائع کر دیں۔

اس تقریر کا فوری اثر یہ ہوا کہ سناتن دھرمی اور آریہ سماجیوں میں جھگڑا شروع ہو گیا۔ کیونکہ آریہ مورتی کھنڈن (توڑنا) کے حامی ہیں۔ اور سناتنی مورتی پوجا کے قائل۔ ان دونوں میں خوب جھگڑا رہنے لگا۔ اگر ایک گروہ میری تعریف کرتا تو دوسرے کے خیال میں میں مجرم تھا۔

مختصراً یہ قضیہ دیر تک چلتا رہا۔ اور دونوں گروہ ایک دوسرے کے دشمن رہے۔

اس طرح کے اکثر واقعات ان دنوں رونما ہوئے کہ میں دل برداشتہ ہو کر جیل سے نکلا۔ مجھے سیاسیات سے کچھ نفرت سی ہونے لگی تھی۔ یہاں جو باتیں سننے اور دیکھنے میں آئیں وہ جیل سے باہر نہیں تھیں۔

(جاری)



بسم اللہ الرحمن الرحیم

میرا اور آپ کا تاریخ ماضی سے متعلق سلسلہ کلام جون ۱۹۳۲ء کے اختتام پر منقطع ہوا تھا۔ آئیے اس نشست میں گفتگو کو آگے بڑھائیں۔

ہندوستان کی متحارب اور ہم آہنگ سیاسی جماعتیں ایکٹ ۱۹۳۵ء کے نفاذ سے پیشتر اپنی جگہ بطور ہرسل امسال انتخاب میں مصروف تھیں۔ گو اس اکھاڑے میں کوئی جماعت براہ راست اپنے لیبل سے شامل نہیں تھی تاہم ان کا وجود اس بات کا غماز تھا کہ وہ گزشتہ جدوجہد سے تنہا ہار کر لچہ دیر کے لیے سست بنا چاہتی ہیں۔ یہاں تک کہ جس احزاب نے بھی سنٹرل اسمبلی کی ایک سیٹ کے لیے اپنا میدان (مستر خالد لطیف گایا) نامزد کر دیا۔ مگر اس پر بھی وہ ریاست کپور تھلہ کی تحریک آزادی میں برابر شریک رہی۔ چنانچہ ۳ جولائی ۱۹۳۲ء کو امرتسر میں مرکزی احزاب و گنگ کمیٹی کا اجلاس ہوا جس میں ۱۲۔ جولائی کو یوم کپور تھلہ منانے کا فیصلہ کیا۔ نیز اس اجلاس میں چودھری عبدالعزیز پر جو گزشتہ ہفتہ سے بھوک ہڑتال پر تھے، اعتقاد کا اظہار کیا گیا اور ہر راجہ کپور تھلہ پر پیرس میں برقی پیغام کے ذریعے زور دیا گیا کہ وہ فوراً وطن پہنچ کر ریاست کے حالات پر قابو پائیں۔

ہٹلر پر قاتلانہ حملہ
جرمنی میں ہٹلر کی سیاسی اور فوجی قوت نے لندن کی حکمران پارٹی کی پریشانیوں کا اضافہ کر دیا۔ بروز کا آفتاب برطانیہ میں لہے سے انقلاب کی اطلاع دیتا۔ تو اسم یورپ نازی سیلاب سے بے خبر یا غافل نہیں تھیں۔ جیسے: ۷۔ جولائی ۱۹۳۲ء، لندن کے اخبارات نے جن میں لندن ٹائمز بھی شامل ہے یہ خبر سلی عنوان سے شائع کی:

”ہٹلر کے خلاف بغاوت اور اسے قتل کرنے کی سازش زور پکڑ رہی ہے۔“

جرمن کی کمیونسٹ پارٹی کو اس سازش کا سرغنہ قرار دیا جا رہا ہے۔ اس سے پیشتر
۲۔ جولائی کی ایک اطلاع میں کہا گیا تھا کہ برلن کی سیاہ پوش فوج کے طوفانی
دستوں نے شہر کے مختلف مقامات پر چانک چھاپے مار کر نازی پارٹی کے
بعض ذمہ دار افراد کو گرفتار کر کے انہیں سرعام گولی مار دی گئی۔ ان پر
پارٹی ڈسپلن کی خلافت ورزی کا الزام تھا۔

لندن میں ہٹلر کے خلاف یہ پراپیگنڈہ عام کیا جا رہا تھا کہ وہ ولیم قیصر کو
دوبارہ جرمن کا بادشاہ بنا رہا ہے۔

حالانکہ ہٹلر متعدد بار اس کی تردید کر چکا ہے، مگر جرمن عوام کو ہٹلر کے خلاف بغاوت
پر آمادہ کیا جا رہا ہے۔

اس پر ۱۸ جولائی کو ہٹلر نے اپنے ایک بیان میں کہا:
”میری طوفانی فوج نے جن افراد کو قتل کیا ہے ان میں کچھ یہودی و بالشوئیک
حالات کو خراب کر رہے تھے۔ انہیں عین موقع پر جیکہ وہ بغاوت اور انقلاب
کا علم بلند کرنے والے تھے، بجلی کی سی تیزی سے جالیا اور ان کے تمام سرغنہ کو
موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔“

کانگریس کو احرار کا جواب | سیاست یورپ کی ہو کر ایشیا کی اپنے طریق کار
میں کوئی اختلاف نہیں رکھتی۔ اس کے اصولوں
میں ہے کہ اپنے حریف کے خلاف جھوٹ کی نیوایسے اٹھاؤ کہ عمارت کے مکمل ہونے تک
اس کی سچائی پر شبہ نہ ہو سکے۔ ہندوستان کی تاریخ میں ایسی سیاست کو ماضی میں بڑا دخل
ہے۔ خصوصاً ہندو اس فن سیاست میں ماہر تھا۔

۱۲۔ جولائی کے اخبار روزنامہ ”ملاپ“ نے اپنے ادارتی کالموں میں قارئین کو یہ تاثر دیا کہ:
”پنجاب کے کانگریسیوں کی ایک جماعت مجلس احرار کے ساتھ دیرپہ سازش
کر رہی ہے کہ احرار کو میٹروں کا لالچ دے کر اس پر آمادہ کیا جائے کہ اگر وہ کانگریس
کے ساتھ مل جائیں تو انہیں پنجاب میں میٹروں اور دوسرے عہدے دئے جائیں گے۔“

اس سلسلہ میں اور بھی نئی باتیں بیان کی گئیں۔ جس کے جواب میں احوار نے جنرل سیکرٹری مولانا مظہر علی اظہر نے ایک واضح پریس بیان دیا:

”میں عوام کی اطلاع کے لیے صاف صاف اعلان کر دینا چاہتا ہوں کہ مجلس احوار اپنا کوئی نمائندہ موجودہ انتخاب اسمبلی یا آئندہ انتخاب کونسل میں کانگریس کے ٹکٹ پر بھیجنے کا ارادہ نہیں رکھتی۔ وہ اس بات کو اپنی توہین سمجھتی ہے کہ کوئی کانگریسی اسے کسی قسم کا کوئی لالچ دے کر خرید سکے۔

اخبار ملاپ کے نامہ نگار کو معلوم ہونا چاہیے کہ احوار کا رکن نہ تو کسی عہدے پر ہے۔ نہ بھوکے ہیں اور نہ انہیں کسی دوسرے لالچ سے مرعوب کیا جاسکتا ہے۔ انہیں صرف اپنے خدایہ بھروسہ رہا ہے اور اب بھی ہے۔ مجلس احوار ایسی باوقار جماعت کی طرف ایسی باتیں منسوب کرنا ذلیل ترین حرکت ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ایک طرف تو کانگریس پر مہاسجانی چھاپ گئی ہوئی ہے۔ اس لیے مہاسجاء کے اصولوں سے ہمدردی رکھنے والے نام نہاد کانگریسی کانگریسی امیدوار کا منتخب ہونا پسند نہیں کرتے جو مہاسجاء سے تھوڑا بہت بھی اختلاف رکھتے ہوں۔ دوسری طرف وہ مسلمان ہیں جو محض ہندوؤں کو خوش کرنے کے لیے اپنی قوم پرستی کا ثبوت دیتے ہیں۔ انہیں خوف ہے کہ کہیں لبرل کثیر تعداد میں آکر ان کی پوزیشن کو کمزور نہ کر دیں۔

مہاسجانی کانگریسی اور ہندو نواز مسلمانوں کو یقین رہنا چاہیے کہ مجلس احوار کانگریس کی سیاست میں الجھنا پسند نہیں کرتی۔ لہذا انہیں کوئی خطرہ محسوس نہیں کیا چاہیے۔ احوار کا رکن کو فقط مجلس احوار کا کارکن ہونا ہی اس کی بڑی عزت ہے وہ کانگریس کا فارم پرک کے کوئی اعزاز حاصل کرنا پسند نہیں کرتے۔ نہ ہی اس کی کوئی ضرورت سمجھتے ہیں۔“

ان دنوں کانگریسی رہنما مہاتما گاندھی لاہور میں تھے۔ مجلس احوار کی طرف سے آئندہ الیکشن میں سنٹرل اسمبلی کے امیدوار

گاندھی جی کے نام خط

مشر خالد لطیف گابا نے انہیں ۱۵ جولائی کو ایک خط لکھا۔

پیارے ماتما جی!

آداب عرض۔ میں اس سے پیشتر ۶ مئی ۱۹۳۳ء کو بھی ایک گزارش کر چکا ہوں کہ اگر آپ اچھوتوں کا احترام چاہتے ہیں تو اس کے لیے اسلام کے بغیر دوسری کوئی جگہ نہیں۔
آپ کا

خالد لطیف گابا ایڈووکیٹ لاہور

گاندھی جی نے گزشتہ سال سے اچھوتوں کو ہندو جاتی کے برابر سیاسی مقام کے لیے تحریک شروع کر رکھی تھی۔ لیکن ہندوؤں کا ایک طبقہ دمناتن دھرمی اس کے سخت خلاف تھا۔ وہ گاندھی جی کی تمام مساعی کے باوجود اچھوتوں کو نہ تو اپنے کتوؤں سے پانی بہرنے دیتا اور نہ ان پر بھگوان کے درشنوں کے لیے مندروں کے دروازے کھولتا۔

چھوڑ کر کے قریب ہندوستان میں اچھوتوں کی آبادی گاندھی کی تحریک اچھوت الودھ اور اس پر ہندوؤں کے طرز عمل سے پریشان تھی۔ درپردہ یہ سیاسی تحریک تھی جس سے ہندوؤں کی اتحاد میں اضافہ مقصود تھا۔ اس دور میں ہندوؤں کو تو لا نہیں گنا جاتا ہے۔ مجلس احرار نے ان دنوں گاندھی کی اس تحریک کے مقابل تبلیغ اسلام کی ملک گیر کانفرنس شروع کر رکھی تھیں۔ خالد لطیف گابا کا گاندھی کے نام خط اس سلسلے کی اہم کڑی تھی۔ گاندھی جی نے گو اس خط کا جواب نفی میں دیا۔ مگر ان دنوں کے اخبارات نے مجلس احرار اور گابا کے خط کو بڑی اہمیت دی۔

وزیر اعظم کی علیحدگی کا مطالبہ | ہندوستانی ریاستوں میں شخصی وقار کے مسئلے راعی اور رعایا کے اہل ایسے قضیے کو جنم دیا کہ اس آگ میں راج سنگھاسن اور فقیر کی جھونپڑی ایک ساتھ جلنے لگے۔ تشاؤ انگیز زندگی گزارنے والے راجپوتوں کے رئیس مفلوک الحال رعایا کے معاشی حالات سے اس قدر غافل تھے جس قدر انہیں اپنی موکانہ زندگی کا علم تھا۔

کشمیر اور راولپنڈی کے بعد ریاست کپور تھلہ کے عوام بھی اپنے پیدائشی حقوق کے حصول میں

گزشتہ دو سال سے مصائب پھیل رہے تھے۔ فرمانروائے ریاست سال کا تین چوتھائی پیرس میں گذارتا اور ریاست کا نظم و نسق ان کے وزیر اعظم دیوان سرعبد الحمید کے حوالے رہتا۔ برطانوی خطاب یافتہ کی حیثیت سے سرعبد الحمید ریاستی پالیسی کو انگریز کی خواہش اور نیت پر چلاتے۔ انہیں نہ تو ریاست کے امن کا پاس تھا اور نہ رعایا کی تکلیف کا احساس۔ یہی وجہ تھی کہ مہاراجہ نے اگر کبھی رعایا کو مطمئن کرنا چاہا، تو وزیر اعظم نے محض اپنے وقار کا مسئلہ بنا کر سارے نعتیہ پر سیاہی پھیر دی۔

چودھری عبدالعزیز اور ان کے رفقاء کا بار بار جیل خانوں میں ڈالے جانا اس کے سوا کوئی بنیادی بات نہیں تھی کہ چودھری عبدالعزیز ایسے لوگ جیل میں بالآخر بھوک ہڑتال پر مجبور ہوتے ان واقعات کی موجودگی میں صدر آل انڈیا مجلس احرار مولانا حبیب الرحمن نے ۱۳۔ جولائی ۱۹۳۲ء کو برقی پیغام کے ذریعے مہاراجہ کو پیرس میں مطلع کیا کہ:

”چودھری عبدالعزیز کے ساتھ جیل میں جو سلوک کیا جا رہا ہے اس کے پیش نظر انہیں تمام دن دھوپ میں کھڑا رکھا جاتا ہے۔ کھڑی ہتھکڑی، پاؤں میں بٹریاں ڈال دی گئی ہیں۔ پھر جبکہ وہ کئی دنوں سے بھوک ہڑتال کیے ہوئے ہیں۔ یہ سارا کچھ وزیر اعظم کی پور تھل اپنے ذاتی انتقام کی بنیاد پر کر رہے ہیں۔

اگر چودھری عبدالعزیز کی موت جیل میں واقع ہو گئی تو اس کی تمام ذمہ داری مہاراجہ کے سر ہوگی۔ نیز ریاست کے حالات میں مزید ہرجان پھیل جانے کا خطرہ ہے۔ بلائے نوازش اس پر فوراً توجہ دیں۔ نیز وزیر اعظم کی پور تھل کو ان کی موجودہ ریاستی ذمہ داریوں سے فوراً الگ کر دیا جائے اور چودھری عبدالعزیز کو فوراً رہا کیا جائے۔“

اس کی ایک نقل تھوڑی سی ترمیم کے ساتھ وزیر اعظم کی پور تھل کو بھیجی گئی۔ جو منسوب ذیل ہے:

”چودھری صاحب کے ساتھ جیل میں سخت انسانییت سے سلوک نہ ہو سکا۔ انہیں بند اضطراب انگیز نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ یہ سلوک مسلمانان ہند کے لیے سخت ناقابل برداشت ہے۔

عام طور پر اس سلوک کی وجہ یہ بیان کی جا رہی ہے جو آپ کو چودھری صاحب کے
کے خاندان سے ذاتی طور پر ہے۔ آپ اسی دشمنی کی بنا پر ان سے انتقام لے رہے
ہیں۔ ایسے حالات میں انہیں دھوپ میں کھڑی ہتھکڑی لگا کر تمام دن کھڑا رکھا
جا رہا ہے۔ نیران کے عزیز واقارب کو ان سے ملاقات کی اجازت بھی نہیں دے
رہے۔ اس طرح تحریک کے دوسرے قیدیوں سے بھی جیل خانوں میں بہت برا
سلوک کیا جا رہا ہے۔ ان کو اٹھارہ سیر گندم پینے کو دی جاتی ہے اور انہیں تنہائی
کوٹھڑی میں رکھا جا رہا ہے۔ ان حالات و واقعات میں اگر کوئی جان ضائع ہوئی
تو آپ اور آپ کی کونسل کی ذمہ داری ہوگی۔

یوم کپور تھلہ | ۱۲ جولائی کو ملک بھر میں مجالس احوار نے یوم کپور تھلہ منایا۔ اسی دن لاہور
کے ایک جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے چودھری افضل حق نے کہا:

”مجلس احوار کانگریس کی طرح کوئی امیر جماعت نہیں۔ پریس والوں کی حالت یہ
ہے کہ ہمارے اشتہار تک شائع کرنے سے انکار کر دیتے ہیں یا ایسی حالت میں
مجلس احوار کی مجبوریوں کا آپ خود ہی اندازہ کریں۔ حالانکہ سلطان پور کا واقعہ
جلیانوالہ باغ کے بعد دوسرا عظیم حادثہ ہے۔ لیکن ایک آدمہ مسلم پریس کے
علاوہ کسی کو توفیق نہیں ہو سکی کہ اس پر احتجاج کرے۔ ایسے حالات میں غریب
جماعتیں کیا کریں۔ اس کے باوجود ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ انتہائی مجبوریوں سے
بھی کپور تھلہ کی مظلوم رعایا کو انصاف دلانے کے لیے مسلسل جدوجہد کی جائیگی۔
مجلس احوار کے نمائندے ۲۱-۲۲ جولائی کو امرتسر میں اکٹھے ہوں گے۔

امید ہے وہاں مستقل پروگرام وضع کیا جائے گا۔“

گاندھی جی کا اعتراف | ایک ہفتہ لاہور میں قیام کے بعد گاندھی جی نے ۱۵ جولائی
۱۹۳۲ء کو روانگی کے وقت اخباری نمائندوں سے گفتگو کے

دوران اس بات کا واضح اقرار کیا کہ:

”کیمینٹل ایوارڈ کی تمنیخ مسلمانوں کے تعاون کے بغیر مشکل ہے۔ اس سے پہلے

قطاسِ ابیض کو مسترد کرنا ممکن نہیں۔“

جیل وارڈز کی علیحدگی | تحریک کے دنوں کو پورے قلعہ سنٹرل جیل کے ارد گرد سرکاری طور پر سخت انتظامات تھے۔ ایک فرلانگ تک خاردار تاروں کا جھنڈ

اور فوج متعین تھی تاکہ جیل میں سیاسی قیدیوں پر سختی کی کوئی خبر باہر نہ جاسکے اور نہ ہی باہر کی کوئی اطلاع جیل میں پہنچے۔ عزیز واقارب سے ملاقات کے تمام حقوق چھین لیے گئے تھے ایسے سخت مہول میں سنٹرل جیل کے ہیڈ وارڈر محمد علی نے بڑی جرأت کا مظاہرہ کیا وہ چودھری عبدالعزیز کا ایک خط قرآن کریم میں چھپا کر باہر لے آیا۔ جس میں وہ تمام واقعات درج تھے جس کی بنیاد پر صدر اہوار نے معراج کو پیرس میں اطلاع دی اور وزیر اعظم کی علیحدگی کا مطالبہ کیا۔

یہ راز کسی طرح فاش ہو گیا اور ۱۶ جولائی کو ہیڈ وارڈر محمد علی کو ملازمت سے الگ کر دیا گیا۔

مسر آغا خاں کا مطالبہ | انسان پر یہ الزام روز آفرینش سے عائد رہا ہے کہ اقتدار کی ہوس نے اسے اکثر بندیوں سے گرا دیا ہے۔ بادشاہوں کو اگر سلطنت لی

ہوس رہی ہے تو ان کے خواجہ تماش بھی اپنے پاؤں چادر سے باہر تک پھیلانے میں کمی نہیں کرتے رہے۔

غیر ملکی اقتدار نے اپنی ہوس کے جھولنے میں ایسے افراد کی ہمیشہ پالنا کی جنہوں نے ہندو مت کے علاوہ قدرتِ اسلامیہ کے مفاد اور ضرورت کو اپنی اغراض کے تابع رکھنا چاہا۔ غیر ملکی غلامی کے دو صد سال ایسے عناصر کی نشاندہی میں بخیل نہیں ہیں جن کے سخت فرنگی کے پاسنے بنے رہے۔ مسر آغا خاں مرحوم گزشتہ صدی کی مسلم سیاست میں نمایاں حیثیت کے مالک رہے۔ لیکن ان کے رائے کبھی بھی غیر ملکی حکمرانوں سے جدا نہیں ہوئی۔ خصوصاً مسلم لیگ کی سیاسی سیاست (محمد علی جناح قائد اعظم کی آمد سے پیشتر تک) انہی کی آبائے برطانیہ سے وابستہ رہی۔

دنیاوی جاہ و جمال کے سورج نے زندگی سے موت تک ان کا گھر ہمہ قسم آرائش سے مزین رکھا۔ اس پر بھی بحیثیت انسان انہیں اقتدار کی ہوس باقی رہی۔

۱۸۔ جولائی ۱۹۳۴ء کی شملہ سے آمد اس خبر کو ۲۰۔ جولائی لے روزنامہ ”القدس“ لاہور

نے اس طرح شائع کیا۔

”شملہ اسمبلی میں ایک سوال کے دوران سرگیا پرشاد نے فارن سیکرٹری سے دریافت کیا۔ آیا اس بات میں کوئی حقیقت ہے کہ سرآغاخان نے حکومت برطانیہ سے درخواست کی ہے کہ مجھے (سرآغاخان) ہندوستان کا کچھ علاقہ ہجرت فرمایا جائے۔ کہ میں اپنی دربرطانوی خدمات کے صدقے میں اس پر حکومت کروں۔“

اس کے جواب میں سرٹریڈ کاف فارن سیکرٹری نے کہا:-
 ”ہنرہائی نس سرآغاخان کی طرف سے ایک خفیہ مکتوب برآمد ہوا تھا لیکن حکومت اس کی تفصیل بتانے سے معذور ہے۔“
 اس ضمن میں سر محمد یامین کی کتاب ”نامہ اعمال“ کے حصہ اول کے ص ۵۷ کی یہ عبارت بھی دلچسپی سے خالی نہیں۔

”۲۶ جولائی ۱۹۳۲ء) اسمبلی میں یہ دن بڑا مزیدار دن تھا یعنی غیر سرکاری ریزولیشن کا دن تھا) بحث کرتے ہوئے لال چند نول رائے ممبر سندھ نے سوال اٹھایا کہ سندھ کو صوبہ ممبئی سے جدا نہ کیا جائے۔ اور کیا یہ افواہ گرم ہے کہ سرآغاخان کو سندھ کا بادشاہ بنایا جا رہا ہے۔ اس سے سندھ میں بے چینی پھیل گئی ہے۔ اس لیے کسی حصہ صوبہ کو اس سے جدا نہ کیا جائے۔“

اس کا جواب سر محمد یعقوب نے دیا۔ کہ آغاخان کا نام کیوں لیا اور اس

کو بدتمیزی بتایا۔“

مندرجہ بالا خبروں سے یہ حقیقت واضح ہو رہی ہے کہ رازداران افرننگ نے اسی سن میں ہواؤں کے جذخ بھانپ لیے تھے کہ آج نہیں تو کل غیر ملکی آقا متحدہ ہندوستان سے اپنا پستان اٹھا کر رخصت ہونے والے ہیں کیوں نہ اپنی محنت کا پھل ہانگ لیا جائے۔ ع۔
 پھر خدا جانے انہیں دھیان رہے یا نہ رہے

مسلم لیگ اور ملت اسلامیہ کے عنوان پر سرآغاخان نے گزشتہ ربع صدی تک مسلمانوں کے لیے بظاہر جو کام انجام دیا اگر اس میں حقیقت ہوتی تو سرآغاخان بظاہر سے اپنی خدمات سمجھ کر اس کا صلہ نہ مانگتے یا پھر بجائے اپنے اقتدار کے انگریزوں سے متحدہ ہندوستان

کا کوئی خطہ زمین مسلمانوں کے لیے حاصل کرتے یا کم از کم محمد علی جناح کی ماں میں ماں ملاتے مگر ذاتی اقتدار کی خواہش نے انہیں اجتماعی نیکی سے محروم رکھا۔

مہاراجہ کا جواب | صدر مجلس احرار نے ۱۳۔ جولائی مہاراجہ کی پور بھلہ کوریاستی تحریک اور چودھری عبدالعزیز سے متعلق جو تارپرس میں دیا تھا اس کا جواب ۱۹۔ جولائی کے مسلم اخبارات نے شائع کیا۔

”مہاراجہ نے اپنے حکام کو ہدایت کی ہے کہ چودھری عبدالعزیز کو جیل میں عام قیدیوں کی طرح رکھا جائے اور ان پر سختی کی جائے کیونکہ انہوں نے گزشتہ دو سال سے ریاست میں جو انقلابی تحریک شروع کی ہوئی ہے۔ اس کی وجہ سے ریاست کے وقار کو سخت نقصان پہنچا ہے۔“

آل انڈیا احرار ورکنگ کمیٹی کا اجلاس | مہاراجہ کا جواب کسی فرماننا کا جواب معلوم نہیں دیتا۔ ان الفاظ میں غصہ اور انتقام

نی ہو تھی۔ حکمران رعایا سے ذات کے لیے نہیں اصول پر چکڑتے ہیں۔ احرار کو اس پر شبہ تھا کہ جواب پریس سے نہیں بلکہ خود ساختہ ہے اور اس خبر کا مرکز کپور تھلہ ہے۔ چنانچہ احرار ورکنگ کمیٹی کے سامنے سب سے اہم ہی مشتبہ خط تھا جس کی اشاعت گزشتہ روز کے اخبارات میں کی گئی تھی۔

امرتسر منقہ اجلاس کی صدارت ولانا حبیب الرحمن نے کی۔ اس اجلاس میں پہلے آئندہ سال کے لیے عہدیدروں کا انتخاب عمل میں لایا گیا۔

صدر۔ مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی۔ نائب صدر۔ چودھری افضل حق اور چودھری عبدالعزیز۔ سیکرٹریز۔ مولانا محمد داؤد غزنوی اور مولانا منظر علی اظہر۔ خازن۔ ڈاکٹر عبدالقوی (لاہور)۔ سالار جیوش احرار۔ شیخ حاتم الدین منجانب ہوتے۔

اس اجلاس میں احرار کی آل انڈیا حیثیت کو مزید وسعت دی گئی۔

پنجاب: ماسٹر محمد شفیع (لاہور)۔ میاں محمد عمر چھپرا سوداگر چرم (امرتسر) رانا فیروز الدین ایڈووکیٹ (ہوشیار پور) مولانا عبدالغفار غزنوی (امرتسر) خاں منظر نواز خاں رئیس (ملتان)

مستر تاج الدین انصاری میونسپل کمشنر (لدھیانہ) حکیم نور الدین، میر عبد القیوم ایڈووکیٹ (لاہور)،
حکیم احمد علی (فیروز پور) مولانا عبد الکریم اور حاجی عبد الغنی رئیس بٹالہ (ضلع گورداسپور) حضرت
مولانا احمد علی (لاہور) چودھری عبد الغنی (ردہ تک ضلع حصار) نوابزادہ نصر اللہ خاں بی
(ضلع مظفر گڑھ) خواجہ احمد الدین، مولانا بشیر احمد، صاحبزادہ فیض الحسن (ضلع سیالکوٹ)
سردار محمد شفیع، چودھری محمد عاشق (تصور ضلع لاہور)

صوبہ یوپی :- محمود علی خاں رئیس کیلاش پور زسہار پور، محمد کابل اکمل ایڈیٹر طیفیت رند
افضل (سہارنپور) غازی منہ خاں (لکھنؤ) ایم ایم بشیر (علی گڑھ) حکیم آفتاب احمد
خان جامی (امروہ) مولانا محمد اسماعیل ذبیح، مولانا عبد القیوم، جناب عبد الحفیظ اور
مولانا عبد اللہ فاروقی (کانپور) سید محمد احمد کاظمی ایڈووکیٹ (الہ آباد) چودھری
عبد الستار مولانا عبد الجبار (دہلی) میر احمد حسن (شملا)

ممبئی :- حافظ علی بہادر ایڈیٹر روزنامہ السلال (ممبئی)
کلکتہ :- خاں عبد العزیز رئیس، سید بدر الدجی (میر کلکتہ کارپوریشن) مسٹر ہمایوں کبیر
ایم اے۔

شمال مغربی سرحدی صوبہ :- مفتی سرحد مولانا عبد القیوم پوپلہ فی (پشاور) سید احمد شاہ
پیرسٹر (چارسدہ) حکیم عبد السلام (ضلع ہزارہ)
سندھ :- ڈاکٹر محمد عمر (سکھر) حافظ عزیز الرحمن (کراچی)

موجودہ اجلاس میں سابقہ اجلاسوں سے زیادہ نمائندگی تھی۔ ہندوستان بھر کے دانشور
اور سیاستدان اس میں شامل تھے۔ دونوں اجلاسوں کی مسلسل بیٹھاگ قرینہ اظہار گھنٹے
رہی۔ بند کمرے کے اجلاس میں پریس تک کودا خلع کی اجازت نہیں تھی۔

تحریک کپور تھلا آئندہ ملکی انتخاب، مزانیت کی بڑھتی ہوئی سیاسی اور مذہبی سرگرمیاں
اجلاس کے زیر غور تھیں۔ بائیس جولائی شام کو حسب ذیل قراردادیں پریس کے حوالے کی گئیں
قراردادیں :- مجلس احرار کا یہ جنرل اجلاس واقعہ سلطان پور کے متعلق اس امر کا اعلان
کرتا ہے کہ سانحہ سلطان پور جیلیا نواز باغ کے قتل عام سے کسی طرح گم نہیں

لہذا یہ اجلاس ملک کی اسلامی مجالس سے امید رکھتا ہے کہ کپور تھلہ کی مظلوم رعایا کو انصاف دلانے میں ہر اسلامی انجمن کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرے گی۔ نیز ہر اسلامی انجمن جلسے جلوس اور ہمدردی کی قراردادیں منظور کرے۔

قرارداد نمبر ۲: مجلس احرار کا یہ جنرل اجلاس واقعہ سلطان پور کے متعلق ماتحت مجالس کے ذمہ دار عہدے داروں کو ہدایت کرتا ہے کہ مظالم کپور تھلہ اور لوگوں کے مطالبات کے متعلق ایک ہفتہ کے اندر اندر ایک مفصل بیان تمام اخبارات کو بھیجیں نیز ماتحت اور دوسری اسلامی مجالس کو آئندہ پروگرام کے متعلق مطلع کریں۔

یہ اجلاس تمام ماتحت مجالس کو ہدایت کرتا ہے کہ وہ رضا کاروں کی بھرتی کو فوراً تیز کر دیں اور فنڈ جمع کریں۔ چنانچہ اس سلسلے میں جماعت کے دوسرے حکم کے منتظر رہیں۔

قرارداد نمبر ۳: یہ اجلاس کپور تھلہ کے مطالبات یعنی ریاست میں ذمہ دار اسمبلی کا قیام اور ایسی کمی کی پوری تائید کرتا ہے۔ واقعہ حالیہ سلطان پور اور اس کے بعد ہنگاموں سے منتقمانہ کاروائیوں، جائیدادوں کی ضبطی، محصوم نہتے انسانوں پر لاطھی چارج وغیرہ خلاف انسانیت واقعات کی روشنی میں اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ مذکورہ صدر مطالبات حصول کے لیے جو پرامن تحریک چودھری عبدالعزیز نے ریاست میں شروع کر رکھی ہے جس سے ریاستی عوام میں بیداری کی زندگی پیدا ہو رہی ہے۔ حکام کپور تھلہ نے دراصل اس زندگی کو کچلنے کے لیے ایسے مظالم پر عمل کیا ہے دریں حالات مجلس مرکزیہ اس پالیسی کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے اعلان کر دینا چاہتی ہے کہ مظلوم رعایا کے جائز مطالبات بھر و تعدی سے ختم نہیں کیے جاسکتے۔ بالآخر ریاستی نظام کو بدنام پڑے گا۔ لہذا ریاست کا امن اس بات کا مقتضی ہے کہ رعایا کے فطرتی اور جائز مطالبات کو جلد تسلیم کر لیا جائے اور تمام امیران کوئی الفور رد کیا جائے۔

قرارداد نمبر ۴: یہ اجلاس اپنی اس رائے اور مطالبے کا صاف طور پر اعلان کرتا ہے کہ

دیوان سر عبد الحمید کا وجود ہندو مسلم سکھ باشندگان کی پور تھلہ اور والئی کی پور تھلہ کے لیے سخت نقصان دہ ثابت ہو رہا ہے۔

دریں حالات مفاد عامہ اور مفاد ریاست کو مد نظر رکھتے ہوئے مہاراجہ بہادر سے پرزور مطالبہ کرتا ہے کہ وہ وزیر اعظم کو فوراً ملازمت سے سبکدوش کر دیں ورنہ دوسری صورت میں اس کے تمام قرینہ کی ذمہ داری مہاراجہ پر ہوگی۔

قرار داد ۵: یہ اجلاس چودھری عبد العزیز کی ذات گرامی پر اپنے پورے اعتماد کا اظہار کرتا ہے۔ نیز اعلان کرتا ہے کہ چودھری صاحب موصوف اور ان کے ساتھیوں پر وزیر اعظم نے اپنے ذاتی غیض و غضب کی وجہ سے وحشیانہ مظالم روا رکھے ہیں۔ حقیقتاً چودھری صاحب موصوف نے کوئی ایسا جرم نہیں کیا کہ انہیں ایسی خوفناک سزا دی جائے۔

قرار داد ۶: یہ اجلاس مہاراجہ کی پور تھلہ کے اس حکم پر کہ چودھری عبد العزیز اور ان کے رفقاء کو طوق سلاسل میں جکڑ رکھا جائے، تعجب اور فسوس کا اظہار کرتا ہے۔

مجلس احوار یہ قیاس نہیں کر سکتی کہ کوئی والئی ریاست ان منتقلانہ اور پست جذبات کا اظہار کر سکتا ہے اس لیے یہ اجلاس مہاراجہ سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ فی الفور اس کی تردید کرے یا کم از کم اس بارے میں کوئی سرکاری اعلان شائع کرے تاکہ معلوم ہو سکے کہ حکم کی نوعیت کیا ہے یہ قرار داد بذریعہ تار مہاراجہ کو ارسال کی گئی۔

قرار داد ۷: یہ اجلاس حکومت کی پور تھلہ سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ سٹی مجسٹریٹ عبد الحمید قادیانی کو جو مسلمانان ریاست کے لیے مصیبت کا باعث ہے۔ جس کی خفیہ ریشہ دوانیاں ریاست کے امن کو بحال نہیں ہونے دیتیں فوراً ریاست کی ملازمت سے علیحدہ کیا جائے۔

اس اجلاس میں سرحد کے سرخپوشوں پر پابندی کے خلاف احتجاج کیا گیا اور ریاست جیندر کے مہاراجہ کے مسلم آزار روئے پر اظہارِ ناراضگی کیا گیا۔

شعبہ تبلیغ کا قیام | ۱۵۵ء کے بعد غیر ملکی اقتدار نے مسلمان کو تعلیم اور ملازمت سے آگے سوچنے کی ہمت ہی نہیں دی۔ سکول، کالج اور دفتر گزشتہ صدی تک مسلمان کا محور رہے۔ غیر مرئی طور پر اگر کہیں ملکی سیاست کی بات ذہن سے گزری تو فرنگی ضابطہ نے سیدہ پلائی ہوئی دیوار بن کر اسے روک دیا تاکہ یہ آزار دلوں میں نہ اتر جائے۔ آل کار مسلمان من حیث القوم وفتروں کے کلرک یا بابو بن کر رہ گئے۔ جذبات میں اگر کبھی پہچان پیدا ہوا تو یہ لڑائی محض کرسی کی حفاظت تک رہی اور اس سے ہمسایہ قوم سے تلخی پیدا ہوئی۔ کلرکوں اور بابوؤں کی یہ جنگ دفاتر سے نکل کر سیاسی ملاحہ آزماؤں کے لیے ان کے اپنے مستقبل کے کام آئی اور بس۔ مگر عملی سیاست میں جہاں انگریز سے نبرد آزما ہونا پڑا۔ اس وضع کا مسلمان متعدی امراض کی طرح اس سے کوسوں دور رہا۔

مجلس احوار نے ملازم پیشہ مسلمان کی اس بنیادی کمزوری کو بھانپ کر سیاست سے الگ رہ کر شعبہ تبلیغ کی بنیاد ڈالی۔ تاکہ غیر سیاسی کام کرنے والے لوگ مجلس احوار کے اس شعبہ میں کام کریں۔ ان کی سرکاری ذمہ داریاں بھی زخمی نہ ہوں اور دین کا کام بھی ہوتا رہے چنانچہ ۲۱-۲۲ جولائی کے اجلاس میں شعبہ تبلیغ کی باقاعدہ بنیاد رکھی گئی۔ اس کے اغراض و مقاصد اس طرح طے پائے۔

۱۔ شعبہ تبلیغ مجلس احوار اسلام خالص مذہبی شعبہ ہے۔ سیاسیات ملکی سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوگا۔

۲۔ ارتداد و دہریت کی روک تھام کے پیش نظر ملحد ختم نبوت کی ہر ممکن حفاظت کرنا۔
۳۔ مسلمانوں میں تبلیغ اسلام کا شوق پیدا کرنا اور اس کے یہ مبتلوں کی ایک سرگرم جماعت تیار کرنا۔

۴۔ ہندوستان اور بیرون ہند میں اسلام کی اشاعت کرنا۔
۵۔ خدمت خلق اور اسلامی اخلاق کی عملی کیفیت پیدا کرنا۔
شعبہ تبلیغ کے حسب ذیل عمیدار منتخب ہوئے۔

صدر: میاں قمر الدین رئیس اچھرہ (لاہور)

مکتبہ

نمبر

16915

تہذیب و تمدن کے ارتقاء کا مطالعہ

پیش کش

۱۹۳۵ء

از جناب مولانا عبدالحق صاحب مدرسہ اسلامیہ کراچی

پیشکش و تصنیف

تفصیل و ملاحظہ کے لیے





SHOBA-I-TABLIGH, MAJLIS-I-AHRAR-I-ISLAM HIND,

صدر دفتر تبلیغ احرا اسلام (انڈیا)

No. 1218

AMRITSAR 21, 4/ 19

(مرکزی بیڑ فاسم)

نائب صدر: چودھری افضل حق ایم۔ ایل۔ سی۔ دمبر پنجاب کونسل،

جنرل سیکرٹری: مولانا عبدالکریم۔ ایڈیٹر سبقت روزہ تمباہلہ لاہور

اس کا صدر دفتر اچھو میں قائم کیا گیا۔

گو قادیان میں احوار کا دفتر فروری ۱۹۳۲ء میں قائم کیا جا چکا تھا اور اس کے ساتھ ہی مدرسہ جامعہ محمدیہ کا قیام بھی عمل میں آچکا تھا۔ لیکن شعبہ تبلیغ کے قیام نے مرزائیوں میں ہیمان اور مسلمانوں میں تبلیغ دین کی ایک نئی روح پھونک دی۔

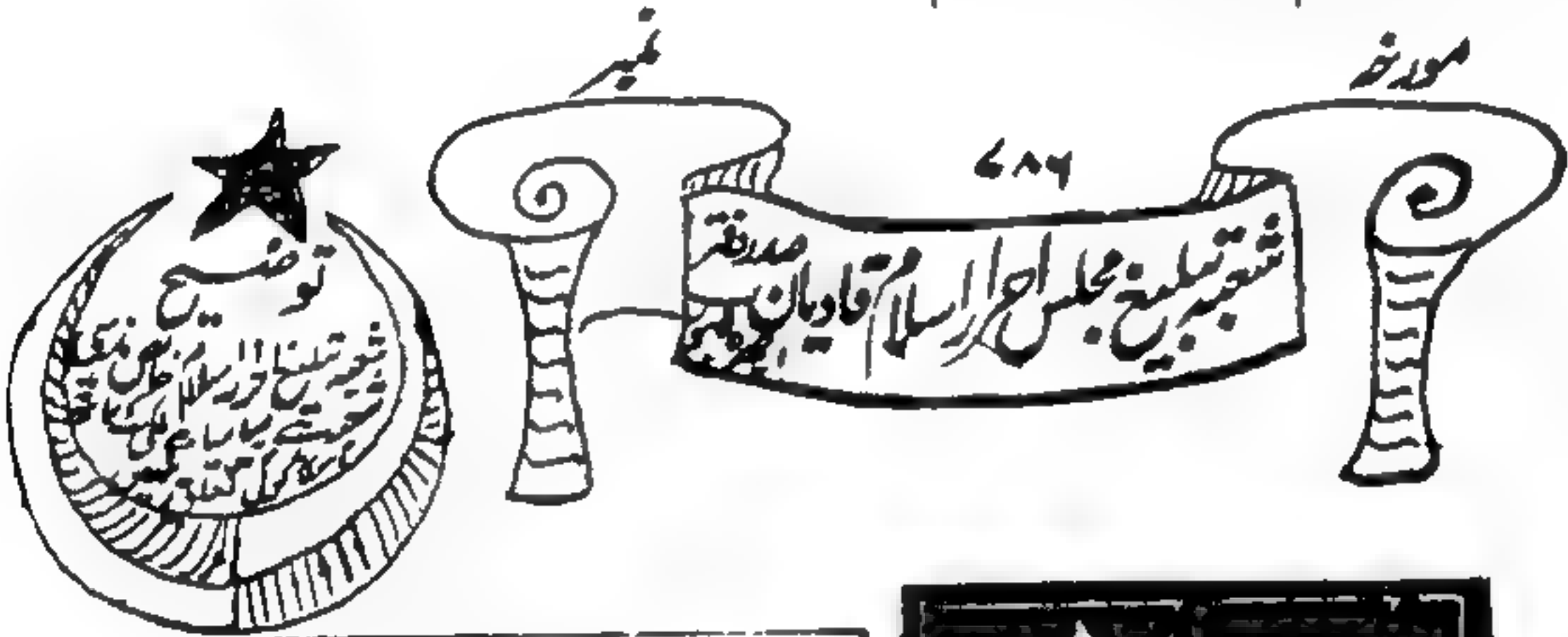
تیسرا محاذ | کانگریس کے مقابل مسلمانوں میں انگریز کے خلاف نفرت اور جذبہ حریت کو فروغ دینے کا نام مجلس احوار ہے۔ احوار اور انگریز کے درمیان لڑائی وقتی اور جذباتی نہیں بلکہ فطرتی جنگ تھی۔ احوار بحیثیت مسلمان انگریز کے خلاف بغاوت کو اپنا پیدائشی حق سمجھتے اور اس کے لیے ہمارے تلاش کرتے۔ دوسری طرف انگریز احوار کو اپنے اقتدار کی بحالی کے لیے ہر موڑ پر تشدد کا نشانہ بناتا۔ یہ آنکھ مچولی جاری تھی کہ ہندوستانی ریاستوں میں مسلمان رعایا سے خصوصاً نا انصافی کو بھانپ کر احوار نے انسانی احیاء و بقا کے لیے اپنے خلاف دوسرا محاذ قائم کر لیا۔ راج گڈیوں کے وارث اپنے خصوصی معاون برطانوی سامراج کے سہارے دانہ و دام سے لیس ہو کر سازشوں کے پس منظر میں احوار کے خلاف نکل کھڑے ہوئے تھے۔ کہ قادیان میں احوار کا تیسرا محاذ قائم ہو گیا۔ جس میں احوار مسئلہ نعت نبوت کی حفاظت اور کفر و ارتداد کی بیخ کنی کے لیے اپنی بے سرو سامانی کے باوجود ایمانی عزم کے ساتھ آمو جو ہوئے۔

قادیانی مذہب دیکھنے کو مختصر اور سمجھنے کو حقیر سی ٹولی تھی۔ مگر دریائے بیاس کے اس پار اس غیر آئینی ریاست کا وجود انگریز کا حفاظتی دستہ اور اسلام کے خلاف مضبوط حصار تھا۔ مرزائیت کے مذہبی اصولوں میں انگریز کو اولی الامر قرار دے کر اس کی اطاعت مسلمان پر مذہباً واجب قرار دی گئی تھی۔ اسی بنا پر پہلی جنگ عظیم میں ترکوں کی انگریزوں کے ہاتھوں شکست اور برطانیہ کی فتح پر قادیان میں گھی کے چراغ جلائے گئے اور اس خوشی میں مرزائیوں نے پنجاب کے انگریز گورنر ٹامپل ایڈوارڈز کو جس کے حکم پر ۱۳ اپریل ۱۹۱۹ء کو امرتسر جلیا نوار باغ

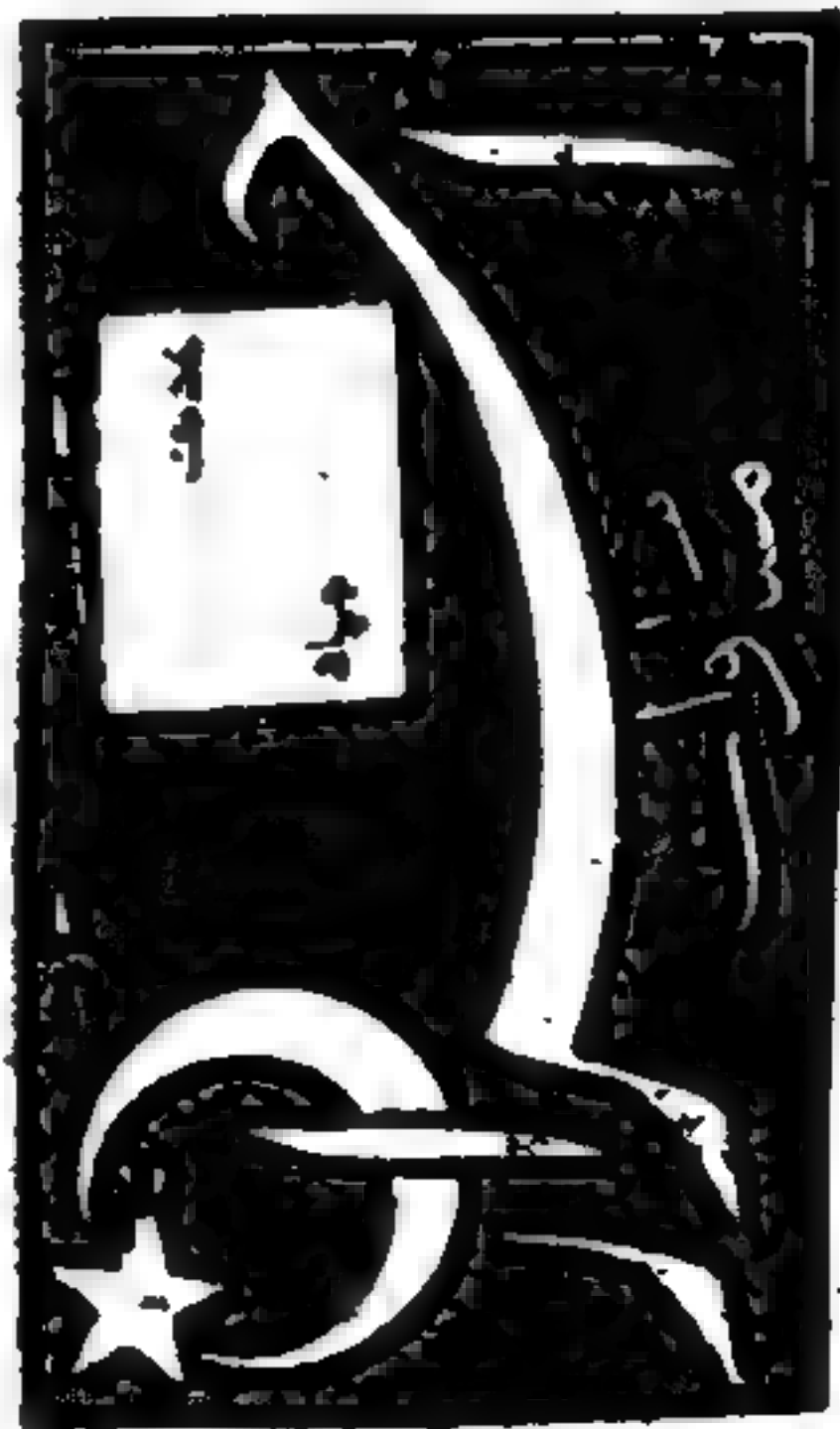
میں گولی چلی تھی، لاہور میں سپاسنامہ پیش کیا۔ احرار کے نزدیک انگریز کے اس اطاعت گزار گروہ کو جس نے بظاہر مسلمانوں کی سی شکل و صورت بنا رکھی تھی، مٹانا ضروری تھا۔ جبکہ تمام کا تمام ہندوستان فرنگی حکمرانوں سے آزادی وطن کے لیے لڑائی لڑ رہا تھا۔ ایسے منافق ٹولے سے جنگ نہایت ہی اہم اور ضروری تھی۔ گواہ احرار کے لیے اپنے خلاف یہ تیسرا محاذ کھولنا دشوار تر تھا۔ مگر آج

کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے!

گو شعبہ تبلیغ کے مقاصد میں ملکی سیاست کو دخل نہیں تھا اتنا اہم اس تنظیم پر احرار کی پوری گرفت تھی۔ اس شعبہ کا ہر فیصلہ احرار زعماء کے مشورے سے طے پاتا۔ شعبہ کے اکثر کارکن تنخواہ دار تھے۔ اور ایسے ورکرز کو اس تنظیم میں داخلے کی اجازت تھی جسے اسلام سے پوری واقفیت ہو۔ نیز وہ مرزائی اور عیسائیوں سے گفتگو کرنے پر قادر ہو۔ شعبہ تبلیغ اسلام کی رکنیت کا فارم



مقاصد شعبہ تبلیغ
۱۔ اردو و بریت کی روک تھام کے پیش نظر وقف ختم نبوت کی یاد دہانی
۲۔ مسلمانوں میں تبلیغ اسلام کا شوق پیدا کرنا اور مسلمانوں کی ایک سرگرم کائنات بنانا
۳۔ ہندوستان و بیرون ہند اسلام کی اشاعت کرنا۔
۴۔ خدمت خلقی اور اسلامی اخلاق کی عملی کیفیت پیدا کرنا۔
۵۔ شعبہ کے زیر قیام اس وقت ایک مدرسہ دینیات قادیان میں جاری ہے جس میں اردو، حساب، تاریخ کی تعلیم کا بھی انتظام ہے۔
۶۔ سمجھوتہ میں مداخلت اور دشمنی و شریعت و خطبہ جو کلمہ نہایت گہری ہے۔
۷۔ اگر دو نواح قادیان اور دیگر نواح و قصبہ میں بہترین سطح تبلیغ اسلام میں مصروف ہیں۔
۸۔ عرب و دارالحدیث کی مفت تعلیم کا انتظام کیا گیا ہے۔



شیخ رضا کالین اجسار

مسٹر خالد لطیف گابا کو سنٹرل اسمبلی کے لیے منتخب کرنا بھی سیاست سے زیادہ احوار کے تبلیغی مشن کا اہم جزو تھا۔ کیونکہ ان دنوں ہندو مہاسیجا کی طرف سے شہی کی تحریک زوروں پر تھی اور دوسری طرف مہاتما گاندھی اچھوتوں کو ہندوؤں کے برابر سیاسی حقوق دلانے میں مصروف تھے۔ مقابل میں مسلمانوں کی تمام مذہبی اور سیاسی جماعتیں آئندہ انتخاب میں الجھی ہوئی تھیں۔ یہاں تک کہ انبالہ کے ڈاکٹر غلام بھیک نیرنگ جن کی جماعت تبلیغ اسلام کے لیے معروف تھی اپنے حلقے سے الیکشن کے لیے ڈنٹر پیل رہے تھے۔ البتہ احوار اس مشن سے غافل نہیں تھے۔ چنانچہ ایک نو مسلم (خالد لطیف گابا) کی حمایت کا فیصلہ کر کے احوار نے مسلم اکثریت کی توجہ اپنی طرف کر لی۔ اور ساتھ ہی شعبہ تبلیغ کے کارکنوں کو ہدایت کی کہ وہ تمام پروگرام ملتوی کر کے مسٹر گابا کے حلقے میں پہنچ جائیں۔ اس ضمن میں چودھری افضل حق نائب صدر شعبہ تبلیغ کا ایک خط درج ذیل ہے۔

برادر م کرم سیکرٹری شعبہ تبلیغ دسوسہ (ضلع ہشیار پور)
اسلام علیکم۔ معلوم نہیں آپ کے مبلغ مسٹر گابا کے لیے بھی کچھ کوشش کر رہے ہیں یا نہیں۔ کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ ان تین مہینوں کے لیے اپنے تمام مبلغوں کو ضلع امرتسر لاہور، گورداسپور اور فیروز پور بھیج دیں۔ خصوصاً وہاں میں کہ وہ لوگوں کو اپنا ہم خیال بنا کر مسٹر گابا کی حمایت پر آمادہ کریں۔
یاد رکھنا چاہیے کہ اس انتخاب کا تبلیغی پہلو ایسا نمایاں ہے جسے شعبہ تبلیغ نظر انداز نہیں کر سکتا۔ مجھے امید ہے کہ آپ اس خط کا جواب دے کر مشکور فرمائیں گے۔

مک فیروز خان نون ان دنوں امرتسر آرہے ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ شاید وہ عوام کو بلا کر ہمارے امیدوار (مسٹر گابا) کے خلاف اکسائیں۔ میری گزارش ہے کہ اس کا خاص خیال رکھا جائے۔ مخالفین کی نقل و حرکت کی پوری اطلاع رکھنا ضروری ہے۔ والسلام

افضل حق - ۲۵/۴/۴۴

وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل | جیسے جیسے موجودہ اسمبلی کی میعاد اختتام کو پہنچ رہی تھی۔ سیاسی دل و دماغ نئے نئے زاویوں سے انتخاب کے میدان سوچ

رہے تھے۔ ان دنوں پنجاب کے میاں سرفضل حسین وائسرائے ہند کی ایگزیکٹو کونسل کے ممبر تھے کچھ دنوں کے لیے وہ رخصت پر گئے اور بعد میں اس ذمہ داری سے مستعفی ہو کر پنجاب کی سیاست میں داخل ہو گئے۔ اب ان کی جگہ وائسرائے کی کونسل میں ان کا جانشین کون ہو؟ یہ سوال پنجاب سے نکل کر دوسرے صوبوں تک بھی پہنچا۔ لیکن نواب چغتاری، سر سکندر حیات اور چودھری سرفراز اللہ (مرزائی) کے نام خصوصیت سے سننے میں آ رہے تھے۔

احرارِ اول الذکر دونوں مسلمانوں کے لیے معترض نہیں تھی۔ اُسے سرفراز اللہ پر اعتراض تھا کیونکہ یہ سیٹ مسلمان کی تھی، اس پر غیر مسلم کی تقرری احرار کے نزدیک سیاسی اور مذہبی گناہ تھا۔ چنانچہ ۲۹ اگست ۱۹۳۴ء کو اس خطرہ کو محسوس کرتے ہوئے مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی صدر مجلس احرار نے حسب ذیل بیان پریس کو دیا۔

”عام افواہ ہے کہ چودھری ظفر اللہ قادیانی کو جو کہ مرزا غلام احمد قادیانی کا مرید ہے اور مرزائی مذہب رکھتا ہے، سرفضل حسین کی جگہ وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کا ممبر بنایا جا رہا ہے۔“

مرزائی اپنے مذہبی عقیدے کی بنا پر نہ کسی مسلمان کا جنازہ پڑھتے ہیں نہ کسی مسلمان امام کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں اور نہ ہی وہ خود کو مسلمانوں میں شامل سمجھتے ہیں۔ بدیں وجہ تمام دنیا کے علماء ان کو خارج از اسلام سمجھتے ہیں اس لیے چودھری سرفراز اللہ کو وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کا ممبر بنانا مسلمانوں کے حقوق پر صریحاً ظلم ہے۔“

اسی بیان میں مولانا نے مسلمانان ہند کو مشورہ دیا کہ وہ وائسرائے کو اپنے دستخطوں سے مطلع کریں کہ کسی مرزائی کو مسلمانوں کے نام پر کوئی عہدہ اور ملازمت نہ دیں۔

”کیونکہ کوئی قادیانی بطلانیہ کے سوا کسی دوسرے ملک یا مذہب کا وفادار نہیں ہو سکتا۔ میرا یہ چالیس سالہ تجربہ ہے اور بقول علامہ سراقبائے مرزا: جو اس بات

کی ضمانت ہے کہ وہ انگریز کا سچا و قدار ہے۔“

۱۹۳۰ء کا ذکر ہے کہ ڈاکٹر سر محمد قبال نے الہ آباد میں مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کی صدارت کے دوران متحدہ ہندوستان کے مسلم

سندھ اور پاکستان

اکثریتی صوبوں کو باقی ہندوستان سے علیحدگی کا مطالبہ کیا۔ دوسری گول میز کانفرنس کے مقرر پو دھری رحمت علی نامی شخص نے انگریزی میں ایک پمفلٹ تقسیم کیا۔ جس میں ہندوستان سے مسلم اکثریت کے صوبوں کو علیحدگی کے بعد پاکستان کا نام دیا گیا تھا۔

۱۹۳۲ء کے آخر تک مزید کہیں پاکستان کا ذکر نہیں۔ لیکن سندھ کے سرکاری وڈیوں نے نہ جانے اچانک اس انجانی حقیقت کے جنم لینے سے پیشتر کیوں اور کیسے جان لیا کہ ایسا ہوگا اور قبل از وقت مرگ داویلا شروع کر دیا۔

۳۱۔ جولائی ۱۹۳۲ء کے روزنامہ انقلاب لاہور میں یہ خبر شائع ہوئی۔

”۲۸۔ جولائی (کراچی) سندھ آزاد کانفرنس کا دوسرا اجلاس سر غلام حسین ہدایت اللہ کی صدارت میں منعقد ہوا۔ جس میں سر موصوف نے کہا کہ

مسلمانان سندھ پنجاب، سرحد، بلوچستان کو ملا کر ایک بڑا اسلامی صوبہ پاکستان ہرگز بنانا نہیں چاہتے۔

مسلمانان سندھ، پنجاب میں جہاں (پنجابی) مسلمانوں کی اکثریت ہے مدغم ہونا نہیں چاہتے۔

سندھ کی علیحدگی سے ہمارا صرف یہ منشا ہے کہ ہم اپنے گھر (سندھ) کے خود مالک ہوں۔ اس کے سوا ہمارا کوئی مخالف مقصد نہیں۔“

متذکرہ بالا خبر سے شبہ گزرتا ہے کہ اس تجویز کا محرک چونکہ برطانیہ کا بااحتماد اور قریب ترین آدمی تھا لہذا اسے سرکاری ذرائع سے اس سن میں یہ معلوم ہو چکا تھا کہ آگے چل کر ایسا ہوگا۔ یہاں تک تو درست ہے کہ ۱۹۳۵ء ایکٹ کے تحت سندھ کو بمبئی سے علیحدہ کر کے ایک صوبہ قرار دیا جا رہا تھا۔ لیکن جہاں ”پاکستان بنے گا“ ہنوز کوئی ذکر نہیں تھا۔ مگر سر غلام حسین ہدایت اللہ کو یہ اندر کی بات کیسے معلوم ہوئی؟ دوسرا شبہ یہ گذرتا ہے کہ سندھ کے

غیر مسلموں کی شہ پر آزاد کانفرنس کی اس تجویز نے جنم لیا تھا۔ بہر حال آئندہ چل کر اس حقیقت کا انکشاف ہو جائے گا۔

کمیونسٹ پارٹی | آئی جب مذہب کے مربوط اصولوں سے انحراف کرتا ہے تو اس کے لیے کئی حیلے تراشتا ہے۔ لیکن حقیقت میں وہ ان ذمہ داریوں سے جی چراتا ہے جو مذہب نے اس پر عائد کی ہیں۔

ہو سکتا ہے روس میں کمیونسٹ پارٹی کے کوئی اصول ہوں لیکن برصغیر میں زیادہ تر اس پارٹی (کمیونسٹ) کا وجود مذہب سے بغاوت کے اصولوں پر قائم ہوا۔ ورنہ جس ملک کے ہر گھر کا طاقچہ بتوں سے بھرا ہو۔ وہاں کے عوام ایسی کوئی تحریک کیوں کر قبول کرنے لگے جس کی بنیاد مذہب پر نہ ہو۔

۱۹۱۷ء میں جب روس میں انقلاب آیا اور زار شاہی کی جگہ وہاں کے عوام نے سنبھالی تو اس کی صدائے بازگشت برصغیر میں بھی سنی جانے لگی۔ ۱۹۱۹ء میں جلیانوالہ باغ کا حادثہ، خلافت و ترک موالات کی تحریکات پر برطانوی حکومت کا اپنی غلام رعایا پر بے پناہ تشدد یہاں کے عوام کو اس موڑ پر لے آیا کہ غیر ملکی غلامی سے نجات کے لیے وہ طریق کار بے معنی ہے جسے کانگریس یا دوسری سیاسی جماعتوں نے اپنایا ہے۔ برطانوی سامراج سے نجات کے لیے عدم تشدد کی پالیسی بے کار ہے اور اس کے ذریعہ ہندوستان آزاد نہیں ہو سکتا جب تک یہاں برابری کی فوجی قوت نہ ہو۔ لیکن اس سے پیشتر کے متعدد ایسے تجربات سے ہندوستانی رہنما یوں ہو چکے تھے۔ خصوصاً ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی۔ گاما گاٹھارو، جہاز کی سازش اور مولانا محمد قاسم نانوتوی کی تحریک پر مولانا عبید اللہ سندھی کا افغانستان پہنچ کر روس اور ترکی سے سازش کر کے

۱۔ ایک جہاز کا نام تھا جسے ہندوستان سے باہر کے محب وطن ہندوستانیوں نے جاپان سے خرید کر اس وقت کے انقلابی رہنما سر فارگووڈت سنگھ کے سپرد کیا تھا۔ اس جہاز میں سوار انقلابی سکھ نوجوانوں کی اکثریت تھی غیر ملکی اسلحہ بھی اس میں تھا۔ اس سازش کا علم برطانوی حکومت کو جہاز کے ہندوستان پہنچنے سے پیشتر ہو چکا تھا۔ چنانچہ جیسے ہی یہ جہاز بنگالہ کے گھاٹ پر پہنچا، گورنر نے ساحل سے فائرنگ شروع کر دی۔ مقابل میں جہاز سے بھی فائرنگ ہوئی۔ جہاز پر سوار انقلابی مارے گئے۔ جو بچے انہیں گرفتار کر لیا گیا اور یہ لوگ بیس بیس سال کے لیے جیل خانہ میں بند کر دیے گئے اس طرح یہ سازش ناکام ہو گئی۔

ہندوستان کو انگریزوں سے آزاد کرانا نیز تحریک ریشمی رومال کی ناکامی نے ثابت کر دیا تھا کہ ہندوستان میں تشدد کی کوئی تحریک کامیاب نہیں ہو سکتی۔ تاہم کانگریس کی برہمنی ہوئی تحریک میں کچھ عناصر ایسا شامل ہو جو روسی انقلاب سے بالواسطہ متاثر تھا۔ آہستہ آہستہ اور اندریہ اندریہ لوگ نوجوانوں کو اکسائے رہے کہ مذہب ایک ایفون ہے جو انسانی جذبات کو مضحل کر دیتا ہے۔ اس سے دوری حاصل کرنا انسانیت کی مزاح ہے اور یہ آزادی وطن کے راستے میں بھی سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔

جیسے جیسے یہ زیر نوجوان خون میں سرایت کرتا گیا متحدہ ہندوستان میں کمیونسٹ تحریک کو تقویت حاصل ہوتی رہی۔

روس کے بعد ہندوستان میں ۱۹۲۱ء میں کمیونسٹ پارٹی کی بنیاد رکھی گئی۔ بمبئی، پونا اور احمد آباد میں سب سے پہلے اس کے دفاتر قائم ہوئے۔ کامریڈ منظر احمد اور کامریڈ گھاٹ (مریٹھ) اس کے رہنما تھے۔

کمیونسٹ پارٹی کے خلاف قانون (UNLAW FULL) قرار دیے جانے کے بعد بظاہر یہ لوگ کانگریس سے وابستہ رہے۔ مگر (UNDER GROUND) (دور پردہ) کام کرتے رہے۔ اس تحریک کو زیادہ تر بنگالی نوجوانوں نے قبول کیا۔ متحدہ ہندوستان میں دہشت پسند تحریکیں زیادہ تر اسی صوبے میں پروان چڑھیں۔ چنانچہ ۱۹۲۶ء کو کانپور میں پہلی کسان مزدور کانفرنس ہوئی جس میں یہ لوگ (کمیونسٹ) کھل کر سامنے آئے۔ اس کانفرنس کے ایک اجلاس کی صدارت مولانا حسرت موہانی نے کی۔

اس طرح کانگریس کے اندر نئے خیالات نے جنم لیا اور یہ گروہ اندر خانے اپنا کام کرتا رہا۔ یہاں تک کہ ۱۹۳۲ء میں اس گروہ کے متعدد افراد میرٹھ سازش کیس میں گرفتار ہوئے۔ پنجاب میں اس سے پیشتر نوجوان بھارت سبھا قائم ہو چکی تھی۔ جس کے رہنما درگھت سنگھ تھے۔ جنہیں ۲۳۔ مارچ ۱۹۳۱ء کو لاہور سنٹرل جیل میں موجودہ شادمان کالونی میں پھانسی دیا گیا تھا۔ میرٹھ کیس ختم ہوتے ہی یہ لوگ پھر اندر گراؤنڈ چلے گئے۔ آخر ۲۴ جولائی ۱۹۳۲ء کو ہندوستان میں کمیونسٹ پارٹی کو باضابطہ خلاف قانون قرار دے دیا گیا۔ اس کے باوجود

یہ لوگ اندر ہی اندر کام کرتے رہے۔ ان دنوں کامریڈ پورن چندر اس پارٹی کے جنرل سیکرٹری تھے۔
المحدث لیگ | ہندوستان کی سیاسی سرگرمیاں ہنوز آئندہ انکیشن تک محدود تھیں۔
 ہر پارٹی اور گروہ اس تک وود میں تھا کہ اپنی اپنی قوم اور فرقہ پر اپنی
 پوزیشن واضح کرے۔ انہی دنوں بنارس المحدث لیگ کے جنرل سیکرٹری ایم اے سعید نے بنارس
 سے ۲۰ اگست کے اخبارات میں ۲۰ جون کی اس خبر کی تردید کی کہ مشترکہ اجتماع کی تجویز بنارس
 المحدث لیگ نے پیش کی ہے، بلکہ یہ تجویز آل انڈیا المحدث لیگ کی تجویز ہے۔

احرار سے سمجھوتہ | اخبارات میں احرار سے متعلق یہ خبر شائع ہوئی کہ انبالہ ڈویژن سے
 مولانا غلام بھیک نیرنگ کے مقابل احرار رائیو زالدین (ہوشیارپور)
 ایڈوکیٹ کو اپنا نمائندہ منتخب کر رہی ہے۔ مگر چند دنوں کی باہمی گفتگو کے بعد یہ طے پایا کہ
 کہ احرار اس حلقہ سے مولانا غلام بھیک نیرنگ کے مقابل اپنا نمائندہ واپس لے لے۔ اب
 احرار صرف خادہ لطیف گابا کی حمایت کرے گی۔ یہ اعلان ۲۰ اگست ۱۹۳۴ء کے اخبارات
 میں کیا گیا۔

وائسرائے ہند کا اعلان | ۲۰ اگست ۱۹۳۴ء کو وائسرائے ہند لارڈ ونگٹن نے
 اعلان کیا۔

”۳۱۔ دسمبر ۱۹۳۴ء کو موجودہ اسمبلی ختم کر دی جائے گی۔“

اس اعلان سے انتخابی سرگرمیاں تیز تر ہو گئیں۔ کانگریس نے سنٹرل پارلیمنٹ بورڈ قائم
 کر لیا۔ ہندو مہاسبھا بھائی پرمانند کی قیادت میں پرتو لٹے لگی۔ پنڈت مدن موہن مالویا اپنی نیشنلسٹ
 پارٹی کو مضبوط کرنے لگے۔ ۱۲ اگست کو شملہ میں مسلم کانفرنس اور مسلم لیگ کا مشترکہ اجلاس ہوا۔
 سکھوں نے اپنی سوہجاتی یونین قائم کر لی۔ اس طرح حالات نے نئے سرے سے لڑائی
 اور اندپڑی ہوئی انتخابی تحریک میں جان آنے لگی۔

۱۲ اگست کا اجلاس | شملہ میں مسلم لیگ اور مسلم کانفرنس کے مشترکہ اجلاس میں
 پارلیمانی بورڈ کے قیام کے علاوہ، برطانیہ کے فرقہ وارانہ
 اعلان کو کلیتہً قبول کر لیا گیا۔

چونکہ مسٹر محمد علی جناح ان دنوں لندن میں تھے۔ لہذا ان کی جگہ اجلاس کی صدارت آنریبل سر رضا علی نے کی۔ اس پر اعتراض اٹھایا گیا کہ مسلم لیگ کا یہ اجلاس غیر آئینی ہے۔ چونکہ صدر یہاں نہیں ہیں لہذا ہم اس کو نمائندہ اجلاس تسلیم نہ کرتے ہوئے واک آؤٹ کرتے ہیں۔ ان میں عبدالمستین چودھری اور مسٹر اظہر علی قابل ذکر ہیں۔

شملہ ان دنوں مسلم سیاست کا مرکز تھا۔ ۱۲۔ اگست کے بعد ۱۴۔ اگست کو نواب چھٹاری، خان بہادر حافظ بڑایت حسین، نور شید علی خاں اور اسی طرح کے دوسرے رہنما جمع ہوئے۔ جنہوں نے آل انڈیا کونسل مسلم لیگ اور مسلم کانفرنس کا اجلاس منعقد کیا۔ اور اپنا الگ پارلیمانی بورڈ بنالیا۔ نیز اسی اجلاس میں آئندہ انتخاب میں جداگانہ طریق انتخاب کی تائید کی گئی۔ اس اجلاس کے خاتمے پر لندن سے سر آغا خان نے نواب چھٹاری کو مبارک باد کا تار دیا۔ دیا اجلاس مقابل کی مسلم لیگ نے مسٹر جناح کی غیر حاضری میں کیا تھا، اسی اجلاس میں لہور کے نامزد امیدوار مظہر لطیف کا بیکے مقابل خان بہادر حاجی رحیم بخش کو مسلم کانفرنس اور مسلم لیگ کا مشترک نمائندہ ٹکٹ دیا گیا۔ سر آغا خان نے لندن سے اس کی تائید کی۔ اس کے ساتھ ہی نواب چھٹاری، بیگم شاہنواز، میر مقبول نے بھی خان بہادر حاجی رحیم بخش کی حمایت میں بیان دیا۔

۱۹۔ اگست کو کلکتہ سے نیشنلسٹ پارٹی کے لیڈر پنڈت جیو می نے ایک بیان کے ذریعے اعلان کیا:

”نیشنلسٹ پارٹی کا ممبر وہی ہو سکتا ہے جو کانگریس کا ممبر ہوگا۔ کیونکہ یہ پارٹی کانگریس سے علیحدہ نہیں۔ اس جماعت کے مقاصد میں اول یہ بات ہے کہ کونسلوں سے باہر ترطاس امیض اور فرقہ وارانہ نیابت کو مسترد کرنے کی کوشش کرے گی۔“

ہٹلر جرمن کا صدر منتخب ہو گیا | دنیائے پائیکس سے ہندوستان کے سیاسی حالات
گو مختلف تھے لیکن یورپ کے پائیکس میں
اس کا برابر ذکر تھا۔ برطانوی غلام ہونے کے باوجود متحدہ ہندوستان کے اندر وہ حالات

انگریزوں کے لیے سازگار نہیں تھے۔ برصغیر اویان برطانیہ کے لیے سروردی کا باعث تھا اور خصوصاً
 جرمن کے بدلتے ہوئے حالات اور اسے دن کے واقعات نے فرنگی سیاستدانوں کو ہندوستان
 کی طرف سے متفکر کر رکھا تھا۔ ہر شاہ آسمان پر شفق کے بدلتے ہوئے رنگ برطانوی دانشوروں
 کے چہروں کی غمازی کرتے اور ڈھلتے ہوئے تاروں کے ساتھ نہ جانے کتنی بھین ڈوب رہا تھا۔
 ۱۹۔ اگست ۱۹۴۴ء کو جب اڈوینز، ہٹلر جرمن کا مستقل صدر عوام کے دوئوں سے منتخب
 ہوا تو برطانوی سامراج کے رہے سے حواس جاتے رہے۔ اس سے ایک ہفتہ قبل ۹۔ اگست
 کے ”ٹریلی میل“ لندن میں ہٹلر کا ایک بیان شائع ہوا۔

”ہم اس وقت تک انگلستان سے ہر دُعا نہیں ہوں گے جب تک
 کہ وہ ہم پر حملہ نہیں کرے گا۔ اسی بیان میں آگے چل کر ہٹلر نے کہا جب وہ یہ
 کہتے ہیں کہ انگلستان کی مدافعت سرحد دیرانے رائٹن کا کنارہ ہے تو ہمارا حق ہے
 کہ ہم اپنے ملک کی سرحد کے اندر اپنی حفاظت کا انتظام کریں۔ ہم انگلستان
 سے کوئی نوآبادی بھی نہیں چاہتے۔ میں ایک جرمن نوجوان کی جان بھی اس کام
 کے لیے قربان کرنے کو تیار نہیں اور نہ ہی ہم آسٹریلیا پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔
 البتہ آسٹریلیا ہم سے دسی تعلقات قائم کرے جو پڑے تھے۔“

اگر جرمن کو مجبور کیا گیا تو وہ تمام دنیا کی خام اجناس سے بے نیاز اور
 خود مختار ہو جائے گا۔ دو تین سال کے اندر دنیا دیکھے گی کہ جرمن کس طرح اپنا
 لوہا منواتا ہے۔“

صدارتی انتخاب میں نوے فیصد جرمن عوام نے ہٹلر کو ووٹ دیے لیکن اس پر بھی
 ہٹلر کو یقین تھا اور اسی یقین کی بنا پر اس نے کہا:

”وقت آئے گا کہ دس فیصد جرمن مجبور ہو جائیں گے کہ میرا ساتھ دیں۔
 جرمن کا ہر آدمی نازی پارٹی کا حامی بن جائے گا اور آئندہ بھی میرا اسی طرح
 ساتھ دیں گے جس طرح گزشتہ واقعات میں میرا ساتھ دے کر انہوں نے
 وفاداری کا ثبوت دیا ہے۔“

صدارتی انتخاب کے ایک ہفتہ بعد ۲۷ اگست ۱۹۴۴ء کو بٹلر نے کہا:
 "وہ اگر کوئی غیر قوم ہم پر حملہ آور ہوتی تو اس کی وجہ محض یہ ہوگی کہ ہم اپنے
 وطن کے مفاد کا تحفظ نہیں کر سکتے یا پھر بین الاقوامی جماعت کے مخصوص لوگ
 ہمیں نقصان پہنچائیں گے۔ لیکن میں ان لوگوں کو یقین دلاتا ہوں کہ ہم کسی
 طاقت کے سامنے جھکنے کو تیار نہیں ہیں۔"

یہودی اور کمیونسٹوں کو یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ اگر انہوں نے
 مذہب کی آڑ لے کر جرمن قوم یا نازی پارٹی کی مخالفت کی تو ہم ہر ممکن ذرائع سے
 ان کا مقابلہ کریں گے۔"

جرمن کا اقتدار سنبھالنے کے بعد بٹلر نے مسلسل تقریروں میں جو لمحہ اختیار کیا اس نے
 یونین جیک کی اڑانوں کے ساتھ برطانوی وانشوروں کی پیشانیاں بھی شکن آلود کر دیں۔ ایسے
 میں برٹش ایمپائر دوہری مشکلات میں الجھ گئی۔ ہندوستانی ایک طرف اپنی آزادی کی آگ کو
 ہواد سے رہے تھے تو جرمن دوسری طرف پہلی جنگ عظیم کی شکست کا انتقام لینے کی
 تدبیروں میں تھے۔ انہی دنوں وائسرائے ہند نے ۳۱ دسمبر کی بجائے ۲۹ اگست کو
 آئندہ انتخاب تک کے لیے اسمبلی پر خاست کرنے کا اعلان کر دیا۔

اس عجلت کے ساتھ اسمبلی پر خاست کرنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟ جبکہ ۲۱ اگست
 کو وائسرائے خود اعلان کر چکے تھے کہ وہ ۳۱ دسمبر ۱۹۴۴ء کو موجودہ اسمبلی پر خاست کریں گے۔
 پھر ۲۹ اگست کو یکایکی یہ قدم کیوں اٹھایا گیا؟ ہندوستان میں برطانوی نمائندے کا اپنے
 وعدے سے یہ انحراف بساط سیاست پر ایک نئے مہرے کی چال تھی۔

بٹلر کی مسلسل حالیہ تقریروں نے برطانوی سیاستدانوں کو بہ نزل کر دیا تھا اور اس موقع پر
 وہ ہندوستانی سیاستدانوں کا باہم ایک جدید تماشہ دیکھنا چاہتے تھے تاکہ برطانیہ کمیونی کے
 ساتھ جرمن کے بدلتے ہوئے حالات پر غور کر سکے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

۲۱ اگست (۱۹۴۴ء) مسلم یونیورسٹی بورڈ لکھنؤ کے اجلاس میں آخری روز
 نئی افواہ فری | جمیعہ علمائے ہند کے نمائندوں نے واک آؤٹ کیا۔ ان کا موقف یہ تھا۔

”چونکہ مسلم یونیٹی بورڈ سے ہمارا اشتراک صرف ان شرائط پر تھا کہ آئندہ انتخاب میں ہم ایسے نمائندوں کی امداد کریں گے جو اسمبلی میں مذہبی امور کے سلسلے میں جمعیت کے فیصلوں کے مطابق کام کریں۔ لیکن یونیٹی بورڈ نے ہماری شرائط پوری نہیں کیں۔ لہذا ان حالات میں ہم آئندہ انتخاب میں مسلم یونیٹی بورڈ کی حمایت نہیں کریں گے۔ تاہم جمعیت علمائے ہند ان حالات میں بھی بورڈ کا ایک نمایاں گروپ رہے گا۔“

مولانا احمد سعید اعظم علی جمعیت علمائے ہند کا یہ بیان ۲۲- اگست کے اخبارات میں شائع ہوا۔

۲- ۲۴ اگست کو مولانا گاندھی نے پنڈت مالویہ کے بیان کی تردید میں کہا: ”ویر بات غلط ہے کہ کوئی کانگریسی نیشنلسٹ پارٹی کے ٹکٹ پر الیکشن لڑ سکتا ہے۔“

گاندھی جی نے کہا کہ

”صرف کانگریس پارٹی کو یہ حق حاصل ہے کہ انتخاب لڑے۔ صرف اپنے پارلیمانی بورڈ پر اور کانگریسی صرف اسی نام سے الیکشن میں حصہ لے سکتا ہے۔“

۳- عید انہی دنوں موضع پول تحصیل ریواڑی کے ہسپتال کے ایک غیر مسلم ڈاکٹر نے اپنے گدھے کا نام احمد رکھا جس پر سارے ہندوستان میں رنج و غم پھیلنا پیدا ہو گئی۔

۱۹۲۷ء سے ہندو ماساجد آزادیہ سماج نے تحریک شاتم رسول شروع کر دی تھی کہ وہ مسلمانوں کی دل آزاری کے لیے سرور کائنات صلعم کی ہر ممکن طریق سے ایانت کریں گے۔ چنانچہ لاہور میں راجپاں کا قتل، دہلی میں شہرہاوند کا قتل، قصور میں پارامہ کا قتل، کراچی میں نھورامہ کا قتل، جہلم میں ایک سکھ کا قتل اسی سلسلے کی کڑیاں تھیں۔

یہ حقیقت ہے کہ احرار ہندوستان خصوصاً سید عطاء اللہ شاہ بخاری (رحمۃ اللہ علیہ) اگر اس موقع پر یہ پابندی دیوار نہ بن جاتے تو شاید باطل کی زبانیں بند نہ ہوتیں جو مسلمانوں کو

بھی قابل داد ہیں، جتنوں نے جان کا نذرانہ دے کر خاتم الانبیاء علیہ السلام کی عزت کو محفوظ کیا۔
 پول کے حادثے کو بھی یہی عنوان دیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ اس میں بھی شاتم رسول کا پہلو واضح تھا۔
 انتخاب کے دن تھے۔ تمام ملک اسی میں مصروف تھا۔ غیر مسلم تو غیر مسلم ٹھہرے۔ مسلمان
 بھی اس واقعہ پر چپ ساودہ کر رہ گئے۔ گواہ راج بھی فارغ نہیں تھے۔ تاہم اخبارات نے پول کا گدھا
 کے عنوان سے سارے مسلم جذبات کو آگ دے رکھی تھی! ایسے میں عرف مجلس احرار نے قدم اٹھایا
 کہ ۲۵ اگست کو چودھری افضل حق نے وزیر زراعت پنجاب کو ایک خط کے ذریعے اس طرف
 متوجہ کیا۔

ڈاکٹر شفا خانہ حیوانات پول کے خلاف اس بنیاد پر کہ اس نے ایک گدھے کا
 نام پیغمبر اسلام صلعم کے نام پر اصرار رکھا ہوا ہے۔ ڈاکٹر کی اس حرکت پر سارے ملک
 میں احتجاج ہو رہا ہے، اگر متعلقہ محکمہ اس پر خاموش ہے۔ آخر کیوں۔ ہر بانی
 کر کے اس کی فوری تحقیقات کر کے جواب دیں۔

آپ کا افضل حق ایم ایل اے
 نائب صدر مجلس احرار اسلام ہند

اس خط کے جواب میں ۲۸ اگست کو وزیر زراعت نے چودھری افضل حق کو تحریر کیا۔

شملہ رلیٹ ہاؤس

۲۸۔ اگست ۱۹۳۲ء

مکرمی چودھری صاحب!

مجھے کامل یقین ہے کہ آپ کو پتہ چل گیا ہوگا کہ گدھے کے نام کے متعلق بڑی
 غلط فہمی تھی۔ دراصل گدھے کا نام احمق تھا۔ تاہم اس پر بھی اس کا یہ نام تبدیل
 کر کے بہادر رکھ دیا گیا ہے۔
 آپ کا۔

جوگندر سنگھ۔ وزیر زراعت پنجاب

اسی روز ڈاکٹر حیوانات پول کا ایک بیان اخبارات میں شائع ہوا۔
 ”میری ذرا سی غلطی سے مسلمان بھائیوں کے جذبات کو ٹھیس پہنچی ہے میں
 اس پر معذرت خواہ ہوں۔ آئندہ ایسی کوئی غلطی نہیں ہوگی۔“

مہاراجہ جیند کے نام | ۱۹۲۱ء سے ہندوستان کی غیر مسلم ریاستوں میں مسلمان رعایا کے ساتھ ظلم و ستم کا ایک دور چل رہا ہے۔ اس پر ہندو اخبارات نے جو جانبدارانہ

رویہ اپنایا تھا۔ ماضی قریب کے واقعات سے آشنا لوگ اس سے خائل نہیں کئے جاسکتے۔

کانگریس اور مسلم لیگ سمیت ریاستی مسلمانوں کے ساتھ مسلمان جماعتوں نے جس بے اعتنائی کا مظاہرہ کیا، تاریخ اس سے بیگانہ نہیں۔ یہ کریڈٹ صرف مجلس احرار کے لیے وقف رہنا چاہیے کہ اس کے رہنماؤں نے کشمیر، الورا، کپور تھلہ اور جیند جیسی ریاستوں کے حاکموں سے ٹکرا کر وہاں کے مسلمانوں کو ان کے پیدائشی اور جائز حقوق دلانے اور اس ضمن میں اپنے کو مصائب میں ڈالا۔

۳۱ اگست ۱۹۲۲ء کا صدر مرکز یہ احرار کا یہ بیان اس ضمن میں آتا ہے۔ اس میں انہوں نے مہاراجہ جیند کو ان کی مسلم رعایا کے متعلق چند مطالبات کا ذکر کیا ہے۔

”ملکی حالات پارلیمانی انداز سے گزر رہے ہیں اور تمام مسلمان جماعتیں آئندہ الیکشن کے لیے سوچ رہی ہیں۔ مجلس احرار ان دنوں اس فکر میں ہے کہ ریاست جیند کے مسلمانوں پر مہاراجہ جیند کے ظلم و ستم بڑھتے جا رہے ہیں، لہذا یہ مناسب سمجھتا ہوں کہ مہاراجہ کو ان پر توجہ دلاؤں۔“

تقریباً ڈیڑھ سال سے ریاست جیند کے ہندو حکام نے مسلمانان جیند پر عرصہ حیات تنگ کر رکھا ہے۔ شاہی مسجد ریاستی حکام نے اپنے قبضے میں کر رکھی ہے۔ باقی مساجد میں سوڑ کا گوشت پھینکا گیا۔ اس سے ریاست کے مسلمانوں نے بطور احتجاج عید کی نماز ترک کر دی۔ عید الاضحیٰ کے دن ہمیشہ کوئی نہ کوئی بہانہ بنا کر مسلمانوں کو بکرے اور دنبے کی قربانی سے بھی باز رکھا جا رہا ہے۔ مسلمانوں کے قاتلوں کو ہندو عدالتیں صاف بری کر دیتی ہیں۔

ان حالات میں وہاں کے مسلمانوں نے گزشتہ ایک ماہ سے جمعہ کے دن

پرامن جلوس نکالے، جن پر مولانا عبدالعزیز فاضل دیوبند خطیب، باموہ مسجد جیند نے امن پر قائم رہتے ہوئے ریاستی حکام کے سامنے چند مطالبات پیش کیے۔

حکام نے بجائے بات سننے اور سمجھنے کے مولانا جید العزیز اور ان کے رفقاء کو گرفتار

کر لیا اور انہیں بیڑیاں ڈال کر جیل میں بند کر دیا گیا۔

ہندو ریاستوں میں عموماً مسلمانوں کے مذہبی، معاشرتی اور شہری حقوق متعصب ہندو حکام فٹا کر رہے ہیں۔ پنجاب کا ہندو پولیس اور ماسیجائی لیڈر ان کی پشت پر ہیں۔ جب مسلمان تنگ آکر اپنی مذہبی آزادی، شہری حقوق کے لیے پرامن جدوجہد کرتا ہے، تو انہیں جیل بھیج دیا جاتا ہے۔ وہاں ان پر بے پناہ مظالم ہوتے ہیں۔ ہندو پولیس اور ہندو لیڈران بے گناہ مسلمانوں کو باغی، بدعاش یا لنگے کہنا شروع کر دیتے ہیں۔ نیز حکام کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ ان باغی مسلمانوں کو ایسی سزا دی جائے کہ عمر بھر یاد کریں۔ ان حالات سے ریاستی مسلمان کے لیے اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں رہتا کہ وہ باعزت زندگی کے لیے حاکم وقت سے برسرِ پیکار ہو جائے۔ لیکن اس طرح راعی اور رعایا کے درمیان نفرت بڑھتی رہتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے جیند ایک اچھے آدمی ہیں۔ ان کی نیت اپنی رعایا کے حق میں بری نہیں۔ اس کے برعکس ریاست میں جو کچھ ہو رہا ہے، یا آئندہ ہوگا اس کی تمام تر ذمہ داری اس ہندو پر ہے جس کے پروردگار نے وزارتِ عظمیٰ کا عہدہ کیا ہوا ہے۔

وزیرِ اعظم ریاست میں فساد کرنا خود چھٹی لے کر لندن کی سیر کے لیے روانہ ہو چکا ہے۔ اور اپنے قائم مقاموں کو مسلمانوں پر تشدد کی کھلی چھٹی دے دی گئی۔

ایسے میں ہمارے جیند اور ان کے ولی عہد کا فرض ہے کہ اپنی ریاست کو تباہی سے بچائیں۔ ورنہ بیرونی حکام ہمیشہ کے لیے آپ کی ریاست کو فنا کر دیں گے۔ آپ کی مسلمان رعایا کے صرف اس قدر مطالبات ہیں کہ:

- ۱۔ عید کے دن ان کو بکریاں اور دنبے کی قربانی سے نہ روکا جائے۔
- ۲۔ شاہی مسجد مسلمانوں کے حوالے کر دی جائے۔
- ۳۔ جن مساجد میں سور کا گوشت پھینک کر انہیں ناپاک کیا گیا ہے، ریاست کے ان حکام کو اس جرم کی سزا دی جائے۔

۴: مسلمانوں کے جن قاتلوں کو بری کر دیا گیا ہے انہیں قتل کا مجرم قرار دے کر نرا دی جائے۔

کیا ہمارا جہادوںی عہد کے نزدیک مسلمانوں کے یہ مطالبات قابل توجہ نہیں؟ اگر ہیں تو ریاست کے امن کا تقاضہ ہے کہ ان پر غور کیا جائے اور تمام گرفتار شدگان کو فوراً رہا کر دیا جائے۔“

اس کے ساتھ ہی صدر مرکز نے روہتاک مجلس احرار کو خصوصی توجہ دلائی کہ وہ ریاست جیند کے مسلمانوں کے ساتھ پوری ہمدردی کا اظہار کرے۔ نیز آئینی طریق پر ان کی ہر طرح امداد کرے۔
غلاموں کے باہم الجھاؤ اور مندرجہ بالا واقعات نے غیر ملکی آقاؤں کو وقتی سہارا دیا اور وہ ہٹلر کے اردوں کا دلجمعی سے جائزہ لینے لگے۔

پنجاب کا مسلم پریس | سیاسیات میں کوئی بات صرف آخر نہیں ہوتی اور نہ ہی اس کے فیصلوں میں کسی قسم کی پختگی کا امکان ہوتا ہے۔ اس کے وعدے بھی معی کے کھلونوں کی طرح ٹوٹ پھوٹ جاتے ہیں۔ نہ تو دوستوں کو دشمن بننے میں ہمت لگتی ہے اور نہ ہی دشمنی دوستی میں ڈھلتے کوئی وقت لیتی ہے۔ اس پگڈنڈی پر رواں دواں لوگ ہر گھڑی راستہ بدلتے رہتے ہیں۔

پنجاب کا مسلم پریس جو گندے ہوئے کل مجلس احرار کی تعریف سے اپنے اخبارات کو رونق دے رہا تھا، اپنے کاموں میں اس جماعت کے گیت کا تار مارا۔ یکایک الیکشن کے دنوں وہ احرار میں کیڑے نکالتے لگا اور نو مسلم خاں لطیف کا باجے مجلس احرار کی حمایت حاصل تھی کے مخالف خاں بہادر حاجی جیہ بخش کی حمایت میں آل انڈیا مسلم لیگ اور مسلم ہانفرنس کی تعریف پرا ترا آیا۔

یکم ستمبر ۱۹۳۲ء کے علم جرائد کی پالیسی حیران کن تھی کہ سب نے اسی پرادارتی نوٹ لکھے۔ خصوصاً روزنامہ آفتاب نے اپنی پالیسی اسی عنوان پر قائم کی۔ یہ اخبار الیکشن کے بعد پھر دیکھنے میں نہیں آیا، حالانکہ اسلامی ہمدردی کا تقاضا تھا کہ انڈیہ کے خطاب یافتہ کی بجائے نو مسلم کی حمایت کی جاتی تاکہ آئندہ غیر مسلموں پر اس کا اثر نہ رہتا۔ لیکن براہ دنیاوی ضرورت کا کہ صراط مستقیم

سے بٹھتے انسان کو دیر نہیں لگتی۔

مجلس اطرک اس سے زیادہ کوئی قصور نہیں تھا کہ اس نے ایک نو مسلم کو آئندہ انتخاب میں اپنا نمائندہ منتخب کیا تھا۔ اس کے علاوہ کوئی سیاسی مقصد نہیں تھا۔ اس پر بھی سیاسی طالع آزما ممبران اور خان بہادروں کا ٹولہ احرار کے خلاف ہم آہنگ ہو کر اکھاڑے میں اتر آیا۔ دراصل اس کے پس منظر میں بھی انگریز دشمنی اور دوستی کا فرما تھی۔ فرنگی حکمرانوں کا وفادار گروہ ذاتی جاہ و عظمت کے لیے اسلام سے ہمیشہ برسرِ پیکار رہا ہے۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز

چراغِ مصطفویٰ سے شرارِ بولہبی

مولانا ظفر علی خاں خاکساروں سے جا ملے

کائناتِ عالم میں بعض انسانی وجود اس انداز سے داخل ہوتے ہیں کہ

ان کا کوئی نقشِ پاکسی منزل کی نشاندہی نہیں کرتا۔ اسی طرح وہ سنگِ میل بننے کی بجائے گم کردہ راہِ مسافرنِ کرہ جاتے ہیں۔ ایسے لوگ اپنی تقدیر کے چراغوں کو تدریجاً سے روشن کرتے ہیں۔ لیکن یہ روشنی دیرپا نہیں ہوتی۔ وقت اور حالات کا دامن انہیں ایک ہی ہوا کے جھونکے سے گل کر دیتا ہے۔

برصغیر کی متحدہ سیاست میں مولانا ظفر علی خاں کا وجود ان کے کسی محور کی نشاندہی نہیں کرتا۔ یہ درست ہے کہ انفرادیت میں وہ بڑی شخصیت تھے۔ لیکن نہ تو وہ سالارِ کاررواں بن سکے اور نہ غبارِ کاررواں کہ پھیل کر اندھیرے اور اجالوں کو سمیٹ لیتے۔ وہ اپنی ذات میں ایک مستقل انجمن تھے جس کے صدرِ خازن اور درکنگ کمیٹی بھی خود ہی تھے۔

روزنامہ زمینداران کے قلم کا مہربون منت تھا۔ وہ جیت تک صحافت کے آسمان پر رہا، ان کی انفرادیت ہی اور جیسے ہی مولانا ظفر علی خاں ابدی نیند سوئے یہ ادارہ اسی طرح دم توڑ گیا جیسے اس کا وجود تھا ہی نہیں۔ یہ کیوں؟ ربحِ صدی تک ہندوستان سے باہر تک جو اخبار صدائے برس رہا۔ کفر کے دل دہل جاتے رہے لیکن آج تلاش پر بھی اس کا ایک ورق دستیاب نہیں۔ کیوں؟ یہ اس سیمائی طبیعت کا نتیجہ ہے۔

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر راہ رو کے ساتھ
 پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں
 مولانا موصوف ہر صبح ایک جماعت کی تشکیں کرتے اور غروب آفتاب کے ساتھ
 اسے اپنے ہاتھوں دفن کر دیتے۔ ہاں! فرنگی حکمرانوں کے خلاف اور مرزائیت سے ان کی
 جنگ خلوص پر مبنی تھی۔ اس میں انہوں نے کبھی ہار قبول نہیں کی۔ اس راہ میں مصائب آئے
 تو انہیں قبول کیا۔ مگر اس میدان میں بھی یک و تنہا رہے۔ ان کے مجموعہ کلام، دکنستان اور
 بہارستان، ان کی تلون مزاج طبیعت کے زندہ گواہ ہیں۔ ایک صفحہ پر اگر کسی کی تحریف ہے
 تو دوسرے پر اس کی ہجو موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ناشران آج بھی ان کی اشاعت سے جی
 چراتے ہیں۔ اور اگر کسی نے یہ جرأت کی بھی تو اس کے سرمائے کو دیکھنے چاٹ لیا۔

۲۔ ستمبر ۱۹۴۲ء کے زمیندار میں یہ خبر شائع ہوئی کہ حضرت مولانا ظفر علی خاں خاکسار
 تحریک میں شامل ہو گئے۔ اس کی تفصیل میں روزنامہ زمیندار لکھتا ہے کہ:

”پچیس خاکساروں کا ایک قافلہ میکھوڈ روڈ پر مولانا ظفر علی خاں کی خدمت
 میں سلامی کے لیے حاضر ہوا۔ تو مولانا دفتر زمیندار سے نکل کر سرقد سڑک پر
 کھڑے ہو گئے۔ گیارہ گولوں کی سلامی دی گئی۔ سالانہ قافلہ نے آگے بڑھ کر مولانا
 کی خدمت میں بیلچہ پیش کیا۔ اس کے دوسرے سالانہ نے تحریک خاکسار کے
 دستور العمل کی ایک کاپی پیش کی۔ اس کے بعد علامہ مشرقی نے مولانا کے بازو
 پر انوث کا نشان لگایا۔ ازاں بعد مولانا نے قلعہ گوہر سنگھ تک خاکساروں کے
 ساتھ پریڈ کی۔“

اس واقعہ پر سے کئی سال گزر گئے۔ یہ سوال محرم بنارہا کہ مولانا ظفر علی خاں کیا ہی خاں رہا
 میں کیسے شریک ہو گئے؟

۱۲۔ دسمبر ۱۹۴۰ء کو مصنف کی ملاقات خاکسار تحریک کے سرگرم رکن مسٹر مفدر سلیمی سے
 ان کے دفتر واقع شاہ عالم مارکیٹ لاہور میں ہوئی۔ گفتگو کے دوران مفدر سلیمی نے
 کہا کہ مولانا ظفر علی خاں خاکسار تحریک میں اس لیے شامل ہوئے تھے کہ مولانا ظفر علی خاں اپنی وقت

کے منفرد آدمی تھے۔ کانگریس اور اہوار سے جب ان کا بھانہ ہو سکا تو انہوں نے مسلم لیگ کی طرف توجہ دی۔ ان دنوں مسلم عوام میں نئی تنظیم کے تحت ابھر رہی تھی۔ لیکن قائد اعظم محمد علی جناح نے جو مولانا ظفر علی خاں کی تلون مزارج طبیعت سے واقف تھے اس پر آمادہ نہ ہوئے تب انہوں نے خاکسار رہنما علامہ مشرقی سے رابطہ قائم کیا اور اس طرح وہ اس تحریک میں شامل ہو گئے۔ نوٹ: تحریک خاکسار کیا ہے؟ اس کے متعلق آئندہ اوراق میں پڑھیں۔

ایک تجربہ متحدہ ہندوستان میں مہاتما گاندھی کی شخصیت بھی بڑی دلچسپ رہی۔ کانگریس کے ابتدائی ممبر نہ ہوتے ہوئے بھی وہ اس جماعت کے لیے مہاتما بڑی طرح تھے۔ سیاسیات کے سفر میں جہاں کہیں انہیں اپنی ذات کے لیے خوف پیدا ہوا یا خطرے کا کوئی موڑ آتا۔ فوراً مرن برت رکھنے کا اعلان کر دیتے۔ اس سے ہندو جاتی کا دل اس مہارش کے لیے ہل جاتا اور وہ ان کی کسی غلط روش کو بھول کر ان کے بہتر چھوٹے لگتی۔

کانگریس اور سوامی پارٹی کے مابین کشمکش ہوتے ہوئے پنڈت مالوی کے ساتھ بھی گاندھی کا اختلاف کھل کر سامنے آ گیا تھا۔ دوسری طرف پنڈت مالوی نے اپنی نیشنلسٹ پارٹی کا الحاق دیرپہ ہندو مہاسبھا سے کر لیا تھا۔ اس سرخ رطانی میں گاندھی جی کو اپنی پوزیشن کو قدرے نقصان کا احتمال نظر آنے لگا۔ ایسے خطرے کو بھانپ کر پہلے تو انہوں نے مرن برت رکھنے کا اعلان کیا اور پھر ۵ ستمبر ۱۹۳۲ء کو اخبارات میں ایک بیان کے ذریعے کہا کہ وہ کانگریس سے علیحدگی پر غور کر رہے ہیں۔

۱۱ ستمبر کو حکومت پنجاب نے نوجوان بھارت سبھا، برقی کسان پارٹی، کسان لیگ اور ڈسٹرکٹ کسان سبھا کو خلاف قانون قرار دے دیا ان سب کے دفاتر منہمک کر دیے گئے اور ان کے رہنما سزاوار گوردت سنگھ اور فیروز دین منصور کے مکانات کی تلاشیاں لی گئیں۔ اس واقعہ کے بعد خلاف قانون جماعتوں کے درکار بظاہر کانگریس سے مل کر کام کرنے لگے اور انہی لوگوں نے آگے بڑھ کر گاندھی جی کو ان کے ارادوں سے باز رکھا۔

ہندو مسلم اتحاد کا جدید نعرہ احرار اور دیگر نیشنلسٹ مسلمانوں کو محض اس جرم میں مسلم عوام نے مجرم ٹھہرایا کہ یہ ہندوؤں سے مل کر

مسلم مفاد کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔ حالانکہ نیشنلسٹ مسلمانوں کے نزدیک ہندو مسلم اتحاد محض انگریز کو ہندوستان سے نکلانے کے لیے اہم اور ضروری طریق کار تھا کیونکہ اس کے بغیر ایشیا اور اٹل ایسٹ کا مسلمان برطانیہ سے آزاد نہیں ہو سکتا تھا۔ لیکن فرنگی کے خطاب یافتہ خصوصی مسلمان گروہ نے ان لوگوں کی رسوائی میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی لیکن اپنی سیاسی اور ذاتی اغراض کے تحت خود بھی اسی جرم کے مرتکب ہوئے۔

نواب سر اکبر حیدری وزیر مالیات حکومت حیدرآباد دکن نے ممبئی میں مسلمانوں کی تعلیمی کانفرنس میں اپنے خطبہ عداوت میں ہندو مسلم اتحاد کا ذکر کرتے ہوئے کہا:

”یہ فسادات کھلانے کو تو مذہبی کہلاتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ مذہب سے ان کو بعید سے بعید تعلق بھی نہیں ہوتا۔ اس قسم کے فسادات مسلمان بادشاہوں، ہندو راجاؤں، برہمن پیشواؤں اور غرض کہ کسی عہد میں بھی نہیں ہوئے۔ کیونکہ خود پیشواؤں کی حکومت میں مساجد کا احترام کیا جاتا تھا ان کے سامنے باجا نہیں بجایا جاتا تھا اور مسلمانوں کے مقدس مقامات کی بے حرمتی ہرگز نہیں کی جاتی تھی۔ داکے چل کر آپ لے ان شرانگیز کتب تاریخ کا ذکر کرتے ہوئے کہا، جو اسکولوں اور کالجوں میں پڑائی جاتی ہیں،

ان شرانگیز کتب کے باعث نہ صرف ہم اپنی تاریخ سے بے خبر رہتے ہیں، بلکہ مختلف قوموں کے درمیان فساد اور منافرت کی تخم ریزی بھی ہوتی ہے اس کے لیے ایسی کتابوں کو جلد سے جلد تعلیمی اداروں سے خارج کر کے ان کی جگہ ایسی کتب کو ذریعہ تعلیم قرار دینا چاہیے جن کے مطالعہ سے ہندو و مسلمانوں میں حسین تعلقات پیدا ہوں۔ اور وہ اپنی تاریخ صحیحہ سے بھی واقف ہوں۔

— (خطبہ کے آخری حصہ میں انہوں نے کہا،)

جو قومیں دوسری قوموں کو قربان کر کے خود طاقت حاصل کرنا چاہتی ہیں وہ خود کشی کی ترکیب ہوتی ہیں۔ کیونکہ قوموں کا وجود اقتصادی، سیاسی اور معاشرتی اعتبار سے باہم ایک دوسرے سے وابستہ ہوتا ہے۔“

(روزنامہ انقلاب ۱۵ ستمبر ۱۹۴۲ء)

اگر یہ اجلاس مشترک طلباء کا ہوتا تو یہ بات سمجھ میں آسکتی تھی کہ سر اکبر حیدری نے مصلحتاً
ہندو مسلم اتحاد کی بات کہی ہوگی۔ لیکن یہ تعلیمی کانفرنس صرف اور صرف مسلم طلباء کی تھی اس میں
ہندو مسلم اتحاد کا نعرہ کیا معنی رکھتا ہے؟

ہندوستان کی متحدہ پارلیمانی سیاست
۱۹۲۱ء میں ایک ایسے موڑ پر

تحریک شاتم رسول کی صدائے بازگشت

آئی کہ حالات کا تانا بانا از سر نو بکھر گیا۔ ہندو مہا سبھا اور آریہ سماج کے بغیر ہر سیاسی جماعت نئے
انتخاب کی تیاریوں میں تھی۔ ان دنوں ۱۸ ستمبر ۱۹۲۴ء کو قصور ضلع لاہور کے مسلمان نوجوان
محمد صدیق نے پالارام نامی ہندو کو واجب کہ وہ عدالت میں اپنے مقدمے کی پیروی کے لیے
حاضر تھا، قتل کر دیا۔ مقتول پر اسلام اور داعی اسلام صلعم کی توہین کا الزام تھا۔ قاتل گرفتار کر
لیا گیا۔ اس سے پیشتر ۲ ستمبر کو کراچی میں مہاراج نھورام کو عبدالقیوم نے سیشن جج کے درپردہ موت
کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ دھتھورام نے بھی حضور کی توہین کی تھی اور اس جرم میں نھورام کو صرف
آٹھ ماہ کی سزا ہوئی تھی۔ جس پر مجرم نے سیشن جج کی عدالت میں اس سزا کے خلاف اپیل دائر
کر رکھی تھی۔ عبدالقیوم کو گرفتار کر لیا گیا اور اس نے اپنا جرم مان لیا۔

ان واقعات نے تحریک شاتم رسول کی بھولی لبری یاد از سر نو تازہ کر دی۔ شدھی اور
سنگٹن کی تحریک کے دوران ۱۹۲۴ء میں آریہ سماج اور ہندو مہا سبھا نے خاتم النبیین کی توہین
کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس پر لاہور کے غازی علم الدین نے راجپال کو قتل کیا تھا جس نے نگلیلا
رسول (نحوذ باللہ) نامی کتاب شائع کی تھی۔

ہندوؤں کی ان تازہ اشتعال انگیز حرکات نے نیشنلسٹ مسلمانوں پر بھی اثر کیا چنانچہ
دہلی جمعیتہ علمائے ہند، لاہور کا پنور جمعیۃ علمائے ہند نے اپنے جڑوی اختلاف ختم کر کے ان
فتنہ انگیزوں کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا۔

۳۱ ستمبر کو مراد آباد کے اجلاس میں مسلم یونیٹی بورڈ نے جمعیتہ علمائے ہند (دہلی) کا یہ
مطالبہ تسلیم کر لیا کہ بورڈ شریعت کے معاملات میں جمعیتہ کا مشورہ قبول کرے گا۔ اس پر جمعیتہ
۲ ستمبر کا ریزولوشن واپس لے لیا۔ مگر لاہور جمعیتہ علمائے ہند کے سیکرٹری مولانا منظر الدین نے اس کی

تردید کر دی۔ اور ساتھ ہی اپنی جمعیت کا اجلاس طلب کر لیا۔ جس میں مولانا عنایت اللہ فرنگی محل، مولانا عبدالحامد بدایونی، مولانا شاہ محمد سلیمان، ڈاکٹر سر محمد اقبال، خان بہادر حافظ ہدایت، سابق صدر مسلم لیگ، ڈاکٹر شفاعت احمد الہ آبادی، مولانا شفیع داؤدی (مدرس مولانا غلامیوں) قبر (ایڈیٹر روزنامہ انقلاب لاہور) مولانا سید حبیب (ایڈیٹر روزنامہ سیاست لاہور) کو شرکت کی دعوت دی گئی۔

اس اجلاس میں مسلم یونیٹی بورڈ کی حمایت کا فیصلہ ہوا۔ مگر جمعیت عباسیہ ہندو (ہلی) سے علیحدگی کا اعلان کر دیا۔

اگر علماء کے یہ دونوں دہریوں اور دیوبندی گروہ ایک ساتھ رہ کر اس وقت کی فرقہ وارانہ سیاست میں دشمنان ملت کا سامنا کرتے تو ان شہداء کی ارواح مسرور ہوتیں جنہوں نے شاتم رسول کو قتل کر کے شہادت پائی تھی۔ نیز کفر انگ پریشان رہتا۔ لیکن تن آسان اور رجعت پسند و ڈیڑوں نے غیر ملکی حکومت کے اشارہ پر اس عمارت کا انہدام ضرورت سمجھا جالاںکہ اس اتحاد کی بنیاد انگریز دشمنی پر نہیں، ہندو سے نفرت پر تھی۔ مگر برطانیہ کے لیے یہ اتحاد جی گراں گذرا اور اس نے اپنے دلالوں کے ذریعے بنا بنایا سو دیا اور یہی بگاڑ آئندہ کی سیاست پر بھی اثر انداز ہوا۔

سرفطر اللہ کا تقرر | میان سرفضل حسین پنجاب کے زیرک سیاست دان تھے۔ وہ جب تک سرکاری طور پر سیاسی میدان میں رہے، ہندو آفیسروں سے ان کی مٹھنی رہی۔ بد شبہ وہ مسلمانوں کے بہادر دشمن تھے لیکن انگریز کے مفاد تک۔ اس سے آگے ان کی اپنی ذات کے وفادار تھے۔ مذہب سے زیادہ سیاسی بساط کے کسب ہی تھے۔ ہر مہرہ سوچ اور فکر سے اٹھاتے۔ ایک دفعہ کی چال کے بعد اس پر غور کرنا ان کی توہین تھی۔ والٹر رائے کی ایگزیکٹو کونسل سے علیحدگی کے بعد انہوں نے سرفطر اللہ کو اپنا جانشین منتخب کرنا چاہا۔ برطانوی مفاد کے نگہدار کی حیثیت سے سرفضل حسین پنجاب میں سرفہرست تھے۔ ملتان کی تجویز پر والٹر رائے نے سرفطر اللہ کو اپنی کونسل میں لینا منظور کر لیا۔

پیشتر ایں جب یہ خبر مجلس احرار تک پہنچی کہ سرفطر اللہ کو مسلمان نمائندہ کی حیثیت سے والٹر رائے کی ایگزیکٹو کونسل میں نمائندگی دی جا رہی ہے تو اس پر بڑی سہ سے ہوا۔

ملک بھر میں قراردادیں پاس ہوئیں، جلوس نکالے گئے کہ یہ میٹ مسلمان کی ہے! اسے مسلمان کے سپرد کیا جائے۔ مگر نہ تو سر فضل حسین نے اس تجویز پر نظر ثانی کی اور نہ انگریز حاکم نے اس پر توجہ مناسب سمجھی۔ اس ضمن میں احرار کا ایک وفد وائسرائے سے ملا، جس میں مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی، میر احمد حسین شملہ اور الہ آباد ہائیکورٹ کے وکیل مسٹر محمد احمد کاظمی شامل تھے۔ وائسرائے نے وفد کے جواب میں کہا کہ:

”آپ ظفر اللہ کو مسلمان قرار نہیں دیتے لیکن وہ مسلمانوں کے ووٹ سے منتخب ہو کر آیا ہے۔“

سر ظفر اللہ کو دوسری حمایت حاصل تھی۔ ایک طرف سر فضل حسین تھے تو دوسری طرف ان کی تائید پر قادیانیوں کی برطانوی وفاداری کا رفا تھی۔ آخر ۱۰ اکتوبر ۱۹۳۴ء کے اخبارات میں سرکاری اعلان کے ذریعہ چودھری سر ظفر اللہ کو وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کا رکن نامزد کر دیا گیا۔

گاندھی کا کانگریس سے استعفیٰ | آخر وہی ہوا، جس کا ڈر تھا۔ ساتما گاندھی نے ۱۰ اکتوبر کو اپنے بیان میں کہا:

”چونکہ کانگریس میرے پروگرام کے مطابق کھدر پہننے، سوت کا تنے اور پر امن جدوجہد پر یقین نہیں رکھتی۔ لہذا میں آل انڈیا کانگریس کے اجلاس سے فارغ ہو کر کانگریس سے مستعفی ہو جاؤں گا۔“

گاندھی جی کی یہ سیاسی دھمکی وقتی طور پر کارگر رہی اور آخر کو کانگریس ورکنگ کمیٹی نے گاندھی جی کے چرن چھو لیے۔

لیگ اور مسلم کانفرنس کے امیدوار | سال رواں کی رونماد کو اہ ہے کہ ہندوستان کی سیاسی پارٹیوں نے اس سال کوئی غیر آئینی طرانی

نہیں دی۔ یہ سال صرف پارلیمانی بحث میں بیت گیا۔ ہر جماعت خواہ اس کا دائرہ کار محدود تھا یا وسیع، اپنی اپنی حدود میں ائندہ الیکشن کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہی۔ جیسے جیسے انتخاب کے دن قریب آتے گئے جماعتیں بکھر کر سامنے آتی گئیں۔ چنانچہ سب سے پہلے ۱۰ اکتوبر کے اخبارات

میں یہ خبر شائع ہوئی کہ مسٹر محمد علی جناح بمبئی کے شہری حلقہ سے انتخاب لڑیں گے۔ (یاد رہے کہ ہنوز قائد اعظم لندن میں قیام رکھتے تھے۔)

۱۷ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو علیگڑھ سے مسلم لیگ اور مسلم کانفرنس کے مشترک پارلیمنٹری بورڈ نے حسب ذیل حضرات کو الیکشن میں اسمبلی کے امیدوار منتخب کیا۔

- | | | |
|----------------------------|-----------------------|-------------------------|
| ۱۔ ایم۔ اے۔ جناح | ۲۔ سیٹھ عبداللہ داروں | ۳۔ نواب سر سید مر شاہ |
| ۴۔ ڈاکٹر غلام بھیک نیرنگ | ۵۔ مخدوم سید احسن بخش | ۶۔ میجر طالب مہدی خاں |
| ۷۔ خاں بہادر حاجی رحیم بخش | ۸۔ سر محمد یعقوب | ۹۔ خاں بہادر وجیہ الدین |
| ۱۰۔ اے۔ ایچ۔ غزنوی وغیرہ | | |

اسی روز ۱۷ اکتوبر کو لاہوری مرزائیوں نے اپنے اجلاس میں مندرجہ بالا امیدواروں کی حمایت میں مسلم کانفرنس اور مسلم لیگ کی ہمنوائی کا اعلان کر دیا۔

قادیان احرار کانفرنس
قادیان میں مرزائیوں نے اپنی اکثریت کے زعم میں انسانیت پر جو ظلم روا رکھا اور اس قصبہ کی غیر مرزائی آبادی کو جس طرح پریشان کیا تاریخ اس کا جواب مہیا نہیں کرتی۔ رائج الوقت قانون کی موجودگی میں خلیفہ قادیان کے گھر پر آئین اودن کی روشنی میں اپنے مخالفوں کا قتل عام مسلمان اور غیر مسلموں سے قنصلادی مفاطوا محصوم عصمتوں کی ہلاکت، اتھیر خلافت میں باخلای سوز حرکات کا ارتکاب۔

برطانوی حکومت مرزائیوں کے ان جرائم سے تنگ آچکی تھی۔ بین الاقوامی طور پر اس کی اپنی شہرت کو نقصان پہنچ رہا تھا۔ لیکن قادیانیوں کی تاریخی وفاداریوں کے باعث ان کے خلاف قانون کو حرکت میں لانا مشکل تھا۔ لیکن جیسے ہی مجلس احرار نے ۲۰-۲۲-۲۳ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو قادیان میں احرار کانفرنس کرنے کا اعلان کیا۔ حکومت کو موقع مل گیا کہ وہ اس والدین کی طرح جو کبھی کبھار اپنے لڑے بیٹے کو سزا کے طور پر غیر دل سے پٹواتے ہیں، احرار کو قادیان میں کانفرنس کرنے کی اجازت دے دی اور ساتھ ہی ۱۸ اکتوبر کو پولیس نے قادیانیوں کی خانہ تلاشی لی تو ان کے قبضے سے کافی مقدار میں برچھے، کلہاڑیاں اور اسی قسم کا دوسرا اسلحہ برآمد ہوا۔ ۱۹ اکتوبر کے اخبار سول اینڈ میگزین لاہور کے نامہ نگار نے اطلاع کے مطابق حکمت پنجاہ

تے قادیان میں احرار کانفرنس کی تیاریوں کے پیش نظر قادیان کے گرد و نواح میں وقفہ ۱۴۴ کے تحت مندرجہ ذیل احکام نافذ کیے۔

۱۔ کانفرنس میں شامل ہونے والے حضرات لاٹھیاں یا تیز دھار کی کوئی ایسی چیز لے کر شہر میں نہ پھریں۔

۲۔ کانفرنس کے دوران قادیانی اپنا کوئی اجتماع منعقد نہ کریں۔ جس سے فساد کا خطو ہو۔ اگر ایسا ہوا تو وہ خلاف قانون تصور ہوگا۔

۳۔ اسی طرح احرار کو بھی احتیاط کر دیا گیا کہ وہ اپنے ساتھ کوئی ہتھیار یا لاٹھی وغیرہ نہ لائیں۔

۴۔ کانفرنس کے منتخب صدر کے جلوس کی اجازت بھی نہیں دی گئی۔

۵۔ مرزا بشیر الدین محمود کو نوٹس کے ذریعے کہا گیا کہ وہ باہر سے قادیانی نہ منگوائے۔

احرار کانفرنس شہر سے ایک میل باہر ڈی۔ اے۔ وی ہائی سکول کے احاطہ اور گراؤنڈ میں ہوگی چار سو سے زائد پولیس کی نفری قادیان میں پہنچ چکی ہے۔ مزید ایک دو دنوں میں پہنچا دی جائیگی۔ اپنے طور پر انتظام کے لیے انسپکٹر جنرل پولیس اپنے دیگر عملے کے ساتھ قادیان پہنچا اور اس نے حالات کا معائنہ کیا۔

۲۰ اکتوبر کی اطلاع ہے کہ اس وقت تک سیکڑوں کی تعداد میں احرار رضا کار کانفرنس میں شمولیت کے لیے قادیان پہنچ چکے ہیں۔ ان کی سرخ وردیاں عجیب بہار دکھا رہی ہیں۔ پولیس کے عمائد، مجسٹریٹ اور دوسرے اعلیٰ افسروں نے کانفرنس کے پرنڈال کے قریب ٹھہرہ جمایا ہے۔ کانفرنس کے لیے بازار لگ رہا ہے اور دکانیں بنائی جا رہی ہیں۔

ان حالات کے پیش نظر ریلوے حکام نے اعلان کیا کہ لدھیانہ اور لاہور سے خاص گاڑیاں قادیان کانفرنس میں شامل ہونے والے عوام کی سہولت کے لیے چلائی جائیں گی۔ یہ گاڑیاں امرتسر ریلوے اسٹیشن تک کے لیے ہوں گی۔ یہاں سے ۲۱ اکتوبر صبح گیارہ بجے سپیشل ٹرین چلے گی جو تمام مسافروں کو لے کر راستہ بٹالہ قادیان ریلوے اسٹیشن پر پہنچے گی۔

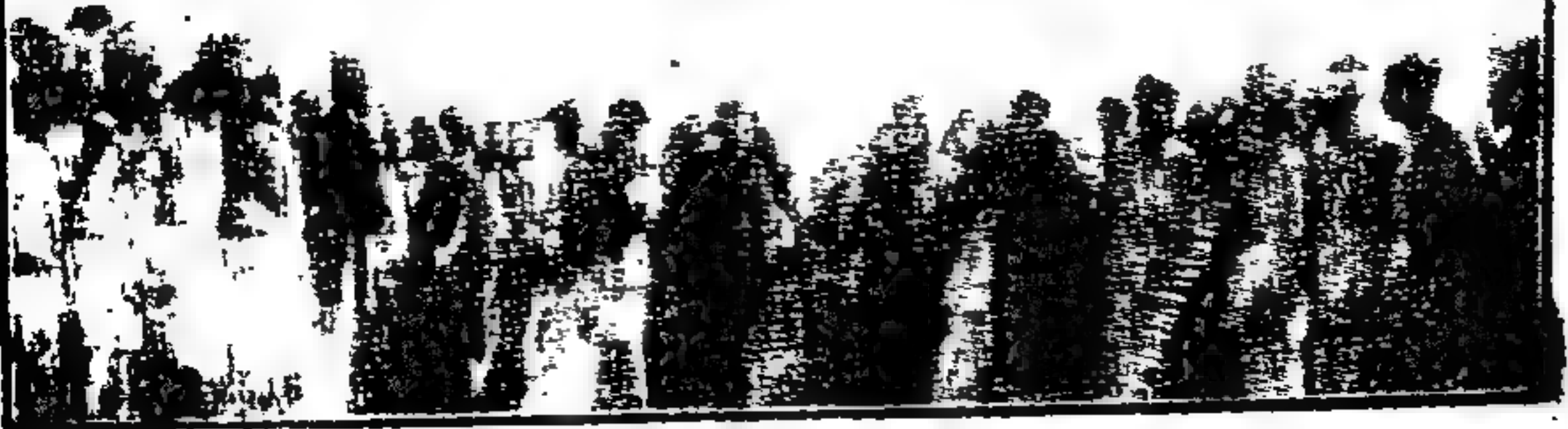
چنانچہ پشاور سے گوجرانوالہ تک کے لوگ لاہور سے سوار ہوئے۔ دہلی کے لوگ لدھیانہ ریلوے اسٹیشن پر پہنچ گئے۔ جہاں سے وہ امرتسر پہنچے۔ اس طرح قریباً چالیس ٹرینوں پر مشتمل

اگر اسپیشل ٹرین ۲۱۔ اکتوبر صبح گیارہ بجے امرتسر اسٹیشن سے روانہ ہوئی۔ اس میں کانفرنس کے منتخب صدر امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور ہزاروں سرخپوش افراد رضا کار سوار تھے۔ ٹرین کے دونوں جانب انجن تک افراد کے سرخ پرچم لہرا رہے تھے۔ افراد پرچم کی اڑانوں نے قادیانیوں کے چہروں کی نیگت اڑادی تھی۔ قصر خلافت کے مینار اڑیوں کے بن اچھل اچھل کر اگر اسپیشل ٹرین کا نظارہ کر رہے تھے۔ قادیان کا سونناٹا افراد غزنوی کے قدموں میں ڈھیر ہو رہا تھا۔ قادیان کے مسلمان اسکھ اور ہندو اس دن کو یوم نجات کہہ کر خوشی منا رہے تھے۔

کفرانی تمام حشر سامانیوں کے باوجود رزہ برآمد تھا کہ ٹھیک ڈیڑھ بجے اگر اسپیشل ٹرین



امیر شریعت رضا کاروں کے جلاؤ میں
پنڈال کی طرت جا رہے ہیں۔



شمال احرار قادیان کا نفرس



احرار فناکار



دیپت سے ٹہرین کا ایک ڈیرہ قادیان روانگی سے پہلے
امر لکھنؤ سے اسٹیشن پر

قادیان ریلوے اسٹیشن پر پہنچی۔ رضا کاروں کے علاوہ سینکڑوں انسانوں نے سمندر امیر شریعت کے استقبال کے لیے اُٹھ آیا۔ دیہاتی اور شہری علوم نے صدر کانفرنس کو اپنے جلو میں لے لیا۔ مولانا عبد الکریم صاحب جن کے مکان ۱۹۳۰ء میں جلادیلے گئے تھے اور وہ خاندان سمیت قادیان سے ہجرت پر مجبور ہو گئے تھے، جب امیر شریعت کی رہنمائی میں قادیان کی طرف روانہ ہوئے تو یوں گنتا جیسے کوئی فاتح، مفتوح کے ملک میں داخل ہو رہا ہے! ایشیہ سے کانفرنس کے پانچاں تک دو میل کا راستہ حواری رضا کاروں کے چاق و چوبند دستوں میں عجیب رونق دے رہا تھا۔

۱۹۲۵ء میں پہلی مرتبہ جب امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور بشیر الدین محمود کا مدرسہ میں آنا سامنا ہوا تھا، تو کفر اس دن بھی شکست کھا گیا تھا۔ اور آج نوسال کے بعد حق و باطل میں پھر معرکہ آرائی ہو رہی ہے۔

قافلہ سالار افواج ایمان کے ساتھ قادیان کے لات و دھبیل پر حملہ آور ہے۔ نماز ظہر پنڈال میں ادا کی گئی۔

دیگر مہمانوں کے علاوہ حضرت مولانا حسین احمد مدنی دیوبند، مفتی نصیر الدین، مولانا ثناء اللہ دامتسہ، مولانا ظہیر علیخان (لاہور)، حکیم نور الدین (لاہور)، مولانا ابوالوفا شاہ بخاری، مولانا عبدالرحیم پوپلزی (مفتی سرحد)، مولانا احمد علی لاہوری قابل ذکر ہیں۔ پنڈال سے باہر مٹھائی کی دکانیں، کھانے کے بوتلے اور موسم کی سردی، اشیاء پر جوڑتیں کانفرنس کا پہلا اجلاس نماز عشا کے بعد شروع ہوا۔ صدارت کی تحریریں، موت، جہیز، لے کی۔ ان کی تائید میں بہت سی تقریریں ہوئیں۔ انہوں نے بعد حضرت امیر شریعت سیدنا شاہ بخاری نے کرسی صدارت سنبھالی۔ قرآن کریم کی تلاوت کے بعد راقم (جانباز مرزا) اور مولانا عبدالرحیم عابتر نے اپنے کلام سے موسم سرما میں گرمی کی سی لذت پیدا کر دی۔ انسانوں نے تارے زہرہ اور مشتری کو ساتھ لیے رات کے اندھیرے میں منہ چھپائے منتظر رہے۔ بھینگی ہوئی رات کا دامن کانفرنس کے مہمانوں کو اپنی پناہ میں لیے سگڑا رہا تھا۔ پنڈال میں روشنی چراغ اپنی نور دور تک دیکھ رہے تھے کہ قصیر باطل کی ایک ایک اینٹ میں سینکڑوں راہ آچکے ہیں۔ صدر کانفرنس نے اپنا خطبہ شروع کیا۔ انسانوں کے دل گوش بر آواز ہو گئے۔ کانفرنس

جاگ اٹھیں۔ انسان سوچ و فکر میں ڈوب گئے۔ فضا ساکت ہو گئی کہ بخاری بول رہا ہے۔
 رات یوں ہی بیت گئی۔ صبح صادق نمودار ہوئی۔ تارے جمائیاں لینے لگے۔ کہ دور
 سے مودن نے پکارا۔ اللہ اکبر۔ اللہ اکبر۔



(عبد الکریم سیال کا وہ مکان جسے ۱۹۳۰ء میں مرزا بیوں نے جلا دیا تھا)

رات گیارہ بجے سے صبح چار بجے تک اس پنڈال میں شاہ جی نے کیا کیا۔ ریر پوری تقریر
 مصنف کی دوسری کتاب حیات امیر ظفر لعلیت میں شائع ہو چکی ہے۔
 کانفرنس کے آخری اجلاس ۲۳۔ اکتوبر ۱۹۳۲ء میں حسب ذیل قراردادیں منظور ہوئیں۔
 قرارداد نمبر ۱۔ چونکہ مرزا غلام احمد قادیانی نے صاف الفاظ میں یہ اعلان کیا ہے کہ جو شخص
 مجھے نبی تسلیم نہ کرے وہ اسلام سے خارج ہے اور تمام دنیا کے اسلام کے
 علماء مرزا غلام احمد قادیانی کو اس کے دعویٰ نبوت اور دیگر دعویٰ و عقاید کفریہ
 کی بنا پر اسلام سے خارج اور مرتد سمجھتے ہیں۔ اس لیے یہ کانفرنس حکومت سے

مطالبہ کرتی ہے کہ تمام مرزائیوں کو مردم شماری میں مسلمانوں سے الگ کر دیا جائے۔
(محرم) مولانا ظفر علی خاں

(موبید) مولانا ابوالوفاء شاہ جہانپوری۔ مولانا محمد مسعود ایٹروی۔ مولانا محمد مسلم فاضل دیوبند۔
قرار داد نمبر ۲۔ ”چوبدنی ظفر اللہ خاں کے تقریر کے خلاف احتجاج“

تبلیغ کانفرنس کا یہ نمائندہ اجلاس آٹھ کروڑ مسلمان ہند کے مسلسل احتجاج کے
باوجود ظفر اللہ خاں قادیانی کو جو اپنے عقیدے کی رو سے تمام مسلمانوں کو کافر
سمجھتا ہے اور جس کو تمام مسلمان قادیانی عقائد کی وجہ سے کافر اور دائرہ اس سے
خارج سمجھتے ہیں۔ دائرہ اس کے مجلس منتظمہ میں اسلام کے نام پر رکن مقرر کیے
جانے کو انتہائی رنج اور نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے۔

اس کانفرنس کی رائے میں حکومت نے متفقہ مدائے انتباہ کو جو مسس
دواہ سے بلند ہو رہی ہے، ٹھکرا کر ثابت کر دیا ہے کہ مسلمانوں کے مذہبی
جذبات و احساسات سے بے اعتنائی حکومت کا شیوہ ہو گیا ہے اور وہ
مسلمانوں کو مجبور کر رہی ہے کہ نہ یہ اعلان کر دیں کہ حکومت اپنے سیاسی مسلک
کی تکمیل کے لیے قادیانیت کو فروغ دے رہی ہے اور قادیانی عقاید کو اپنی
قوت سے مسلمانوں کا سرکاری مذہب بنانا چاہتی ہے۔ جس کو مسلمانوں کی
تمام مذہبی جماعتیں اسلام کے لیے ایک ہونٹا کی خط و تصور کرتی ہیں۔

مسلمانان ہند کا یہ اجتماع اپنے اس عزم بالجزم کا اعلان کرتا ہے کہ جب
تک حکومت چوبدنی ظفر اللہ خاں کے تقریر کو منسوخ کر کے اپنی قادیانیت نواز
پالیسی میں تبدیلی نہیں کرتی، مسلمانان ہند اپنے احتجاج کے سلسلہ کو برابری جاری
رکھیں گے۔

اس کانفرنس کی رائے میں حکومت کے اس فیصلہ میں کہ دائرہ اس کے ”مجلس
منتظمہ“ میں مسلمانان ہند کے شدید احتجاج کے باوجود چوبدنی ظفر اللہ خاں کو
مقرر کیا جائے، سرفضل حسین کے مشورہ اور مساجی کو بہت بڑا دخل ہے جو اسلام

کے ساتھ کھلی ہوئی غداری ہے۔ یہ کانفرنس بفضل حسین کے اس فعل کو نہایت نفرت اور حقارت کی نظر سے دیکھتی ہے اور اس کی خلاف اپنے عدم اعتماد کا اظہار کرتی ہے۔

(محرک) مولانا حسین احمد مدنی مدرس دارالعلوم دیوبند۔

(موتیدین) مولانا میر محمد منظر قیوم سجادہ نشین۔ مکان شریف۔ ضلع گورداسپور۔

مولانا ظہور الحق شاہ۔ کرنال۔ گورداسپور۔ مولانا حکیم نور الدین لائپوری۔ مولانا

ظہور احمد بگوتی۔ مولانا محمد بخش خطیب جامع مسجد راولپنڈی۔ چوہدری عبدالرحمن

ایم۔ ایل۔ سی۔ راہون۔

(روزنامہ زمیندار لاہور۔ ۲۴۔ اکتوبر ۱۹۳۲ء)



(مولانا عبدالکریم مہاراجہ ایڈیٹر ہفت روزہ "مہاراجہ")



(فتنہ مرزائیت کی سرزمین قادیان میں مجلس احرار کا روح پرور پٹاں)

کفر ویسے بھی بُزور ہوتا ہے، تاہم قانونی پابندیوں کے باعث کانفرنس کے دنوں کسی قادیانی کو گھر سے باہر نکلنے کی جرات نہ ہوئی اور نہ اجازت تھی۔ ان دنوں تمام قادیان ویرن ڈھائی دیتا تھا۔ مرزائیوں کی بڑھتی ہوئی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے حکومت خود پریشان تھی۔ بنا بریں قادیان میں کانفرنس کی اجازت دینے میں حکومت نے کوئی خاص پابندی نہیں لگائی۔ اس موقعہ کو غنیمت جان کر کفر پر چڑھ دوڑے۔

اس کانفرنس کے بعد قادیانیوں اور مسلمانوں کے درمیان ایک لمبی کدیر لھٹی گئی اور اس طرح احرار کا قادیانیوں پر یہ پہلا بھڑپور حملہ تھا۔

سانپ اگر ایک دفعہ زخم کھا جائے تو پھر چیونٹیاں بھی اسے چیر نہیں رہیں۔ یہاں تک کہ اس کا اپنا نہ رہی اس کی موت کا سبب بن جاتا۔ تب مجلس احرار سے چوڑا کھا کر مرزا بشیر الدین محمود نے زخمی سانپ کی طرح اپنے رخ چاٹتے ہوئے کہا:

”پس جب تک ان افسران کو جنہوں نے ہم پر ظلم کیا ہے میں نہیں سزا نہیں

دی جاتی یا وہ معافی نہیں مانگ لیتے۔ ہماری حکومت سے صلح نہیں ہو سکتی۔
 میں نے کانگریس کی تحریک کو خوب غور سے دیکھا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ
 کانگریس ایک ایسی سکیم تیار کر رہی ہے جس سے گورنمنٹ یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ میدان
 سے ہٹ گئی ہے۔ مگر عنقریب وہ گورنمنٹ (برطانیہ) کو ایسی مشکلات میں
 ڈال دے گی جس سے پھر اسے وفاداروں کی ضرورت محسوس ہوگی اور ہم پھر اپنے
 جھگڑے کو ایک طرف رکھ کر اس کی مدد کے لیے تیار ہو جائیں گے۔ مگر حکومت نے
 وقایہ نامہ میں احوال کانفرنس کی اجازت دے کر ہمیں سبق دیا ہے کہ اس سے صودا کیے
 بغیر تعلق نہیں رکھنا چاہیے۔ ہم خود بھی آئندہ حکومت سے سودا کریں گے اور دوسروں
 کو بھی سودا کا سبق پڑھائیں گے۔

سوائے اس صورت کے کہ حکومت کی طرف سے ہم پر جو ظلم ہوا ہے۔
 اسے دور کر دے، تب ہمارے تعلقات پہلے کی طرح ہو جائیں گے۔ لیکن اگر
 ایسا نہ ہوا تو ہماری مدد سودا کرنے کے بعد ہوگی۔ اور ہم اپنی خدمات کا معاوضہ طلب
 کریں گے اور اس جھگڑے کے خاتمے پر پھر اپنی ہتک کا سوال گورنمنٹ کے سامنے
 رکھیں گے اور اس سے مطالبہ کریں گے کہ وہ ہمارے ہتک کا ازالہ کرے اور یہ جھگڑا
 اس وقت تک جاری رہے گا جب تک گورنمنٹ سے اپنا حق نہ لے لیں گے۔

(مرزا محمود اخبار الفضل ۲۱ - نومبر ۱۹۳۳ء)

مرزائی بیڈر کو یہ باتیں کہنے کا حق پہنچتا ہے۔ کیونکہ ۱۸۵۷ء سے تا آج اس گروہ نے اسلام
 اور ہندوستان سے غداری کرتے ہوئے انگریز کی جو خدمات انجام دیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ قادیان میں ان
 کی بادشاہت قائم کر دی جاتی۔ اٹا احوال کے ہاتھوں اس گروہ کی گوشمالی کر دی۔ لیکن وہ بھی فرنگی تھا۔
 خوب جانتا تھا کہ خدا بہر حال خدا ہے۔ اگر اپنے ملک اور مذہب کے نہیں بنے تو ہمارے کب ہو سکتے ہیں۔
 کانگریس ہاتھی کمان میں تبدیلی | احوال ہند قادیان کانفرنس سے فارغ ہوتے تو اخبارات
 میں دوئی خبریں دیکھنے میں آئیں۔ اول یہ کہ مٹھرا علی جناح
 بمبئی کی شہ می سیٹ سے بلا مقابلہ سنٹرل اسمبلی کیلئے کامیاب ہو گئے (خود ہنوز لندن میں تھے)

دوسری خبر یہ تھی کہ گاندھی جی کانگریس سے علیحدہ ہو گئے ہیں۔ انہوں نے کانگریس ورکنگ کمیٹی کے روبرو بیان دیتے ہوئے ۲۲۔ اکتوبر ۱۹۴۲ء کو کہا:

”ہندوستان کے لیے کامل سواج کے حصول اور سول نافرمانی کے لیے میرے نزدیک جن دو شرائط کی ضرورت ہے وہ آپ کے نزدیک غرضی نہیں۔ مثلاً آپ اس بات کو اچھی طرح باور نہیں کرتے کہ چرخہ کاتنے سے اس طاقت میں کس طرح اضافہ ہو گا جو حصول سواج کے لیے ضروری ہے۔

میں ان مسائل پر بحث کرنا نہیں چاہتا۔ لہذا کانگریس سے علیحدہ ہوتا ہوں۔ اس لیے نہیں کہ میں تھک گیا ہوں یا یوں ہو چکا ہوں۔ بلکہ اس لیے علیحدہ ہوا ہوں تاکہ میں دیکھ سکوں کہ میری علیحدگی کے بعد میری اور آپ کی پوزیشن کیا ہے؟ اس سے میری مراد یہ نہیں کہ میں کوئی نئی پارٹی بنانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ جیسا سٹھ سال کی عمر میں اب میں یہ کام کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔“

کانگریس میں غیر سیاسی عناصر کی آمد نے، مہاتما گاندھی کے سیاسی اور عدم تشدد پسندی کو سخت متاثر کیا تھا۔ مہاسبانی ذہن نے بھی کانگریس کو نقصان پہنچایا۔ سوشلسٹ پارٹی نے کانگریس میں شامل ہو کر اسے اپنی ڈگر پر چلانا چاہا۔ کمیونسٹ الگ کیمپ کا ہوں سے اس پر وار کر رہے تھے۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے گاندھی جی نے ہر کانگریسی پر یہ شروع عائد کی کہ وہ روزانہ ایک ہزار گز سوت کات کر اپنے صحیح کانگریسی ہونے کا ثبوت دے۔ آخر اند کر گروہ گاندھی جی کی عدم تشدد پسندی سے پہلے ہی بیزار تھا۔ اس پر ہزار گز سوت کاتنے کی پابندی مزید گراں گزری جس سے کانگریس ہائی کمان میں گاندھی جی کے خلاف بغاوت کے آثار ابھرنے لگے۔ لہذا انہوں نے ہوا کا رخ دیکھ کر کانگریس سے علیحدگی بہتر سمجھی

آئندہ چل کر ایکٹ ۱۹۴۵ء کے تحت ملک میں نئے انتخاب بھی ہو رہے تھے۔ لیکن گاندھی جی اس پر بھی آمادہ نہیں تھے۔ اگر تھے تو بادل نخواستہ۔

آخر ۲۶ سے ۲۸۔ اکتوبر (۱۹۴۴ء) تک بمبئی میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا سالانہ اجلاس ہوا۔ لیکن اس اکھاڑے میں گاندھی جی کی غیر موجودگی سے یہ اجلاس نہایت بے رونق سمجھا گیا۔

تاہم اس اجلاس میں ورکنگ کمیٹی نے چند اہم تبدیلیاں کیں۔
 ”ماتما گاندھی کی جگہ راجہ راجکوپال اچاریہ کو لیا گیا۔ پنجاب سے ڈاکٹر محمد عالم کی
 جگہ خاں عبدالغفار خاں کو منتخب کیا گیا۔
 بنگال کے ڈاکٹر جے ایم۔ سین گپتا کی بجائے ڈاکٹر بیدھان چند رائے کو
 چنا گیا۔

اسی اجلاس میں کانگریس کے آئندہ صدر ڈاکٹر راجندر پرشاد مقرر ہوئے۔
تحریک کپور تھلہ | ہمارا جہ کپور تھلہ ہنوز پیرس میں تھے اور تحریک کے رہنما چودھری
 عبدالعزیز کپور تھلہ سنٹرل جیل میں۔ انہی دنوں ۳۰ اکتوبر ۱۹۳۴ء کو
 سکھ لیڈر بابا کھڑک سنگھ نے ہندو سکھ کانفرنس میں تقریر کے دوران کہا:
 ”ریاست میں مخلوط انتخاب سے یہاں کی اقلیتوں کو سخت نقصان پہنچے گا
 کیونکہ یہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔“

اس کانفرنس میں قرارداد کے ذریعے سلطان پور کے حادثہ کی تحقیقات کو غیر جانبدارانہ
 قرار دے کر

”میجر کوٹھے والا اور کپتان روپ سنگھ کی حمایت کی گئی۔ میزان کی تمام کارروائی
 کو جو انہوں نے سلطان پور میں مسلمانوں پر گولی چلا کر کی تھی جائز قرار دیا گیا۔“
 حالانکہ ریاست کی اپنی مقرر کردہ سرکاری تحقیقاتی کمیٹی میجر کوٹھے والا اور سر روپ سنگھ
 کو مجرم قرار دے چکی تھی۔

اس تاریخ کو اخبارات میں فرمانروائے کپور تھلہ کی پیرس سے واپسی کی اطلاع شائع
 ہوئی۔ اس پر مولانا حبیب الرحمن صدر آل انڈیا مجلس احرار نے ۴ نومبر کو بمبئی میں ہمارا جہ کے
 سیکرٹری کو برقی پیغام بھیجا کہ،

”ہمارا جہ دہلی پہنچنے پر مجھے ملاقات کی اجازت اور وقت دے کر تار کے ذریعہ
 مطلع کریں۔“

ہمارا جہ کے وزیر خارجہ کے سیکرٹری نے مولانا حبیب الرحمن کو اطلاع دی کہ:

” مہاراجہ صاحب ۵۔ نومبر کو پیرس سے بمبئی پہنچیں گے اور ۹۔ نومبر کو دہلی پہنچ جائیں گے۔ چونکہ دہلی میں ان کا قیام مختصر ہوگا لہذا وہ کپور تھلہ پہنچ کر آپ کو ملاقات کی اطلاع دیں گے۔“

کانگریس اور ریاستیں | احرار اور مہاراجہ کپور تھلہ کے درمیان ملاقات کی تیاریاں ہو رہی تھیں کہ ۷۔ نومبر ۱۹۲۴ء کو آل انڈیا کانگریس کے منتخب صدر

بابوراجندر پرشاد نے ہندوستانی ریاستوں سے متعلق کانگریس کی پالیسی کا واضح اعلان کرتے ہوئے کہا ”ہندوستانی ریاستوں کے مسئلے میں کانگریس کی پالیسی کے متعلق سوال کیا جا رہا ہے۔ چنانچہ اس ضمن میں گزارش ہے کہ کانگریس ۱۹۲۸ء میں کلکتہ کے اجلاس میں یہ واضح کر چکی ہے یعنی:

کانگریس والیان ریاستوں سے درخواست کرتی ہے کہ وہ ریاستوں میں نمائندہ ادارت کے ذریعہ ذمہ دار حکومت قائم کریں اور فوری اس کے متعلق اعلان کریں۔ نیز ریاست میں ایسے قوانین نافذ کریں جو شہریت کے ابتدائی حقوق مثلاً اجتماعی آزادی، تحریر و تقریر کی آزادی اور حفاظتِ مال و جان ہونی چاہیے۔

کانگریس! ریاستوں کے باشندوں کو یقین دلاتی ہے کہ کامل آزادی اور ذمہ دار حکومت کے حصول میں ان سے پرامن اور جائز جدوجہد میں پوری ہمدردی رکھتی ہے اور انہیں حالتِ کا یقین دلاتی ہے۔

احرار پر ابتلاء کا آغاز | سیاسی زندگی میں سانس لینا کانٹوں پر سفر کرنے کے برابر ہے۔

یہ سنگلاخ راستہ مصائب و آلام کی کئی پلٹنڈیوں سے ہو کر گزرتا ہے۔ آبلہ پانی کے ساتھ دل و دماغ بھی ٹھولہ مان ہو جاتے ہیں۔ وقت اور نجات ہمنوا ہوں تو دوسری بات ہے ورنہ پت جھڑ کے موسم کی طرح اپنے بھی پرانی نظروں سے دیکھنے میں تساہل نہیں کرتے۔ سیاسی جماعتوں کا مزاج بھی اسی مٹی سے پردان چڑھتا ہے۔ دلوں کا یہ کھیل تماشا اگر معصوم بچے کی طرح پسندیدہ نہ ہو تو اس کی عمر بھی مختصر ہوتی ہے۔

مجلس احرار جن طور واطوار سے گذرتی چلی آرہی ہے، مستقبل اس کی پذیرائی کے رستے سنوار رہا ہے۔ حالات پھولوں کے گجرے لیے واقعات کی قطاریں آگے بڑھ رہے ہیں لیکن ذریدہ نگاہیں بھی غافل نہیں کہ بوریہ نشینوں کا یہ قافلہ صحراؤں سے اٹھ کر صحن گلستان پر قبضہ جانے کی دوڑ میں مصروف ہے۔ ہو سکتا ہے، آنے والے کل کی بہاریں ان کے قدم لیں لہذا بادِ سموم سے کموان کا راستہ روک لے۔ پہاڑان کے راہوں کی دیواریں بن جائیں سمندروں کے پانی اُچھل کر طوفان بپا کر دیں تاکہ ہدی خوانوں کا یہ قافلہ بے راہرو ہو جائے۔ راستہ کھوجانا اور بات ہے۔ مگر راستے کا چھوڑ دینا الگ چیز ہے۔ جن مسافروں نے بادِ سموم کی آندھیوں سے خوف کھا کر اپنا راستہ بدل لیا وہ نہ منزل پر پہنچ سکے اور نہ منزل ان کے قریب آئی۔ البتہ وہ لوگ مگر بھی کامیاب و کامران نکلے جتنوں نے خزاں میں کانٹوں سے پیار کیا اور بہار کے ان پھولوں سے نفرت کی جن کی پتیوں میں وفا کی بو نہیں تھی۔

یکم نومبر ۱۹۴۲ء کو ہندوستان کے جنرل الیکشن شروع ہوئے۔ اسی روز مجلس احرار کے امیدوار مسٹر خالد لطیف گابا کے لاہور میں ووٹ پڑنے تھے۔ باغباپورہ کے پولنگ اسٹیشن پر بیگم شاہنواز خان بہادر رحیم بخش کے حق میں اپنا ووٹ استعمال کرنے آئیں تو انہوں نے برقعہ اوڑھ رکھا تھا۔ اس پر احرار کارکنوں نے اعتراض اٹھایا کہ یہ بیگم صاحبہ نہیں ہیں۔ کیونکہ وہ ہمیشہ بے پردہ رہی ہیں۔ لہذا ہمیں شبہ ہے کہ کوئی دوسری عورت ان کی جگہ ووٹ ڈالنے آئی ہے۔ اس پر فریقین میں ہنگامہ ہو گیا۔

حقیقت یہی ہے کہ بیگم شاہنواز شاہی دربار سے عوامی اجتماعات تک ہمیشہ سادگی باندھے یا کبھی کبھار دوپٹہ اوڑھے شریک ہونے کی عادی تھیں۔ بڑے گھرانے کی عورت تھیں۔ یہ لباس ان کی روزمرہ زندگی میں شامل تھا جبکہ ان کے والد محترم سرمیاں محمد شفیع نجی اصلاحات کے ضمن میں کسی حد تک انتہا پسند ہو گئے تھے اور انہوں نے گھر کی خواتین کا رائج الوقت پردہ کی روایات سے آزاد ہونا پسند کیا تھا۔ (نوائے وقت ۱۰ جنوری ۱۹۷۶ء) لیکن انتخاب کے موقع پر ایسی کون سی وجہ تھی کہ وہ برقعہ اوڑھ کر آئیں۔ بنابرین باغباپورہ کے احرار کارکنوں کا اعتراض غلط نہیں تھا۔ لیکن یار لوگوں نے اس حقیقت کو ایسا فسانہ بنایا کہ ۱۵ نومبر

کے روزنامہ انقلاب لاہور نے حسب ذیل ادارتی نوٹ کے ساتھ ایک تجویز پیش کر دی:

”کیا احوار کے لیے یہ چیز باعثِ فخر ہے، کہ ان کے حلقے میں ایسے ایسے لوگ موجود ہوں، جن کی زبان درازی شرفاء کے لیے باعثِ شرم ہو؟

ہم جو کچھ عرض کر رہے ہیں اس لیے نہیں کہ احوار کی مخالفت کے لیے کوئی نیا میدان آراستہ کیا جائے بلکہ اس کی غرض یہ ہے کہ ہم احوار کے اس فعل کو ملت کے نقطہ نظر کے تحت افسوس ناک سمجھتے ہیں۔

نوٹ: تاریکین انڈر لائن عبارت کو ذہن میں رکھیں۔

خالد لطیف گاباکی کامیابی | ۱۵۔ نومبر کو حکومت نے اعلان کیا کہ اسمبلی کے انتخاب میں خان بہادر حاجی رحیم بخش کے مقابل خالد لطیف گاباکی کو سوتلوے دوٹ زیادہ لے کر کامیاب ہو گئے ہیں۔

خالد لطیف گاباکی کامیابی کے بعد مجلس احوار کی پارلیمانی حیثیت حسب ذیل ہے۔

- سنٹرل اسمبلی میں مولانا محمد احمد کاظمی ایڈووکیٹ الہ آباد، انیکورٹ، یوپی۔
- مسٹر خالد لطیف گاباکی، سرٹھانیکورٹ لاہور، پنجاب۔
- پنجاب کونسل میں۔

• چودھری افضل حق (ہوشیار پور)۔

• چودھری عبدالرحمن رامپور واسے ضلع ہوشیار پور۔

• مولانا منظر علی اظہر لاہور۔

وزیر اعظم کیپور تھلہ کی علیحدگی | مسٹر اجے کپور تھلہ نے پیرس سے واپسی پر ۲۰ نومبر ۱۹۳۶ء کو حسب ذیل اعلان جاری کیا۔

”میرے یورپ جانے سے قبل میرے وزیر اعظم سر عبد الحمید نے خواہش کی تھی کہ وہ ریاستی ذمہ داریوں سے علیحدہ ہو جائیں۔ لیکن میرے کہنے پر انہوں نے میری غیر حاضری میں بہر طور کام کو نبھایا۔ اب پھر انہوں نے اپنی درخواست کا اعادہ کیا اور نہایت مختصانہ طور پر التجا کی کہ میں ان کی اس درخواست کو قبول کروں۔ میں

نہایت رنج اور افسوس سے ان کی یہ درخواست قبول کرتا ہوں۔
 سر موصوف نے بیس سال تک میری اور میری ریاست کی نہایت اخلاص سے
 خدمت کی اور وفادار رہے اس کے لیے ان کا بے حد مشکور ہوں۔ ان کی چلچلکی میرے
 لیے رنج کا باعث ہے۔

اصولی طور پر یہ آئینی تبدیلی جنوری ۱۹۳۵ء کے آغاز میں عمل میں آجائے گی۔
 ”ریاست میں نظم و نسق اور بجائی امن و قانون کی خاطر میں سیاسی
 دوسرا اعلان“ نو حثیت کے تمام جلسوں اور جلسوں کی مخالفت کا اعلان کرتا ہوں
 صرف انہیں جلسوں اور جلسوں کی اجازت دی جائے گی جو سرسرنندہ ہی حیثیت
 رکھتے ہوں۔ ان احکام کی خلاف ورزی کی صورت میں انسپکٹر جنرل پولیس خلاف ورزی
 کرنے والے لوگوں سے مناسب اور ضروری کارروائی کرے گا۔

۲۸۔ نومبر ۱۹۳۴ء کے حالیہ انتخابات کے نتائج مختلف انداز
 جنرل انتخاب کے نتائج میں پیش کیے۔

۱۔ جمعیتہ علمائے ہند دہلی

۲۔ مجلس احوار

۳۔ بہار کی امارۃ شریعہ

۴۔ یو پی یونیٹی بورڈ

۵۔ مسلم لیگ اور مسلم کانفرنس مشترک پارلیمانی بورڈ نے اسی فیصد کامیابی حاصل کی کل تیس مسلم
 نشستیں اور بیس کامیاب ہوئے۔

۶۔ کانگریس کو غیر مسلموں میں خاصی کامیابی حاصل ہوئی۔ کل تعداد ایک سو پچاس تیس حاصل شدہ کامیابی

۷۔ پنڈت مالویہ کی نیشنلسٹ پارٹی نے بارہ نشستیں حاصل کیں۔

۸۔ سیکرٹری مسلم لیگ نوابزادہ خورشید علی کا تفصیلی بیان کل تیس مسلم نشستیں

کے لیے مسلم نمائندوں کو ٹکٹ دیے گئے تھے، جس میں بیس کامیاب ہوئے۔

۱۔ مسٹر محمد علی جناح - ۲۔ سیٹھ عبداللہ ہارون - ۳۔ مسٹر شاہنواز مجتوبہ - ۴۔ مسٹر غلام حسین پراست

- ۵۔ غلام مجیک نیرنگ۔ ۶۔ سید راجن شاہ۔ ۷۔ سر مر شاہ۔ ۸۔ حافظ محمد عبداللہ۔ ۹۔ شیخ فضل حق پیر۔
۱۰۔ مولوی سر محمد یعقوب۔ ۱۱۔ ڈاکٹر ضیاء الدین احمد۔ ۱۲۔ مسٹر اسے۔ ایچ غزنوی۔ ۱۳۔ مسٹر اسے کے فضل حق۔
۱۴۔ سر عبداللہ سرور دی۔ ۱۵۔ مولوی شفیع داؤدی۔ ۱۶۔ سر عبدالقیوم وغیرہ۔

جائٹ سلیکٹ کمیٹی کی رپورٹ

اسمبلی کے ان نتائج سے پیشتر ۲۳۔ نومبر کے اخبارات میں جائٹ سلیکٹ کمیٹی کی رپورٹ کا مختصر خاکہ پیش کیا گیا۔ لیکن ہنوز اس پر لندن برطانوی پارلیمنٹ میں وزیر اعظم مسٹر رمزلے میکڈونلڈ اور ٹوڈی پارٹی کے لیڈر مسٹر چرچل کے درمیان کافی بحث چل رہی تھی۔ اپوزیشن کا دعویٰ تھا کہ موجودہ سکیم کے تحت ہندوستان کو بہت زیادہ حقوق دے دیے گئے ہیں۔ مگر کانگریس اس پر بھی مطمئن نہیں اور حالیہ الیکشن میں اس کی کامیابی اس کی مخالفت کی بنا پر ہے۔ اس بحث کے دوران جائٹ سلیکٹ کمیٹی کی رپورٹ منظر عام پر آگئی۔

- ۱۔ مرکز اور صوبہ جات میں اختیار کی تقسیم دائرہ پیر کی سفارشات کے مطابق رہیں گی۔
- ۲۔ باقی اختیارات گورنر جنرل کے پاس ہوں گے۔
- ۳۔ سندھ اور اٹلیس علیحدہ صوبے بنائے جائیں گے۔
- ۴۔ صوبوں میں دو عملی کی تنسیخ۔
- ۵۔ غیر مشروط اکثریت گورنر کے راستے میں حائل نہیں ہوگی۔
- ۶۔ مالیات اور قانون سازی میں گورنر کے خاص اختیارات ہوں گے۔
- ۷۔ قانون دان و ذرا کی تحویل میں رہیں گے، لیکن پولیس اور خفیہ پولیس کے متعلق گورنر کو خاص اختیارات ہوں گے۔

۸۔ ووٹروں کی تعداد ستر لاکھ سے بڑھا کر ساڑھے تین کروڑ کر دی گئی۔

۹۔ فرقہ وارانہ فیصلے اور پونا پیکٹ میں تبدیلی نہیں ہوگی۔

۱۰۔ قیادت کے قیام کے لیے ریاستوں کی کل آبادی سے کم از کم نصف حصے کا شمول ضروری ہے،

۱۱۔ گورنر جنرل زیادہ سے زیادہ تین مشیروں کی امداد سے شعبہ جات فوج، معاملات خارجہ اندہی

معاملات اور برطانوی بلوچستان کا انتظام کریں گے (خاص زمینداری ان کے علاوہ ہیں)

۱۲۔ فیڈرل مجلس قانون سازی میں بالواسطہ انتخاب۔

۱۳۔ فیڈرل کورٹ کا قیام۔

۱۴۔ برما کے متعلق وائٹ پیپر کی تجاویز سے متعلق اتفاق اور دستور کی ترتیب۔

۱۵۔ لیبرارکان کا اختلافی نوٹ جو نہایت ضروری ہے۔

لندن پارلیمنٹ کے علاوہ مندرجہ بالا رپورٹ عالمی بحث کا موضوع بھی بنی۔ چنانچہ جن اخبارات

نے اس پر ملے جلے جذبات کا اظہار کیا۔ ان کے نام حسب ذیل ہیں۔

لندن: ڈیلی ٹیلیگراف۔ لندن ٹائمز۔ نیوز کرائیکل۔ ڈیلی میل۔ فنانشل نیوز۔ فنانشل ٹائمز۔
مانچسٹر گارڈین۔

آئرلینڈ: آئرش ٹائمز۔

ہندوستانی پریس: لیڈر (الہ آباد)، فارورڈ کلکتہ، امرت بازار پٹریکا۔ اندر بازار پٹریکا۔ ہندوستان

ٹائمز۔ نیشنل کال۔ مدراس میل (مدراس) روزنامہ سن (برما)۔

اخبارات کے علاوہ جن مسلمان رہنماؤں نے اس رپورٹ کی حمایت کی۔

۱۔ ڈاکٹر سر محمد اقبال لاہور۔ ۲۔ عبداللہ یوسف علی۔ بمبئی۔ ۳۔ مسٹر پیر بخش پشاور۔

۴۔ مسٹر ایچ۔ اے۔ غزنوی کلکتہ۔ ۵۔ ڈاکٹر شفاعت احمد الہ آباد۔ ۶۔ سر سلطان احمد

پٹنہ۔ ۷۔ سر ظفر اللہ (مرزائی)۔ ۸۔ سر عبدالرحیم۔ ۹۔ سر عبدالقیوم۔

ہندو رہنما۔ ۱۔ ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹیگور (شان نیکن)۔ ۲۔ سر تیج بہادر سپرد۔ ۳۔ بابو

راجندر پرشاد صدر کانگریس کمیٹی۔ ۴۔ این۔ سی۔ کاکو (پونا)۔ ۵۔ اچاریہ کرپالانی

(سندھ)۔ ۶۔ سر شادی لال (سابق چیف جسٹس لاہور ہائیکورٹ)۔ مسٹر ستیہ مورتی

مدراس۔ سر کشور سنگھ پٹنہ۔

۲۵۔ نومبر کو برطانیہ کی پارلیمنٹ میں مندرجہ بالا رپورٹ کو ٹوٹوئی پارٹی نے بنیادی طور پر

مسترد کر دیا۔

ہندوستان کے متعلق انگریز مظہر تھا کہ اس نے قریباً ڈیڑھ

صدی سے اپنے غلاموں کے درمیان منافرت کی جو خیم ریزی

لندن میں خوف و ہراس

کی ہے اس پودے کے برگ و بار اپنی بہار پر ہیں اور جو انٹنٹ سیلنٹ ٹیمپلیٹ کی ریورٹا کا مستور کر دیا اس یقین کا مزید ثبوت ہے۔ برطانیہ کو سب سے بڑی مشکل ٹھکر کے اردوں نے یہ یاد کی کہ اس کے بڑھتے ہوئے قدم دوسری جنگ عظیم کو قریب تر کر رہے تھے۔ اس ذہن سے سڑجہ چل کی یہ تقریر قابل غور ہے جو انہوں نے ۲۹ نومبر ۱۹۴۲ء کو دارالعوام میں کی۔

”میں ایران کو توجہ دلاؤں گا کہ ہمارے پاس فوجی تحفظ کے لئے نظام ناکافی ہیں۔ اس وقت دنیا کی نگاہیں جرمن پر لگی ہوئی ہیں کہ وہ اپنی بحری فوج اور اسلحہ میں بہت بڑا اضافہ کر رہا ہے۔ وہ اپنی فضائی قوت کو بھی بڑھا رہا ہے۔ وہ اس قوت سے لندن کو ایک ہی حملے میں تھمس تھمس کر سکتا ہے، جیسا کہ اس نے کیا ہے۔“

میں آئندہ سالوں میں اپنی فضائی قوت میں اضافہ کریں گا۔ جرمنوں کو ہمارے دارسائی کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اپنی فضائی طاقت بڑھا رہا ہے۔ جرمن اپنے اسلحہ میں جو اضافہ کر رہا ہے، اس کے لئے معذور کرنا ضروری ہے۔“

۱۹۳۶ء کے اختتام تک برصغیر کی شہنی ترقی برطانیہ سے بچاؤ نیت سے زیادہ ہو جائے گی اور ۱۹۴۰ء میں چار سو نو سو چار روپے سے لے کر اس سے دو سو پینسٹر، دو سو کے اخبارات ہیں فرانس کے ایک وزیر نے کہا کہ اس میں نے آئندہ جنگ میں فرانس کو برصغیر کے انقلابی فوجیوں کی مدد کی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ برصغیر میں فرانس نے اپنی پہلی فوج کو ہار دیا اور ہوشیار کے لیے دو سو سو پینسٹر اور دو سو پینسٹر کے لیے فوج کے لیے آٹھ کروڑ روپے خرچ کیے۔ اس اجلاس میں برصغیر کے برقیہ نے اس بار کے خالق کو مبارکبادیں پیش کیں۔

مشرقی چلی اور فرانس کو اس وجہ سے بھی پریشانی ہوئی کہ لندن کے ایک سفارت کار نے اپنی ۲۰ نومبر ۱۹۴۱ء کی اشاعت میں یہ افشاءات کیے۔
”ہٹلر نے لندن میں انیس پارٹی کے پوائنٹنگ ہتھیاروں سے ایک لاکھ پلوں کو

خرج کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس کے لیے اس نے اپنے مخصوص آدمی لندن بھیجے ہیں۔“

ان حالات کے پس منظر میں بقول لندن ٹائمز ۳۔ نومبر ۱۹۳۲ء:

”حال ہی میں سرکاری گزٹ میں جو قانون شائع ہوا ہے جس کی رو سے فوجوں کی اشاعت کو ممنوع قرار دے دیا گیا ہے۔ لہذا بحری فوجی معاملات پر بحث کے دوران بڑی احتیاط سے کام لینا ہوگا۔“

اس اعلان کی رو سے کسی قسم کی خبر شائع نہیں ہوگی جس کی اجازت حکومت نہ دے۔ خاص کر جن خبروں میں فوجی نقل و حرکت یا فضا کی بندرگاہوں کی ترقی اور ترتیب کا ذکر ہو۔“

انہی دنوں یکم دسمبر ۱۹۳۲ء کو پیرس میں ایک تقریر کے دوران فرانسیسی نمائندے نے جلد سے درخواست کی کہ:

”وہ لیگ آف نیشنز میں شامل ہو کر مشرق میں یورپین پالیسی کے ساتھ تعاون کریں۔“

فرانسیسی نمائندہ نے گزشتہ دنوں کی اس خبر کو غلط قرار دیا کہ روس اور

فرانس کے درمیان کوئی سمجھوتہ ہوا ہے۔“

دنیا جھکتی ہے مگر قوت کے سامنے | اقوام یورپ فکر و تدبیر کی بے پناہ صلاحیتیں رکھتی ہیں۔ مستقبل کے فیصلے انہوں نے

پیشتر سے کر لیے ہوتے ہیں۔ ان کے سیاستدان ہواؤں کے رخ پر اپنی عمارت کی نیواٹھاتے ہیں۔

دوسری جنگ عظیم کے بادل ہنوز ہواؤں کی تربیت میں تھے لیکن دانشورانِ افرنگ نے فضاؤں میں اس کی بوسونگھ کر اپنے اندازے اور اندیشوں کے نقشے لیکر نئے شروع کر دیے۔

ہندوستان غلام ہونے کے باوجود بھی بڑی قوت کا مالک ہے۔ لیکن برطانوی سامراج

نے اسے پرکھ کے برابر وقعت نہیں دی اور بڑی جرأت کے ساتھ کنزرویٹو پارٹی کے رہنما
مسٹر چرچل نے اپنے ملک کے وزیر اعظم کے فیصلے کو رد کر دیا اس لیے کہ ۷۔

غلام سے جو بھی ہوگا وعدہ ضرور ناپائیدار ہوگا۔

اور جرمن سے اس لیے خوف زدہ ہیں کہ کل کا آفتاب اس کے عروج کا آفتاب ہوگا۔ حالانکہ
ہنوز دلی دور است۔ لیکن ۸۔

آنے والے کسی طوفان کا رونا رو کر

ناخدا نے مجھے ساحل پہ ڈبونا چاہا!

مجوزہ جوائنٹ سلیکٹ کمیٹی کی رپورٹ پر ہندوستان کی سیاسی
پسند اپنی اپنی جاعتوں کی راستے:

مسلم کانفرنس۔ ۳۔ دسمبر ۱۹۴۷ء کے اجلاس لاہور میں مسلم کانفرنس کی درکنگ کمیٹی نے
”برطانوی تجویز کو ناپسندیدہ قرار دیا۔ جس میں صوبوں کے گورنروں کو یہ پناہ
اختیار دے دیے گئے ہیں۔ اس طرح صوبوں کی خود مختاری بیکار ہو کے رہ
گئی ہے۔ تاہم درکنگ کمیٹی نے فیصلہ کیا ہے کہ موجودہ دستور کے ذریعے
جو کچھ دیا گیا ہے اس سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہیے تاکہ آئینی طریقوں سے
دستور میں اصلاح کرائی جاسکے۔“

آل انڈیا کانگریس کمیٹی: ۶۔ دسمبر ۱۹۴۷ء کو پٹنہ درکنگ کمیٹی کے اجلاس میں دو دن کی سلسل
بحث کے بعد سلیکٹ کمیٹی کی رپورٹ کو مسترد کرتے ہوئے کہا،

”کانگریس نے انجام کار انتہائی غور و فکر کے بعد فیصلہ کیا ہے کہ حکومت ہند
کے آئندہ دستور کا جو خاکہ وائٹ پیپر میں پیش کیا گیا ہے اسے مسترد کر دیا جائے
اس کے مقابلہ میں قابل اطمینان شکل عرفتین ہے کہ ایک دستوری اسمبلی کے
ذریعے جدید نظام حکومت ترتیب دیا جائے۔ اسمبلی کے جدید انتخاب میں
دستوری اسمبلی کے طلبے کی نہایت واضح اور بعین الفاظ تائید ہو چکی ہے۔
برطانوی پارلیمنٹری رپورٹ اکثر اعتبار سے وائٹ پیپر کی تجاویز سے بھی

بدتر ہے۔ ہندوستان کی ہرجاغت اسے رحمت پسندانہ اور ناقابل قبول قرار دے چکی ہے۔ پارلیمنٹری رپورٹ کا مقصد چونکہ یہ ہے کہ اجنبی قوم اس ملک کے باشندوں پر مسلط رہے اور نہایت ہی گراں مصارف کے ساتھ اثر انداز ہوتی رہے۔ لہذا یہ رائج الوقت دستور سے بھی زیادہ خطرناک اور ضرر رساں ہے۔ اندریں حالات کمیٹی کی یہ رائے ہے کہ اس سکیم کو مسترد کر دیا جائے۔

چودھری افضل حق: ۱۷۔ دسمبر ۱۹۳۲ء کو پنجاب کونسل میں بحث کے دوران چودھری افضل حق نے اپنی ایک تجویز پیش کی کہ:

”سیکٹ کمیٹی کی رپورٹ ہندوستان کی خواہش کو پورا نہیں کرتی اس لیے اس یون کی رائے میں اسے مسترد کر دینا چاہیے۔“

آپ نے کہا، ملک کی یہ متفقہ رائے ہے کہ رپورٹ کو مسترد کر دیا جائے کیونکہ حکومت اس خیال پر عمل پیرا ہے کہ ہندوستان میں ایک ایسا گروہ موجود ہے جو بڑی سے بڑی سکیم کو بھی خوش آمدید کہنے کو تیار ہو جائے گا۔ مگر وقت آنے پر حکومت خود اندازہ کر لے گی کہ اس گروہ کی عوام میں کوئی قیمت نہیں۔

لندن کی لیبر پارٹی: ۱۸۔ دسمبر ۱۹۳۲ء دارالعوام میں بحث کے دوران مسٹر اٹیل نے کہا:

”جو انٹرنیشنل سیکٹ کمیٹی کی رپورٹ غیر تسلی بخش ہے اسے مسترد کر دیا جائے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آئندہ سکیم جو رپورٹ میں درج ہے، موجودہ آئین سے بہر حال کچھ نہ کچھ بہتر ہے، لہذا جو چیز بہتر ہے اسے قبول کر لینا چاہیے۔ لیکن ملک کے سامنے یہ سوال نہیں ہے کہ مجوزہ سکیم موجودہ آئین سے کسی قدر بہتر ہے یا نہیں اصل سوال یہ ہے کہ حکومت برطانیہ کی طرف سے جو وعدے وقتاً فوقتاً ہندوستان کے ساتھ کیے گئے تھے آیا وہ وعدے اس رپورٹ سے پورے ہوئے ہیں یا نہیں۔“

۱۹۱۷ء میں حکومت کی طرف سے ذمہ دار اور خود مختار حکومت کا وعدہ دیا گیا تھا اس کے بعد اس بات پر بحث ہوتی رہی کہ آیا ذمہ دار خود مختار حکومت کے معنی درجہ نوآبادیات سے یا نہیں۔؟

جب سر میکلم ہیلی ہوم نمبر تھے تو انہوں نے اسمبلی میں یہ اعلان کیا تھا کہ اس کے معنی درجہ نوآبادیات کے نہیں ہیں۔ لیکن اس کے بعد لارڈ اردن نے دائرے کی حیثیت سے اور مٹر رنر نے میکڈانلڈ نے وزیر اعظم کی حیثیت سے اس امر کا یقین دلایا کہ ہندوستان کا نصب العین درجہ نوآبادیات ہے۔ لیکن موجودہ رپورٹ میں ان تمام دعووں کے متعلق بدعہدی کی گئی ہے۔

ہم نے اس ایوان میں سائن کمیشن کے تقرر کے خلاف بھی آواز بلند کی تھی لیکن ہمارے مڈریٹ دوستوں نے سائن کمیشن سے تعاون کیا۔ بعد میں ہر ایک سیرت نے اس امر کو تسلیم کر لیا کہ سائن کمیشن کو مقرر کرنا غلطی تھی۔ ممکن ہے کہ اب بھی حکومت اور مڈریٹ ہائی آواز پر کان نہ دھریں۔ لیکن انہیں یہ ماننا پڑے گا کہ ہندوستان پر موجودہ رپورٹ کی بنا پر ایک آئین کو مٹھو نسا سخت غلطی ہے۔ اس کے بعد آپ نے مرکزی اور صوبائی حکومتوں کے متعلق تحفظات پر نمٹنے پر غور کرتے ہوئے کہا:

”رپورٹ میں کوئی ایسا وعدہ بھی موجود نہیں جس میں اس امر کا یقین دیا گیا ہو کہ آئندہ کسی وقت ان تحفظات کو مٹایا جائے گا۔ آئندہ آئین کے تحت وزراء کی حالت ایسے دار کی سی ہوگی جس کے گھوڑے کی باگیں دوسرے آدمی کے ہاتھ میں ہوں گی۔“

آخر میں آپ نے ایوان سے اپیل کرتے ہوئے کہا:

”برطانوی حکومت اور برطانوی عوام کا وقار اسی میں ہے کہ اس تجویز کو مسترد کر دیا جائے۔“

سیجاش چندربوس کو نوٹس | غیر ملکی حکومت اس سے نا آشنا نہیں تھی کہ ۱۹۴۷ء میں ہندوستان کو اپنی غلامی کا احساس ہو چکا ہے۔ اور کسی وقت بھی اس چٹکانی کے شعلے بلند ہو کر ایوان فرنگی کو خاک کر سکتے ہیں۔ اس بنا پر وہ ایسے عناصر سے غافل نہیں تھی جس کے متعلق اسے ذرا سا بھی شبہ ہو کہ اس کے ارادوں میں بغاوت

پرورش پا رہی ہے۔

بنگال کے بابو سبھاش چندر بوس کانگریسی ہونے کے باوجود مائتھا گاندھی کی عدم تشدد کی پالیسی کے سخت خلاف تھے وہ اندرون خانہ و بیشت پسند تحریک کے صرف معاون ہی نہیں اس کے حامی بھی تھے۔

دوسری جنگ عظیم سے متعلق جیسے جیسے حکومت کا احساس بڑھتا گیا۔ ہندوستان میں برطانوی پالیسی اسی قدر سخت ہوتی گئی۔ ان دنوں بابو سبھاش چندر یورپ میں تھے انہیں اطلاع ملی کہ ان کے والد بیمار ہیں۔ اس پر ۶ دسمبر ۱۹۳۴ء کو کلکتہ پہنچے تو انہیں گھر میں نظر بند کر دیا گیا۔ اس دوران ان کے والد کا انتقال ہو گیا۔ مگر حکومت نے انہیں نہ تو والد کی ارحقی کے ساتھ شمشان بھومی تک جانے دیا۔ اور نہ ہی کسی عزیز و اقارب سے ملنے کی اجازت دی۔ خط و کتابت پر بھی قلعہ بند لگا دی۔

۸ دسمبر کو ایک نوٹس کے ذریعے سبھاش بابو کو حکم دیا گیا کہ وہ دو دن گھر ٹھہر کر یورپ واپس چلے جائیں ورنہ انہیں گرفتار کر لیا جائے گا۔ اس کے جواب میں سبھاش بابو نے حکومت سے ۷ جنوری ۱۹۳۵ء تک ہندوستان میں رہنے کی اجازت چاہی اور دوسری صورت میں انہوں نے کہا کہ ملک بدر ہونے سے بہتر ہے کہ مجھے جیل بھیج دیا جائے۔

۹۔ دسمبر ۱۹۳۴ء کو حضرت امیر شریعت سید عطار اللہ شاہ بخاری کو **شاہ جی کی گرفتاری** گرفتار کر لیا گیا۔ ان پر الزام تھا کہ انہوں نے قادیان کانفرنس کے موقع پر تقریر کے دوران حکومت کے دو فرقوں کے درمیان منافرت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ ۲۰ دسمبر کو انہیں گورداسپور ڈسٹرکٹ جیل میں رکھا گیا۔ عدالت نے ضمانت پر رہا کر دیا۔

ریاستہائے ہند کا اجلاس اگر انسان کا ہمیر مجرم ہو تو ہزار تحفظ بھی اسے موت سے محفوظ نہیں رکھ سکتا۔ حکومت ہند نے ریاستوں کو ہمیشہ اپنے دامن عافیت میں محفوظ رکھا۔ لیکن بر ریاستی حکمران اپنی رعایا سے خوفزدہ تھا۔ اور یہ خوف کسی وقت بھی ان کی موت کا ذریعہ بن سکتا۔

برطانیہ کی موجودہ سکیم کے تحت فیڈریشن کی صورت میں بھی ریاستوں کی نصف آبادی کو اس میں شمولیت کا حق دیا گیا تھا۔

اس پر بھی ریاستائے ہند غیر مطمئن رہیں۔ اس سے پیشتر جولائی ۱۹۳۲ء کو مہاراجہ پٹیالہ، نواب آف بہادرپور اور تین دوسرے والیان ریاست کی طرف سے وائٹ پیپر کے پیش نظر حکومت سے تحفظ مانگا گیا تھا۔ اس خط کے جواب میں حکومت نے کہا:

”ہم اپنی جگہ پر آپ کی تائید و حمایت کا یقین دلاتے ہیں کہ تاج برطانیہ کے ساتھ آپ کے معاہدات کے ذریعے آپ کو جو مراعات حاصل ہیں، ان کو غصب کرنے کی کسی کوشش کے مقابلے میں ہم آپ کی اور آپ کے رفقاء کے کار کی ہر ممکن امداد کریں گے۔“

اس خط کے نیچے ڈیوک آف ڈنڈسبرگ کے علاوہ مٹروپولیٹن اور برطانوی پارلیمنٹ کے ممبروں کے دستخط ثبت تھے۔

یہ خط ہندوستان کے ۳۰ دسمبر ۱۹۳۲ء کے اخبارات میں شائع ہوا۔ اس پر بھی ان کا ضمیر مطمئن نہیں تھا کیونکہ انہیں یقین ہو چکا تھا کہ ریاستی نظام کا برطانوی سہارا آج نہیں توکل نہتہ ہو جائے گا۔ چنانچہ

”۱۲ دسمبر کو ممبئی میں ریاستائے ہند نے اپنا اجلاس طلب کر لیا۔ مگر بغیر کسی فیصلے کے آئندہ جنوری پر متوی کر دیا گیا تاہم انہوں نے اپنے تحفظات کی ضرورت کو سختی سے محسوس کیا اور نئی سکیم میں ریاستائے ہند کے تحفظ پر زور دیا۔“

پنجاب کونسل کے ۱۸ دسمبر ۱۹۳۲ء کے اجلاس میں چودھری افضل حق نے سوال اٹھایا:

قادیان کانفرنس کا ذکر

”کیا حجاز کانفرنس قادیان کے موقع پر حکومت نے مرزا بشیر الدین محمود کو کوئی نوٹس دیا تھا؟“
جواب: (دزیر خوانہ) ہاں ایک نوٹس زیر دفعہ ۱۴۴- اور دوسرا قانون ترمیم ضابطہ فوجداری کے تحت دیا تھا۔

سوال: کیا حکومت کو معلوم ہے کہ اس کے بعد جمعہ کے خطبوں میں مرزا بشیر الدین محمود حکومت سے

مطالبہ کرتا رہا ہے کہ حکومت اس سے معافی مانگے ؟

جواب: حکومت ان خطبوں کے معنی نہیں سمجھتی۔

سوال: کیا حکومت نے بشیر الدین محمود سے معافی مانگی ہے ؟

جواب: نہیں۔

سوال: کیا حکومت نے اس پر توجہ دی کہ اگر حکومت نے اس سے معافی نہ مانگی تو بشیر الدین محمود

اس کے علاوہ کیا کرے گا ؟

جواب: نہیں۔

کیپور تھلہ کا نیا وزیر اعظم | ۲۰۔ دسمبر ۱۹۳۴ء کو مہاراجہ کیپور تھلہ نے دو سال کے لیے ایک

انگریز کزنل فیسٹر کو اپنی ریاست کا وزیر اعظم مقرر کر دیا۔ نئے وزیر اعظم نے چارج سنبھالتے ہی ۲۱۔ دسمبر کو چودھری عبدالعزیز کے بھائی کپتان عزیز احمد اور نقیسنٹ صدیق احمد جنہیں گزشتہ تحریک کے دنوں نظر بند کر دیا گیا تھا۔ ان کی تمام پابندیاں ختم کر کے ان کی جائیداد واکذار کر دی۔ نیز چودھری عبدالعزیز کے بڑے بھائی چودھری عبدالرشید کو کیپور تھلہ کا ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ مقرر کر دیا۔ آپ کو فوجداری کے اختیار سونپے گئے (آپ تحریک سے پیشتر بھی اسی عہدے پر فائز تھے۔)

وائسرائے ہند کی تقریر | اخبارات اور رہنمایاں ہند کی رائے کے بعد وائسرائے ہند نے ۱۹۔ دسمبر ۱۹۳۴ء کو کلکتہ یورپین ایسوسی ایشن کی دعوت

میں ابوان کے اعزاز میں دی گئی تھی تقریر کرتے ہوئے کہا:

”میرے سامنے صرف دو متبادل صورتیں ہیں۔ اول یہ کہ اس رپورٹ کو قبول کر لیا جائے اس بنا پر کہ اس میں صحیح طریق پر صوبائی خود اختیاری حکومت آل انڈیا فیڈریشن اور مرکز میں بڑی حد تک ذمہ داری دی گئی ہے۔

دوسری شکل یہ ہے کہ اس سکیم کو بالکل بے پرواہی کے طور پر مسترد کر دیا جائے جس کا مقصد یہ ہوگا کہ موجودہ دستور کو غیر معین مدت تک برداشت کیا جائے۔ اس بات کا یقین ہے کہ اگر ہم نے خلوص کے ساتھ اس پر عمل کیا تو ہمیں

معلوم ہو جائے گا۔ کہ ہندوستانیوں کے لیے لندن میں مکمل ذمہ داری کی طرف بہت بڑا قدم اٹھایا گیا ہے۔

معادہ وارسائی کو خطرہ | بہادر قومیں اپنی شکست کو زیادہ عمر نہیں دیتیں۔ وہ نزاں میں کھلائے ہوئے پھول کی طرح نئی بہار کی منتظر رہتی ہیں۔
زمانہ لاکھ کسے لیں، تاریخ تاریخ کے اوراق ان کی فتح کے انتظار تک خالی چھوڑ دیتا ہے۔

۱۱۔ نومبر ۱۹۱۸ء کو جرمن نے اتحادی طاقتوں کے سامنے شکست کھائی اور اس شست کا معاہدہ وارسا کے مقام پر ہوا۔

وارسا پولینڈ کا مرکزی شہر ہے۔ پہلی جنگ عظیم کے خاتمے پر اس شہر کے کنارے گھنے جنٹوں میں، ریل کے ایک ڈبے میں فرانس سمیت باقی اتحادی قوتوں نے جرمنوں سے دولت آمیز معاہدے پر دستخط کیے تھے۔ یہی معاہدہ تاریخ میں معاہدہ وارسا کہلایا۔ اس معاہدے کے تحت جرمن کو غیر معینہ مدت کے لیے تہی دست کر دیا گیا تھا۔ مگر پچیس سال گزرنے پر ہٹلر نے اٹھ کر وٹجرمن قوم کو اس دولت کے انتقام پر ابھارا، تو یورپ کے انجارات پہنچ گئے۔ ۱۱۔ دسمبر ۱۹۳۹ء کے اخباروں نے ایک سا مضمون شائع کیا، جس کا متن یہ ہے۔

۱۔ معاہدہ وارسائی میں جرمن کو کہا گیا تھا کہ وہ صرف ایک لاکھ فوج رکھ سکتا ہے۔ لیکن اس نے تین لاکھ کر دی ہے۔

۲۔ اسے صرف چار ہزار تک آفیسر رکھنے کی اجازت تھی، مگر اس نے آفیسروں کی تعداد اٹھارہ ہزار کر دی ہے۔

۳۔ جرمن کو اپنے طور پر تنظیم و امن کے نیے پولیس کی معینہ تعداد ملنا تھی، لیکن اس نے نہ صرف پولیس کو فوجی ٹریننگ دینی شروع کر دی ہے بلکہ اس کی تعداد ڈیڑھ لاکھ کے قریب کر لی ہے۔ چنانچہ ایک اطلاع کے مطابق اس وقت تک پچاس ہزار افراد فوجی تعلیم حاصل کر چکے ہیں، منظم فوج کے علاوہ تین لاکھ کے قریب ٹریننگ حاصل کر رہے ہیں۔

۴۔ پانچ لاکھ افراد لیبر گوروں میں شامل ہیں۔ گوانے پاس ہتھیار نہیں تاہم

انہیں پوری فوجی ٹریننگ دی جا چکی ہے۔

ان کے علاوہ تمام جرمن اسلحہ سازی کے کارخانوں میں شب و روز کام کر رہے ہیں۔ ان کارخانوں کے کارکنوں کو تاکید ہے کہ اندر کی کارروائی باہر نہ پہنچے۔

ان حالات کے پیش نظر اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جرمن کو اتحادیوں نے ۱۹۱۸ء میں ناکارہ کر دیا تھا وہ آج کم از کم بارہ لاکھ فوج میدان میں لاسکتا ہے۔ جہاز ران کمپنیاں اس کے علاوہ کام کر رہی ہیں۔ بحریہ کی تنظیم الگ ہو رہی ہے۔ اس کے علاوہ ٹینک تیار کیے جا رہے ہیں۔

جرمن کی ان جنگی تیاریوں کو یورپین صحافت نے معاہدہ وارسائی کے خلاف ایک منظم سازش قرار دے کر اپنے دانشوروں کو یقین دلانا چاہا کہ جرمن کے اس اقدام سے دوسری جنگ عظیم کے بادل اٹھانے کا خطرہ بڑھ رہا ہے۔

قائد اعظم کی واپسی | برطانوی سکیم اور دوسرے سیاسی حالات نے ہندوستان کے سیاستدانوں کو باہم غور و فکر کی نئی دعوت دی۔ حالیہ انتخاب کے نتائج نے فکر و نظر کی نئی راہیں کشادہ کر دیں۔ انہی دنوں ۲۶- دسمبر ۱۹۳۴ء کو مسٹر محمد علی جناح صدر آل انڈیا مسلم لیگ سات ماہ کی غیر حاضری کے بعد ہندوستان پہنچے۔ ان کی غیر حاضری کے دوران بمبئی کی شہری سیٹ سے انہیں اسمبلی کے لیے بلا مقابلہ منتخب کر لیا گیا تھا۔



تین سو پینسٹھ دنوں کی مسلسل مسافت کے بعد ۱۹۳۴ء مغرب کی گمراہیوں میں ڈوبنے لگانو آسمان نے اسے شفق کے دیکھوں سے دور تک دیکھا کہ وہ اپنے دامن میں نامرادیوں کے ہزاروں دافع چھپانے کی کوشش میں تھا۔ یہ دافع غلام ہندوستان کی باہم چھپش کو نمایاں کر رہے تھے۔ رخصت ہونے والے سال نے اپنے پیچھے جن واقعات کو چھوڑا۔ غلامی کی تاریک میں یہ کشمکش حیات کے درمیان میں گزرنے والے دنوں میں شمار ہوں گے۔ ان دنوں غیر ملکی اقتدار نے غلاموں کو کئی سنہری فریب دیے اور آئین کے ایسے ایسے خوبصورت جال بنے کہ ہر تار سے فریب سلطنت حیاں تھا۔

ان دنوں برطانوی حکومت کا تازہ شاہکار پارلیمنٹری رپورٹ تھی جسے خود برطانوی صحافت اور مذہبنا پسند کر چکے تھے۔ کانگریس، مسلم لیگ اور مجلس احرار کے علاوہ ہندوستان کا رجعت پسند طبقہ بھی قبول کرنے کو تیار نہیں تھا۔ ریاستہائے ہند کے رؤسا جن کے راج سنگھاسن کی طور برطانوی کھونٹے سے بندھی تھی۔ انہیں بھی یہ رشتہ ختم ہوتے دکھائی دے رہا تھا کہ ۱۹۳۵ء کی صبح نمودار ہوئی سننے سال کے شاہ حاور نے اپنی کرنوں میں عالم کائنات کو محیط کر لیا۔ زمین و آسمان اُجلنے مکر سے آراستہ دکھائی دینے لگے۔ اس اجالے میں غلاموں کے مقدر نے نئی کروٹ لی۔ ماضی کے بھرے ہوئے خون شدائے وطن نے غلامی کے سیاہ دافع اپنی نرخیوں سے ایسے رنگین کیے کہ ہندوستان کے دانشوروں کے پھروں سے ندامت ٹپکنے لگی۔

ڈوبتے ستاروں اور ابھرتے سورج کے متحدہ ہندوستان کو ایک نیا دلولہ دیا۔ اور اس تازہ جذبات کے طوفان میں غلامی کی زنجیریں ٹوٹی نظر آئیں۔ ڈیڑھ صدی کے جے ہوئے غیر ملکی قدم اکھڑتے دکھائی دیے۔ یوان برطانیہ بیدار ہندوستان کے احساس سے گھبرا سا گیا اور اس

کی ہر تجویز اس کے اپنے فریب کی آئینہ دار بن گئی۔

۲۶۔ دسمبر کو مسٹر محمد علی جناح ہندوستان کے ساحل پر اترے اور ۲۸ دسمبر کو انہوں نے

اپنے پریس بیان میں کہا جو یکم جنوری ۱۹۳۵ء کے اخبارات میں شائع ہوا۔
 ”برطانیہ کی یہ اسکیم کامیاب نہیں ہو سکتی۔ برطانوی ہند کا کوئی وزیر ریاستان
 اس کی حمایت نہیں کرے گا۔“

آخر میں آپ نے کہا:

”اس وقت برطانوی حکومت اس پوزیشن میں ہے کہ وہ جس قسم کا دستور
 چاہے، ہندوستان پر مسلط کر سکتی ہے۔ لیکن ہم اس پر اٹھارتا سٹ کیسے بغیر
 نہیں رہ سکتے کہ حکومت نے ہندوستان کی کمزوری کا پورا پورا فائدہ اٹھایا ہے۔
 اس سکیم کا مقصد ہندوستان کو حقیقی حکومت خود اختیاری دینا نہیں بلکہ
 برطانوی اقتدار کو قائم رکھنا ہے۔ مجھ سے دریافت کیا جا رہا ہے کہ کیا ہندوستان
 اب بھی کوئی متحدہ اسکیم پیش کر سکتا ہے۔؟ میرا جواب یہ ہے کہ اگر یہ ممکن ہو
 تو سائن کمیشن کی رپورٹ کی طرح اجائنٹ کمیٹی کی رپورٹ بھی دریا برد کی جاسکتی ہے۔“
 ہم نے سوچا تھا کہ نصف سے کریں گے فریاد
 ہائے افسوس کردہ بھی تیرا چاہئے والا نکلا!

چودھری عبدالعزیز کی اپیل

گزشتہ برسوں سے کپور تھلہ کے حوام جن بنیادی حقوق کے لیے برسرِ پیکار تھے، انہیں
 یقین تھا کہ ہمارا جہ کی پیرس سے واپسی پر ہمارے تمام مسائل حل ہو جائیں گے۔ لیکن حکومت
 بہر طور حکومت ہے، خواہ وہ بہت سے رقبے پر ہوا چند گز زمین پر۔ اس نشے میں حاکم کا
 مزاج منفرد حیثیت رکھتا ہے۔ عروج و زوال کے کلیہ سے بے نیاز جب وہ اس سفر پر نکلتا
 ہے تو راستے کی ہر چیز سے ماورا ہو کر گزرتا ہے۔

ہندوستان میں اجنبی راج کی طنائیں ٹوٹنے والی ہیں۔ اور اس کے اقتدار کا سورج انھلا
 میں ہے، مگر ریاستی حاکموں کا غرور ہنوز جوان دکھائی دے رہا ہے۔ وہ اپنی رعایا سے انصاف
 کرنے میں اپنے ضابطے سے بھی انحراف کر رہے ہیں اور دوسری طرف اپنے غیر ملکی آقاؤں سے

اپنی حفاظت کی درخواستوں پر دستخط کرتے نہیں تھکتے۔

مہاراجہ کپور تھلہ نے ریاست میں پہنچ کر اپنے نظام میں جو تبدیلیاں کیں اور عایا کو اس سے کوئی فائدہ نہ پہنچا۔ اٹا اس درد میں اضافہ ہوا۔ البتہ ریاست کے نئے وزیر اعظم نے حالات کو نئی ڈگر پر لانے کی سعی کی ہے۔ دیکھیں اونٹ کس کرڈٹ بیٹھتا ہے؟

ریاستی حکام نے گزشتہ تحریک کے سلسلے میں چودھری عبدالعزیز کو پانچ سال قید با مشقت کی سزا دے رکھی ہے بدلتے ہوئے حالات کے تحت جماعت کی اجازت سے چودھری عبدالعزیز کی سزا کے خلاف ۸ جنوری کو ریاست کے ہائیکورٹ میں اپیل دائر کی گئی جس کی پیروی لاہور کے میاں عبدالعزیز نے کی۔ انہوں نے بحث کے دوران یہ موقف اختیار کیا۔

”چودھری صاحب کی تحریک مہاراجہ کی ذات کے خلاف نہیں بلکہ ریاستی نظم و نسق میں اصلاح کی تحریک تھی“

بحث سننے کے بعد عدالت نے حکومت کے جواب کے لیے مقدمہ مکمل روز کے لیے ملتوی کر دیا۔ اس سے پیشتر ۴ جنوری کو کپور تھلہ زمیندارہ کانفرنس میں مہاراجہ سے حسب ذیل مطالبات کیے گئے۔

- ۱۔ ریاست کے بڑھتے ہوئے افلاس کے پیش نظر مالیر میں اس حد تک تخفیف کر دی جائے کہ انگریزی علاقہ کے مساوی ہو جائے۔ اگر موجودہ مالیر میں سچاؤ ہو گیا تو محکمہ انگریزی علاقے کی اراضی کے برابر ہو جائے گی۔
- ۲۔ مالیر کی آمدن قسط سے بیکاری یا حق الخدمت لینے کا طریقہ ختم کر دیا جائے۔
- ۳۔ ریاست میں قانون سازی کی ایک مجلس قائم کی جائے، جسے ملکی انتظام اور تحریری اختیارات دیے جائیں۔ مجلس و جمیع قانون کو یہ حق حاصل ہو کہ وہ اسے فوجی اخراجات کے تمام مصارف ملک کی نگرانی میں کرے۔
- ۴۔ چودھری عبدالعزیز اور دیگر سیاسی قیدیوں کو فوراً رہا کر دیا جائے۔
- ۵۔ محصولات میں تخفیف کر دی جائے۔
- ۶۔ سیاسی مجالس کے انعقاد سے پابندی ختم کر دی جائے۔

۷۔ کرنل فشر وزیر اعظم ریاست کے زیر نظر ایک تحقیقاتی کمیٹی قائم کی جائے جو زمینداروں کی شکایات کی تحقیقات کر کے ان کی فلاح اور بہبود کے وسائل بہم پہنچانے کی سفارش کرے۔

۸۔ شہریت کے بنیادی حقوق یعنی آزادی تحریر و تقریر اور آزادی عقاید کا فوراً اعلان کرے نیز آئندہ کے لیے یقین دلایا جائے کہ کسی شخص کو بغیر قانونی انصاف کے اور کھلی عدالت میں سماعت کے سزا دی جائے۔

۹۔ جو انٹ کمیٹی کی رپورٹ ریاستی باشندوں کے لیے ناقابل قبول ہے۔ کیونکہ یہ ریاستوں کے ملکی مطالبات کو پورا نہیں کر سکتی اور نہ ہی یہ فیڈریشن میں ریاستوں کو کافی نمائندگی دے سکتی ہے۔

فرانس اور اٹلی میں معاہدہ | حالات جیسے جیسے آگے بڑھ رہے ہیں، یورپین ریاستوں کے ذہن دوسری بری لڑائی کے نقشے لیکر رہے ہیں۔ ان کی فکر امن کے لیے ہے لیکن ہوس ملک گیری میں انسانوں کا خون ان کے نزدیک بے قیمت شے ہے۔ سمندر کے پانی اور آسمانوں کے ستارے گواہ ہیں کہ گزری ہوئی جنگ عظیم میں انہی لوگوں نے آدمیت سے باہرہ کر کیا کر دیا تھا اور آئے والے کل کو ان کے اردے کیا ہیں۔

۸۔ جنوری لندن کے اخبارات کے مطابق اٹلی میں روم کے مقام پر فرانس اور اطالیہ کے معاہدے پر موسولینی اور فرانس کے وزیر خارجہ مسٹر ایم الاول نے مشترک معاہدے پر دستخط کیے ہیں جن کی اجمالی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ فرانس نے اطالیہ کی اس درخواست کو منظور کر لیا ہے کہ وہ اسے ابی سینا کے اندر اپنی تجارت کو بڑھانے اور نوآبادیاتی مقصد کو پورا کرنے میں آزادانہ اقدام کی اجازت دے۔

۲۔ تیونس کے اطالوی باشندوں کو دونوں ملک اطالوی قومیت قائم رکھنے کی اجازت ہوگی۔

۳۔ اطالیہ شمالی علاقہ کی ایک پٹی فرانسیسی افریقہ کی سرحدات تک جو آٹھ سو اسی

میل لمبی اور تسو میل چوڑی ہوگی۔ فرانس کے حوالے کرے گا۔

۴۔ اس کے علاوہ اطالیہ کو فرانسیسی شمالی لینڈ میں بھی ایک علاقہ مل جائے گا جس میں ادلبک کی بندرگاہ شامل نہیں ہوگی۔ نیز عدیس ابابا ریلوے کے حصے دو ہزار سے تیس ہزار کے درمیان تک خرید سکے گا۔

فرانس اور لندن کے عوام اس معاہدے پر خوش ہیں۔ انہیں یقین ہے کہ اس طرح اعلیٰ جرمن کو تنہا چھوڑ دے گا۔

۱۱۔ اسی تاریخ کو ایک نازی آفیسر نے جوان دنوں ہندوستان آیا ہوا تھا۔ یہی کسے مشہور ہے۔ ”سینٹیل“ کے نامہ نگار کو بیان دیتے ہوئے کہا:

”چند ہفتوں تک جرمنی اور جاپان کے درمیان خفیہ طور پر ایک فوجی معاہدہ ہونے والا ہے، جس کے تصور سے یورپین سلطنتوں میں زیادہ پریشانی اور اضطراب بڑھ رہا ہے۔“

نازی آفیسر نے مزید کہا:

”جرمن اپنی جنگی تیاریوں میں مصروف ہے۔ چند انچہ جرمن پروپینڈا اور پروپاگنڈا نے اس سلسلے میں جرمن کے ہر گھر ریڈیو سیٹ پنچا دیے ہیں اور ہوائی حملے کے وقت خاص ہدایات جاری کی جائیں گی۔“

اسی ہفتہ ہٹلر کے ہوائی سفر کے دوران جبکہ وہ تفریح پر تھا کسی نا معلوم شخص نے ہوائی جہاز کے ذریعے ان پر گولیاں کی بوچھاڑ کر دی۔ یہ خبر اگرچہ ۹۔ دسمبر ۱۹۳۵ء کو کی گئی تھی لیکن جرمن حکام نے مصلحتاً اس خبر کو جنوری کے پہلے ہی ختم کر دیا تھا۔ یہ شخص کیسے ثابت نہیں ہو سکی۔ تاہم یہ معلوم ہے کہ یہ کوئی غیر ملکی شخص تھا۔ ہمد کے وقت ہٹلر اس کے پاس کوئی اسلحہ نہیں تھا۔

ہٹلر کا پیغام | سالوں کے دنوں ہٹلر نے نازی پارٹی کے نام ایک پیغام لکھ کر کرتے ہوئے کہا:

”۱۹۳۵ء کے لیے نہایت گر محوشی کے ساتھ ہماری آرزو ہے کہ جس کا وہ

حلاق اس کو واپس کر دیا جائے جو اپنی صدائے خوں آشام سے دنیا سے جہان کے
 روبرو جرمن کے لیے ذلت کا نشان بنا ہوا ہے۔
 ہٹلر نے آگے چل کر کہا:

”ایک سال قبل جرمنی جس قدر طاقتور تھا آج اس سے کہیں زیادہ طاقتور
 ہے۔ اور نازی پارٹی جرمن قوم کی سیاسی آرزوؤں کی آئینہ دار ہے۔ جرمن سب
 سے زیادہ عزت اور امن کا طالب ہے۔ خدا کا فضل شامل رہا تو ہم اپنی قوم کے
 لیے روزانہ خوراک بھی حاصل کر سکیں گے۔“

فرانس اور اٹلی کے مابین مصالحت۔ جرمن اور جاپان کا مل بیٹھنا۔ ہٹلر کے ہوائی سفر پر
 نامعلوم شخص کا حملہ اور ہٹلر کا سال نو کے موقعہ پر اپنی پارٹی کو پیغام۔ ان واقعات کے
 ساتھ ساتھ موجودہ ہندوستان کی سیاسی بے چینی کا اندازہ کرتے ہوئے برطانوی پالیسی پر
 غور کریں کہ لندن میں لیبر پارٹی کی حکومت کس نوعیت کی سے ہندوستان کے حالات کو
 سمیٹ رہی ہے۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ برطانیہ ہندوستان کو مراعات دینے میں مخلص ہے۔
 بلکہ یورپ کے افق پر جنگ کے بادل جس تیزی کے ساتھ وہاں کی فضا کو مگدڑ کر رہے ہیں۔
 برطانیہ کا حکمران طبقہ مجبور ہے کہ وہ اپنے گھر کے بچاؤ کے لیے ہندوستان کا سیاسی تعاون حاصل
 کرے۔

سبحاش بابو کی یورپ روانگی | ان حالات کے باوجود کہ ایوانِ فرنگی کی ہر اینٹ جرمن
 کی بڑھتی ہوئی فوجی طاقت سے خائف ہے حکومت ہند

اپنی گرہ کمزور کرنے کو خوشی سے تیار نہیں۔ سبحاش بابو اپنے والد کی بیماری اور پھر انتقال پر یورپ سے
 کلکتہ آئے تھے۔ ظاہر ہے یہ کوئی سیاسی مقصد نہیں تھا۔ مگر اس پر بھی حکومت نے نہیں والد کی
 موت کی مذہبی رسوم میں شمولیت کی اجازت نہیں دی۔ نیز انہیں یورپ واپس جانے پر مجبور کر
 کر دیا۔ بالآخر انہیں اپنا وطن چھوڑنا پڑا۔

۸۔ جنوری کو پولیس کی نگرانی میں انہیں یورپ روانہ کر دیا گیا۔ ۱۰۔ جنوری کو وہ ناگپور ریلوے
 اسٹیشن پر پہنچے اور اخباری نامہ نگاروں سے غیر رسمی گفتگو کے دوران کہا:

”گو میں ہندوستان کی سیاسی صورت حال سے اچھی طرح آگاہ نہیں ہوں۔ اس لیے میں کوئی قطعی رائے قائم نہیں کر سکتا۔ تاہم یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ہندوستان سیاسی طور پر انحطاط کے دور سے گزر رہا ہے۔“

اس وقت ملک کے سامنے اہم ترین مسئلہ یہ ہے کہ اس وقت عوام کے جوش اور دلولہ کو قائم رکھا جائے۔“

(کانگریس کے متعلق) کانگریس کو اس غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے کہ اس کا پارلیمنٹری طرز عمل ہی اس کو سیدوارج کی منزل تک پہنچا دے گا۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اگر زبردست اور متحدہ رائے عام کی حمایت حاصل ہو جائے تو پارلیمنٹری جمیٹیشن سے مقصد برابری ہو سکتی ہے۔“

پارلیمنٹری رپورٹ کے متعلق

کسی ہندوستانی کی کسی دائرہ میں خواہ کچھ ہی رائے ہو لیکن اس رپورٹ کو وہ ہرگز پسند نہیں کر سکتا۔

آل پارٹیز کی ضرورت نہیں

میں آل پارٹیز کانفرنس کے انعقاد کا مخالف ہوں۔ جس زمانہ میں کانگریس نے سائن کمیشن کے متعلق لیبروں سے اتحاد کیا تھا، تو گولڈن فیز کانفرنس کے اعلان کے ساتھ ہی لیبروں نے اپنا رخ پھیر لیا تھا اور کانگریس غریب منہ مکتی رہ گئی تھی۔ اس لیے متحدہ محاذ کا عمل پیش نہ کیا جاسکا۔ ہر شخص اتحاد عمل کو پسند کرتا ہے۔ لیکن آل پارٹیز سے کسی کو کوئی دلچسپی نہیں۔“

گاندھی جی کے متعلق

میں گاندھی جی کی علیحدگی کو بھی عملی خیال نہیں کرتا۔ اس لیے کہ کانگریس ان کے مجوزہ پروگرام پر عمل پیرا ہے۔ اس وقت بھی کانگریس کی ایکڑیکٹو پیران کے عقیدہ مند کو اقتدار حاصل ہے۔ کانگریس میں ان لوگوں کے لیے کوئی جگہ نہیں، جن کا اندیشہ اور جذبہ حب الوطن تو مسلم ہے لیکن ان کا نقطہ نظر کانگریس سے ذرا مختلف ہے۔

اس کے لیے مجھے افسوس ہے۔

میری رائے میں کانگریس کی مجلس عاملہ من حیث الجماعت نمائندہ کھلانے کی حق دار نہیں۔ البتہ انہیں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ کانگریسیوں کی نمائندہ جماعت ہے۔“

ہٹلر ازم

آپ سے ہٹلر اور ہٹلر ازم سے متعلق سوال کیا گیا کہ کیا آپ ہٹلر کے بے حد مداح ہیں؟

”یہ میری معلومات میں اضافہ ہے۔“

یہ درست ہے کہ اس کے نظام میں بے شمار ایسی چیزیں موجود ہیں جو ہندوستان کے لیے ضروری ہیں۔ مثلاً اقتصادی اعتبار سے وہ سرمایہ داروں کی گرفت میں ہے اور جہاں تک معاملات کا تعلق ہے وہ برطانوی نظام کا حامی ہے۔

یورپین سیاست کے متعلق میری رائے ہے کہ ہم کو اس کا بغور مطالعہ کرنا چاہیے۔ میں اس کا قائل نہیں ہوں کہ ہندوستان اندھا دھند فسطائیت یا اشتراکی آئین کو اپنے ہاں رواج دے۔“

شیخ عبد الحمید سندھی کو احرار کی دعوت | زندگی کے سفر میں راستے کا تعین اہم اور ضروری ہے۔ اس کے بغیر آدمی کے لیے

منزل پر پہنچنا دشوار ہو جاتا ہے۔ منزل مذہب کی ہو کہ سیاسی اقتدار کے حصول کی۔ اس سے غافل رہنے والا مسافر موت تک پہنچتے پہنچتے اکثر موڑوں پر الجھتا ہے۔ یہی عقیدہ ہے جو انسانی عمارت کا بنیادی پتھر ہے۔ اگر اس میں تذبذب ہو تو زندگی کی عمارت کمزور ہو جاتی ہے۔

مجلس احرار کے ادنیٰ کارکن سے لیڈر تک مذہب کے ساتھ اپنے سیاسی عقیدے پر بھی دلجمعی سے قائم رہے۔ ان کے نزدیک ملک کی آزادی دیگر فروعات سے کہیں زیادہ مقدم تھی۔ وہ ہندو اور انگریز سے اپنے اپنے محاذ پر ہمہ اوقات برسرِ پیکار رہے۔ ان میں سب سے بڑا وصف یہ تھا کہ اس لڑائی کے لیے وہ مخلص ساتھیوں کی تلاش میں سرگردان رہتے۔ ان کی

نکاہیں ہمیشہ ایسی شخصیتوں کیلئے وار تھیں۔ یہ لوگ بہتر کارکن کے لیے اپنی جگہ چھوڑ دیتے جبکہ ملک کی دوسری سیاسی اور مذہبی جماعتوں میں یہ رواج نہیں تھا۔ احرار و پناہاں کا یہ کردار ہمیشہ زندہ رہے گا۔

سندھ میں ان دنوں جو گھرانے سیاسی فرنٹ پر کام کر رہے تھے۔ ان میں سر غلام حسین
 ہدایت اللہ، انگریزی اقتدار کے خواہاں تھے۔ ان کا ہر قدم غیر ملکی اقتدار کے استحکام کے لیے
 اٹھتا رہا۔ دوسرے درجے پر جی ایم۔ سید تھے۔ یہ اپنی سیمان طبیعت کے باعث ہمیشہ ٹھکانے
 بدلتے رہے۔ ۷

چلتا ہوں تھوڑی دور پر اک راہرو کے ساتھ

پہچانتا نہیں ہوں ابھی رامہبر کو میں

سمرو خاندان بھی سندھ کا معروف خاندان ہے۔ اس کا صوبے کے دیپروں پر خاصہ اثر ہے۔ حوام میں بھی ان کی جان پہچان تھی تاہم مستقبل واضح نہیں۔ اگرچہ محرابیوب کھوڑ بھی سندھ کے معروف کارکن رہے ہیں لیکن ان کے عروج کا زمانہ مسلم لیگ سے وابستہ رہا۔
عبد الحمید سندھی صوبہ سندھ کے مرتجیاں مرنج سیاسی رہنماؤں میں شمار رہے۔ بین الاقوامی نہیں بنے۔ یہی وجہ ہوئی کہ یہ سندھ کی بے راہزد سیاست میں ابھرنے سکے۔ احرار رہنماؤں کے سندھ کے ریلزاردوں سے اس موتی کو اپنی تہنچ میں پرونا چاہا۔ چنانچہ یکم جنوری ۱۹۲۵ء کو صدر آل انڈیا مجلس احرار مولانا عبدیب اکرمین لدھیانوی نے شیخ عبد الحمید سندھی کو حسب ذیل خط لکھا۔

مجلس اخرا اسلام ہند

THE MAJLIS-I-AHRAR-I-ISLAM HIND.
LAHORE.

Vol No. 2-43 Office Copy

Date 1, 1-1955

مفتی محمد رفیع صاحب شیخ عبدالحکیم صاحب ایم اے اعلیٰ سی شکر آباد

الرحمہم۔ اسیہ کہ آپ خیرین سے ہوئے ہیں افسوس کہ آپ اسکی دعا قبول فرمائی نہ ہو۔

در تیر ۱۴۰۵ هجری - (القدس) دین و مومن از امر و نهی نبی کریم آیه که (وَلَا تَقْرَأُوا) ...

دلت سے خیال تھا۔ کہ آپ کو ملے اور اس علم مذکورہ سے مل کر شہر علی کو پہنچا کہ دعوتِ حق ہو گا اور دلتانِ فریبندہ دی۔ جس سے دل صوبہ پرورش ہے۔ کہ مذکورہ صوبہ پروردگار کو چھوٹا دلتانِ فریبندہ سے ملے گا۔ ایک مریضی فعلی رہا ہے۔ تاکہ برصغور میں ہم ایک دور کے شریک ہو سکیں۔ مابقی حوصلے کے مسئلہ کو ہی شریعتِ خودی ہے۔ جو ہر شریعتِ بہت خودی ہے۔

مجلسِ اور درجے کا دلتانِ اس نام آچکے سانچے ہے۔ اس سے میں امید کرتا تھا کہ آپ خود ہی رہنا ساتھ شریک ہو جائیں گے۔

اور دلتانِ درجے کے معبر ہو جائیں گے۔ اور درجے میں ایک حق میں ملے اور دلتانِ خودی نام آچکے ہیں۔ مجلسِ اور دلتانِ نام

اور دلتانِ مجلس اور دلتانِ خودی ہے۔

مشقہ تیسویں مصلحت اور زین و بنام شروع کرد کہ : اوس سے بھی آپ نے فرمایا تھا کہ جب پرستش شروع ہو جائے تو میں اس کے لئے عیب سے بچنے کا حکم دیتا ہوں۔

دستخط صاحب
مفتی حبیب الرحمن صاحب

وڈیروں کی سیاست میں الجھے ہوئے سندھ کے حالات یسٹنجیجدا لجمید سندھی کے دریاں
ایسے حائل ہوئے کہ انہوں نے مجلس احرار کی دعوت کو آئینی طور پر قبول کرنے سے انکار کر دیا۔
البتہ گاہے گاہے مشوروں میں شامل ہوتے رہے۔ آگے چل کر سومرو خاندان احرار کی ہاں میں ہاں ملاتا
رہا۔ جس کی تفصیل آئندہ اوراق میں آئے گی۔

سال رواں بندو شان کی جدید آئینی سیاست کا سال تھا۔ ایکٹ ۱۹۲۵ء کے تحت ضوبوں کو جو خود مختاری سونپی گئی تھی۔ ملک کی ہر سیاسی جماعت صوبائی اقتدار کے لیے مصروف کار تھی۔ بہت حد تک میونسپل انتظامیہ اس کے لیے ضروری معاون سمجھے گئے۔ پنجاب کے خصوصی حالات تھے، جن کی محرک یونینسٹ پارٹی تھی۔ اس میں شامل ہر سرکاری آدمی میونسپل کمیٹی کے الیکشن میں براہ راست ملوث تھا۔ ان کے نزدیک شہری سیاست میں کامیابی لازمی تھی چنانچہ ووٹروں کی فہرست اس بنیاد پر بنائی اور لکھوائی جا رہی تھی۔ عورتوں کو بھی اسی سال ووٹروں کی فہرست میں شامل کیا گیا۔ مگر پردہ دار گھرانوں کو آئین کی اس شق سے ناواقف رکھا جا رہا تھا تاکہ اس کمی کو مخصوص عورتوں کے ووٹوں سے پورا کیا جاسکے۔ مجلس اہلکار کو حبیب یونینسٹ پارٹی کی اس سازش کا پتہ چلا تو اس نے پنجاب کے مختلف ڈپٹی کمشنروں کو اپنے طور پر ہر سرکار کے ذریعے مطلع کیا۔ اس ضمن میں

لدھیانہ کے ڈپٹی کمشنر نواب سعید اللہ خاں کے نام بھی حسب ذیل خط روانہ کیا گیا۔

3-1-35

Office Copy

795

دوبارہ پولیس کمیٹی کا دوبارہ انتخاب جو ستمبر ۱۹۳۵ء کے فیصلے کے مطابق ہونا چاہئے۔ اس کے لئے وکٹوریہ
کی ضرورت اس غامضی سے بن رہی ہے کہ سوائے ان مجرمان کے جو اپنے دو قہقہوں کے نام سے پکارتے ہیں کسی کو
خبر نہیں کہ ان کے نام بھی وکٹوریہ میں درج ہیں اور ان کے وکٹوریہ کو اس کا بدلہ لے
لینا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ آپ کی طرف سے ستمبر میں اعلان کر دیا جائے کہ جس مرد یا عورت
میں یہ شرائط پائی جاتی ہیں وہ پولیس کمیٹی کا وکٹوریہ بن سکتا ہے یہ اعلان پوسٹروں کے ذریعے بھی
رومانا دیکھنے کے ذریعے بھی کیا جائے۔ ان کے وکٹوریہ کو بھی دو وکٹوریہ شرائط معلوم کر سکیں۔ وکٹوریہ
کو کھانسی کے ذریعے یہ چھوڑ دیا جائے کہ ان کو وکٹوریہ کے ذریعے ان کے نام سے پولیس کمیٹی کے
مدد سے انتخاب ہے وکٹوریہ کی طرف سے آئے ہیں۔ اور خصوصاً عورتوں کو اس معاملہ
سے سوچنا چاہیے۔

وکٹوریہ کی کمیٹی سے بھی معلوم ہوا ہے کہ وکٹوریہ کے ذریعے ان کا آگے بڑھنا ہے
اور وکٹوریہ کی کمیٹی سے بھی معلوم ہوا ہے کہ وکٹوریہ کے ذریعے ان کا آگے بڑھنا ہے
اور وکٹوریہ کی کمیٹی سے بھی معلوم ہوا ہے کہ وکٹوریہ کے ذریعے ان کا آگے بڑھنا ہے
اور وکٹوریہ کی کمیٹی سے بھی معلوم ہوا ہے کہ وکٹوریہ کے ذریعے ان کا آگے بڑھنا ہے

آپ کا خراج تحسین

حبیب الرحمن

پیر ایڈمنٹ مہاراجہ

نواب سعید اللہ خاں کے ڈپٹی کمشنر

تجویزیں اور افواہیں | یورپ کے حالات اور ہندوستان میں سیاسی بیداری سے برطانوی زوال کے آثار صاف اور واضح دکھائی دے رہے تھے۔ گو برطانوی

سیاستدانوں نے ہندوستان کو مات دینے کے لیے پارلیمنٹری رپورٹ کا ایک مہرہ پھینکا۔ مگر ہندوستانی بساط کے کھلاڑیوں نے حکومت کی اس چال کو بھانپ کر ایسی چال چلی کہ برطانوی انشور اپنی چوڑھی بھول گئے، تاہم سمجھتے ہوئے پورا رخ نے اپنی آخری ٹوئیں سمجھالائیں کی نرید کوشش کی۔ جب ہندوستان کے پارلیمنٹری رپورٹ پر اپنی آخری رائے قائم کر رہے تھے۔ عین انہی دنوں مختلف تجاویز اور افواہیں سننے میں آئیں۔ دہلی کے بعض اخبارات نے یہ خبر شائع کی:

”حکومت کو اس بات کا پختہ یقین ہو چکا ہے کہ آل انڈیا کانگریس ابھی مردہ نہیں ہوئی، اس میں زندگی کے آثار باقی ہیں۔ لہذا حکومت کے پیش نظر تجویز ہے کہ گاندھی کو لندن بلا کر انہیں کہا جائے کہ وہ فرقہ وارانہ مسئلہ کا حل اپنے ساتھ لائیں۔ اس کے بعد ان کی مرضی کے مطابق مجوزہ انڈیا بل میں چند ترمیمات کر دی جائیں۔“ (روزنامہ انقلاب ۱۲-۱۰-۳۵)

• وہ پنجاب کے ہندو اور سکھوں نے ایک مشترک تجویز دی کہ تقسیم بنگال کی طرح پنجاب کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ اس تجویز کے مطابق انبالہ ڈویژن کو پنجاب سے الگ کر دیا جائے۔ نیز پنجاب کے وہ اضلاع کہ جن میں مسلمانوں کی اکثریت ہے جدا کر کے انہیں سندھ سے ملا دیا جائے۔ اس طرح پنجاب کے دو حصے ہو جائیں گے۔“ (روزنامہ انقلاب ۱۶-۱-۳۵)

• ”پنڈت من موہن مالوی نے انٹی کمیونل ایوارڈ کمیٹی بنائی اور اس کے تحت اعلان کیا کہ ۲۷ جنوری کو ہندوستان میں ہندوؤں کے حقوق کے تحفظ کے لیے جلسے کیے جائیں اور جلوس نکالے جائیں۔“

”وآل انڈیا مسلم کانفرنس نے اعلان کیا کہ ۲۵۔ جنوری کو نماز جمعہ کے بعد مسلم حقوق کی حفاظت میں جلسے کیے جائیں اور قراردادیں پاس کی جائیں۔“

اسی طرح سیاسی افواہیں بھی عام تھیں۔

”آئندہ اسمبلی کا صند کون ہو۔“

کانگریس مسٹر آصف علی یا تصدق احمد شیروانی کا نام تجویز کر رہی ہے جبکہ مسٹر محمد علی جناح سر عبدالرحیم کی حمایت میں ہیں اور اگر کانگریس اور اسمبلی کے مسلم ارکان میں کوئی بات طے ہو گئی تو پھر کانگریس سر عبدالرحیم کی حمایت کرے گی۔ سندھ کے سر غلام حسین جنہیں سرکاری حمایت حاصل ہے، اصدات

کے امیدوار ہیں۔ بظاہر یہ انڈیائی پنڈت پارٹی میں شامل ہیں لیکن اسمبلی کی افواہ ہے کہ انڈیائی پنڈت پارٹی سر عبدالرحیم کی حمایت کر رہی ہے۔ لہذا یہ مایوس دکھائی دیتے ہیں۔ (روزنامہ انقلاب ۲۵-۱-۱۸)

ملکی اخبارات نے ان افواہوں اور تجاویز کو اپنے کاموں میں کافی اچھالا لیکن منہ و زبان پر یہ سست جس موڑ پر تھی اس کے لیے پلٹ کر دیکھنے کی گنجائش نہیں تھی۔ لہذا یاد رہے کہ تمام جھوٹے اپنی آگ میں اپنا دارا من جلا کر رہ گئے۔

انڈیائی پنڈت پارٹی کا قیام ۱۹۔ جنوری کو اسمبلی کے سولہ مسلم ارکان نے فیضان الدین احمد، ضیاء الدین کے مکان پر جمع ہو کر اسمبلی میں

انڈیائی پنڈت پارٹی قائم کی۔ مسٹر محمد عینی جناح (قائد اعظم) اس پارٹی کے لیڈر منتخب ہوئے۔ مسٹر جناح کے علاوہ سر عبدالرحیم، سر غلام حسین، ہدایت اللہ، سر محمد یعقوب، ضیاء الدین احمد، مسٹر عبدالمتین، چودھری، مسٹر اظہر علی، مسٹر کے۔ ایل۔ کاباد (حرا)، رضیٰ حسن، سیٹھ عبداللہ مارون، ڈاکٹر غلام نبھیا، نیزنگ ایسے لوگ اس اجلاس میں شامل تھے۔

اسی طرح کانگریس کی اسمبلی پارٹی کے منتسب ارکان نے بمبئی کے مسٹر بھولا بھاد

نریشانی کو اسمبلی میں اپنا پارٹی لیڈر منتخب کیا۔

سرکاری پارٹی کے لیڈر سرائین این۔ سرکار تھے۔

۱۱۔ جنوری ۱۹۲۵ء کو نئی اسمبلی کا پہلا اجلاس شروع ہوا تو کانگریس، انڈی پینڈنٹ پارٹی اور سرکاری پارٹی کے ارکان کو یکے بعد دیگرے نشستیں میں پارٹی لیڈر سامنے کی نشستوں پر بیٹھے۔

اس سے ایک روز پیشتر کانگریس نے اپنے اسمبلی کے ارکان کو تاکید کی کہ وہ گاندھی ٹوپی پہن کر اجلاس میں شریک ہوں۔ جو لوگ گپڑی باندھتے ہیں، انہیں بھی ہدایت ہوئی کہ وہ گپڑی اتار کر گاندھی ٹوپی پہنیں۔

کانگریس کی اس انداز سے اسمبلی میں شمولیت نے ایک نیا در انوکھا رنگ پیدا کیا کیونکہ اسمبلی کی تاریخ میں اپنی نوعیت کا یہ پہلا واقعہ تھا۔

۱۲۔ جنوری کو ریاست کے دیہاتی حوام نے **کیورتھلہ میں یک روزہ ہڑتال** زمیندارہ لیگ کے حکم پر الیہ کی تحفیف کے

مطابق بے پرایک روزہ بھوک ہڑتالی کی۔ ان کی بھمدی میں شہری حوام نے بھی اس روز کھانا نہ کھایا۔ بعض دیہاتوں سے اطلاع ملی کہ ماؤں نے اپنے شیرخوار بچوں کو بھی دودھ نہیں دیا۔ اس واقعہ کی اطلاع تاروں کے ذریعے والٹر رائے ہند، مہاراجہ کیورتھلہ اور پولیٹیکل ایجنٹ کے علاوہ احرار کے مرکزی دفتر کو بھی پہنچائی گئی۔ اس واقعہ سے متاثر ہو کر ۱۱ جنوری کو کیورتھلہ ریاست کے چند غیر جانبدار مسلمانوں کا ایک وفد مہاراجہ کیورتھلہ کو وفد کی صورت میں ملا۔ جنہوں نے مہاراجہ سے مطالبہ کیا۔

۱۔ سلطان پور کے واقعہ کی غیر جانبدارانہ تحقیقات کی جائے۔

۲۔ جو لوگ اس واردات میں مجرم ثابت ہوں انہیں قرار واقعی سزا دی جائے۔

۳۔ ریاست میں بہت جلد ایک ذمہ دار اسمبلی قائم کی جائے۔ جس میں فرقہ وارانہ تناسب سے نشستیں مقرر کی جائیں۔

۴۔ الیہ میں فوراً تحفیف کی جائے۔

مہاراجہ نے وفد کو یقین دلایا کہ کڑا کر تل فشر آجائے۔ تو حالات پر غور کیا جائے گا۔

اس سے پیشتر ۸۔ جنوری کو مہاراجہ کپور تھلہ اعلان کر چکے تھے۔

”ہمیں اپنی رعایا کی خوشحالی کا ہمیشہ خیال رہا۔ تاہم کچھ عرصہ سے ریاست کے زمینداروں کا ہم پر گلہ چلا آ رہا ہے۔ چنانچہ اس کے لیے ہم نے ایک کمیٹی مقرر کر دی ہے کہ وہ دیکھیں کہ زمینداروں کی ضرورتیں کیا ہیں۔ ہماری رپورٹ کے مطابق ریاست میں پیشہ ورا قوام کی مالی حالت درست ہے اس کے باوجود کمیٹی مقرر کر دی گئی ہے جس کے ارکان کے ناموں کا اعلان آئندہ ماہ کر دیا جائے گا، تاکہ وہ صورت حال سے ہمیں آگاہ کرے۔“

دستخط مہاراجہ بہادر جگجیت سنگھ۔ ۸۔ جنوری ۱۹۲۵ء

۱۰۔ جنوری کو مسٹر خالد لطیف گابا ایم ایل۔ اے کو، لالہ
اعزاز کو ملاقات کی دعوت کپور تھلہ کے سیکرٹری کا تار ملا۔

”مہاراجہ بہادر اعزاز کے وفد سے ملنا چاہتے ہیں۔ ان کا منشا ہے کہ حال ہی مسلمانوں کی طرف سے جو دھڑی عبدالعزیز بیگھا والہ کی گرفتاری پر مسلمانان ریاست اور بیرون ریاست میں جو ایچیٹیشن ہوا اس کے متعلق مہاراجہ بہادر اعزاز کے وفد سے ملنا چاہتے ہیں۔ یہ ملاقات ضروری کو ہوگی۔“

ان حالات کے باوجود حکومت اپنے کام میں مصروف تھی۔ اور
دفتر اعزاز پر پولیس چھاپہ ایسے عناصر کی حفاظت اپنا فریضہ سمجھتی۔ جو ان دنوں بھی

حکومت کے مفاد سے چپٹے ہوئے ہیں۔ گویا انہیں یقین تھا کہ انگریزی اقتدار کی جڑیں کھوکھلی نہیں ہو سکتیں۔ حالانکہ اجنبی راج کی بنیادیں اکھڑ چکی تھیں اور یہ محل آج آگ لگا کر اس گروہ میں تقادیاٹی ٹولا ہوش پیش تھا۔ اپنی دیرینہ وفاقوں کے باعث اس باطل مذہب کے لوگ اعزاز کی بلکی سی جنبش بھی گوارہ نہیں کرتے تھے۔ اعزاز کے شاعر احمد یار خاں زرنی نے اپنی چند پنجابی نظموں کا ایک مجموعہ شائع کیا۔ جن میں مرزائیوں کے خلاف ایک نظم شامل اشاعت تھی۔ گو اس میں کوئی تلخ بات نہیں تھی۔ مگر تقادیاٹی لیڈر نے فوراً آسمان پر اٹھایا۔ اس ہنگامہ آرائی پر پنجاب پولیس نے زرنی صاحب کا مجموعہ کلام ضبط کر لیا اور

اس کتاب کی تلاش میں پولیس نے لاہور مجلس احرار کے دفتر پر چھاپہ مار کر مطلوبہ کتاب کی چند کاپیاں برآمد کر کے اپنے ساتھ لے لیں۔

یہ ۲۱ جنوری ۱۹۳۵ء کا ذکر ہے۔

نیشنل لیگ کا قیام (قادیانی جماعت) | دوسرے اصولوں کی طرح سیاست کے بھی چند اصول ہیں، جن میں فریب،

جھوٹ، دھوکہ، دغا، انکار و فرار نمایاں ہیں۔ اقتدار کے حصول میں انہی الفاظ سے کام لیا جاتا ہے۔ شخصی حکومت کا راج ہو کہ جمہور کا۔ سیاست دان اپنی ضرورت کے پیسے دائرے سے باہر نہیں ہوتے۔ البتہ مذہب کا اپنا ضابطہ ہے جس میں الفاظ کی گنجائش نہیں اور نہ یہ طریق کار اس دائرے میں واجب قرار دیا جاسکتا ہے۔

غیر ملکی ضرورت نے مذہبی اصولوں کو اپنی خواہشات کے سانچے میں اس انداز سے ڈھالا کہ اسلام ایسا پختہ عقیدے کا مذہب بھی ظاہری نظروں میں داخل ہوئے بغیر نہ رہ سکا اور اس کی سب سے بڑی ذمہ داری قادیانیوں پر عائد ہوتی ہے۔ کہ انہوں نے سیاسی پارٹی ہوتے ہوئے بھی اپنے اوپر اسلام کا لیبل چسپاں کیے رکھا۔ اور عیسائی حکومت کو اولی الامر تک کہہ دیا۔

۱۹۳۴ء میں مجلس احرار نے ہندوستانی عوام کو اس فریب سے آگاہ کیا وگرنہ علماء کی اکثریت بھی اس ٹوٹے کو مسلمانوں ہی کا فرقہ خیال کرتی رہی۔

۱۸۵۷ء کی جنگامی اور انقلابی تحریک میں تشدد اور قتل و غارتگری کے بعد فرنگی حکمرانوں نے اپنے لیے جن تحریکات کو ہندوستان میں مفید پایا۔ قادیانی تحریک ان کے نزدیک زیادہ کارآمد سمجھی گئی اور پھر یہ تحریک کیونکر پروان پڑھی۔ گذشتہ ادوارق میں اس کی تفصیل آچکی ہے۔

لڑائی ہتھیاروں سے ہو یا ناخن تدبیر سے دشمن کو شکست دینے کے لیے کئی رنوں سے لڑی جاتی ہے۔ مجلس احرار نے بجائے تبلیغ کے مزاہتوں پر سیاسی رخ سے حملہ کیا اور اس چادر کو اس بری طرح تار تار کیا کہ قادیانیت و اشکات بطور پریشانی ہو گئی۔

سانپ کے بدن سے کبجلی اترتی تو اس کی ہر شے نظر آنے لگی۔ کرگسوں سے شاہین کا لباس چھین لیا گیا تو ان کے پروں میں پرواز کی سکت نہ رہی۔ بھیڑ شیر کی کھال اڑھے ہوئے تھی لیکن جیسے ہی یہ ملمع اتر تو خوف و ہراس کا عالم ختم ہو گیا۔

قادیانی احوار کے اس حملے کو سمجھ گئے اور وہ بھی اسی رخ سے مقابلے میں اترے۔ قادیانی مذہب کے خلیفہ مرزا بشیر الدین محمود نے ۱۹ جنوری جمعہ کے روز اپنی عبادت سے پہلے حسب ذیل تقریر کی:

”میں نے فیصلہ کیا ہے کہ ہر وہ جماعت جو یہ سمجھتی ہے کہ اس کے حالات ایسے ہیں کہ اسے قانونی حد کے اندر رہتے ہوئے حکومت کے پاس اپنا معاملہ پیش کرنے کی اجازت ہونی چاہیے۔ اسے لازم ہے کہ وہ موجودہ انجمن سے الگ ایک ایسی انجمن بناتے، جس میں کوئی سرکاری ملازم نہ ہو۔ اس کے بعد جو جائز اس قسم کی درخواست کریں گی۔ میں غور کے بعد ان کو اجازت دے دوں گا۔“

اس کے بعد بشیر الدین محمود نے کہا:

”میں اس کی اجازت دیتے ہوئے اپنی طبیعت پر ایک بوجھ محسوس کرتا ہوں۔ کیونکہ میں نے جماعت کو سیاسیات سے علیحدہ رکھنے کے لیے اکیس سال کے لمبے عرصے تک سخت جدوجہد کی ہے۔ اور اس کے لیے اپنی اور بیگانوں سے گالیاں کھائی ہیں۔ مجھے اسی وجہ سے قتل کی دھمکیاں بھی دی گئیں۔ لیکن اب میں مجبور ہو کر اس کی اجازت دے رہا ہوں۔ اس وقت ہماری جانیں اور ہمارے بیوی بچوں کی جانیں خطرے میں ہیں۔ میں نے اپنی عمر کا ایک حصہ اس کوشش میں صرف کیا ہے کہ حکومت برطانیہ کی نیک نامی میں اضافہ ہو اور وہ مستحکم ہو۔ لیکن چونکہ میں دیکھ رہا ہوں کہ جب وہ لوگ ہم پر حملہ آور ہوئے جن سے ہم اس لیے رٹتے رہے ہیں کہ وہ حکومت کے خلاف منافرت پھیلانے اور اس

کی جڑوں کو کمزور کرنے والی حرکات کرتے تھے۔ تو ہمیں کچھ پتہ نہیں لگتا کہ حکومت کیا کر رہی ہے۔ اس لیے میں مجبور ہوں کہ جماعت کو اجازت دے دوں کہ جس حد تک شریعت، سیاست میں دخل دینے کی اجازت دیتی ہے سلسلے کے اصول کو مد نظر رکھتے ہوئے فتنہ و فساد کیے بغیر انصاف کو قائم رکھتے ہوئے اور محبت کے جذبات کو کچلے بغیر خود حفاظتی کے طور پر یہ سیاسیات میں دخل دے سکتی ہے۔“

(ابفضل قاریان ۲۵-۱-۲۰۰۰)

بعد میں اس جماعت کا نام نیشنل لیگ رکھا گیا۔

اسمبلی کی صدارت | کئی دنوں کی بحث اور دوڑ دھوپ کے بعد اسمبلی کی صدارت پر سر عبدالرحیم، مسٹر تصدق احمد شیروانی کے مقابل کامیاب ہو گئے۔ عبدالرحیم کے حق میں ستر اور شیروانی کو باسٹھ ووٹ پڑے۔ مسٹر محمد علی جناح کی انڈین نیشنل پارٹی نے سر عبدالرحیم کی اور کانگریس نے مسٹر تصدق احمد کی حمایت کی۔

وائسرائے کی تقریر | جنوری کے تیسرے ہفتے کلکتہ یورپین ایسوسی ایشن کی دعوت کے موقع پر وائسرائے ہند نے تقریر کرتے ہوئے کہا:

”ہندوستان کی اس تاریخ پر نظر ڈالیے، جبکہ برطانیہ کا ہندوستان سے تعلق قائم نہیں تھا۔ ہم اہل برطانیہ، ہندوستان میں امن اور نظم و نسق لائے، اور اس ملک کا سیاسی گلزار ہمارے ہاتھوں سے لگا اور پروان چڑھا اور اسی وجہ سے اس نے ترقی کی۔ آزادی کے نئے خیالات پیدا ہوئے اور ہماری طرف سے ان کی حوصلہ افزائی ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ آل انڈیا فیڈریشن میں مجھے برطانوی کارنامہ شگبِ نیا و نظر آتا ہے۔“

تحفظات: خصوصاً حقوق اور تحفظات کی تہذیبی۔ ایک طرح پر یہ تحفظات خود مجوزہ ترقی کا ایک جزو ہیں۔ اس کی بنیاد سبب مقصد اور نوعیت دونوں کے اعتبار سے انتہائی اقدار ایک حقیقی چیز ہے جو محتاج تحفظات ہے۔

تاکہ ہم ایک طریق حکومت سے محفوظ طور پر دوسری طرز حکومت تک پہنچ سکیں۔
براہ راست انتخاب: (وائسرائے نے کہا) میں ذاتی طور پر اور میری حکومت
فیڈرل مجلس آئین ساز میں براہ راست انتخاب کے حامی تھے۔ لیکن دوسری
طرف کے دلائل بھی زبردست تھے۔ سادہ یہ امر واقعہ ہے کہ اگر ہندوستانی
رائے کسی قسم کی ترمیم ضروری خیال کرے تو بحلیہ اپنی تجاویز پارلیمنٹ کے
رو برو پیش کر سکے گا۔ تاکہ ہندوستان کو کسی قسم کی شکایت نہ رہے۔

(آگے چل کر وائسرائے نے کہا) میری ہمیشہ یہ آرزو رہی ہے کہ ہندوستان
دولت مشترکہ برطانیہ کے دیگر ارکان کے مساوی درجہ حاصل کرے۔ کیونکہ ہندوستان
کے حالات اور سلطنت کے دیگر اجزاء (نوآبادیات) سے مختلف ہیں اس کا
دستور اساسی بھی برطانیہ کے کل اجزاء کے دستور سے مختلف ہو سکتا ہے۔

فیڈریشن وہ راستہ ہے جو ہندوستان کو یقینی طور پر ترقی پر گامزن کر دے
گا۔ لہذا مجوزہ دستور کی سکیم اس قابل ہے کہ اس پر انتہائی محنت اور جانفشانی
کے ساتھ عمل کیا جائے۔

۲۲ جنوری - نئی دہلی میں والیان ریاست کا ملتوی
شدہ اجلاس از سر نو شروع ہوا جس کی صدارت

ہمارا جہ پٹیالہ نے کی۔ اجلاس کا افتتاح کرتے ہوئے وائسرائے نے کہا
”والیان ملک کی یہ خواہش ہے کہ تاوقتیکہ مجوزہ دستاویز کار ریاستوں کے
متعلق مطالبہ پورا نہ کیا جائے وہ اپنا فیصلہ فی الحال ملتوی رکھیں۔
مجھے ذاتی طور پر یقین ہے کہ ہندوستانی ریاستوں کے ایسے طریق کار یہ ہوگا
کہ وہ فیڈرل سکیم کو منظور کریں۔“

آپ کو معلوم ہے کہ آپ پر کسی قسم کا جبر نہیں کیا گیا۔ فیڈریشن داخل
ہونا، نہ ہونا، آپ والیان ریاست کی مرضی پر ہے۔ مجھے یقین ہے کہ
آپ کو اس مسئلہ میں کافی یقین دلا چکا ہوگا کہ جب دستور یہ

کے تحفظ کے لیے کسی کوشش سے دریغ نہیں کیا۔ میں صدق دلانہ توقع رکھتا ہوں کہ ولایت ریاست اپنے خاص مفاد سے بے پرواہ نہ ہوں گے نیز اس آئینی ترقی میں برطانوی ہند ریاست ہائے ہند سلطنت کے سیاسی مشیر کو مدد دیں گے۔ آخر میں آپ نے کہا:

”میں آپ کو دو باتیں یاد دلاتا ہوں، جو میں نے گزشتہ اجتماع کے موقع پر کہی تھیں۔ اول یہ کہ جن ولایت ملک نے پہلی گول میز کانفرنس میں اپنا یہ عزم صمیم ظاہر کیا تھا کہ وہ برطانوی ہند میں شریک ہو جائیں گے۔ انہوں نے یہ کہہ کر فیڈریشن کو ایک ممکن چیز بنا دیا تھا۔ غالباً میں نے کہا تھا کہ کوئی ریاست جب تک کہ دستاویز پر شرکت کے دستخط نہ کرے گی اس کو آخر فیڈریشن میں داخلے کا ذمہ دار نہ سمجھا جائے گا۔ میرے یہ دونوں ریمارک آج بھی صحیح ہیں یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ ایسے وقت میں جب کہ دور رس تبدیلیاں ہونے والی ہیں۔ ریاستیں یہ کہیں کہ انہیں اس امر کا یقین دلایا جائے کہ ان کے اہم مفاد کو پس پشت نہ ڈالا جائے گا۔ جہاں تک قابل عمل کا تعلق ہے اس امر کی انتہائی کوشش کی گئی ہے کہ جو ریاستیں، فیڈریشن میں شرکت کا فیصلہ کریں گی ان کی پوزیشن محفوظ رہے۔“

ریاستوں کی قرارداد | وائسرائے کی تقریر کے بعد مہاراجہ پٹیل نے بحیثیت ریاستوں کے چانسلر کے حسب ذیل قرارداد پیش کی:

”ایوان ولایت ریاست اپنے سابقہ اعلان کی دوبارہ تصدیق کرتا ہے

کہ:

ریاستیں آل انڈیا فیڈریشن میں شرکت کے لیے تیار ہیں۔ بشرطیکہ وہ ناگزیر شرائط اور ضمانتیں جن پر زور دیا گیا ہے، دستور میں شامل کر دی جائیں لیکن ایوان اس مسئلے کے متعلق اپنی رائے اس وقت تک کے لیے محفوظ رکھے گا۔ جب تک کہ آئین میں اصلاحات کے متعلق پارلیمنٹری بل مجوزہ معاہدہ

شرکت نیزوائس کے نام دستاویز کلیتہاً معلوم نہ ہو جائیں اور ان کی جانچ نہ کر لی جائے۔ ایوان اس امر پر بھی زور دینا چاہتا ہے کہ فیڈریشن کا اجراء اور اس کی کامیابی جملہ متعلقہ پارٹیوں کے اعتماد اور اشتراک اور ریاستوں کی سیادت اور معاہدات کے تحت ان کے حقوق کو بلا غدر تسلیم کیے جانے پر منحصر ہے۔

علاوہ بریں ایوان انفرادی طور پر ریاستوں کے تصفیہ طلب مطالبات فیڈریشن میں داخل ہونے سے پیشتر طے ہو جانے کی ضرورت پر زور دیتا ہے۔

قرارداد کی تائید ہمارا جہ بیکانیر نے کی اور یہ قرارداد منظور کر لی گئی۔

اس اجلاس سے ایک روز پیشتر لندن کے اخبار "ڈیلی میل" نے اپنے افتتاحی نوٹ میں لکھا۔

”ہندوستان کے وہ حکام جن کے ہاتھ میں حکومت کا انتظام ہے بہت سمجھتے، چاچلوسی اور جبر سے والیان ریاست کو اس امر پر آمادہ کر رہے ہیں کہ وہ سرکاری بل کو منظور کر لیں۔ اگر وہ ازراہ حماقت ایسا نہ کریں گے تو اپنی قبر آپ کھودیں گے۔“

والیان ریاست کو لازم ہے کہ وہ اپنا اور ہندوستان کا تحفظ کر کے ہندوستان میں برطانوی حکومت کی ایک اور نمایاں خدمت انجام دیں۔

(روزنامہ انقلاب ۲۵-۱-۲۲)

سجاش بابو کی کتاب پر پابندی | ۲۵۔ جنوری کے ہندوستانی اخبارات نے گزٹ آن انڈیا کی ایک غیر معمولی اشاعت میں اعلان کیا، کہ قانون مجریہ ۱۸۷۸ء کے تحت گورنر جنرل یا اجلاس کونسل کے فیصلہ کے مطابق ڈھڑ بٹھڑ کو نمبرہ جونس سٹریٹ لندن ڈیپوسی نمبر ۱ انگلستان کا کوئی نسخہ برطانوی ہند میں نہ پہنچے۔ نہ ہی اس کتاب کا کوئی ترجمہ، نہ اس کی کوئی نقل، نہ اس کا کوئی اقتباس ہندوستان میں لے پائے۔

نوٹ: ”سجاش بابو کی اس کتاب کا نام ”۱۹۲۴ء سے جہاد آزادی“ تھا۔ یہ کتاب انہوں نے دورہ یورپ کے دوران آئرلینڈ میں لکھی تھی۔“

یوم احتجاج | ۲۶- جنوری کو کانگریس کے صدر بابو راجندر پرشاد نے اعلان کیا کہ، فروری کو سارے ہندوستان میں پارلیمنٹری رپورٹ کے خلاف یوم احتجاج منایا جائے۔ اس روز جلسے کیے جائیں اور جلوس نکالے جائیں۔

حکومت کی خوش فہمی | برطانوی حکمت عملی کے تحت پارلیمنٹری رپورٹ ہندوستانوں کے لیے کسی رخ سے بھی قابل قبول نہیں تھی۔ یہاں تک کہ برطانیہ کا ڈریٹ گروہ بھی اس رپورٹ سے مطمئن نہیں تھا۔ ہندوستان کے اچھوت جنہیں پونا پٹ کے تحت اس رپورٹ میں ہندوؤں کے برابر سیاسی پوزیشن حاصل ہو چکی تھی ان کے رہنما ڈاکٹر امیتکار نے بھی اپنے ۱۲- جنوری کے بیان میں جدید دستور کو اچھوتوں کیلئے ناپسند کیا۔ والیان ریاست نے بھی (آئندہ چل کر) برطانیہ پر عدم اعتماد کا اظہار کر دیا۔ حالانکہ ریاستہائے ہند برطانوی اقتدار کا آخری سہارا تھیں۔

اس کے باوجود حکومت اس خوش فہمی میں تھی کہ چونکہ ہندوستان کی اقوام باہم ایک دوسرے پر اعتماد نہیں رکھتیں لہذا ہماری بات رہ جائے گی۔ دوسری طرف کانگریس مسٹر محمد علی جناح کی پہلی تجویز پر راضی نہیں تھی اور آخری تجاویز پر ان کا ذہن جناح سے متفق تھا۔ تیسری اور آخری بات کہ اسمبلی میں بھولا بھائی ڈیسی کی تقریر جس نے یہ امید دلائی تھی کہ کانگریس اور اسمبلی کے مسلم ارکان کسی موڑ پر جمع ہو سکتے ہیں۔ تاہم حکومت کو یقین تھا کہ کانگریس مسٹر جناح کی کمیونل ایوارڈ کی تجویز سے راضی نہیں۔ اس لیے ہو سکتا ہے کہ یہ بیل منڈھے نہ چوڑھے۔ اسمبلی کے اندر اور تمام ملک میں ان دنوں یہی افواہ کام کر رہی تھی۔ تجارت اپنے کاموں میں اسی قسم کی بحث کر رہے تھے۔

مسلم لیگ کا اجلاس | ۲۲- جنوری کو مسٹر محمد علی جناح کی صدارت میں مسلم لیگ کا اجلاس نئی دہلی میں ہوا۔ جس میں نواب مر محمد یوسف، سرفیروز خاں نون، عبد المتین چودھری، راجہ غنیمت علی، ڈاکٹر ضیاء الدین احمد، حافظ اہیت حسین مسٹر تصدق احمد شیروانی (کانگریس)، سید مرتضیٰ حسن، مسٹر خالد لطیف گابا (اجرا)، خان بہادر حاجی رحیم بخش، مولانا شوکت علی، میاں احمد یار خاں دولتانہ، مولوی محمد شفیع داؤدی شریک

۵۔ اچھوتوں کو خاص نمائندگی کا موقع دیا جائے گا۔

۶۔ حق رائے دہی کے لیے اکیس سال کی عمر اور تین صد روپہ کی جائیداد اور پندرہ روپے مالیہ اور تعلیمی اعتبار سے میٹرک و کولیشن کی شرط لگائی گئی ہے۔
فرخچائس کمیٹی کی رپورٹ شائع ہوتے ہی ہمارے لیے سابق وزیر اعظم میاں سر عبدالحکیم کو حکم دیا کہ جب تک وہ ریاست کا واجب الادا قرض ادا نہ کریں، نیر ریاست کی کج جائیداد ان کے پاس ہے وہ ریاست کو واپس نہ کر دیں، انہیں اپنی جائیداد فروخت کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہوگا اور نہ ہی وہ رہن رکھ سکتے ہیں۔

(نوٹ۔ بعد میں ہمارا جواب نے یہ حکم واپس لے لیا تھا۔) روزنامہ انقلاب ۲۵-۱-۲۶

فارس تونہ بیٹھے گا محشر میں جنون میرا | ہندوستان کے آئینی مسائل حل ہو رہے تھے۔ اقوام ہند فرنگی دستور اساسی پر بحث

میں مصروف تھیں کہ ایسے میں بھی ہندو، انگریز کی شہ پاکر ہندو مہاسبھا کی اوٹ میں مسلمانوں کے جذبات مجروح کر لے سے باز نہیں رہا۔

قصور کے پالارام اور کراچی کے منہورام نے خاتم الانبیا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توہین کی جس پر غازی محمد صدیق، غازی عبدالقیوم نے انہیں جہنم واصل کیا۔ اس پر غیر ملکی قانون نے ان نوجوانوں کو سزائے موت دی۔

مجلس احرار حالات کے پیش نظر خاموش تھی تاہم اسمبلی میں اس کا نمائندہ مسٹر خالد لطیف گاباجا حتی فیصلے کے مطابق اپنی ذمہ داریاں نبھاتا تھا۔

۲۸۔ جنوری کو مسٹر گابا نے اسمبلی میں ہوم ممبر کو چند سوالات کے متعلق نوٹس دیا۔

کیا ہوم ممبر برائے کرم یہ بتائیں گے؟

و۔ کیا حکومت کو مسلم حلقوں کی طرف سے اور اسی باب میں ملک بھر کی جماعتوں کی طرف سے متعدد تاریں موصول ہوتی ہیں کہ غازی عبدالقیوم کی سزا کو جنہیں کراچی عدالت سے موت کی سزا مل چکی ہے، ملتوی کر دیا جائے۔

ب۔ کیا یہ امر واقعہ نہیں کہ محمد صدیق نامی شخص کو اس ہوم میں کہ اس نے قصور

کے پاللام کو توہین پیغمبر کی سزا دی، لاہور کی عدالت سے منزلے موت ہوئی ہے
ج۔ کیا یہ امر واقعہ نہیں کہ مذکورہ بالادونوں مقدموں میں ملزمان نے جو کچھ کیا
اعلیٰ مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے کیا ہے؟

اس بناء پر ملک کے کروڑوں مسلمان غازی عبدالقیوم اور غازی محمد صدیق
کی ہمت اور جرات پر انہیں مبارک باد دے رہے ہیں۔ لہذا حکومت کو ان
مقدمات پر توجہ دیتے ہوئے دونوں کی منزلے موت تبدیل کر کے عبور دینے
شور کی سزا دے دینی چاہیے۔“

پہلے دھری عبدالعزیز کی رہائی | ریاست کپورتھلہ میں گزشتہ سالوں سے جو کچھ ہو رہا ہے
تاریخ ان چشم دید واقعات کو اپنے دامن میں گرہ دے چکی
ہے۔ ریاست کے حالات جب اس موڑ پر پہنچے کہ راعی اور رعایا حقوق کے بازار میں کھلم کھلا
آنے سامنے آکھڑے ہوئے تو ریاست کے حکمران کی آنکھیں کھلیں۔ اس وقت بغاوت
کی آگ راج محل تک پہنچ چکی تھی۔ قریب تھا کہ راج سنگھاسن جل کر راکھ ہو جاتا۔ مہاراجہ
کپورتھلہ پیرس سے وطن واپس پہنچے۔

ریاستی حکمرانوں نے محض ذاتی وقار کے لیے گزشتہ ربع صدی سے اپنے حوام سے
جو آنکھ مچولی کی اور ظلم و جور کی جس بھٹی میں ریاستی حوام جلے یہ وقت کا عظیم المیہ ہے۔ بالآخر
مظلوموں کا خون راج گدیوں کو اپنے طوفان میں تنکے کی طرح بہا کر لے گیا۔

سونے کا تاج پہننے والے سردوں پر جب خاک آلود جوتے پڑے تو سر کا ایک
ایک بال چیخ اٹھا۔

وطن پہنچ کر والی ریاست نے کپورتھلہ کے حالات کا بغور جائزہ لیا اور اس زنجیر
کی ایک ایک کڑی توڑ ڈالی، جس نے ریاستی مظلوموں کو اپنی گرفت میں لے رکھا تھا اپنے
باغ سے وہ تمام کانٹے چن کر پھینک دیے جن کی چھن سے پھول زخمی ہو رہے تھے۔
اپنے انصاف کے دریچوں سے مظلوم رعایا کی ضرورتوں کو دیکھ کر مہاراجہ کپورتھلہ اپنے
انصاف کے ایوان میں آن بیٹھا۔

جنوری کے آخری ہفتے ریاست کے جنرل پولیس انسپکٹر کی معیت میں ریاست کے سب سے بڑے باغی چودھری عبدالعزیز بیگوالیہ کو سنٹرل جیل کیور تھلہ سے اپنے محل میں بلا بھیجا۔

جب وہ محل میں پہنچے۔ ہمارا جہ نے سب سے پہلا سوال ان سے یہ کیا۔
 ”مجھے بتایا گیا ہے کہ مجلس احرار دسی طریق پر جائیدادوں کی تقسیم چاہتی ہے۔ اور مجھے یہ بتایا گیا تھا کہ تم راج گدی کے دشمن ہو؟ اور اشتراکی اصولوں پر ریاست میں انقلاب پیدا کرنا چاہتے ہو؟“
 چودھری عبدالعزیز: ”میرے خلاف رپورٹیں سرتاپا غلط ہیں۔ اور نہ ہی مجلس احرار تشددانہ انقلاب کی حامی ہے۔ میں خود ریاست کا سب سے بڑا زمیندار ہوں میرے متعلق یہ قیاس کہ میں لوگوں کی جائیدادوں کو نقصان پہنچانا چاہتا ہوں بالکل غلط ہے۔

یہ درست ہے کہ مجلس احرار انقلابی جماعت ہے اور میں ریاستی لوگوں کے حقوق کا حامی ہوں۔ غریبوں کی جائز حمایت مذہبی اور اخلاقی فرض سمجھتا ہوں۔ جس ملک کی عام آبادی تکلیف میں ہو اس کا والی قابل قدر نہیں۔
 میں نے یہ ایجنڈیشن اس لیے جاری کیا تھا کہ ریاست ایسے آفسروں اور اہلکاروں سے پاک اور صاف ہو اور رعایا کے جائز حقوق کا خیال رکھا جائے۔“
 ہمارا جہ: ”مجھے کیسے اطمینان ہو کہ تم انقلاب برپا کرنا نہیں چاہتے؟ اور مجلس احرار انقلابی جماعت نہیں ہے؟

چودھری صاحب: ”میں اس کے متعلق ہر طرح کا یقین دلانا چاہتا ہوں، لیکن جہاں تک پُر امن ذرائع کا تعلق ہے۔ مجلس احرار کانگریس کی طرح حوام الناس کے حقوق کی طالب ہے۔“

ہمارا جہ: میں اُمینی طریق سے اصلاحات حاصل کرنے کا مخالف نہیں، مجھے بہت ہی غلط رپورٹیں پہنچائی گئی تھیں کہ تم گدی کے مخالف ہو اور تشدد کے ذریعے انقلاب پیدا

کرنے کی خواہش رکھتے ہو۔

اس گفتگو کے بعد چودھری صاحب واپس جیل بھیج دیے گئے اور دوسرے دن تمام سیاسی قیدی چودھری صاحب سمیت ریاست کی جیلوں سے رہا کر دیے گئے۔
چودھری صاحب رہا ہو کر مکان میں پہنچے تو غنوز پولیس ان کے مکان کے ارد گرد پہرہ دے رہی تھی۔ اتنے میں چودھری افضل حق ایم ایل۔ اے، چودھری عبدالرحمن راہونوالے ایم۔ ایل۔ اے ان سے ملنے آئے۔ اس طرح شہر کے دوسرے لوگ بھی ان سے ملاقات کرتے رہے۔

چودھری عبدالعزیز خان
روز آفریش

سے جن لوگوں کو اپنی مخلوق کی خدمت کے لیے منتخب کرتے ہیں چودھری عبدالعزیز ان میں سے ایک تھے۔
رئیس باپ کا رئیس بیٹا گھر کی تمام آسائشیں چھوڑ ریاست کی مظلوم آبادی کے دکھ درد میں شریک ہو گیا۔
۱۹۳۳ء سے ۱۹۳۵ء کی ابتدا تک موصوف کو جن مشکلات سے دوچار ہونا پڑا، تاریخ اس کی ہمیشہ شاہد رہے گی۔



(چودھری عبدالعزیز بیگوالیہ)

دل کا غنی اور مال کا غنی برابر نہیں ہوتے۔ اس بازار میں دونوں اپنا اپنا بھاؤ رکھتے ہیں۔ اس منڈی میں تہی دامن ہونا انسان کے لیے عظیم گالی ہے۔ لیکن دولت مند اگر خدا کی راہ میں تہی دامن ہو جائے تو اس کی قیمت سوا ہوتی ہے۔ چودھری عبدالعزیز ریاست کا بٹراز منیدار تھا۔ سینکڑوں مربع اراضی کا مالک ریاستی عوام کے لیے پہلے حکومت کا باغی کھلیا۔

اور جب تمام املاک بحق سرکار ضبط ہو گئی تو بحکم حق کوئی فقیر ہو کر جیل خانے چلا گیا۔ ۵۔

پچھٹے اسیر تو بدلا ہوا زمانہ تھا

چودھری عبدالعزیز رہائی کے بعد نہ صرف کپورتھلہ بلکہ ہندوستان میں غیر فانی شہرت کا مالک بن گیا۔ وہ جس شہر پہنچا، عوام کو دیدہ دل فرس راہ پایا۔ یہ رونقیں اور یہ ہوگا مہاتے زندگی جاری و ساری تھے کہ ۲۲۔ اکتوبر ۱۹۴۲ء کو چودھری عبدالعزیز اپنے گاؤں میں انتقال کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

چودھری صاحب ۱۸۹۵ء میں اپنے شمال ہریانہ ضلع ہوشیار پور میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام چودھری فضل احمد خاں تھا۔ تعلیم میٹرک تک تھی جسے چودھری صاحب نے اپنے اموں محمد نواب خاں تحصیلدار کے ہاں گزرات اور جہلم میں حاصل کی۔ یہاں سے فارغ ہو کر اپنی زمینوں کی دیکھ بھال میں مصروف ہو گئے۔

یہ ۱۹۳۲ء کا دور تھا۔ ملک میں تحریک کشمیر اور مجلس احوار کے عام چرچے تھے۔ چنانچہ آپ احوار میں شامل ہو گئے۔ اپنی خداداد قابلیت کے باعث بہت جلد آل انڈیا مجلس احوار کی ورکنگ کمیٹی کے رکن منتخب ہو گئے۔

چوہدری صاحب تین بھائی تھے۔ آپ کے بعد چودھری عبدالرشید کپورتھلہ کی کوٹ کے جج تھے۔ ان سے چھوٹے عزیز احمد تھے جو ریاست کی طرف سے بحیثیت میجر دوسری جنگ عظیم میں شامل ہوئے۔ لیکن سقوط برما کے بعد آپ انڈین نیشنل آرمی میں شامل ہو گئے۔ یہاں آپ کی حیثیت سمعاش چندوس کے بعد دوسرے درجے پر تھی۔ تقسیم ملک کے بعد ۱۹۶۵ء میں ساہیوال میں انتقال کر گئے۔

چودھری عبدالعزیز زینہ اولاد سے محروم تھے۔ اپنے بھائی چودھری عبدالرشید کے بچے کے سرفراز کو گود لے رکھا تھا۔ آج کل یہ نوجوان لالینڈ میں ہے۔ باقی خاندان کا مونکے ضلع گوجرانوالہ میں ہے۔ البتہ چودھری عبدالرشید سابق جج ہائیکورٹ کپورتھلہ جن کی عمر تادم تحریر اسی سال کے قریب ہے، گاہے گاہے اپنی لاہور کی رہائش گاہ ۶۴۔ مرننگ روڈ پر نظر آتے ہیں۔

اسمبلی کا اکھاڑا | جنوری کے حالات سے یہ بات واضح ہو چکی تھی کہ اسمبلی میں پارلیمنٹری رپورٹ کو مسترو یا ترمیمات کرانے میں دونوں متحارب گروپ دکانگریس

اور انڈی پنڈنٹ پارٹی) ایک دوسرے کے قریب آتے جا رہے ہیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ ملکی ضرورت انہیں مجبور کر رہی ہے کہ وہ غیر ملکی حکومت کو اس موڑ پر شکست دیں چنانچہ ۲۲ جنوری کو دہلی میں ڈاکٹر مختار احمد انصاری کے مکان پر صدر کانگریس بابو راجندر پرشاد اور مسلم لیگ کے صدر مٹر محمد علی جناح کے درمیان فرقہ وارانہ مسئلے پر جو گفتگو شروع ہوئی اس نے حالات کو مزید جلا دی اور باہم محبت کے ٹٹلاتے چراغ میں پھر سے روشنی پیدا ہوئی۔

یکم فروری کو بھولا بھائی ڈیسائی نے اسمبلی کو اپنے ساتھیوں کے دستخطوں سے پارلیمنٹری رپورٹ کے متعلق مندرجہ ذیل ترمیم کا نوٹس دیا۔

اس اسمبلی کی رائے ہے کہ رپورٹ کی مجوزہ سکیم کو برطانوی اقتدار کی توسیع اور اقتصادی مفاد کے جذبے کے تحت مرتب کیا گیا ہے۔ اور اس بناء پر اہل ہند کو کوئی قابل ذکر اختیارات حاصل نہیں ہوتے اور اگر اس سکیم کو قبول کر لیا گیا تو دستور ہند میں سیاسی اور اقتصادی ترقی کی بجائے تنزل اور انحطاط رونما ہو جائے گا۔

چنانچہ یہ اسمبلی گورنر جنرل سے سفارش کرتی ہے کہ حکومت ملک معظم کو اس بات کا مشورہ دے کہ وہ کسی ایسے دستور کو منظور نہ کرے جو اس سکیم پر مبنی ہو۔

۲۔ فردری کو انڈی پنڈنٹ پارٹی کے لیڈر مٹر محمد علی جناح (قائد اعظم) نے جوائنٹ پارلیمنٹری رپورٹ پر حسب ذیل ترمیم کا نوٹس دیا۔

۱۔ اسمبلی فرقہ وارانہ اعلان کو اس کی موجودہ صورت میں اس وقت تک کے لیے قبول کرتی ہے، جب تک اس کے مقابل کوئی شفیق جذبہ سمجھوتہ پیش نہ ہو

۲۔ صوبہ جاتی حکومتوں کی سکیم کے بارے میں اس ایوان کی یہ رائے ہے کہ یہ

نہایت قابل اعتراض، غیر تسلی بخش اور ایوس کن ہے۔ کیونکہ اس میں بعض تقاضے پائے جاتے ہیں۔ خاص کر دوسرے چیمبر میں گوندروں کو خاص اختیارات فوج اور پولیس کے متعلق دفعات اور صیغہ جات خفیہ سروس۔ ان تقاضے کی وجہ سے عہدیداروں اور کونسلوں کا حقیقی ربط اور ان کی ذمہ داری ناکارہ ہو جاتی ہے۔ اس لیے جب تک ان قابل اعتراض تقاضے کو دور نہ کیا جائے، ہندوستان کے کسی حصے کو بھی تسلی نہ ہوگی۔

۳۔ مرکزی گورنمنٹ آل انڈیا فیڈریشن کی سکیم کے مطابق اس اسمبلی کی صاف الفاظ میں یہ راستہ ہے کہ یہ سکیم اصولاً ہی غلط ہے اور برطانوی ہند کے لوگوں کو نامنظور ہے۔ اس لیے حکومت ہند سے سفارش کی جاتی ہے کہ وہ ہر میسجی کی حکومت کو مشورہ دے کہ اس سکیم پر مبنی کسی آئین کو پاس کریں اور اس بات کا بھی مطالبہ کیا جاتا ہے کہ فوراً اس بات کو سوچنے کی کوشش کی جائے کہ صرف برطانوی ہند میں کسی طرح حقیقی اور مکمل ذمہ دار گورنمنٹ قائم کی جاسکتی ہے اور اس غرض کے لیے ہندوستانی رائے عامہ کو معلوم کرے۔ بلاتاخیر تمام پوزیشن پر نظر ثانی کرنی چاہیے۔ گورنمنٹ نے قانونی ممبر کی بنیادی یہ بتلایا کہ کانگریس جو انٹنٹ پارلیمنٹری رپورٹ کی تجاویز کو کھلم کھلا رد کرتی ہے تو دفعہ ملے اس میں مندرج ترمیم بھی اتنا ہی اثر رکھتی ہے۔

(تاریخ کانگریس مصنفہ ڈاکٹر بی۔ پٹا بھائی۔ سیتہ رامیہ ۱۹۵۵ء)

۴۔ فروری کو اسمبلی میں پارلیمنٹری رپورٹ پیش کر دی گئی۔ دوسری کارروائی کے علاوہ سزائیں۔ این۔ سرکار نے بحیثیت سرکاری پارٹی کے رپورٹ پر بحث کی تحریک کا آغاز کیا۔ اس پر بنگال کے فضل حق نے اعتراض اٹھایا اور کہا کہ اب اس پر بحث نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ پارلیمنٹری رپورٹ کو برطانوی ایوان میں بل کی شکل میں پیش کیا جا چکا ہے۔

صدر نے کہا یہ اعتراض صحیح نہیں۔ البتہ اسکان اپنی تقریروں میں اسے گورنمنٹ آف انڈیا بل کہہ سکتے ہیں۔ اس کے بعد کانگریس لیڈر کی حیثیت سے مٹر بھولا بھائی ڈیسا نے اپنی

ترمیم پیش کرتے ہوئے چالیس منٹ تقریر کی اور کہا:

”ہم بالکل واضح طور پر بتانا چاہتے ہیں کہ پیش کردہ دستور بے کار ہے۔ اور اس سے ہندوستان قطعاً خوش نہیں ہوگا اور نہ اس سے وہ مقصد پورا ہوگا جو حکومت کے پیش نظر ہے۔ اگر بارے پاس وہ طاقت موجود ہوتی جس کی بنا پر ہم حکومت کو اپنے استحقاق یا خواہش کے مطابق عمل پر مجبور کرتے۔ ورنہ بارے پاس یقیناً اس قدر خود داری تو موجود ہے کہ جس چیز کی ہمیں ضرورت نہیں اسے واپس کر سکتے اس ترمیم کی تحریک پر میں اپنی ذمہ داری محسوس کر رہا ہوں۔ جیسے کہ سرکار نے کہا ہے یہ تخریبی نہیں۔ اور اگر اسے تخریبی بھی کہا جائے تو حقیقی مقصد تعبیر ہے۔

ایک وقت تھا کہ برطانیہ نے ہندوستان پر حملہ کیا تو اہل ہند نے اسے خوشنودی اور رضا مندی کے ساتھ تسلیم کرتے ہوئے اپنی گردنیں جھکا دیں اس کے بعد تعلیم کا دور شروع ہوا تو اہل ہند نے اہل برطانیہ سے یہ توقع ظاہر کی کہ وہ عدل و انصاف کی بنا پر ہندوستان کو اس کا حق دے دیں گے وہ وقت بھی گزر چکا ہے۔ گزشتہ تیس سال سے ہندوستان میں حالات و واقعات کا رد عمل شروع ہے۔ ہندوستان کو یہ بتلایا گیا ہے کہ برطانیہ جناب میں مسدود آبادیوں کے استحکام اور بقا کے لیے شریک ہے۔ لیکن اس دن میں جو معاہدات کیے گئے ان کی تکمیل کا کبھی وقت نہ آیا۔ یہ تاریخ انسانیت کا نہایت ہی دیرینا باب ہے لہذا اب حیران ہونے کی ضرورت نہیں۔ اگر اہل ہند حکومت خود مختاری کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں۔

بہر حال رپورٹ کے مصنفین نے اس بات کو تسلیم کر لیا ہے کہ ہم ایسی حکومت چاہتے ہیں جس کے وزیر منتخب مجلس وضع آئین کے رد و رد جواب رہ ہوں۔ آپ نے امریکہ اور سوئٹزرلینڈ کی مثالیں دے کر بتایا کہ وہاں ہر سیاسی، نسلی اور اقتصادی اعتماد کے راستے میں زیادتی اور نسلی امتیازات حائل نہیں ہوئے۔ جہاں تک مذہب کا تعلق ہے وہ خدا اور اس کے بندوں

کے درمیان ایک منفرد رشتہ ہے جسے دنیاوی ضروریات اور اغراض کے لیے خراب نہیں کیا جاسکتا۔

اہل برطانیہ دوسرے لوگوں کو کیوں اس بات پر مجبور کر رہے ہیں کہ وہ مذہب کے نام پر اپنے آپ کو تقسیم کریں اور ان پر حکومت برطانیہ کا اقتدار قائم رہے؟

اس کے بعد سکھ لیڈر سردار سنگھ نے کہا۔

”اگر دستور اساسی کی ترکیب ملی بنیاد پر رکھی گئی تو سکھ اپنے تمام فوجی مطالبات کو نظر انداز کر دیں گے۔ فرقہ وارانہ فیصلہ خطاب یافتہ مسلمانوں کے لیے مفید ہو سکتا ہے۔ مگر عام مسلمانوں کو اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔“

۶۔ فروری کو اسمبلی کے اجلاس میں کانگریسی لیڈر کی مسٹر محمد علی جناح کی تقریر | تقریر کے بعد مسٹر محمد علی جناح نے پارلیمنٹری رپورٹ پر اپنی ترمیم کے سلسلے میں تقریر کے دوران کہا:

”میں اس اہم موقع پر اپنی اس غلط فہمی کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں جو ”اشیٹس مین“ جیسے ذمہ دار اخبار میں میری روش کے متعلق لکھا گیا۔“

اخبار مذکور نے ۲ فروری کو مقالہ افتتاحیہ میں لکھا ہے کانگریس پارٹی کا کارنامہ جذباتی منافرت ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس پارٹی کو نئے نئے حلیف ملتے رہیں گے۔ آغاز میں مسٹر جناح گول میز کانفرنس کے پر جوش رکن اور فیڈریشن کے حامی تھے۔ اب وہ اس سکیم سے غیر متعلق ہو گئے ہیں اس وجہ سے بعد کے گول میز کانفرنس کے اجلاسوں میں انہیں مدعو نہیں کیا گیا۔ تقریر جاری رکھتے ہوئے مسٹر جناح نے کہا۔

”میں پورے زور سے اس امر کا اعلان کرتا ہوں کہ میرے دل میں نسلی نفرت کا جذبہ نہیں۔ میں آغاز میں بھی گول میز کانفرنس کا پر جوش حامی ہی نہیں بلکہ پر جوش ترین حامی تھا۔ جہاں تک کہ یہ سکیم کامیاب نہ ہوئی اور نہ ہندوستانیوں کو مطمئن

کر سکی۔

مذکورہ اخبار کا آخری حوالہ ایک بیہودگی ہے جس کا ارتکاب کوئی ذمہ دار اخبار نہیں کر سکتا۔ میں (اخبار میں) اعلان کرتا ہوں کہ میں فیڈریشن سکیم کو اس درجہ سے فاسلی بخش کتنا ہوں کہ گول میز کانفرنس کے آخری اجلاس میں دعوت شرکت نہیں دی گئی۔

حقیقت یہ ہے کہ مجھے آخری اجلاسوں میں اس درجہ سے مدعو نہیں کیا گیا کہ میں زیر غور سکیم کا سخت مخالف تھا۔

مبولا بھائی ڈیپائی کی پیش کردہ ترمیم پر بحث کرتے ہوئے مٹر خراج لکھا: ”اس کا مطلب تمام سکیموں کی نامنطوری اور فرقہ وارانہ فیصلے کے متعلق غیر جانبداری ہے۔“

فرقہ وارانہ فیصلے کے متعلق جہاں تک میرے ذاتی رائے کا تعلق ہے، میرا جذبہ خودداری اس وقت تک مطمئن نہیں ہو سکتا۔ جب تک ہندوستانی مخالفت کر کے کوئی فیصلہ نہ کریں۔ میں اس فیصلے کو اس لیے تسلیم کرتا ہوں کہ اس کے بغیر کوئی حل کامیاب نہیں ہو سکتا۔

مجھے ڈیپائی کے اس نظریے سے پورا اتفاق ہے کہ مذہب، قومیت اور زبان کو سیاسیات کے دائرہ میں داخل نہیں کرنا چاہیے لیکن اقلیتوں کا مسئلہ ایک سیاسی مسئلہ ہے اور دوسرے ملکوں نے بھی اسے حل کیا ہے۔ میں سیاسی طور پر اقلیت کا تحفظ چاہتا ہوں۔“

مٹر ڈیپائی کہتے ہیں۔

”پہلے حاصل کرو اس کے بعد تقسیم کرو۔ میں کتا ہوں کہ پھر ہاتھ مٹا گا ندھی نے کیوں پرانے تباہ برت دھارن کر کے معاہدہ پونا کیا۔ میں بندو بھ کو بھی مبارکباد دیتا ہوں کہ انہوں نے یہ معاہدہ کر کے اپنے پس ماندہ بھائیوں کو مطمئن کر دیا لیکن کیا انہوں نے تقسیم سے پہلے حصول کا انتظام کیا۔؟ اس جذبے کے ساتھ ہم

سے بھی ہاتھ ملائیے ہم تیار ہیں۔

کانگریس کے متعلق حکومت کے متضاد بیانات!

”حکومت کبھی تو یہ کہتی ہے کہ کانگریس ہندوستان کی نمائندہ ہے۔ اور کبھی یہ اعلان ہوتا ہے کہ مختصر باغی گروہ ہے۔ ان دونوں باتوں سے میں کیا نتیجہ نکالوں؟ لیکن انہائے وطن کی ایک جماعت پیروں تو تعزیر لگا رہے ہیں۔ تو آپ اپنے چرچل، لائیڈ، اڈوائزر کے متعلق کیا کہتے ہیں؟“

اگر میں اس طرح گفتگو کا جواب دوں جس طریق کو وہ پیار کرتے ہیں، تو آپ کو فوراً ہندوستان سے نکال دوں۔ میں یہ کہتا ہوں کہ آپ مرکز کے لیے جو آئین تجویز کر رہے ہیں وہ موجودہ آئین سے بھی بدتر ہے۔ مجوزہ آئین کے معنی تو یہ ہیں کہ برطانیہ، ہند کے لیے وہ کچھ چاہتا ہے کہ جس کے لیے اس نے نصف صدی گزشتہ کام کیا ہے وہ سب قربان کر دیا جائے۔ میں اس موقع پر وایان ریاست سے بھی دریافت کرنا چاہتا ہوں۔

”کیا یہ ذمہ داری جوانوں نے مرکز کے لیے تجویز کی ہے، اور جس پروپوزیشن میں شامل ہونے پر آمادہ نہیں ہیں کیا وہ اپنی رعایا کو بھی یہ حقوق دینے کے لیے تیار ہیں؟“

ہوم ممبر: مسٹر خلیفہ آپ بحث کو غلط رنگ دے رہے ہیں۔

مسٹر خلیفہ: ہوم ممبر! میرے مطلب کو غلط سمجھ رہے ہیں۔ میں پھر کہتا ہوں کہ حکومت اس مسئلے پر نظر ثانی کرے اور میرے وطن میں ذمہ دار حکومت قائم کی جائے۔ لارڈ اردن نے اعلان کیا تھا کہ آئین ان تجاویز پر مبنی ہوگا، لیکن پر زیادہ سے زیادہ اتفاق رائے ہوگا۔ لیکن مجوزہ آئین غالباً ان تجاویز پر مبنی ہے، جن پر کنزرویٹو پارٹی کے ارکان کی اکثریت متفق تھی۔ اس میں ہمارے ساتھ کوئی اتفاق رائے نہیں کیا گیا۔

اس بحث کے نتیجے میں جب اسمبلی میں ووٹ لیا گیا تو کانگریس کو اکثریت اور باقی ایوان

کو بہتر روٹ ملے اس پر سطر جناح کی تجویز منظور کر لی گئی۔

تحریک کی پور تھلہ کا خاتمہ | غلاموں کا مذہب، سلطنت کی ضرورت اور اس کا منشا ہوتا ہے۔ اس نقشے کو لیکر نے اور اس میں رنگ بھرنے کا طریق بھی وہی لوگ ایجاد کرتے ہیں، جن کے ہاتھوں میں نظام سلطنت کی لاٹھی ہوتی ہے وہ عوام کو جیسے چاہتے ہیں، ہانکتے ہیں۔

متحدہ ہندوستان میں انگریزی راج نے اچھے بھلے مذہبی اصول رکھنے والی اقوام کو اپنی پالیسی اور ضرورت کے لیے اس بری طرح استعمال کیا کہ آئندہ نسلیں انہیں کبھی معاف نہیں کریں گی۔ بینڈ باجوں کی آواز، اینٹوں کے ڈھیر کا غذا اور بانس کے بنے ہوئے تصوراتی مزار اور درختوں کی ٹہنیاں اور پتوں پر نہ جانے اجنبی راج میں کس قدر انسانوں کا خون ضائع ہوا ہوگا۔

جب وقت کی ضرورت ختم ہوگئی تو عیب و ثواب کوئی عیب و ثواب نہ رہا۔ ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی مشغل تھا جواب ختم ہوگیا۔

سلطان پور بودھی کا قصیدہ اصولاً اور مذہباً کوئی اتنا اہم نہیں تھا کہ اس کے لیے انسانی لہو کی ضرورت ہوتی۔ محض تعزیر داری اور درخت کی چند شاخوں کا ردنا تھا۔ مگر اس وقت کے وزیر اعظم نے صرف اپنی ملازمت اور وفاداری کے لیے ناکردہ گناہ، مسلمانوں کا خون بہانا مناسب سمجھا اور آج جب ریاستی حاکموں کی مرضی ہے کہ اس ڈراسے کو بہر طور ختم کرنا ہے تو یہ ختم ہوگیا۔

ریاست کے نئے وزیر اعظم نے ۶ فردری کو سلطان پور بودھی کا فیصلہ اس طرح سنایا۔

”سلطان پور کے سکھوں اور مسلمانوں کی مشترک کمیٹی تعزیر کے رستے کی نسبت

جھگڑا ختم کرنے میں ناکام رہی ہے۔ لہذا میں حکم دیتا ہوں کہ متنازعہ دیوار

دگور دوارہ اور کر بلا کے درمیان، کو فوراً منہدم کر دیا جائے۔ اور اسے یہاں

سے چھ فٹ پیچھے تعمیر کیا جائے۔ نیز متنازعہ درخت کے متعلق متعینہ راستہ

سے تعزیروں کے گزرنے کی ممانعت کی جاتی ہے۔

میں یہ بھی حکم دیتا ہوں کہ اس راستے کی ممانعت درخت کے متبرک
 ہونے کی بنا پر نہیں بلکہ امن میں خلل پڑنے کے اندیشے کے باعث ہے۔
 اگر کہیں سے انصاف مل سکے تو سکھوں، ہندوؤں اور مسلمانوں کے اُن رہنماؤں کو جرح
 کرو جنہوں نے تعزیر کے احترام میں درخت کی ٹہنیاں کٹوانا مناسب سمجھی تھیں،
 جنہوں نے درخت کو مذہب کا مقدس نشان جان کر تعزیر کو گزرنے کی اجازت
 نہیں دی تھی۔

جنہوں نے درخت کو دیوتا جان کر انسانی خون بہانے کو جائز سمجھا تھا۔
 ان سب سے سوال کرو کہ ایک انگریز کے حکم پر تم سب چپ کیوں سادھ گئے تمہارے
 مذہبی اعتقادات کہاں چلے گئے تمہاری زبانوں پر کس نے سانپ بٹھا دیا کہ تم بولتے نہیں ہو؟
 راستہ تبدیل کر دیا گیا۔ دیوار گرا دی گئی۔ درخت کو متبرک ماننے سے انکار کر دیا گیا۔
 شیعہ کہاں ہیں؟ کہ آج تعزیر کا راستہ تبدیل کر دیا گیا ہے۔
 سکھ کہاں ہیں کہ گوردوارہ کی دیوار گرا دی گئی۔
 ہندو کہاں ہیں کہ بڑے درخت سے دیوتا کا لباس چھین لیا گیا ہے۔
 مگر اب تاپ سخن کہاں؟ کہ ضرورت لو کیت ختم ہو چکی ہے۔

اسی تاریخ کو مہاراجہ نے وزیراعظم کے مشورے پر ان تمام افسران کو ملازمت سے
 سبکدوش کر دیا جنہیں سلطان پور کے حادثہ میں ملوث سمجھا جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ ریاست
 کے وزیر داخلہ بشمبر داس کو بھی علیحدہ کر دیا گیا اور ایہ میں بھی قدرے تخفیف کر دی گئی۔
 اس کے ساتھ ہی دو سال کی جدوجہد کے بعد تحریک کپور تھلہ ختم ہو گئی۔
 آزادی وطن کی جدوجہد میں شریک رہ کر بھی احوار ریاست کشمیر، الورا اور کپور تھلہ کے حوام
 کو ان کے انسانی اور پیادہ نشی حقوق دلانے میں ہمہ تن مصروف رہے۔ آئندہ تاریخ کا مورخ
 ان کے لیے الگ باب قائم کرے گا۔ حالات کچھ ہی یوں مگر اس کا اعتراف کرنا پڑے گا۔
 کہ چند پوریہ نشینوں نے یادِ مخالفت کے باوجود اپنا چہرہ رخ روشن کیے رکھا۔
 برطانوی سامراج کی بقاء کے لیے ریاستوں کا وجود انیس ضروری تھا اور فرنگی ان سنگھانوں

کی پائیداری میں ہر ممکن اعانت کرتا رہا۔ مجلس احوار کے نزدیک ان طنابوں کو توڑنا لازمی تھا جو انہی سہارا تھیں غیر ملکی سامراج کا۔ اس آنسو پر فواب، راجے اپنی مظلوم رعایا پر ظلم و ستم ڈھانے میں دلیر اور شیر ہوتے جا رہے تھے۔ احوار اس طوفان کے سامنے سینہ سپر ہو گئے اور اپنی قربانیوں سے اس ظلم کے دھارے کا رخ موڑ دیا۔

کشمیر اور اور پور تھلہ کے حوام اور ان کی آنے والی نسلیں احوار کو ہمیشہ سلام کرتی رہیں گی۔

جن تاریخوں میں برطانوی رپورٹ پر اسمبلی کے علاوہ سارے ہندوستان میں لے دے ہو رہی تھی۔ انہی دنوں ۱۹۱۹ء فروری کو یونین برطانیہ میں

انڈیا بل پر بحث جاری تھی۔ سر سمویل ہور نے مجوزہ بل پر اپنی گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا:

”برطانیہ کی پالیسی کے مطابق ہندوستان کا نصب العین درجہ نوآبادیات ہے۔“

موجودہ انڈیا بل میں تمہید کے فقدان کا مطلب یہی ہے کہ حکومت سابق

معاهدات پر کار بند ہے اور ۱۹۱۹ء ایکٹ کی تشریح کرتے ہوئے واضح الفاظ

میں کہہ دیا تھا کہ برطانیہ کے نزدیک ہندوستان کا نصب العین درجہ نوآبادیات

ہے۔ موجودہ انڈیا بل درجہ نوآبادیات کو حاصل کرنے کے لیے ایک زینہ ہے۔

اور جب ہندوستان اپنے میں حکومت خود اختیاری کے حصول کی صلاحیت

پیدا کر لے گا اس وقت انگلستان اپنے تمام سابقہ وعدوں کی تکمیل کر دیگا۔

یہ پارٹی نے کہا:

اس بل پر بحث کے دوران یہ پارٹی کے اراکین پارلیمنٹ نے کافی ہنگامہ آرائی کی اور کہا:

”ہماری یہ خواہش ہے کہ ہندوستان کو جہاں تک ممکن ہو جلد سے جلد ایسی

ترقی دی جائے جیسی کہ انگلستان کو حاصل ہے۔“

برطانوی حکومت کے نظم و نسق کی خوبی کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا

ہے کہ ہندوستان کے کروڑوں انسانوں کی زندگی کا معیار کہاں تک درست ہے۔“

نوٹ، انگلستان کے تمام اخبارات نے سر سمویل ہور کی اس تقریر پر انہیں بڑی داد دی

کہ یہ تقریر ہندوستان کے حق میں ہے۔

مسٹر جناح کی صدر کانگریس کو دعوت | ۲۳۔ جنوری کو ڈاکٹر مختار احمد انصاری کے مکان پر کانگریس اور مسلم لیگ کے صدر

کے مابین صلح کی جس گفتگو کی ابتدا ہوئی تھی اسمبلی کی کارروائی کے باعث وقتی طور پر اس میں تعطل آگیا۔ جیسے ہی فرصت ملی۔ ۱۰۔ فروری کو مسٹر جناح نے ایک خط کے ذریعے بابو راجندر پرشاد کو از سر نو دعوت دی۔

”اگر ہو سکے تو آپ اسمبلی کے عدنان مجھ سے ملاقات کریں۔“

آپ کا ایم۔ اے۔ جناح

کانگریس کے صدر نے ۱۲۔ فروری کو دہلی پہنچنے کا وعدہ کیا۔

سرکاری ممبران کی رائے | ۱۲۔ فروری کو کونسل آف سٹیٹ میں مجوزہ رپورٹ پر بحث ہوئی۔ نامزد ممبر سر محمد یامین نے تجویز پیش کی کہ پارلیمنٹری رپورٹ کو قبول کر لیا جائے۔ یہ تجویز چونکہ آراء کے مقابلہ میں بینل آراء سے منظور کر لی گئی۔ راجہ غضنفر علی کی بھی اسی قسم کی تجویز تھی جو پیشتر منظور ہو چکی تھی۔

جناح راجندر گفتگو | اسمبلی میں انڈی پنڈٹ ڈنٹ پارٹی کے لیڈر مسٹر محمد علی جناح امدال انڈیا کانگریس کے صدر بابو راجندر پرشاد کے درمیان فرقہ وارانہ فیصلے پر ۱۲۔ فروری کو نئی دہلی میں پھر سے گفتگو کا آغاز ہوا۔ اس ضمن میں راجندر پرشاد نے ہندو مہاسبھا کے رہنما بھائی پرمانند کو بھی اس گفتگو میں شمولیت کی دعوت دی۔ لیکن اس نے انکار کر دیا۔ تاہم راجندر، جناح گفتگو اس موضوع پر تھی۔

۱۔ مخلوط انتخاب کے ساتھ پنجاب اور بنگال کی آبادی کے اعتبار سے مسلمانوں کے لیے نشستوں کا تعین۔

۲۔ جن صوبوں میں مسلمانوں کی اقلیت ہے وہاں مسلم نیابت کا توازن۔
اس گفتگو سے پیشتر اعلان کیا گیا تھا کہ یہ مذاکرات انفرادی ہیں۔ اگر ہم کسی نتیجے پر پہنچے تو اپنی اپنی جماعتوں کے ارکان سے مشورہ کریں گے۔

۱۵۔ فروری کو بھولا بھائی ڈیسیائی نے لاہور پہنچ کر سکھ رہنماؤں سے فرقہ وارانہ مسائل پر

بات چیت کرنا چاہی لیکن اس میں بجائی پر اتند کی طرح گیتانی کرتا رہا۔ سنگھ نے بھی کانگریسی لیڈر سے ملاقات کے لیے انکار کر دیا۔ انہوں نے کہا:

”جب تک کانگریس کمیونل ایوارڈ کے متعلق اپنی پالیسی تبدیل نہیں کرتی ان سے بات چیت فضول ہے“

اس طرح پنجاب ہندو مہاسبھا نے بھی اعلان کیا کہ:

”اگر مسلمانوں سے کانگریس کو کوئی سمجھوتہ ہوا تو ہندو مہاسبھا اسے قبول نہیں کرے گی“

اسمبلی کانگریس پارٹی کے لیڈر بھولا بھائی ڈیسانی نے لاہور میں سرمنو پر لال، ارے بھلور، درگا داس، پنڈت نانک چند، لالہ گلن ناتھ، سرگوکل چند، نارنگ، سردار منگل سنگھ، سردار سرودل سنگھ، کوشیر، گوپال سنگھ قومی سے حالات و واقعات پر گفتگو کی۔ لیکن وہ لپٹے مشن میں ناکام ہو کر واپس چلے گئے۔

مسلم لیگ کا اجلاس ۱۶۔ فروری کوئی دہلی میں مسٹر محمد علی جناح کی صدارت میں مسلم لیگ کا اجلاس ہوا۔ جس میں جناح، راجندر گنگو کے دشمن میں مسٹر جناح نے تمام ممبران سے رازداری پر حلف لیا۔ اور پھر تمام گفتگو جو اس وقت تک ہو چکی تھی انہیں بتائی اس اجلاس میں طے پایا کہ مسلم لیگ کی طرف سے کوئی تجویز پیش نہ کی جائے۔ اگر کانگریس کوئی تجویز پیش کرے تو اس پر غور کرنے سے تامل نہ کرنا چاہیے اور نہ گفتگو میں حصہ لینے سے انکار کرنا چاہیے۔

اس اجلاس میں خان عبدالصمد اچکزئی اور عبدالعزیز کی رہائی کا طالبہ کیا گیا۔ مندرجہ ذیل حضرات اس اجلاس میں شریک ہوئے۔

سرفیروز خاں، نون، سر محمد یعقوب، مولانا غلام مصباح، نارنگ، خان بہادر رحیم بخش، عبدالمتین چودھری، نواب احمد یار خاں، دو تسانہ، راجہ غضنفر علی وغیرہ۔

مسٹر جناح کی تقریر ۱۸۔ فروری عربی کالج دہلی کے ایک سیاسی مباحثہ کی صدارت کے دوران مسٹر محمد علی جناح وقتاً فوقتاً نے کہا۔

”ہندوستان کی بساط سیاست پر ایک طرف عظیم الشان ہندو قوم ہے اور دوسری طرف مسلمان۔ ہم نے ہندوؤں کو متعدد بار صلح پر آمادہ کرنا چاہا اور ان کی طرف دست تعاون بڑھایا۔ لیکن ہر مرتبہ مسلمانوں کے ساتھ نہایت ہی حقارت آمیز سلوک کیا گیا۔ اور یہ کہنا صحیح نہیں، کہ گول میز کانفرنس میں فرقہ وارانہ گفتگو میں ناکامی کے ذمہ دار مسلمان ہیں۔ مسلمانوں نے دو مرتبہ مخلوط انتخاب پر فرقہ وارانہ سمجھوتہ کرنے کی کوشش کی۔ لیکن ہر بار ہماری رائے کو ٹھکرا دیا گیا اور اس کی بڑی وجہ ڈاکٹر مونجھے اور مسٹر جیکار جیسے لوگوں پر حاوی ہوتی ہے۔ ہم تنہا بیوقوف نہیں کہ اتحاد کی ضرورتوں کا احساس نہ رکھتے ہوں۔ ہم اتحاد چاہتے ہیں اور صرف ملک کے مفاد کی خاطر۔“

آپ یقین جانتے کہ ہندوستان میں کوئی خود دار ہندوستانی ایسا نہ ہوگا جو اتحاد کا خواہاں نہ ہو۔ کیونکہ اتحاد کے بغیر دنیا کی نظروں میں ہم ذلیل و خوار نظر آتے ہیں“ اسمبلی میں اپنی تقریر کا ذکر کرتے ہوئے کہا:

”میں اتنا کم عقل نہیں ہوں کہ اسمبلی میں جو انٹنٹ پارلیمنٹری کمیٹی کی رپورٹ پر جو مباحثہ ہوا اس پر اسمبلی نے جو فیصلہ دیا اس کو میں اپنی ذاتی فتح سمجھ لوں۔ بلکہ یہ تمام ملک کی فتح تھی۔ میں تو اس کی کامیابی کا ایک ذریعہ تھا۔ لیکن یہ فتح کاغذی حیثیت سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتی۔“

میں یہ بھی یقین رکھتا ہوں کہ اسمبلی کے فیصلے کے بعد حکومت اپنا سامان اٹھا کر بمبئی سے لندن روانہ ہو جائے گی۔ یقین جانتے جب تک ہندو مسلم اتحاد نہ ہوگا ہم کوئی چیز حاصل نہ کر سکیں گے۔ میں حصول اتحاد کے لیے اپنی انتھک اور انتہائی کوشش صرف کروں گا۔ اگر میں اس میں کامیاب ہو گیا تو یقیناً ہندوستان کی جنگ آزادی نصف سے زائد کامیاب ہو جائے گی۔“

واقعات شاید ہیں کہ جب کبھی ہندوستان میں مسلم حقوق کا سوال سامنے آیا۔ مجلس احرار نے اپنی جماعتی حیثیت کو ذرا محسوس کیا۔

نمائندہ احرار کا بیان

لیکن جہاں کہیں اس سلسلے میں کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان بات چلی احرار نے اپنے کو ہمیشہ علیحدہ رکھا۔ اگرچہ اس دور میں مسلم لیگ پرسروں اور خان بہادروں کا قبضہ تھا اور ان عناصر کے مسلم حقوق کی نگہداشت کا گمان کرنا ایک سراب کی حیثیت رکھتا تھا! اس پر بھی احرار رہنماؤں نے نتیجے کا انتظار کیے بغیر کسی فیصلے پر اسے زنی سے اعتراض کیا۔

۲۲۔ جنوری کو جناح، راجندر گھٹگو شروع ہوئی اور کچھ دنوں کے لیے ملتوی ہو گئی۔ ۱۰۔ فروری کو یہ سلسلہ دوبارہ شروع ہوا۔ اس پر ۲۰ فروری کو دہلی میں جناح، راجندر گھٹگو کے متعلق اخباری نمائندوں نے مجلس احرار کی رائے معلوم کرنے کے لیے مسٹر خالد لطیف گاہا سے بیان دینے کو کہا۔ انہوں نے کہا:

”ملک کے ہر مہی خواہ کو اس گفتگو کے لیے جناح اور راجندر بابو کا شکر گزار ہونا چاہیے۔ موجودہ حالات میں مسلمانوں کو اکثریت کی طرف سے رواداری کی ضرورت ہے! انٹی کمیونل ایوارڈ کی کوششیں مجوزہ گفتگو کے لیے مفید ثابت نہیں ہو سکتیں اور نہ ہی اس قسم کی دھمکیوں سے مسلمان مرعوب ہو سکتا ہے۔ اگر فریقین نے کوئی قابل قبول سمجھوتہ مرتب کر لیا تو احرار کو اس پر بڑی مسرت ہوگی۔“

خالد لطیف گاہا نے آگے چل کر کہا:

”اس موقع پر اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ میثاق لکھنؤ ۱۹۱۶ء کا برطانوی پالیسی پر نہایت گہرا اثر پڑا تھا۔ لہذا موجودہ نہاد مسلم میثاق بھی دور رس نتائج کا حامل ہوگا۔“

بنگالی مسلمان [مسلم لیگ کے صدر مولوی عبد الکریم ایم۔ ایل۔ اے نے ۲۰ فروری کو جناح، راجندر گھٹگو کے دوران مسٹر جناح اور راجندر پر شاد کو تارکے ذریعے مطلع کیا کہ:

”بنگال کے مسلمانوں کو اکادم فیصد نشستیں ملنی چاہئیں۔“

اس موقع پر چاہیے تو یہ تھا کہ پنجاب کا مسلمان دونوں رہنماؤں کو اپنے صوبے کے تفرات

بھیجتا لیکن چونکہ پنجاب کے مسلمان پراہوار کا اثر غالب تھا اور ہزار کی پالیسی کا اظہار خالد لطیف گایا کر چکے تھے۔ لہذا پنجاب خاموش رہا۔

والیان ریاست ۲۵۔ فروری کو بمبئی پٹیا لہ ماؤس میں والیان ریاست کا مکتوبی شدہ اجلاس اپنے آخری فیصلے کے لیے ہمارا چہ پٹیا لہ کی صدارت میں شروع ہوا۔ جس میں چھوٹی بڑی چالیس ریاستوں کے فرمانرواؤں نے شرکت کی۔

اس اجلاس میں برطانوی رپورٹ کے متعلق ہمارا چہ پٹیا لہ نے ایک قرارداد پیش کی۔ جس کی تائید نواب آف بھوپال اور ہمارا چہ بیکانیر نے کی اس قرارداد پر جو بیس گھنٹے بحث رہی۔ آخر میں والیان ریاست نے دستور اساسی کو نامنظور کرتے ہوئے انڈیا بل اور مجوزہ دستور میں ترمیم کا سختی سے مطالبہ کیا۔

اس قرارداد کے جواب میں ۲۷۔ فروری کو دارالعوام لندن میں وزیر ہند سر سمویل ہول نے کہا:

”والیان ریاست نے برطانوی حکومت پر الزام لگایا ہے۔ کہ حکومت اپنے وعدوں پر قائم نہیں رہی۔ میں والیان ریاست کو صاف کہہ دینا چاہتا ہوں کہ ان کا یہ الزام غلط ہے۔ اور اگر مسودہ قانون ہند کی ترتیب و تدوین میں مجھ سے کوئی خامی رہ گئی ہے تو میں اس میں مطلوبہ ترمیمات کرنے کو تیار ہوں۔ والیان ریاست کا مطالبہ ہے کہ ہندوستان میں بائرنڈریشن قائم کی جائے۔

میں خود بھی اس کا حامی ہوں۔ جہاں تک میل خیال ہے والیان ریاست نے فیکٹریشن کے متعلق اپنے نظریے میں تبدیلی نہیں کی۔ اگر حکومت برطانیہ اور والیان ریاست دونوں فیکٹریشن کے قیام کے موید ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ان کے اور بارے میں فیصلہ نہ ہو۔

والیان ریاست کے چند مطالبات کا ذکر انڈیا بل میں کیا گیا ہے۔ اس کا تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ ان کے مطالبات منظور کر لیے جائیں گے۔ ہمارے اور والیان ریاست کے درمیان کوئی وسیع خلیج حاصل نہیں ہے۔

نصر اللہ خاں، حکیم جہد السلام، صاحبزادہ فیض الحسن، سردار محمد شفیع، خاں سدھی زمان، مولانا عبدالحکیم
عاجز اور قاضی احسان احمد کو مرکزی عاملہ میں شامل کر لیا گیا۔

سیاسیات میں اُن جماعتوں کی حمزہ ملتے آفتاب کی طرح ہوتی ہے، جس کے رہنماؤں میں
جوہر قابل کی پہچان نہ ہو سوا حرار رہنما جذبات کے ساتھ خلوص کی جانچ پڑتال کرتے ہیں اپنے دل
کے آئینے کو سامنے رکھتے۔ اگر اس میں کوئی میل نہیں تو آنے والے کے خلوص پر بھی شبہ نہیں
کیا جاسکتا۔ گو (POLITICAL ORGANISATIONS) میں ہر اقسام کے لوگ آتے ہیں اور
ان کی پرکھ پر جماعتیں برس برس گزاردیتی ہیں، پھر کہیں اعتماد بحال ہوتا ہے۔ لیکن غیر ملکی غلامی
کے دنوں جذبہ حریت کا فرما ہونے کی شرط ضروری تھی۔ یہی وجہ تھی کہ حرار رہنما نووارد کو صفت تول
میں جگہ دیتے۔ بدیں وجہ مخالفین، حرار کارکنوں سے ناراض رہتے۔

۱۱ مارچ ۱۲۔ جنوری کو مسٹر محمد علی جناح اور بابو راجندر پرشاد
جناح، راجندر گنگو کا خاتمہ کے درمیان جس گفتگو کا آغاز ڈاکٹر مختار احمد انصاری
کے مکان پر ہوا تھا۔ بالآخر حکیم مارچ کو دونوں رہنماؤں نے بغیر کسی نتیجے پر پہنچے ایک مشترک
انجاری بیان کے ذریعے اس کی ناکامی کا اعلان کر دیا۔
مشترک بیان: نئی دہلی۔ حکیم مارچ راجندر پرشاد اور مسٹر جناح کی گفتگو کے متعلق مندرجہ ذیل
بیان جاری کیا گیا ہے۔

”ہم نہایت افسوس اور دیانت کے ساتھ فرقہ وارانہ مسئلے کو اس اسلوب پر
حل کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں، جو تمام پارٹیوں کے نزدیک قابل قبول
ہو۔ لیکن ہمیں اس بات پر افسوس ہے کہ انتہائی کوشش کے باوجود ہم کوئی ناموزوں
مرتب نہیں کر سکے۔

ہمیں اس بات کا احساس ہے کہ ملک کی ترقی فرقہ وارانہ اتحاد و اتفاق
سے ہی پروان چڑھ سکتی ہے اور یہ حالات موجودہ ہم توقع کر سکتے ہیں کہ بعض
ایسے عناصر پیدا ہو جائیں گے جو آئندہ اس طرح کی کوشش کو بار آور کر سکیں۔
اس پر ایسوسی ایٹڈ پریس نے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

جناح راجد گفتگو کی ناکامی پر

”جناح اور راجد بانہ نے اپنے طویل مذاکرات میں جو اساسی اصول جمع کر لیے تھے۔ اگر بات ان میں رہتی تو یہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتے۔ مسلم لیگ اور کانگریس بھی اسے منظور کر لیتیں۔ لیکن انہوں نے چونکہ دوسری پارٹیوں کو بھی رضامند کرنا چاہا۔ اس لیے انہیں اپنی خواہش میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔“

(روزنامہ انقلاب - ۳-۱-۱۹۲۵ء)

سکھوں کا اعلان | ۲- مارچ کو مسٹر تارا سنگھ اور گیانی ایتار سنگھ نے مشترک پریس بیان میں

اعلان کیا کہ

۱۔ پنجاب میں مسلمانوں کو آئینی اکثریت نہ دی جائے۔

۲۔ رائے دہنگی کے مختلف معیار رائج نہ کیے جائیں۔

۳۔ مرکز میں مسلمانوں کو وہی اقلیتی نیابت دینی جلتے جسے ان کے نمائندے الہ آباد میں منظور کر چکے ہیں۔“

غازی عبدالقیوم کو بھپالسی | آئین ۱۹۲۵ء کے نافذ العمل ہونے کے دن جیسے جیسے قریب آتے گئے۔ فرنگی حکمران نئے جیلے بھانے تلاش کرتے رہے تاکہ اقوام ہند کسی طرح متحد نہ ہو سکیں۔ ایک طرف اگر ہندوستانی رہنما اپنی مشترک کوششوں میں مصروف تھے کہ کسی طرح برطانوی آئین کو شکست دے سکیں، تو دوسری طرف حکمران گورہ بھی غافل نہیں تھا۔

اول ۱۹۲۵ء میں غازی عبدالقیوم نے توہین رسول کے جرم میں لالہ منتھورام کو کراچی میں قتل کر دیا تھا۔ عبدالقیوم ضلع ہزارہ کی ایک دور افتادہ بستی غازی کار بنے والا تھا۔ مزدوری کرنے کے لیے کراچی آیا۔ تو ان دنوں آریہ سماج حیدر آباد سندھ کے سیکرٹری منتھورام نے ”ہسٹری آف اسلام“ نامی کتاب شائع کی تھی۔ یہ رنگیلار رسول (نعمت اللہ) جیسی کتابوں سے مانعہ مواد پر مشتمل تھی۔ وہ توہین رسول کو برداشت نہ کر سکے اور اس پر اچھا خاصہ ہنگامہ ہوا۔ اگرچہ منتھورام کو حکومت نے گزرتار کر لیا، لیکن وہ ضمانت پر رہا ہو چکا تھا۔ اس مقدمے

کے حالات بھی وہی رنگ اختیار کر گئے، جو پنجاب میں راجپال کے قتل سے پیدا ہو گئے تھے چنانچہ مقدمہ زیر سماعت تھا۔ ہندو مسلمان بھاری تعداد میں کارروائی سن رہے تھے۔ ایک دن نھورام اپنے دوستوں کے درمیان کمرہ عدالت میں خوش گپیوں میں مصروف تھا کہ غازی عبدالقیوم نے تیز دھار خنجر سٹا سے قتل کر دیا۔

دوران مقدمہ عبدالقیوم نے اپنے جرم کا اقرار کر لیا۔ اس کے باوجود کارروائی طویل تر ہوتی چلی گئی۔ آنو غازی صاحب کو سزا سننے موت کا حکم سنایا گیا اور تمام عدالتوں کے اپیل خارج ہو گئے۔ ۶۔ ۱۹۳۵ء کو پھانسی کا دن مقرر ہوا، مگر مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے جوش کے پیش نظر مقرر کردہ تاریخ ملتوی کر دی گئی۔ نیز اخبارات کو دفعہ ۱۲۲ کے تحت منع کر دیا گیا کہ وہ اس ضمن میں کوئی کارروائی شائع نہ کریں۔ اس سبب مسلمان قدرے مطمئن ہو گئے کہ شاید غازی کی سزائے موت عبور دریا سے شور میں تبدیل کر دی گئی ہے۔ لیکن ۲۰ مارچ کو یکایکی بغیر کسی اطلاع کے غازی عبدالقیوم کو پھانسی پر لٹکا دیا گیا اور ان کی لاش حکام جیل نے خود ہی دفن کر دی۔ مسلمانوں کو خباہت کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے لاش کو نکال کر اس کا جلوس نکالا۔ اس پر کراچی میں خاصہ ہنگامہ ہو گیا اور گویا فوج نے مسلمان ہجوم پر گولی چلا دی۔ اس کے نتیجے میں بقول ہوم سیکریٹری حکومت ہند، جس نے اسمبلی میں احوار کے نمائندہ خالد لطیف گابا کے جواب میں کہا کہ پینتیس مسلمان شہید اور ستر سٹھ کے قریب زخمی ہوئے ہیں۔ تینتیس کے قریب مسلمان ایسے تھے جنہیں معمولی زخم آئے۔

کراچی کے اس واقعہ نے ملک بھر میں سنبھلتے ہوئے فرقہ وارانہ حالات میں از سر نو ہر گھول دیا۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کی آنکھوں کے ڈور سے بھر مٹرخ دکھائی دینے لگے۔

یورپ کے سیاستدان اپنی جگہ مطمئن تھے کہ ہٹلر باوجود معاہدہ وارسائی سے ہٹلر کا انکار اپنی فوجی طاقت بڑھانے کے معاہدہ وارسائی سے انحراف نہیں کر سکتا۔ فرانس، برطانیہ کا اتحادی ہونے کے باعث مطمئن تھا۔ لیکن ۱۶ مارچ کو ہٹلر نے معاہدہ وارسائی سے باضابطہ طور پر انکار کر دیا اور ان تمام پابندیوں کی تعمیل سے انکار کر دیا جو تجدیدِ اسلحہ کے بارے میں جرمنی پر لگائی گئی تھیں۔ اور ساتھ ہی ہٹلر نے کھلم کھلا اسلحہ کی دوڑ

شروع کر دی۔ اس پر بھی برطانیہ اور فرانس نے کوئی اہمیت نہ دی۔ کیونکہ ان کے نزدیک جرمنی کے پاس اسلحہ بہت ہی کم ہے اور وہ اتنا زیادہ سا ان تیار نہ کر سکے گا جو ان کے لیے پریشانی کا باعث ہو۔ تاہم ہٹلر کے اس اعلان سے برطانوی سیاست دانوں کی بھنویں تن گئیں۔ اور ان کے ذہن کی تمام ابطاطاٹ گئی۔ فکر کے تمام نقشے بدل گئے، جو وہ جرمن کے متعلق سوچے ہوئے تھے۔ برطانوی دانشوروں کو یقین تھا کہ جرمن حبشہ کے خلاف اٹلی سے تعاون کرتے ہوئے اس طرانی میں شریک ہو کر اپنی محدود طاقت ضائع کر لے گا۔ اس بنیاد پر فرانس اور برطانیہ اٹالیہ اور حبشہ کی جنگ میں فریق نہیں بنے۔ لیکن ہٹلر نے باوجود اٹلی کا حاجی ہونے کے نہ صرف خاموشی اختیار کی بلکہ فرانس کے خلاف مہم شروع کی کہ فرانس اور روس کے معاہدہ سے سارے یورپ میں اشتراکیت کو پھیلنے کا موقع ملے گا۔ اور اس طرح سارے یورپ طالن کی آغوش میں چلا جائے گا۔ لہذا اقوام یورپ کا پہلا کام یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو اشتراکیت کے دیو ہیکل سے محفوظ رہے۔ جرمن اس سلسلے میں ہر ملک سے تعاون کرنے کو تیار ہے۔

یورپ کے قریباً سبھی سرمایہ داران حکومتوں پر غالب تھے۔ ان کے نزدیک روس کا نظارہ ان کی موت کا پیغام ثابت ہو سکتا تھا۔ اس لیے وہ جرمن پر ایگنڈے سے اس قدر متاثر ہوئے کہ عوام سمیت پورا یورپ اپنے حکمرانوں کے غلامانہ پیچھا اٹھا۔ ان حالات نے یورپ میں دوسری جنگ عظیم کے آثار مزید واضح کر دیے، جس سے برطانوی سیاست دانوں کے چہروں کی ہوائیاں اڑنے لگیں۔

ایکٹ ۱۹۳۵ء کے نفاذ سے ہندوستان بھی برطانیہ سے خوش نہیں تھا۔ ایسے میں برطانوی حکومت دو طرفہ مشکلات میں الجھ گئی۔ اگر یورپ میں دوسری بڑی اٹلانی کا کوئی امکان ہے تو ہندوستان کو ہندوستان کے تعاون کی بہر حال ضرورت ہوگی۔ کیونکہ اتحادیوں کو پہلی جنگ عظیم میں فتح ہر غلام ہندوستان نے بندھوایا تھا، اور مستقبل میں بھی یہی کام دے سکتے تھے۔ خصوصاً پنجاب کا صوبہ برطانیہ کی فوجی چھاؤنی سمجھا جاتا تھا اور اس صوبے کا امن حکومت کو اپنی ضرورت کے لیے نہایت اہم تھا۔ لیکن مجلس اسحاق جو اس راستے میں پہاڑ سے بھی بلند تر تھا۔ جبکہ نئے آئین کے تحت انتخابات قریب آ رہے تھے۔ ان حالات میں حکومت کسی ایسی پارٹی کو پنجاب کی غلامی

سو پنا پسند نہیں کرتی تھی جو اس کی منشاء کے خلاف ہو۔ چنانچہ اس اہم ضرورت اور سیاسی اغراض کے تحت یونینٹ پارٹی کو آگے بڑھایا گیا۔

یونینٹ پارٹی | ۱۸۵ء کے بعد جس طرح انگریزوں نے تعلیم کے بہانے سرسید کو آگے بڑھا کر مسلم اور غیر مسلم کے درمیان نفرت کی بنیاد ڈالی تھی۔ اسی طرح شہری اور دیہاتی کے درمیان تفریق پیدا کرنے کے لیے ۱۹۲۴ء کو میاں سرفضل حسین سے کام لیا گیا اس دور میں پنجاب کا گورنر سر نکم ہیلی تھا۔ یہ انگریزی اقتدار کا منہجا ہوا آدمی تھا اس نے جون ۱۹۲۴ء کو اپنے حیدرے کا چارج سنبھالتے ہی میاں سرفضل حسین کی حکومتی سرگرمیوں کو ذاتی طور پر پسند کیا۔ یہ حق پیش اصول کی نہیں محض انا کی خاطر تھی۔ گورنر نے سرفضل حسین سے (جو ۱۹۲۳ء میں یونینٹ پارٹی قائم کر کے سر جھوٹورام کی ہمارے میں پنجاب کونسل کے اندر کام کر رہے تھے) خواہ مخواہ لڑائی مولی اس کے نتیجے میں سر شہاب الدین اور احمد یار خاں دو لٹانہ کو آگے بڑھایا۔ پھر ان کے مقابل نون اور ٹوانے۔ زمیندار اور زراعت پیشہ لوگوں کے نمائندے بن کر سامنے آئے۔ آگے چل کر یہی لوگ یونینٹ پارٹی کھلائے اور ان کے رہنما سر میاں فضل حسین تھے۔

اس دوران میں ملک میں فرقہ وارانہ اور سیاسی تحریکات نے اس پارٹی پر منوں مٹی ڈال دی لیکن ایکٹ ۱۹۳۵ء کے تحت ہونے والے الیکشن کے لیے ان گڑھے مردوں کو غیر ملکی ہاتھوں نے پھر سے اکھاڑا۔ اول اس لیے کہ دیہاتی علوم پران و ڈیروں کا اثر تھا اور فوجی بھرتی کے لیے بھی انہی کا وجود اہمیت رکھتا تھا۔ دوسرا وہ ڈروں کی اکثریت بھی دیہاتوں میں تھی اور آئندہ انتخاب کا انحصار بھی اسی طبقے پر تھا۔

لہذا مجلس احرار اور اس طرح کی انتہا پسند جماعتوں کے خلاف انگریزوں کا اس محاذ کو منظم کرنا اہم سیاسی چال تھی۔

اس ضمن میں علامہ اقبال اپنی کتاب ”حرف اقبال“ کے ص ۱۱ پر لکھتے ہیں:

”شہزی اور دیہاتی مسلمان کی تمیز کے لیے کون ذمہ دار ہے؟ جس کی بدولت مسلمان جماعت بدگروہوں میں تقسیم ہو گئی اور دیہاتی حصہ خود ہیبت سے گروہوں میں بٹ گیا جو ہر دم آپس میں برسر پیکار رہتے ہیں۔“

سربرہٹ ایمرن پنجابی مسلمانوں کی صحیح قیادت کی عدم موجودگی کا گلہ کرتے ہیں
اے کاش! وہ سمجھ سکتے کہ حکومت کی اس شہری دیہاتی تمیز نے جسے وہ خود غرض
سیاسی جلد بازوں کے ذریعے برقرار رکھتی ہے، جماعت کو ناقابل بنادیا ہے کہ
وہ صحیح رہنما پیدا کر سکے۔ میرے خیال میں اس حربے کا استعمال ہی اس غرض
سے کیا گیا ہے تاکہ کوئی صحیح رہنما پیدا نہ ہو سکے۔“

اسی طرح کمیونسٹ پارٹی کے رہنما سجاد ظہیر (بھٹی) اپنے کتابچہ مسلم لیگ اور یونینسٹ
پارٹی کے صفحہ ۸ تا ۱۰ پر لکھتے ہیں:

۱۹۳۵ء میں میاں سرفضل حسین دائرے کی کونسل کی ممبری سے سبکدوش ہونے
کے بعد پنجاب واپس آئے۔ اس مرتبہ انہوں نے نیا بھیس بدلا اور فرقہ پرستی کی جھانڈ
آواز اٹھانے لگے۔ اس زمانے میں انہوں نے ایک گناہ مقلد شائع کرایا اور اس
میں پنجاب کی تمام مصیبتوں کا واحد علاج یہ بتایا کہ ایک غیر فرقہ دار پارٹی قائم کی جائے۔
میاں صاحب اس وقت تک فرقہ پرستی کے سب سے بڑے علمبردار تھے۔ ان کی اس
تبدیلی کو دیکھ کر لوگ حیران تھے۔ مگر میاں صاحب مرحوم کی کوئی بات مصلحت سے خانی
نہیں ہوتی تھی۔ ملک میں عنقریب نیا دستور آنے والا تھا۔ اس دستور نے پہلے کے
مقابلہ میں بہت زیادہ لوگوں کو حق رائے دی عطا کیا تھا۔ رجعت پسندوں کا راج
قائم رکھنے کے لیے نئی صوبائی اسمبلیوں میں اکثریت حاصل کرنا ضروری تھا اور اس
کی صورت صرف یہ تھی کہ بھی رجعت پسند کیا مسلمان اور کیا ہندو یا سکھ مل کر زور لگائیں۔
پہلی قانون ساز مجلسوں میں سرکاری اور نامزد کیے ہوئے ممبروں کی تعداد زیادہ ہو
کرتی تھی۔ حق رائے دہندگی بہت محدود تھا۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ فیروں
کو خود گورنر مقرر کیا جاتا تھا اور وہ کونسل کے منتخب ممبروں کے سامنے جواب دہ
نہیں ہوتے تھے۔ لیکن نئے دستور میں اب یہ باتیں ممکن نہ تھیں۔ پھر سب سے
بڑا خطہ یہ تھا کہ کانگریس نے انتخابات میں حصہ لینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

پنجاب کے مسلمانوں میں جمعیت اہرا کو بھی مقبولیت اور ہر ذمہ دار کی

یہ لوگ بھی ابتدا میں کانگریسی تھے اور آگے چل کر انہوں نے اپنی ایک علیحدہ جماعت قائم کر لی تھی۔ پنجاب کے سکھوں اور نوجوانوں میں کسان سبھا اور نوجوان سبھا کی تحریکیں کافی مضبوط ہو چلی تھیں۔ رحبت پسند لوگ یہ آثار دیکھ کر سمجھے جارہے تھے اس خطرے کا مقابلہ کرنے کی ایک ہی صورت تھی اور وہ یہ کہ ان تمام رحبت پسندوں کو ملا کر ایک مضبوط پارٹی قائم کی جائے جو کانگریس اور لیگ، اہوار اور کالیوں اور کسانوں اور مزدوروں کی دشمن ہو۔ نوکر شاہی کی بھی یہی خواہش تھی۔ ہندوستان میں محدود قسم کی جمہوریت بھی اس کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح کھٹک رہی تھی بہر صوبے کے گورنر اور ان کے سیکریٹریوں کے محکمے بھی طرح طرح کے منصوبے باندھ رہے تھے اور ساز باز کر رہے تھے تاکہ آنے والے انتخابات میں کسی طرح بھی جمہوری عناصر کو کامیاب نہ ہونے دیا جائے۔ انتخابی حلقوں کی حد بندی کے لیے جو کمیٹیاں مقرر کی گئیں انہوں نے قوم کے ان دشمنوں کے مفاد کا خیال رکھا۔ انتخابی حلقے اس طرح بنائے جارہے تھے کہ حکومت کے پھوڑوں اور رحبت پسندوں کو انتخاب لڑنے میں آسانی ہو۔ چنانچہ پنجاب میں میاں سرفضل حسین کے مشورے سے جو انتخابی حلقے بنائے گئے وہ پنجاب کے بڑے بڑے دولتمند زمینداروں کیلئے بے حد مفید تھے۔ قوم کے تمام رحبت پسند دشمنوں کو ایک جماعت میں لے آنا اور حکومت کے تمام جھگڑوں سے کام لے کر ان کو اسمبلی میں منتخب کرنا یہی یونینسٹ پارٹی کے بانی میاں سرفضل حسین کا سب سے بڑا مقصد تھا۔ لیکن میاں صاحب مرحوم بڑے ہوشیار تھے۔ انہوں نے اتنے پرہیز نہیں کیا انہوں نے ترقی پسند جماعتوں کو ایک دوسرے سے لڑانے کی بھی کوشش کی۔ ان کو امید تھی کہ اگر مسلمانوں کی ترقی پسند جماعتوں مثلاً مسلم لیگ، کانگریسی مسلمانوں، اتحاد ملت اور جمعیت احرار میں آپس میں اتفاق پیدا ہو جائے اور یہ سب مل کر کانگریس سے متحد نہ ہونے پائیں تو یونینسٹ پارٹی یعنی رحبت پسندوں کی متحد پارٹی کی کامیابی بالکل یقینی ہو جائے گی۔ مختصر یہ کہ یونینسٹ پارٹی کی کامیابی چار باتوں پر منحصر تھی۔

پہلی یہ کہ پنجاب کے تمام رجسٹریٹڈ خاندانوں کے بڑے بڑے دو متمند زمیندار
خطاب یافتہ حضرات، وظیفہ یاب فوجی افسر، کپتان امیر، ٹیننٹ، اڈیلدار، دگاؤں کا
سرنج، نمبردار، دگاؤں کا تحصیلدار، دو متمند مناجن وغیرہ سب متحد ہو جائیں۔ یہ تمام عناصر
برطانوی سامراج کی پیٹلوار اور اسی کے پروردہ ہیں۔ ان کو صرف اپنے حلوے مانڈے
سے مطلب ہے اور تختِ وطنی اور جمہوریت سے وہ نفرت کرتے ہیں۔

دوسرے یہ کہ سامراجی نوکر شاہی کی طاقت سے پورا فائدہ اٹھایا جائے۔ اس کی
خاص صورت یہ تھی کہ انتخابی حلقوں کی حد بندی کرنے میں یونینسٹ پارٹی کے ممبروں
کی سہولتوں کا خیال رکھا جائے۔ پھر اس کام میں منسلح مجسٹریٹوں، پولیس اور منسلح کے
چھوٹے بڑے تمام افسروں کی مدد حاصل کی جائے تاکہ وہ مخالف امیدواروں کو
ہر طرح ہراساں اور پریشان کریں اور عوام کو طرح طرح سے مجبور کر کے یونینسٹ
ممبروں کو ووٹ دلوائیں۔

تیسرے یہ کہ پنجاب میں چونکہ مسلمانوں کی اکثریت ہے اس لیے اس امر کا خاص
خیال رکھنا چاہیے کہ تمام مسلمان ایک ترقی پسند پروگرام کی بنیاد پر اس میں متحد ہو سکیں۔
چوتھے اس بات کی کوشش کرنی چاہیے کہ ترقی پسند مسلمانوں کا انگریزوں
اور کالیوں کا کوئی متحدہ محاذ قائم نہ ہو سکے۔ ایسا متحدہ محاذ اگر قائم ہو گیا تو اس کا
مطلب یہ ہو گا کہ پنجاب کے لوگوں کی اکثریت متحد ہو گئی اور اس کا نتیجہ صرف یہی ہو
سکتا ہے کہ نوکر شاہی اور اس کے پٹھوؤں کو شکست ہو اور جمہور کا میاب ہوں۔
اس لیے اس خطرے کو کبھی بھولے سے بھی پاس نہیں آنے دینا چاہیے۔

پنجاب کے رجسٹریٹڈ خاندانوں کے یہی منصوبے تھے اور ان کی پشت پر
سامراج کی طاقت تھی۔

مختصر یہ کہ اسی پالیسی کے تحت ان دنوں پنجاب میں قمر فضل حسین نے عام چرچے ہونے
لگے۔ سرکاری اور نیم سرکاری لوگ انہیں عام دعوؤں پر مدعو کرتے۔ روزنامہ انقلاب لاہور خاص
اس مشن میں پیش پیش تھا۔ یہاں تک کہ یوم سرفضل حسین منایا گیا۔ سرمایہ داروں کی زبان کی دھمکی

مانگی گئیں۔ بلدیہ لاہور نے انہیں سپتامبر پیش کیا۔

یہ سارا کچھ آئندہ الیکشن کی تیاریوں کا پیش خیمہ تھا، کیونکہ میاں سرفضل حسین یونیورسٹی پارٹی کے سربراہ مقرر ہو رہے تھے۔ اور اس کھیل کو کامیاب بنانے کے لیے سر سکندر حیات کو زیر و بنک کا ڈپٹی گورنر بنا کر کلکتہ بھیج دیا گیا تھا۔ یہ ۲۰ فروری ۱۹۳۵ء کا واقعہ ہے۔

کیمینٹل ایوارڈ کانفرنس | ۲۲ مارچ۔ دہلی میں نواب ڈھاکہ کی صدارت میں آل انڈیا کیمینٹل ایوارڈ کانفرنس ہوئی۔ جس میں دیگر رہنماؤں کے علاوہ یہ لوگ بھی خاص طور پر دعوت میں شریک ہوئے۔

نواب آف چٹاری، مولانا شوکت علی، سراسے ساج، غزنوی، سر محمد یعقوب، سرفلام حسین ہدایت اللہ، سر محمد یامین خاں، خواجہ حسن نظامی، سیٹھ عبداللہ ہارون، راجہ خضر علی، مولانا شفیع داؤدی، اسید غلام بھیک، نیرنگ، سراسے کے فضل حق اور نمائندہ احرار سطر خالد لطیف گابا ایڈووکیٹ لاہور۔

اس کانفرنس میں حسب ذیل قرارداد منظور ہوئی۔
 ”کانفرنس کی رائے ہے کہ فرقہ وارانہ فیصلہ مسلمانان ہند کے جائز مطالبات سے کلیتاً کم ہے۔ لیکن چونکہ ملک کے سامنے اس سے بہتر کوئی سکیم موجود نہیں جس کو بالاتفاق منظور کیا گیا ہو اس لیے مسلمانوں نے یہ عزم کر لیا ہے کہ اسی کو منظور کر لیا جائے۔ اور جب تک فرقہ وارانہ فیصلے کے متعلق کوئی متفقہ فیصلہ منظور نہیں ہو جاتا اسی ناروایا پر عمل کیا جائے۔“

حادثہ کراچی پر احتجاج | ۲۰ مارچ کو خاری عبدالقیوم کو پچاسی دینے کے بعد کراچی میں مسلمانوں کے اجتماع پر جو ظلم ہوا۔ مرکزی مجلس احرار نے ۲۲ مارچ کو اس کے خلاف بطور احتجاج لاہور میں چودھری افضل حق ایم ایل سی کی صدارت میں ایک عام اجلاس منعقد کیا، جس میں مولانا حبیب الرحمن کی تقریر کے بعد حسب ذیل قرارداد منظور ہوئی۔
 ۱۔ یہ اجلاس کراچی میں گولی چلانے کے خلاف جس سے متحد مسلمان شہید ہوئے ہیں زبردست مددائے احتجاج بلند کرتا ہے اور حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ

اس واقعہ پر غیر جانبدارانہ تحقیقاتی کمیٹی قائم کی جائے۔ نیز اس حادثے میں شہید ہونے والوں کے ورثہ اور مجروحین کی مناسب امداد کی جائے۔

۲۔ یہ اجلاس مناسب سمجھتا ہے کہ کراچی کے حادثہ خونی کے خلاف حدائے احتجاج بند کرنے کے لیے انفرادی کوششوں کی بجائے اجتماعی کارروائی کی جائے۔ چنانچہ یہ اجلاس قراردادیں ہے کہ ۲۹۔ مارچ ۱۹۲۵ بروز جمعہ تمام جماعتیں کراچی کے حادثہ کے خلاف آواز بلند کریں اور آزادانہ تحقیقات کا مطالبہ کیا جائے۔ نیز شہداء کے پسماندگان کی امداد کے لیے روپیہ فراہم کر کے ریلیف کمیٹی کراچی کو بھیجا جائے۔

کراچی کے حادثہ کی تحقیقات کے لیے مجلس احرار مرکز کی طرف سے **احرار وفد کراچی کو** مولانا عبدالغفار غزنوی کی قیادت میں ایک وفد ۲۶۔ مارچ کو کراچی روانہ کیا گیا۔ اسی طرح سکھ (سندھ) میں احوار کا اجتماع ڈاکٹر محمد عمر کی صدارت میں ہوا اور اسی طرح کی قرارداد منظور ہوئی۔

پریس نوٹ صدر مرکزی مجلس احرار اسلام ہند مولانا حبیب الرحمن کے بیان اور مجلس احرار کی تائید میں روزنامہ ”الغلاب“ لاہور نے ۲۹۔ مارچ کے شمارہ میں حسب ذیل نوٹ شائع کیا۔

”ہزار اختلاف کے باوجود جو ہمیں مجلس احوار سے ہے، ہم اس بات کی حمایت اور تائید کرتے ہیں کہ ۲۹۔ مارچ کو کراچی حادثہ کے خلاف اجتماعی طور پر پورے ہندوستان کے ساتھ یوم احتجاج منایا جائے۔“

ایک اہم الزام کی تردید | سندھ کے ذمہ دار پولیس حکام نے کراچی میں عوام پر گولی چلانے کے جواز پر اعلان کیا کہ سرکاری حکام نے غازی عبدالقیوم کی لاش دفن کر دی تھی لیکن عوام نے قبر کھود کر غازی مرحوم کی لاش نکال لی۔ اس کا جلوس نکالاجس سے شہر میں فساد کا خطرہ تھا۔

پولیس کا مذکورہ بالا اعلان شریعت کے خلاف تھا کہ غازی مرحوم کی لاش قبر کھود کر نکالی گئی ہے۔ اس پر سندھ کے ذمہ دار افراد نے ۲۷۔ مارچ کو حسب ذیل اعلان شائع کیا۔

”یہاں تک تو درست ہے کہ پولیس نے غازی کی میت کو لحد میں اتار دیا تھا۔
لیکن اس پر نہ تو ہنوز پتھر رکھے گئے تھے اور نہ ہی مٹی ڈالی گئی تھی۔ مسلمانوں کے
اصرار پر ذمہ دار حکام نے شید کا منہ دیکھنے کی اجازت دے دی اور اس کے لیے
لاش نکال کر باہر رکھ دی تاکہ لوگ شید کا منہ دیکھ سکیں۔
لہذا یہ غلط ہے کہ قبر کھود کر لاش نکالی گئی ہے۔“

جمعیتہ علمائے ہند نے کراچی کے واقعہ پر زبردست احتجاج کیا اور اس ضمن میں صدر جمعیتہ
علمائے ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ نے اپنے پریس بیان میں کہا کہ پولیس نے گولی چلا کر
نہایت سفاکی کا مظاہرہ کیا ہے۔

روس اور برطانیہ میں اتحاد | ہندوستان بھر کے اخبارات نے ۲۰ اپریل کو یہ خبر جلی عنوان
سے شائع کی کہ۔

”برطانیہ کے نائب وزیر خارجہ انٹونی ایڈن نے دورہ اسکو کے موقع پر روس کے
ڈکٹیٹر سٹالن سے ملاقات کی کہ آئندہ روس اور برطانیہ بین الاقوامی حالات
میں ایک دوسرے کے دوست رہیں گے۔“

نوٹ: مندرجہ بالا خبر کو ہٹلر کے ۱۶ مارچ کے اعلان کے پس منظر میں دیکھنا چاہیے۔ روس
اور برطانیہ اتحاد و راصل جرمین اور جاپان کے خلاف ایک تحریک ہے۔

۲۰ اپریل کو حکومت بمبئی نے ہوم سیکریٹری کے مشورے پر مجلس احرار
تحقیقات سے انکار | کے اس مطالبے کو ٹھکرا دیا کہ کراچی کے واقعہ کی غیر جانبدارانہ تحقیقات
کی جائے۔

اس سے انکار کرتے ہوئے گورنر بمبئی اور وائسرائے ہند نے اپنے مشترک فیصلے میں
نہ تو رام کے قتل پر روشنی ڈالتے ہوئے تمام واقعات تفصیل سے بیان کرتے ہوئے کہا کہ
ان حالات کے پیش نظر مزید کسی تحقیقات کی ضرورت نہیں۔

اس سرکاری بیان کے خلاف راجہ غنیمت علی نے سنٹرل اسمبلی میں تجویز پیش کی کہ کراچی سے
متعلق از سر نو تحقیقاتی کمیٹی قائم کی جائے۔ نیز مسلم اخبارات نے بھی اس پر زور دیا اور مجلس احرار نے

حکومت کے اس ایک طرف فیصلے پر سخت احتجاج کیا۔ سنٹرل اسمبلی کے ممبر خالد لطیف گلہانے اپریل کو پریس بیان میں کہا کہ

”حکومت بمبئی کے اعلان کو صرف ایک فرقی یا ایک طرفہ بیان کہا جاسکتا ہے۔ کوئی شخص بھی اسے کسی غیر جانبدار ٹریبونل کا فیصلہ قرار نہیں دے سکتا۔ تحقیق سے انکار کا مطلب یہ ہے کہ حکومت کسی غیر جانبدار تحقیقات سے گریز کر رہی ہے اور یہ بیان بھی خود مشکوک اور حکومت کی مذمت کے لیے کافی ہے۔ اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا گیا کہ ہجوم کو میوہ شاہ کے قبرستان میں جمع ہونے سے روکا جاسکتا تھا، یا منتشر کیا جاسکتا تھا۔ اور نہ ہی اس بات کا کوئی جواب دیا گیا ہے کہ گولی چلانے سے پہلے کوئی انتباہ ہی کیا گیا ہو۔“

اسمبلی میں تحریک ایتھو پر جن لوگوں نے ووٹ دیے ان میں زیادہ تر ہندو شامل تھے۔ لیکن مسلمانوں نے ان کے خلاف کبھی اس بنا پر اعتراض نہیں کیا کہ ایک صریح طور پر فرقہ واریت کے لیے ان کو شامل نہیں کرنا چاہیے تھا۔“

شیخ عبدالمجید سندھی کا استعفیٰ | مذکورہ بالا تمام کارروائی کا جب حکومت نے کوئی اثر قبول نہ کیا تو ۱۲- اپریل ۱۹۳۵ء کو شیخ عبدالمجید سندھی

نے بمبئی کونسل کی ممبری سے استعفیٰ دے دیا اور اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ:

”میں نے بحیثیت صدر ہونڈہ کراچی لیگ۔ وائسرائے ہند کو باہمی گفتگو کے موقع پر مطلع کر دیا تھا کہ تحقیقات کے لیے ایک خالص غیر مسلم کمیٹی قائم کی جائے لیکن افسوس ہے کہ میرے اس مطالبے کو ٹھکرا دیا گیا اور نہ ہی سرکاری بیان میں میرے مطالبے کا کوئی ذکر کیا گیا ہے۔ اس حادثہ میں پچاس کے قریب مسلمان شہید ہوئے اور ایک سو پچاس زخمی۔ مگر اس عظیم حادثہ کی غیر جانبدار تحقیقات سے وائسرائے ہند نے صاف انکار کر دیا ہے۔“

انہی حالات تمام مسلمانوں کو حکومت کی اس روش پر نہایت رنج اور غصہ ہے۔ چنانچہ اس کے اظہار کے لیے میرے پاس دوسرا کوئی ذریعہ نہیں کہ میں

بمبئی کو نسل کی رکنیت سے مستعفی ہو جائیں۔

اس روز جمعیتہ علماء نے ہند کے صدر اور ناظم اعلیٰ مفتی کفایت اللہ اور مولانا احمد سعید نے حکومت ہند کو انتباہ کیا کہ کراچی کے حادثہ کی اگر غیر جانبدارانہ تحقیقات روک دی گئی تو اس کا نتیجہ حکومت کے حق میں بہتر نہیں ہوگا۔

احرار کے خلاف ملک گیر مہم | جیسے کہ اوپر عرض کر دیا گیا ہے کہ برطانوی ہند کے نزدیک پنجاب ہندوستان کے دیگر صوبوں سے عسکری اعتبار سے کہیں زیادہ اہمیت رکھتا تھا۔ غیر ملکی حکومت کو اپنے اقتدار کی طنائیں سنبھالنے کے لیے جن چوبداروں کی ضرورت تھی۔ پنجاب کے بعض اضلاع کو اس میں اولیت حاصل رہی۔ مجلس احرار آل انڈیا تنظیم ہونے کے باوجود پنجاب پر خاصہ اثر رکھتی تھی۔ آل انڈیا کانگریس کے بعد حکومت مجلس احرار پر خاصی نظر رکھتی تھی۔ اور اس کے خلاف ہر روز نئے چیلے بہانے تراشے جاتے۔

۱۸۔ اپریل ۱۹۳۵ء کے روزنامہ ”الغلاب“ لاہور کا ایک بیان ملاحظہ ہو۔
 ”عالمگیر اور عالم سوز جنگ شروع ہونے پر تمام بین الاقوامی خانہ جنگیاں ختم ہو جاتی ہیں۔ اور ملک کے تمام باشندے بلا اختلاف مذہب و ملت بیرونی طاقتوں کے مقابل تیار ہو جاتے ہیں اس طرح جب کسی گاؤں میں یا قصبہ میں مسلح نوجوانوں کو شب تاریک کی پرہ پوشی سے فائدہ اٹھا کر حملہ آور ہوتے ہیں تو وہاں کے تمام لوگ بلا امتیاز مذہب و ملت، دوست و دشمن مدافعت کے واسطے تیار ہو جاتے ہیں۔“

آج ہندوستان کے مسلمان بھی ایسی محشر خیز مشکلات میں مبتلا ہیں ہندوستان کے طرز حکومت میں جو تبدیلیاں منقریب رونما ہونے والی ہیں۔ ان میں اگرچہ گورنر اور گورنر جنرل کو غیر محدود اختیار دے دیے گئے ہیں۔ باوجود اس کے اکثریت قوت زور اقتدار سے اقلیت کو کچلنے اور مٹانے کے واسطے اصلاحات جدید کی زیر حمایت کافی ضرب لگا سکتی ہے۔

ایسی حالت میں مسلمانان ہند کا یہ فرض ہے کہ اس وقت وہ اپنے اندرونی اختلاف کو بالائے طاق رکھ کر کامل یک جہتی اور اتفاق کے ساتھ ایک متحدہ آواز میں اپنے حقوق کی حفاظت اور اپنی مذہبی آزادی اور روایات کو قائم رکھنے کے واسطے میدانِ عمل میں گامزن ہوں۔ لیکن افسوس ہے کہ اس وقت بھی مسلمان خانہ جنگی میں مبتلا ہیں اور فروعی مسائل میں مذہبی اختلاف کو اور ایک فرقے کو دوسرے فرقے کی تخریب اور نسبت و شتم میں مبتلا کر رہے ہیں، جس کی وجہ سے ہمارا قومی وقار اور اثر غیر قوموں کی نظر میں روز بروز گرتا جا رہا ہے۔ چنانچہ آج بھی سنی، شیعہ اور وہابی۔ بدعتی کے اختلافات کونسل اور اسمبلی کے انتخاب میں نہایت بدنامصورت اختیار کر لیتے ہیں۔ اور بعض بالخصوص پنجاب کے بعض اضلاع میں عوامتہ المسلمین اور فرقہ احمدیہ کے مابین مخالفت نے ایک ایسی خطرناک صورت اختیار کر لی ہے، جس سے آئندہ ناخوشگوار نتائج پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔

ان حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے ہم مسلمانوں سے پرزور اپیل کرتے ہیں کہ خدا کا کم از کم اس وقت کی خانہ جنگی اور اندرونی نزاعات سے قطع نظر کر کے کامل اتحاد اور اتفاق کے ساتھ اصلاحات جدید میں اپنے حقوق کو محفوظ اور مضبوط کرنے کے واسطے ہمہ تن مصروف ہو جائیں۔ اور بلا اختلاف عقائد مسلمانوں میں جو شخص مفید اور کارآمد ثابت ہو اس کی پوری اعانت اور مدد کریں۔

الداعیان

- ۱۔ آنریبل نواب بہادر خواجہ حبیب اللہ ممبر کونسل آف سٹیٹ ڈھاکہ۔
- ۲۔ آنریبل مسٹر محمد سہروردی ممبر کونسل آف سٹیٹ بنگال۔
- ۳۔ آنریبل سید محمد پاشا۔ بہار۔ ممبر کونسل سٹیٹ مدراس۔
- ۴۔ آنریبل سر محمد یامین خاں۔ سی آئی اے ممبر کونسل آف سٹیٹ یوپی۔
- ۵۔ آنریبل عبدالحفیظ ممبر کونسل آف سٹیٹ بنگال۔
- ۶۔ آنریبل خاں بہادر علی بخش، محمد حسین سندھ ممبر کونسل آف سٹیٹ۔

۷۔ آنریبل جن امام بہار اٹلیسیہ۔ ممبر کونسل آف سٹیٹ۔

۸۔ اے۔ کے۔ فضل حق۔ ممبر اسمبلی بنگال۔

۹۔ خاں صاحب شیخ فضل حق پراچہ۔ ممبر اسمبلی دبیرہ ضلع سرگودھا۔

۱۰۔ نبی بخش الہی بخش بھٹو۔ ممبر اسمبلی۔

۱۱۔ اے۔ ایچ۔ عبداللہ۔ ممبر پنجاب۔ کونسل۔

۱۲۔ پکتان سردار شیر محمد خاں۔ سی۔ آئی۔ اے۔ ایم۔ بی۔ ای۔ ممبر اسمبلی پنجاب۔

۱۳۔ محمد ابراہیم ہارون۔ ممبر کونسل۔ ممبئی۔

۱۴۔ خاں صاحب صدیق علی خاں ممبر اسمبلی۔ سی۔ پی۔

۱۵۔ میجر نواب احمد نواز خاں۔ سی۔ آئی۔ اے۔ یو۔ پی۔ ممبر اسمبلی۔

۱۶۔ مولوی سر محمد یعقوب۔ کے۔ اے۔ ممبر اسمبلی۔

۱۷۔ خواجہ حسن نظامی۔

اس بیان سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ احرار کے خلاف کن طور سے سازش ہو رہی تھی

۲۰۔ اپریل کو لاہور میں انجمن حمایت اسلام کا چھ سو سالانہ

حمایت اسلام کی قرارداد | اجلاس نواب چھتاری کی صدارت میں منعقد ہوا کہ عوام نے

انجمن کے نمائندوں سے مطالبہ کیا کہ چونکہ سر ظفر اللہ مسلمانوں کا نمائندہ نہیں، لہذا اس

اجلاس میں اس کے خلاف قرارداد پیش کی جائے۔ اس پر تمام اجلاس میں ہنگامہ ہو گیا۔

اور صدر سمیت تمام لوگ پنڈال سے اٹھ کر باہر چلے گئے۔ اتنے میں عوام نے شیخ قتیبت

کر لیا اور حافظ محمد یعقوب نامی ایک شخص کی صدارت میں انجمن کا منتشر اجلاس دوبارہ شروع

ہوا تو سر ظفر اللہ کے خلاف قرارداد پیش ہو کر پاس ہو گئی۔ قرارداد کے الفاظ یہ تھے۔

”چونکہ سر ظفر اللہ قادیانی ہے اور قادیانی مسلمان نہیں اس لحاظ سے ظفر اللہ

غیر مسلم ہے لہذا اس کو وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل سے فوراً الگ کر دیا جائے۔“

حادثہ کراچی کی تحقیقات سے حکومت کا انحراف

کراچی کے حادثہ پر احتجاج | عوام میں اشتعال کا باعث بنتا چلا گیا۔ ۲۱۔ اپریل

کو مرکزی مجلس احوار نے لاہور دہلی دروازہ میں چودھری افضل حق ایم ایل سی کی صدارت میں ایک عوامی اجلاس منعقد کیا، جس میں سنٹرل اسمبلی کے ممبر مسٹر خالد لطیف گابا نے تقریر کرتے ہوئے کہا:

”میں نے اسمبلی میں کراچی گولی چلانے کے متعلق صدارتے احتجاج بند کرتے ہوئے جو تحریک التوا پیش کی وہ کثرت آراء سے منظور ہو گئی۔ تمام مسلم ارکان اسمبلی اور کانگریسی ارکان نے بھی تحریک کے حق میں ووٹ دیے۔ حکومت نے اس کے باوجود تحقیقاتی کمیشن مقرر کرنے سے انکار کر دیا۔

میری قرارداد کا منشا وہ تھا کہ حکومت کی حکمت عملی کی مذمت کی جائے اور حکومت سے مطالبہ کیا جائے کہ کراچی میں نہتے اور پر امن ماحولی جلوس پریاترنگ کے متعلق تحقیقات کے لیے ایک کمیٹی مقرر کی جائے۔ گولی چلانے والے افسر کو سزا اور سپانڈگان شہداء اور مجروحین کو کافی تاوان دیا جائے۔

تحریک منظور ہو چکی ہے لیکن حکومت اپنے حکام کے منظم پر پردہ ڈالنے کی غرض سے تحقیقات کرنے سے انکار کر رہی ہے۔ اگر حکومت سچائی پر ہوتی تو تحقیقات سے ہرگز انکار نہ کرتی؟

اس کے بعد اسمبلی میں مجلس احوار کے دوسرے نمائندے سید محمد احمد کانہمی ایڈووکیٹ الہ آباد ہائی کورٹ نے جلسہ میں، تقریر کے دوران کہا۔

”تحقیق کے گریز سے ثابت ہوتا ہے کہ حکومت خفائے کو چھپانے پر تلی ہوئی ہے۔ میں اس بات کا اعلان کرتا ہوں کہ حکومت کو تحقیقات کرانی پڑے گی اور پبلک کی پوزور آواز کے سامنے جھکن پڑے گا۔ نیز جو لوگ کراچی کے حادثہ کو فرقہ وارانہ رنگ دے رہے ہیں وہ ملک اور قوم کے دشمن ہیں۔“

اس کے بعد شیخ عبدالمجید سندھی سابق ایم ایس نے جو علی کراچی سے اور ای ڈی ونگ کمیٹی کے اجلاس میں شرکت کی غرض سے لاہور آئے تھے۔ تقریر کے دوران کہا:

”میں مسلمانان سندھ کی طرف سے مسٹر خالد لطیف گابا اور مجلس احوار کا شکریہ

ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے مطلوبوں کی حمایت میں اسمبلی کے اندر اور سارے ملک میں حصہ لیا۔

حکومت بمبئی نے اعلان شائع کر دیا ہے کہ اب تحقیقات کی ضرورت نہیں حالانکہ حکومت کے ذرائع میں تھا کہ بے گناہ ہجوم پر گولی چلانے والوں کے خلاف پورا پورا نوٹس لیتی۔ مجروحین اور شہداء کے پسماندگان کو معقول مالی امداد دی جاتی۔ لیکن حکومت نے ایسا نہیں کیا بلکہ حکومت کی طرف سے حکام کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے اور انہیں گولی چلانے میں حق بجانب قرار دیا جا رہا ہے۔
 نتھورام کے قتل کو چھ ماہ گزر چکے ہیں۔ لیکن اس عرصہ میں کراچی میں کوئی فرقہ وارانہ فساد نہیں ہوا۔ بلکہ کوئی معمولی جھگڑا تک نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ عبدالقیوم شہید کے جنازے کے ساتھ ہندو پھیری والے موجود تھے مسلمانوں نے انہیں ایک لفظ تک نہیں کہا۔ ہندو اخبارات کے نمائندے موجود تھے۔ انہیں بھی کچھ نہیں کہا گیا۔ اس بنا پر حکومت کے بیانات میں شب و روز کا تضاد ہے۔ ہوم ممبر کونسل آف اسٹیٹ کا بیان ہے کہ گولی چلانے والوں کی تعداد پینتیس تھی۔ انڈر سیکرٹری گورنمنٹ آف انڈیا کا بیان ہے کہ گولی چلانے والے پچیس تھے جنہوں نے رائنڈ چلائے۔ لیکن حکومت بمبئی کا ہوم سیکرٹری ان کے متعلق بالکل خاموش ہے۔ حکومت کے ان بیانات میں اس قدر فرق موجود ہے کہ جس سے پتہ چلتا ہے کہ حکومت حقائق کو چھپانے کی ناکام کوشش کر رہی ہے۔“

آخر میں چودھری افضل حق کی تقریر کے بعد جلسہ ختم ہوا۔

مرکزی احرار ورکنگ کمیٹی کا اجلاس آل انڈیا مجلس احرار کی جنرل کونسل کا اجلاس ۲۲۔ اپریل کو مولانا حبیب الرحمن کی صدارت میں

مرکزی دفتر لاہور میں حادثہ کراچی پر غور کرنے کے لیے منعقد ہوا۔ جس میں محمد اصرار کاظمی ایم ایل ایس شیخ عبدالمجید سندھی، چودھری افضل حق ایم ایل سی، خالد لطیف گایا ایم ایل ایس مولانا منظر علی

آطہ ایم ایل سی۔ سید عطار اللہ شاہ بخاری۔ شیخ حام الدین، مولانا داؤد غزنوی نے شرکت کی۔
اجلاس میں حادثہ کراچی پر مندرجہ ذیل قرارداد پاس ہوئی۔

”مجلس احرار کا یہ مرکزی اجلاس حادثہ کراچی پر اپنے غم و غصہ کا اظہار کرتا ہے۔
اور اس بات کا یقین رکھتا ہے کہ فرنگی بلا وجہ، بلا ضرورت ظالمانہ رویہ اختیار کیے
ہوئے ہیں۔ نیز یہ اجلاس اس حقیقت کے اظہار کو نہایت ضروری خیال کرتا
ہے کہ حکومت کا واقعہ کراچی کی تحقیقات سے انحراف کرنا دو باتوں کا بین
ثبوت ہے۔“

اول: حکومت کے پاس نہتے ہجوم پر گولی چلانے کا کوئی تسی بخش جواب نہیں۔
دوم: حکومت مسلمانوں کو کمزور اور مردہ سمجھتی ہے اور مسلمانوں سے یہ توقع نہیں رکھتی
کہ وہ اپنے مطالبات حکومت سے منوانے کے لیے قربانی دے سکتے ہیں اس
اجلاس کی رائے ہے کہ فی الفور تمام اسلامی جماعتوں کا نمائندہ اجتماع مسلمانان کراچی
کے مشورے پر منعقد ہونا چاہیے تاکہ تمام صورت حال پر غور کر کے مناسب رویہ
اختیار کیا جائے۔“

یہ قرارداد مولانا عبد الغفار غزنوی کی طرف سے پیش ہوئی اور اس کی تائید چودھری افضل حق
نے کی۔ یہ قرارداد بلا کسی اختلاف کے منظور ہو گئی۔
اس کے بعد ایک اور قرارداد سید محمد احمد کاظمی نے پیش کی جس کی تائید میں خالد لطیف گانا
نے کہا:

”یہ اجلاس اسمبلی میں واقعہ کراچی کے التواء کی تجویز کے بارے میں کانگریس
پارٹی کے تعاون کو بنظر استحسان دیکھتا ہے۔ اور سٹر بھولا بھائی ڈیسانی لیڈ
آف کانگریس پارٹی اور دیگر مسلم ممبران تائید کنندگان کی خدمت میں مدینہ تبریک
پیش کرتا ہے اور ان سب کی خدمت میں مجلس احرار کی طرف سے مبارک باد
پیش کرتا ہے کہ ان کی انصاف پسندی نے ایسے نازک وقت میں ملک کی
مکد نفسا کو ایک حد تک سارگازر رہنے دیا۔ نیز امید ہے ان کا تدبیر معاملات

چیز ذیل نمبر

این کتاب در دسترس عموم است و به هر کس که بخواهد می‌تواند آن را از کتابخانه عمومی شهر تهران یا از کتابخانه شخصی خود بردارد.



لاهور

اشعراک

سفالند

شعراک

سماهی

باز

فی پوچک آواز

The Daily **CURER** Lahore.

ج. لاهور - یوم شنبه یکم شعبان الحظ ۱۳۵۰ التقنی مطابق ۱۳ دیکبر ۱۹۳۱ عیسوی

مربا



پردہ موت سے نکلنے کی حیات جاوید
جس نے دھایا تھا جتنی کم ظن کی بنیادوں
ہدیاں جتنی ہیں چونا تو ہو ہے گارا

ہکلاؤ ۱۰ اپریل ۱۹۳۳ء

کیوں ہوں آج اس اخبار کے گم گم چرچے
جس کے اوراق کی زینیت مرے اشعار ہوئے

ظفر علی خاں

کے مسلمان شہادت کے طلبگار ہوئے
پھر مسلمان اسی جذبہ سے سرشار ہوئے
قصہ آراؤں کی کشمیر کے بہت رات ہوئے

مجلس احرار اسلام کا پہلا روزنامہ

کو اصل روشنی میں پیش کر کے فرقہ وارانہ کشمکش دور کر کے باہمی رواداری کو ترقی دے گا۔

قادیانیوں کا سالانہ بجٹ | احرار کے خلاف حکومت ہی مصروف کار نہیں تھی۔ رحبت پسند طاقتوں کی رہنمائی میں قادیانی ٹولہ بھی احرار سے اپنا انتقام لینا چاہتا تھا۔ چنانچہ ۲۳۔۱۰۔۱۹۳۵ء کو قادیان میں مرزائیوں کا سالانہ اجلاس ہوا۔ تو انہوں نے آئندہ سال کے لیے گیارہ لاکھ روپے کا بجٹ منظور کیا۔ اس میں ستر ہزار روپیہ جماعت مرزائیہ کے پروپیگنڈہ کے لیے اور بیاسی ہزار روپیہ اندرونی نظم و ضبط پر خرچ کرنے کے لیے۔

”روزنامہ انقلاب ۲۲۔۱۰۔۱۹۳۵ء“

تحریک مرزائیت سے آج تک قادیانیوں نے اس قدر بھاری بجٹ کبھی پاس نہیں کیا! اب دیکھنا ہے کہ یہ روپیہ کہاں اور کس طرح خرچ ہوتا ہے؟

بخاخ، راجندر فارمولا کی اشاعت | ۲۲۔۱۰۔۱۹۳۵ء کے اخبارات میں راجندر بخاخ فارمولا کا متن شائع کر دیا۔ جس میں حسب ذیل

تجاویز پر بحث ہوتی رہی، جو بنگالی ہندو اور پنجابی مسلمان کی طرف سے پیش کی گئی تھیں۔

۱۔ فرخچائز۔ اس اسلوب پر مرتب کیا جائے کہ صوبہ جات اور مرکزی انتخابات، مختلف اقوام کی آبادی کا تناسب قائم رہے۔ اور اس مقصد کے حصول میں اگر ضرورت پڑے تو پھر مستقل فرخچائز کے اصول کو اختیار کر لیا جائے۔

۲۔ حلقہ ہائے انتخاب، نیابت کو غلط ملط نہیں کیا جائے گا۔

۳۔ پنجابی سکھوں کو یہ اختیار دیا جائے گا کہ فرقہ وارانہ اعلان میں ان کو جو نشستیں دی گئی ہیں، ان کو مد نظر رکھتے ہوئے وہ اپنی مرضی کے مطابق حلقہ ہائے نیابت منتخب کریں۔ اس کے بعد ہندوؤں کو فرقہ وارانہ اعلان کی مقررہ نشستوں کے مطابق حلقہ ہائے نیابت کے انتخاب کا موقعہ دیا جائے گا۔ اور اس کے بعد فرقہ وارانہ اعلان کے مطابق باقی حلقہ ہائے نیابت مسلمانوں کو دیے جائیں گے۔ یورپین ہندوستانی عیسائیوں، انینگلو انڈین اور خاص حلقہ ہائے انتخاب ان میں

شامل نہیں ہیں۔

۴۔ بنگالی ہندو اور مسلمانوں کے درمیان یہ سمجھوتہ ہونا چاہیے کہ اگر یورپیوں سے انہیں کچھ نشستیں مل گئیں تو ان کو ہندو اور مسلمانوں کے درمیان تقسیم کر دیا جائے گا۔ ان دونوں کو مل کر یورپیوں کو اس بات پر رضامند کرنا چاہیے کہ وہ فرقہ وارانہ اعلان کے ذریعے اپنی مقررہ نشستوں میں سے زیادہ سے زیادہ ان کو دے دیں۔ ان کے تحت فرقہ وارانہ اعلان کے مطابق مسلمانوں کو جو نشستیں حاصل ہیں وہ ان کے لیے محفوظ ہیں۔ اور یورپیوں اور اینگلو انڈینز ہندوستانی عیسائیوں کے علاوہ خاص حلقہ ہائے نیابت بھی ان میں شامل نہیں ہیں۔

۵۔ اور اس کے علاوہ باقی ملاقات میں مسلمانوں کو نشستوں کی وہی تعداد دی جائے جو فرقہ وارانہ اعلان کی وجہ سے انہیں حاصل ہیں۔ خاص حلقہ ہائے انتخاب پر یورپیوں اینگلو انڈینز اور ہندوستانی عیسائیوں کی نشستیں ان میں شامل نہیں۔

۶۔ اعلیٰ مرکزی مجلس وضع آئین میں مسلمانوں کی مقررہ نشستیں محفوظ رہیں۔

۷۔ ان شرائط کی بنیاد پر سمجھوتہ ہونا چاہیے کہ تمام صوبہ جات اور مرکز میں جدا گانہ انتخاب کی بنیاد پر محفوظ انتخاب رائج کیا جائے۔

اس فارمولا کو جب بنگالی ہندوؤں کے سامنے پیش کیا گیا تو انہوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور ایسی تجاویز پیش کیں جو اس کے بالکل متضاد تھیں۔ اور اس بات پر رضامند تھے کہ محفوظ انتخاب کی بنیاد پر مسلمانوں کے لیے نشستیں مخصوص کر دی جائیں لیکن وہ پرو نیشنل فرمچوائزر کے مخالف تھے۔ اور ان کا مطالبہ تھا کہ ان کو بنگال میں پرو نیشنل مرکز میں باقی نشستیں مسلمانوں کے حصہ سے وضع کر دی جائیں۔

سکھوں نے بھی اس فارمولا کی مخالفت کی اور انہوں نے تو محفوظ انتخاب کی بنیاد پر بھی نشستوں کے تحفظ کو قبول نہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ انتخاب غیر مشروط طور پر محفوظ ہونا چاہیے اس کے علاوہ ان کا مطالبہ تھا کہ مرکز میں انہیں پانچ فی صدی نشستیں ملیں۔ مگر ان کا نتیجہ ایک وزیر اعلیٰ اور پنجاب کی ملازمتوں اور بڑے میسجین فیصلہ عملہ محفوظ کر دیں۔

نے اس بات پر بھی اعتراض کیا کہ پنجاب کی وزارت میں نصف سے زائد وزراء مسلمان کیوں ہوں؟ اگرچہ بنگالی ہندوؤں کی متضاد تجاویز اور پنجابی سکھوں کے مطالبات ناقابلِ معاہدہ تھے۔ پھر بھی مناسب سمجھا گیا کہ اگر مسلمان اس نامولے کو تسلیم کر لیں تو ان کو بھی اس پر رضامند ہونے کے لیے آمادہ کیا جائے گا۔ چنانچہ مسٹر جناح نے یہ مطالبہ پیش کیا، کہ ہندوؤں کی طرف سے پنڈت مالوی اس سمجھوتے پر دستخط کر دیں۔ کیونکہ ایچی ٹیش کا خاتمہ صرف ایسی صورت میں ہو سکتا ہے، لیکن یہ نہ ہو سکا لہذا صرف اسی بناء پر گفت و شنید ترک کر دی گئی۔

۲۵۔ اپریل ۱۹۳۵ء کو گورداسپور کے محشر پریٹ مسٹر لکشمی نرائن نے سید شاہ جی کو سزا | عطاء اللہ شاہ بخاری کو قادیان کانفرنس منعقدہ ۲۴۔ اکتوبر ۱۹۳۴ء کے موقع پر صدر فی تقریر کرتے کے جرم میں چھ ماہ قید با مشقت کی سزا کا حکم دیا۔ نیز انہیں اسی وقت ضمانت پر رہا کر دیا گیا۔

ڈاکٹر اقبال کا استعفیٰ | کاغذ کے پھول بظاہر اپنی بہار دکھاتے ہیں اور کبھی کبھار دیکھتی نظر ہیں ان سے فریب بھی کھا جاتی ہیں۔ لیکن جیسے ہی عارضی ملمح اترتا ہے تو افسانہ آپ سے آپ کھراٹھتا ہے۔ میں حقیقت نہیں ہوں۔“ ورنہ بہار کا نکھار موسم کے جان ہونے تک حقیقت کے لیے خود ہی فریب بنا رہے۔

مرزائیت نے جھوٹ ہونے پر بھی اپنے کو سچائی کے پردے میں چھپانے رکھا۔ مگر جیسے ہی وقت کے اہل حق یہ چادر تار تار ہوئی تو اس سناس کی بوسے دامن پھٹنے لگا۔ ۱۹۳۱ء میں کشمیر کی آزادی کو جو نقصان مرزائیت سے پہنچا اور پھر علامہ اقبال کو جیسے ہی حالات سے آگاہی حاصل ہوئی وہ کشمیر کمیٹی کی صدارت سے فوراً الگ ہو گئے اور یہیں سے انہوں نے مرزائیت کا مطالعہ شروع کیا اور آخر کو بے اختیار کھراٹھے۔

وہ نبوت ہے مسلمان کے لیے برگِ حیش

جس نبوت میں نہیں قوت و شوکتِ پیام

فتنہ ملت بیضا ہے امت اس کی

جو مسلمان کو سلاطین کا پرستار کرے۔

”ضربِ کلیم“

پنجاب کے اربابِ نبوت کی شریعت
کہتی ہے کہ یہ مومن پارینہ ہے کافر

”ضربِ کلیم“

ان غلاموں اور مسک ہے کہ ناقص ہے کتاب
کہ سکھاتی نہیں مومن کو غلامی کے طریق۔

”ضربِ کلیم“

مرزائی مسلمانوں کا لباس اور اسلام کا روپ دھار کر اسلامی اداروں کے ساتھ دھیک کی طرح
چمٹے رہے۔ برطانوی سلطنت نے انہیں مسلمانوں کا نمائندہ قرار دے کر اپنے محکموں میں کلیدی
آسامیوں پر فائز کیے رکھا۔ لیکن مجلس احرار نے فریب خوردہ مسلمانوں پر جب اس کفر کی
اصلیت واضح کی تو باطل کو ہر موڑ پر شکست کھانی پڑی۔

لاہور کی انجمن حمایت اسلام اپنی بنیاد سے رحبت پسند مسلمانوں کی مذہبی پناہ گاہ
رہی ہے۔ سروں اور خان بہادروں کے اس ادارے سے وابستگی ہر تن آسان آدمی کیلئے
باعثِ اطمینان تھی ماسلام کی حمایت کا عنوان دے کر اس ادارے نے ہمیشہ ایسی نسل کی
آبیاری کی جو غیر ملکی حکمران کی بازو کے شمشیر زن کہلاتی (الاما شاء اللہ)

ڈاکٹر سر محمد اقبال بھی اس گروہ میں اپنے اس اقرار کے ساتھ شامل رہے۔

اقبال بڑا اُپدیشک ہے من باتوں سے موہ لیتا ہے

گفتار کا یہ غازی تو بنا کر دار کا غازی بن نہ سکا (بال جبریل)

مرزائی اپنی سیاسی ضرورت کے تحت انجمن حمایت اسلام سے والمانہ چمٹے ہوئے تھے
اقبال کو، جو مرزائیت سے آشنا ہو چکے تھے، جب صحیح انجمن کو ان کانٹوں سے پاک کرنا پڑا تو
انجمن کے اہول میں اضطراب پھیل گیا۔ اس سال ڈاکٹر اقبال انجمن حمایت اسلام کے مرکزی صدر
تھے اس ذمہ داری کے پیش نظر جب انہوں نے مرزائیوں کو انجمن کی رکنیت سے خارج کرنا
چاہا تو مرزائی اور مرزائی نوازان کے مقابل کھڑے ہو گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اقبال اپنے
کے باوجود اپنے کو یکد و تنہا محسوس کرنے لگے۔ انہوں نے ۱۹۲۵ء میں

انجمن حمایت اسلام کی صدارت سے استعفیٰ دے دیا۔ گوانہوں نے استعفیٰ کی وجہ اپنی بیماری قرار دیا تاہم انجمن حمایت اسلام کا اندرونی ڈھانچہ متزلزل ہو گیا۔ اس کی تفصیل آئندہ اوراق میں آئے گی۔

سکھوں میں ہنگامہ آرائی | ایکٹ ۱۹۳۵ء کے رائج ہونے سے پیشتر اقوام ہند کے درمیان اختلاف اپنے عروج پر رہا۔ لیکن سکھ معمولی اقلیت ہونے کے باعث اس اکھاڑے میں نہیں تھے۔ البتہ کبھی کبھار ان کے نام کی صدارتے بازگشت ضرور سنائی دیتی۔ ۲۴ اپریل کو خصوصاً پنجاب کے اندر جبکہ سید عطار الدین شاہ بخاری کی نزاریابی کے خلاف ملک گیر احتجاجی اجتماعات ہو رہے تھے۔ سکھ لیڈر بابا کھڑک سنگھ نے نے مندرجہ بالا دل کے اجتماع میں اعلان کیا کہ وہ آئندہ ماہ سے برطانیہ کے فرقہ وارانہ اعلان کے خلاف مورچہ لگائیں گے۔ اس پر گیارہ فی شہر سنگھ (سکھوں کا نابینا لیڈر) نے ان کی سخت مخالفت کی۔ اس پر سکھوں کے مابین کافی ہنگامہ آرائی ہوئی۔

یکم مئی | اسلام کے معاشی نظام میں انسانوں کے لیے وہ سارا کچھ موجود ہے جو فطرت نے ان کے لیے مناسب سمجھا۔ مخلوق کو مسلولی حقوق دینے میں خالق نے اسلام میں زکوٰۃ کے طریق کو اس طرح رائج کیا کہ غریب اور امیر کے درمیان جد فاصل ہونے کے باوجود امیر پر قدغن لگادی کہ جب تک وہ اپنی دولت میں غریب کو حصہ دار نہیں ٹھہراتا اس کی تمام کمائی ناجائز ہے۔ دنیا کا کوئی دستور اس دستور شریعت کی برابری میں پیش نہیں کیا جاسکتا نیز فقہ اور سرمایہ دار کے درمیان دنیاوی قانون کو آئے دن کے جھگڑوں کا باعث سمجھنا چاہیے اگر ایسا نہ ہو تو انسانوں کے درمیان کوئی چیز وجہ نزاع نہیں۔

یکم مئی ۱۸۸۶ء کو کشمیر کے مزدوروں نے اپنے ملک کے کارخانہ داروں سے اپنی محنت کے اوقات متعین کرانا چاہے، جس پر طبقاتی جنگ کا آغاز ہوا اور یہاں تک، ایسی بھڑکی کہ مزدور اور کارخانہ دار کے درمیان ہمیشہ کے لیے نفرت کی لکیر کھینچ گئی۔

یکم مئی ۱۹۳۵ء کا یہی دن تھا جب برٹلر نے جرمن کے مزدوروں سے خطاب کرتے ہوئے

کہا کہ:

”اے جرمنی کے لوگو! تمہارے لیے ایک عظیم دور آیا ہے۔ لیکن اس دور کی عظمت اس بات میں منحصر ہے کہ ہمارے سامنے جو کام ہے ہم اس کی کامیابی کے لیے اٹھ کھڑے ہوں۔“

(دیگر اقوام سے جرمنی کے افلاس کا موازنہ کرتے ہوئے ہٹلر نے کہا۔)

”ہمارے پاس نہ تو کوئی نوآبادی ہے، اور نہ خام اجناس ہیں، نہ زمین بلکہ ہمارے پاس تو صرف اپنی قوم کے نوجوان ہیں، جس پر ہمیں بھروسہ کرنا ہے۔ ہم جنگ نہیں چاہتے اور نہ ہی کسی قسم کی بے چینی پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن ہم اپنی قوم کی عزت کی ضرور حفاظت کریں گے تاکہ دنیا جان سکے کہ آج کا جرمن گندے ہوئے کل کا جرمن نہیں۔“

ہٹلر نے روس، برطانیہ اور فرانس کے درمیان معاہدات کا ذکر کرتے ہوئے کہا۔
 ”جرمن کے لاکھوں سپاہی فرانس کی اینٹ سے اینٹ بجادیں گے اور یہ روس کو بھی پریشان کر سکتے ہیں۔ اگر آئندہ جنگ میں روس نے جرمنی کے خلاف فرانس کی کوئی مدد کی تو اس صورت میں جاپان جرمن کی پوری مدد کرے گا۔ جرمن جنگ نہیں چاہتا لیکن اس قسم کے معاہدات ہمیں شبہ میں ڈال رہے ہیں کہ ہم اپنی آبرو کے لیے اپنے کو مستحکم کریں۔“

(اسی اجتماع میں جرمن کے پروپیگنڈہ وزیر جنرل گوٹنگ نے کہا۔)
 ”دوسری قوموں کے سیاستدان یا مجلسِ اقوام کے بزدل بہادروں سے متاثر ہو کر ہم کبھی اپنے مطالبات سے دست کش نہیں ہوں گے۔ جرمن کی فضائی قوت اب پہلے سے کہیں زیادہ مسلح ہے۔ ہم جرمن کے تحفظ سے کبھی دستبردار نہیں ہوں گے۔“

مطالبات کے لیے معاہدات ایک فضول چیز ہے۔ جرمن جو حاصل کرے گا اپنا زور بازو سے حاصل کرے گا۔“

گلگت پر برطانیہ کا قبضہ | وہی ہوا جس کا کھٹکا تھا۔

۱۹۳۱ء میں مجلس احوار نے جب محسوس کیا کہ برطانیہ کسی نہ کسی طرح کشمیر میں اپنی ریاست کو مستحکم کرنے کے لیے گلگت پر قبضہ چاہتا ہے اور اس کے لیے مرزائیوں کو آگے بڑھایا جا رہا ہے۔ ان دنوں ریاست کشمیر کے محکمہ تعلیم میں خواجہ جمال الدین (لاہوری مرزائی) بڑی اہم پوسٹ پر متعین تھا۔ چنانچہ اس کی وساطت سے کشمیر میں سارا کھیل کھیلا گیا۔ جس کی تفصیل زیر نظر کتاب کی جلد اول میں آچکی ہے۔

روس کی دیواریں گلگت سے سانجھی تھیں اور راستے میں پہاڑوں کا طویل سلسلہ حائل تھا۔ لہذا فوجی ضرورت کا تقاضہ تھا کہ گلگت برطانیہ کے قبضے میں ہو۔ تاکہ وہاں پر وہ اپنی فوجی چھاؤنی قائم کر سکے۔ یہ جانتے ہوئے کہ انگریز کشمیر کی بھاری ٹوٹنا چاہتا ہے۔ مجلس احوار نے ہمارے کشمیر کے خلاف کیوں بڑائی پھیری؟ یہ ایک سوال ہے جو سیاسی ذہنوں میں گردش کرتا رہے گا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ کشمیر کمیٹی کی بنیاد سے پیشتر ہی ریاست کے اندرونی حالات میں ایسا زہر گھول دیا گیا تھا کہ جس سے وہاں کے مسلمان کی جان و مال کے ساتھ اس کا ایمان بھی ضائع ہو جانے کا ڈر تھا۔ اب ایک طرف ریاست میں انگریز کی ضرورت کام کر رہی تھی تو دوسری طرف تیس لاکھ کشمیری مسلمانوں کے ایمان کا سوال تھا۔ مجلس احوار نے مسلمان کے ایمان کو انگریز اور ریاست سے کہیں زیادہ قیمتی خیال کرتے ہوئے ریاست کے معاملات میں مداخلت ضروری سمجھی ان حالات میں جب تحریک اپنے عروج پر پہنچی تو ریاست کے مہاراج سرہری سنگھ نے احوار سے نجات حاصل کرنے کے لیے انگریز سے گلگت کا سودا چکا لیا۔

آخر چار سال خاموش رہنے کے بعد، ۱۵ مئی کے اخبار "انقلاب" نے یہ خبر کسی اہمیت کے بغیر شائع کی۔

”گلگت برطانیہ کی سپرداری میں دے دیا گیا۔“

”۱۵ مئی۔ شملہ کی اطلاع کے مطابق حکومت کشمیر عنقریب گلگت کا تمام علاقہ حکومت برطانیہ کے حوالے کر دے گی۔ لیکن اس کا ردوائی کی کوئی نمائندگی نہیں ہوگی۔“

دوسری جنگ عظیم کے آثار | جرمن قوم کے حوصلے اور ہٹلر کے جنگی ارادوں نے اقوامِ یورپ میں تہلکہ مچا دیا۔ برطانوی یونان

دوسری جنگ عظیم کے مستقبل پر غور کرتے گا۔ ۱۷۔ مئی کو برطانوی وزیر خارجہ مٹراڈن نے جو گذشتہ کئی دنوں سے زیرِ علاج تھے، اپنی صحت یابی پر ایک تقریر کے دوران کہا، میں اس بات کا کئی دفعہ اظہار کر چکا ہوں کہ ہم مجلسِ اقوام میں جرمن کی واپسی کے منتظر ہیں۔ باقی جہاں تک اسلحہ کا تعلق ہے، جرمن اس بات پر زور دے رہا ہے کہ معاہدہ اسلحہ مرتب کیا جائے۔ لیکن اس معاہدے کی حقیقت اس بات پر ہو کہ وہی اسلحہ ہو جو اقوام کی بنیادی ضرورت ہو کیا جرمن اس پابندی کو برداشت کرنے کو تیار ہے؟

تجدیدِ اسلحہ کے متعلق جو بحث اب تک ہوئی ہے، اس میں اس بات کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ فوجی تعداد مقرر کی جائے۔ مثلاً برطانیہ کے مسودہ میں براعظم کی تین بڑی سلطنتیں ہیں۔ فرانس، جرمن اور اٹلی کے لیے حسبِ ذیل تعداد مقرر کی جا چکی ہے۔

فرانس ————— دو لاکھ

جرمن ————— دو لاکھ

اٹلی ————— دو لاکھ اور

روس ————— پانچ لاکھ

جرمن ماضی میں اس معاہدہ کی تائید کرتا آ رہا ہے اور اب اس اصول سے انحراف کو اس نے ناپسند کیا ہے۔ اور اصل واقعہ یہ ہے کہ مجلسِ تجدیدِ اسلحہ نے اس اصول کو تسلیم کر لیا تھا اور آئندہ معاہدے کا انحصار جرمن کے رویہ کو قرار دیا گیا تھا۔

بہر حال اگر کسی قوم کو اپنی حفاظت کا اندیشہ ہو تو اس کے لیے بہتر یہی ہے کہ وہ مجلسِ اقوام میں شامل ہو کر اجتماعی امن کے کیے کو نشتر اور گشتگو کرے۔

خالہ لطیف گایا کی لندن روانگی | مجلس اوار کا نمائندہ مسٹر خالد لطیف گایا میر اسمبلی ایمپائر پارلیمنٹری اجلاس میں شرکت کیلئے ۲۰ مئی

کولڈن روانہ ہو رہا تھا۔ اس کے اعزاز میں ۱۹ مئی کو مجلس اوار نے عصر اند دیا، جس میں قریباً سبھی سیاسی جماعتوں کے نمائندوں نے شرکت کی۔ اس موقع پر خالہ لطیف گایا نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ وہ ہندو پرپس نے مجھ پر آرام لگایا ہے کہ میں یورپ میں ہندوؤں کے خلاف کوئی سازش کرنے جا رہا ہوں اور اس سازش میں مسٹر جناح اور سر آغا خاں شامل ہیں۔ میں ہندوؤں کو یقین دلاتا ہوں کہ میں کسی قسم کی کوئی سازش کرنے نہیں جا رہا۔ بلکہ میرا جانا محض ایمپائر پارلیمنٹری کانفرنس کے سلسلے میں ہے۔ البتہ اگر بنڈت اتومی نے جیسا کہ اطلاع ہو سکتی ہے کہ وہ لندن جا رہے ہیں، انہوں نے مسلمانوں کے خلاف اگر وہاں کوئی فرقہ وارانہ بات کہی تو ممکن ہے اس کا جواب دینا پڑ جائے۔ ہاں حادثہ کراچی کے متعلق حکومت کی پالیسی پر ضرور بحث کروں گا کہ وہ واقعہ کی تحقیقات کرے۔“

کرنل لارنس کا انتقال | ۱۹ مئی کے ہندوستانی اخبارات نے یہ خبر شہ سرخیوں سے شائع کی۔

”عرب میں ترکوں اور عربوں کے درمیان تصادم کے بانی کرنل لارنس، جن کا گذشتہ دنوں موٹر سائیکل سے حادثہ ہو گیا تھا، ایک کمبو بیا لیس گھنٹے بیہوش رہنے کے بعد انتقال ہو گیا ہے۔ برطانوی رہنماؤں نے جن میں مسٹر چرچل بھی شامل ہیں کرنل لارنس کی موت پر آنسو بہاتے ہوئے کہا، برطانوی شہنشاہیت کو کرنل لارنس کی موت سے بے پناہ صدمہ پہنچا ہے۔“

اس خبر کا پس منظر بیان کرتے ہوئے بعض اخبارات نے لکھا:

پہلی جنگ عظیم کے دوران اس شخص و کرنل لارنس نے اپنی زبان دنی، ملاویر شخصیت اور برطانوی خزانے سے کام لے کر سارے عرب میں ترکوں کے خلاف بغاوت کی آگ بھڑکائی شریف حسین اور ان کے خاندان کو سارے جہاز کی حکومت کا لالچ دے کر خلافت عثمانیہ کے

خلافت علم بغاوت بلند کرنے پر آمادہ کیا۔

جب برطانیہ نے کرنل لارنس کے ان وعدوں کو بوشرفیت حسین سے کیے تھے پورے نہ کیے تو کرنل لارنس ایوس ہو کر گوشہ نشین ہو گیا۔

دفتر احرار پر چڑھاؤ | ایک طرف لندن میں کرنل لارنس کی موت پر ماتم کیا جا رہا تھا، تو ہندوستان میں مجلس احرار کے دفاتر چڑھاؤں سے جگمگا رہے تھے

اسی روز مجلس احرار کے مرکزی ناظم اعلیٰ مولانا مظہر علی اظہر نے اس کی وضاحت میں کہا:

”موت سب پر آتی ہے، لہذا کسی کی موت پر خوش ہونا زیب نہیں دیتا۔

لیکن کرنل لارنس کی موت ایک آدمی کی موت نہیں کہ جس پر مجلس احرار کو افسوس ہو

بلکہ یہ برطانوی مشن کی موت ہے، جس کے تحت لاکھوں ترکوں کا عربوں کے

ہاتھوں خون بہایا گیا اور حرم کی مقدس سرزمین کو مسلمان کے بے گناہ خون سے

آلودہ کیا گیا۔ سینکڑوں عورتوں کی عصمت دری ہوئی، لاکھوں بچے یتیم ہوئے۔

آخر اس مشن کے تحت حجاز کی سرزمین پر برطانوی اقلہ کا پرچم لہرانے لگا۔

اس لیے مجلس احرار کو کرنل لارنس کی موت پر مسرت ہے کہ اس سے برطانیہ

کایر مشن ایشیا میں پھیلنے سے رک گیا۔“

اسلام اور عیسائیت کے درمیان اختلاف کی دیوار کسی عارضی واقعہ

کی محرک نہیں اور نہ ہی دونوں مذاہب کے پرچم کسی ایک فضا میں

کرنل لارنس

لڑائے ہیں۔ داعی اسلام کی تشریف آوری سے پیشتر تشلیت کے کونے عقیدہ توحید کو زخمی

کرتے رہے۔ لیکن جیسے ہی اسلام کی صبح طلوع ہوئی۔ عیسائیت کے اندھیرے فریڈا جاگڑ بول

سامنے آئے۔ پھر صدیاں گزر چکی ہیں کہ یہ متحارب مذاہب آمنے سامنے رہے۔ اس دوران

رہوڑ جیسے جرنیل صلاح الدین ایوبی جیسے بہادروں کے مقابل آئے۔ مگر اسلام کا پرچم بہر طور

بلند رہا، تاہم عیسائیت کے سینوں کی آگ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف وقت ملنے پر

اپنی تیش دکھانے سے باز نہیں رہی۔

عرب ایشیائی مرکز کے پڑوس میں ہوتے ہوئے جغرافیائی حد بندیوں کے باوجود کھر سے



کرنل لارنس انگریزی لباس میں

یروشلم کا رہنے والا ہے اس طرح مذہب کے میدان میں شکست خوردہ عیسائیت نے ہر سیاسی بساط پر مسلمانوں کو شہ دے کرات دینے کی تدبیریں سوچیں۔
 ترک اور عرب قوم کے درمیان تعلق کی پختہ گرہ کشائی پر عیسائی سلطنتوں کی دیرینہ نظریں تھیں۔ چنانچہ پہلی جنگ عظیم سے ایک سال پیشتر ۱۹۱۳ء میں عرب کے صحرائوں سے عرب



کرنل لارنس عربی لباس میں

قومیت کی تحریک نے جنم لیا۔ یہ دور وہ ہے جب سارا حجاز خلافت عثمانیہ کے زیر نگین تھا۔ چونکہ دنیا نے مسیح پان اسلام ازم اور اسلام کی بین الاقوامی دعوت سے مخالفت تھی۔ انہیں علم تھا کہ اگر مختلف النسل کے مسلمان متحد ہو گئے تو سارے یورپ کے لیے ان کا وجود ایک عظیم خطرہ بن جائے گا۔ چنانچہ عرب ترک اتحاد کو بدنام کرنا عیسائیت کے لیے اہم اور ضروری

مسند بن گیا۔ اس سازش کے تحت ترکوں کو درس دیا گیا کہ عرب اور مصر سے ان کا کوئی نسلی
رشتہ نہیں، لہذا انہیں وطنیت کو انوثیت اسلامی پر مقدم رکھنا چاہیے اور دوسری طرف عربوں سے
کہا گیا کہ ترک اسلام چھوڑ چکے ہیں اور انہیں مذہب سے کوئی سروکار نہیں رہا۔ ترک جانتے ہیں کہ
عرب اپنی زبان چھوڑ کر ترکی طرز تکلم اختیار کر لیں۔ نیز ترکوں نے قرآن کریم سے انبیاء کے
اسمائے گرامی نکال کر ان کی جگہ تاتاری بادشاہوں کے نام درج کر دیے ہیں۔

اس کام کے لیے ابتدا میں عیسائی پادری عربی لباس پہن کر عربی زبان میں عرب قبائل
میں وعظ کرتے رہے۔ ۱۸۶۱ء میں ڈنمارک میں پہلی دفعہ عیسائیوں کا وفد یمن کے علاقے میں
بھیجا گیا۔ اس وفد کا لیڈر نیوٹرٹ نامی ایک عیسائی تھا، جس نے منافرت کی اس تحریک کو
ہوا دے کر سارے عرب کی تحریک بنادی۔ اور یہی تحریک آئندہ چل کر عرب قومیت کی بنیاد بھائی۔
تاریخ ایک اور شخص حسن بن قلیل کا ذکر بھی کرتی ہے ابو امیر فیصل کی فوج میں شامل تھا۔
جس کی عمر کا ایک حصہ عیسائی ممالک میں گزر چکا تھا۔ حقیقت میں یہ مسیح تھا۔ گو اس نے علانیہ
اپنے عقیدے کا کبھی اظہار نہیں کیا لیکن تحریک دعوت عربیہ کی تائید و حمایت اور اپنے عیسائی
افکار کی تبلیغ سے اسے کوئی نہیں روک سکتا تھا۔ یہ شخص شام کی فوج کے تمام عرب سپاہیوں
کو سلطنت عثمانیہ سے بغاوت پر ابھارتا رہا۔

(بغاوت عرب اور کرنل لارنس ص ۱۸۰ مضامین مولانا جعفر حسن جت)

جب تک بادِ سموم کا گزر صحنِ چین سے نہ ہو۔ پھول پتیاں بہاروں سے اٹھکیاں کرتی رہتی
ہیں سلاؤ گل کے چہروں کا نکھار دھوپ کی تمازت کو شرمندہ کرتا ہے۔ پیلے پیلے اور اوڑے
اوڑے پھول نو بیاہتا دہن کی طرح اپنے سہاگ کے گیت بادِ صبح گاہی سے بے مہار گاتے
ناچتے دکھائی دیتے ہیں۔ خنجر اٹھتے بیٹھتے صحنِ چین سے مستیاں کرتی ہے۔ اس کے ناچنے
اور تھرکنے کے معصومانہ انداز ساون بھادوں کی برستی گھاؤں میں جو بن پر ہوتے ہیں۔ لیکن جو نہی
صحاؤں کے بگولے تپتی ریت کی جھولیاں بھر کر باغ میں داخل ہوتے ہیں، ہر شاخ پر ادا سی
چھا جاتی ہے۔ پتے دیران موسم کی طرح منہ ٹکائے پریشان دکھائی دیتے ہیں۔ ہر روش پر
نزاں کے آثار ہویدا ہونے لگتے ہیں۔ بہاؤں کے رخ بدلتے ہیں تو سورج کبھی کانٹا نکند

پڑ جاتا ہے۔ سرودھمن بانع کے انگن میں کھڑے رہ جاتے ہیں۔
 قوموں کے عروج و زوال کی داستان بھی کچھ یوں ہی سی ہے جب ضمیر فروش برطان پڑھتے
 ہیں۔ غدار وقت کے سہارے سردار کھلانے لگتے ہیں تو ملت انحطاط کے دور میں داخل ہوتی
 ہے۔ پھر وہی ہوتا ہے جو گذشتہ پون صدی سے اقوام عرب سے ہو رہا ہے۔
 حالانکہ کرنل لارنس خود ایک خط میں جو اس نے ۱۹۲۰ء کو لندن ٹائمز کے نام لکھا۔ اس
 حقیقت کا اعتراف کرتا ہے کہ ”عرب ترکوں کی سلطنت سے خوش تھے“ لیکن سیاسی اغراض
 نے انہی کے ہاتھوں پر اپنی ضرورت کے پھول اپنے گلے میں ڈال دیے جو بعد میں کانٹے
 ثابت ہوئے۔

۱۹۱۳ء میں ترکی حکومت نے عرب رہنماؤں سے بگڑتے ہوئے حالات پر پیرس میں
 گفتگو کی۔ اور جانبین میں ایک معاہدے پایا، جس کی رو سے عرب صوبے سلطنت عثمانیہ میں
 خود مختار ہوں گے۔ دوسری شرط یہ تھی کہ عربی زبان عام سکولوں میں تعلیمی زبان تسلیم کی جائے۔
 نیز پارلیمنٹ میں عربوں کے لیے مناسب تعداد میں نشستیں مخصوص ہونی چاہئیں۔
 اس معاہدے کی سیاہی خشک نہ ہوئی تھی کہ پہلی عالمگیر جنگ نے سارے یورپ کو
 پیٹ میں لے لیا۔ ترک، جرمن کے ساتھ ہو کر اتحادی طاقتوں سے ٹکرانے لگے۔ اس طرح
 ترکوں کا عربوں کے ساتھ معاہدہ دھڑے کا دھارہ گیا۔ یہی دن تھے کہ کرنل لارنس عرب کی سیاست
 میں داخل ہوا۔ اس کے ساتھ ہی برطانوی نمائندے عرب لیڈروں سے ملنے جا پہنچے کہ
 ”اگر ترکی اتحادیوں کے خلاف جنگ میں شریک ہوا تو عرب ملکوں کا رویہ کیا ہوگا؟“
 اس کے فوراً بعد برطانیہ کے وزیر جنگ لارڈ کچنر نے قاہرہ کی برطانوی ایجنسی کو تارکے
 ذریعے پیغام دیا،

”اگر جنگ میں عرب برطانیہ کا ساتھ دیں تو انگلستان عربوں کی جدوجہد آزادی
 میں ان کی حمایت کرے گا“

لارڈ کچنر کا یہ پیغام ۳۱- اکتوبر ۱۹۱۴ء کو مکہ میں شریف حسین کو ملا۔ اسی طرح کا ایک اور
 پیغام سوڈان کے انگریز گورنر جنرل کا بھی شریف مکہ کو ملا۔

ان برطانوی بیخوات نے عربوں کو نئی زندگی بخشی۔ کرنل لارنس عرب قبائل میں مختلف لباس، مختلف طرز تکلم کے ساتھ اپنا کام کر رہا تھا۔

”عرب عربوں کا، اور ترکی ترکوں کا۔“

عرب شیوخ سے دو اپنی ملاقات میں اس انداز سے گفتگو کرتا۔ اس دوران شریف حسین کے چاروں بیٹے (جدا اللہ، فیصل، حسن اور زاید) برطانوی و حیدر علی پرمٹن تھے۔

کرنل لارنس کہتا ہے کہ:

”ہم نے بالآخر شاہ حجاز کو اتحادیوں کا ساتھ دینے پر آمادہ کر لیا۔“

(ڈیلی ایکسپریس لندن ۲۰-۵-۲۸)

اس نفعیہ معاہدے کے باوجود (جو بحر قزقم کے ایک خیر آباد ساحل پر شریف مکہ اور انگریزوں کے درمیان طے پایا) شریف حسین ترکوں کو بظاہر اپنی وفاداری کا یقین دلاتا رہا۔

شریف حسین کا مطالبہ | ”شمال میں سرسینہ تک، جنوب میں بحر ہند تک اور مشرق میں ایرانی سرحد تک میری بادشاہت“

تسلیم کر لی جائے۔“

”سرسینہ، سکندریہ اور حمیض وغیرہ عرب میں شامل نہیں

لہذا ان علاقوں پر شریف مکہ کی سیادت تسلیم نہیں کی

جاسکتی۔ البتہ مشرقی اور جنوبی حدود کے متعلق اس کا مطالبہ منظور کیا جاتا ہے۔“

برطانیہ کا جواب

فرض ان شرائط پر انگریزوں سے شریف مکہ کا معاہدہ طے پا گیا اور اس نے ۵-جون ۱۹۱۶ء کو ترکوں کے خلاف بغاوت کا اعلان کرتے ہوئے توپ کا پہلا گولا مکہ میں اپنے محل سے چھوڑا دوسری جانب سلطان عبدالحمید نے جہاد کا اعلان کر دیا، جس میں مقدس جنگ کی حیثیت سے حصہ لینا تمام مسلمانوں کا فرض تھا۔ مگر شریف مکہ جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کہلاتا تھا اور اسلام کے مقدس شہر کا محافظ تھا۔ انگریزوں کے حق میں بغاوت کی رہنمائی کر کے اس جہاد کا زور توڑتا رہا۔ عربوں کی اس بغاوت نے ترکی اور جرمنی کی مشترک محم کو بیکار کر دیا۔

(”تاریخی واقعات“ مرتبہ نصیر احمد جامی)

جنگِ عظیم کے خاتمے پر ۱۱ نومبر ۱۹۱۸ء کو انگریزوں نے جشنِ فتح منایا۔ اس تقریب میں شریفِ حکیم اور اس کا بڑا بھائی کا فیصل کرنل لارنس کی معیت میں لندن پہنچے اور بعد میں یہ لوگ پیرس روانہ ہو گئے کہ صلح کا نفرنس میں شامل ہو سکیں۔ یہاں پر لارڈ جارج اور ولسن جیسے برطانوی ممبر اور ان کے سامنے کرنل لارنس کی قیادت میں شریفِ مکہ اور فیصل بیٹھے۔



الشریف الحسین بن علی



فیصل

اس مجلس میں شریفِ مکہ نے اپنے مطالبات دہرائے کہ عرب کے تمام علاقے ان کے حوالے کیے جائیں۔ جبکہ ان کے بڑے بھائی کے فیصل نے مطالبہ کیا کہ اسے صرف شام کا بادشاہ تسلیم کر لیا جائے لیکن ولسن اس پر راضی نہیں تھا۔

جنگ کے دوران کرنل لارنس شریفِ مکہ سے سارے حجاز کی بادشاہت کا وعدہ کرتا رہا۔ شامیوں کو یہ فریب دیا جاتا رہا کہ شام تمہارا اور صرف تمہارا ہے اور فیصل کو یقین دلایا گیا تھا کہ شام تمہارے اقتدار میں رہے گا۔ لیکن جنگ کے اختتام پر یہ تمام وعدے پس پشت ڈال دیے گئے۔ نہ شام شامیوں کو ملا اور نہ فیصل کو اور نہ ہی شریفِ مکہ کی تمناؤں کا پورا رخ روشن ہوا۔

تیس دنوں پر جتنے ہم تو یہ جان بھوٹ جانا کہ خوشی سے مرنے جاتے گر اعتبار ہوتا ہوا یہ کہ شام پر فرانس کا قبضہ تسلیم کر لیا گیا عراق پر فیصل کا لیکن انگریز حاکم کے تحت

رہا فلسطین تو اس میں عربوں کی بجائے یہودیوں کا مرکز قائم کر دیا گیا۔ اس طرح باقی حجاز کے ٹکڑے کر دیے گئے۔ شریف مکہ نے آنکھیں دکھائیں تو اسے مالٹا کے وزیر سے میں نظر بند کر دیا۔ کرنل لارنس اور شریف مکہ کی وساطت سے عرب مسلمانوں کی مرکزیت کو جو نقصان پہنچا اس کی تلافی شاید صدیوں نہ ہو سکے۔ اگر دست قضا بڑھ کر لارنس کے اردوں کو روک نہ لیتا تو ممکن ہے یہ فرنگی خدار ایشیائی ممالک میں (جس میں مسلمانوں کی اکثریت ہے) اسی طرح کا اور تباہی مچا دیتا۔ مجلس احوار نے اسی خوشی میں اپنے دفاتر پر چواخاں کیے کہ ایک خدار فرنگی کی موت سے کئی مسلمان ممالک محفوظ ہو گئے الحمد للہ۔

لارنس اس کا پورا نام ٹامس ایڈورڈ لارنس تھا۔ اس کی ولادت ۱۸۸۸ء میں بمقام ترمیڈوگ میں ہوئی جو شمالی ویلز میں واقع ہے۔ اس کا والد ٹامس لارنس آئرش نسل سے تھا اور ماں دین مسیح کی تبلیغ کرتی تھی۔ اس کی تعلیم آکسفورڈ میں مکمل ہوئی۔

لارنس نے جب فوج میں بھرتی ہونے کی خواہش ظاہر کی تو طبی مجلس نے اس کے قد قفا اور ڈیل ڈول کو دیکھ کر جواب دے دیا۔

لارنس فوج میں بھرتی تو نہ ہو سکا لیکن محوڑے دنوں ہی میں اسے برطانیہ کے خفیہ محکمہ میں لے لیا گیا۔ صحرائے عرب کے متعلق اس کا حلم و وسیع تھا۔ عربوں کے رسم و رواج اور فکری رجحان کا مطالعہ کر چکا تھا۔ عربوں کی مہمان نوازی اور ترکوں کی مہمان نوازی کی بدولت اس نے بہت سے راز ہائے دون پروردہ معلوم کر لیے تھے۔ زمانہ جنگ میں جن خدار عربوں نے ترکوں کے خلاف فلسطین، عراق اور شام میں سازشیں کیں۔ ترکی افواج کی نقل و حرکت کی اطلاع انگریزوں اور فرانسیزیوں کو دیتے رہے، ان میں بڑے بڑے صاحب جہد و شیوخ شامل تھے۔ ان لوگوں کو لارنس کے توسط سے ہدایات ملتی تھیں۔ اس کی معرفت روپیہ دیا جاتا تھا۔ غرض لارنس اپنی استعداد خاص کی بدولت محوڑے ہی دنوں میں ان عرب جاسوسوں کا سردار بن گیا جو حجاز مقدس سے ایشیائے کوچک تک پھیلے ہوئے تھے اور انہی خدمات کے صلے میں لفٹیننٹ سے لفٹیننٹ کرنل کے عہدے پر ترقی دی گئی اور پھر جلد کرنل بنا دیا گیا۔

لارنس اپنی ظاہری شکل و صورت کے اعتبار سے کوئی باوقار شخص نہیں تھا اور یہی وجہ ہے

کہ لوگ اسے دیکھ کر اس کے خصائل اور سیرت کے متعلق کوئی صحیح اندازہ نہیں کر سکتے تھے۔ اس کا قد پانچ فٹ ساڑھے پانچ انچ تھا۔ اس کے گورے رنگ سے یہ معلوم نہیں ہو سکتا تھا کہ اس نے اپنی عمر کا ایک حصہ عرب جیسے تپتے ملک میں بسر کیا ہے۔ اس کی آنکھیں نیلی تھیں جو یہیم حرکت کرتی رہتی تھیں۔ اس کی ٹانگیں جسم کے بالائی حصے کے مقابل چھوٹی اور حقیر نظر آتیں۔ اس کا سہبت بڑا تھا۔ عام طور پر اپنا دایاں ہاتھ سینے کے نیچے باندھ کر رکھتا اور سفر میں سر جھیکا کر چلتا۔

کرنل لارنس کے مداحوں میں لارڈ جارج، لارڈ کزن، ہرنارڈ شا اور ٹامس ہارڈے جیسے باشعور برطانوی لوگوں کے نام ملتے ہیں۔

جرمن اور برطانیہ | وقت کے طلوع و غروب کے ساتھ سلطنتوں کے ارادے اور مزاج میں تخیل کوئی بڑی بات نہیں۔ خصوصاً بڑی طاقتیں حالات کو ہمیشہ اپنی غرض کے سانچے میں ڈھالتی ہیں۔ جب ان کے ارادوں کی تکمیل ہو چکتی ہے تو ان سانچوں کو خود بخود توڑ دیتی ہیں۔

برطانیہ بیسویں صدی کی سب سے اہم قوت قرار دی گئی تھی۔ پہلی بڑی برطانی کے بعد کمزور قوموں کے مقدراس سلطنت کے قبضہ اقتدار میں رہے۔ جس طرح چاہا اپنی مرضی اور رضا پر استعمال کیا۔ فاتح کی حیثیت سے مفتوح اقوام کے ساتھ اس نے جن اطوار سے اپنی تاریخ مرتب کی، مورخ اس کو حقیقت ماننے سے انکار کرتا ہے۔ کیونکہ اس کی نظر میں یہ اولیٰ اقصیا اور دیانت کے خلاف مرتب کیے گئے ہیں۔ لیکن جیسے ہی مفتوح امارت پر غالب نظر آیا فاتح نے اپنے مصنوعی سہارے تلاش کرنے شروع کیے۔

۱۲۔ مئی کو ہٹلر نے سیاسی بساط پر ایک نئی مہال چلی۔ یعنی اس نے فرانس اور روس کے درمیان معاہدہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا:

”اس معاہدہ کے متعلق کوئی ذمہ دار بیان نہیں شائع کیا گیا، جس سے اس کے انغراض و مقاصد واضح ہوں۔ کیونکہ جرمن! روس اور فرانس کے فوجی اتحاد کو لیگ آف نیشنز کی سپرٹ کے خلاف سمجھتا ہے۔

جرمن! آسٹریلیا کے اندرونی معاملات میں دخل دینا مناسب نہیں سمجھتا اور نہ

اس کی خواہش ہے کہ آرٹریلیا کا جرمنی کے ساتھ الحاق ہو۔
 مجھے افسوس ہے کہ آرٹریلیا کے ساتھ ہمارے تعلقات خراب ہیں۔ اور
 اس کشیدگی کا نتیجہ ہے کہ اٹلی کے ساتھ بھی ہمارے تعلقات ناخوشگوار ہو گئے
 ہیں۔ حالانکہ جرمن اور اٹلی کے مغل میں کوئی تصادم نہیں۔
 ہٹلر نے جرمن کے بحری بیڑے کے متعلق کہا:

”برطانیہ کے پاس جتنے بیڑے وزنی جہاز ہیں، جرمن کو ان کا پینتیس فیصد
 رکھنے کی اجازت دی جائے، اگر اس مطالبے کو منظور کر لیا جائے تو جرمن کا
 بحری بیڑا، فرانس کے بحری بیڑے کے مقابل میں پندرہ فی صد سے بھی کم وزنی
 ہوگا۔“

آگے چل کر ہٹلر نے روس کے سوا باقی تمام ممالک کے ساتھ ہوائی مساوات کا مطالبہ کر کے چھوڑ دیا
 ”جرمنی بڑی بڑی توپوں، ٹینکوں اور آبدوز کشتیوں کا خاتمہ کرنے اور
 جنگی جہازوں کے وزن کی حد مقرر کرنے نیز اسلحہ پر پابندی منظور کرنے کے
 لیے تیار ہے۔“

بین الاقوامی حالات پر جرمنی کے رویے کی وضاحت کرتے ہوئے ہٹلر نے کہا:
 ”۱۶ اپریل کو جنیوا میں جو مطالبہ کیا گیا تھا، جرمن گورنمنٹ نے اسے
 نامنظور کر دیا۔ صرف جرمنی نے ہی معاہدہ وارسائی کو نہیں توڑا بلکہ ان طاقتوں نے
 بھی توڑا ہے، جو اسلحہ کو کم کرنے کے مطالبہ کے متعلق جرمن کی شکایت کرتی
 ہیں حالانکہ معاہدہ کی رو سے وہ ایسا کرنے کی پابند نہیں۔“

لیگ آف نیشنز نے حال ہی میں جرمنی کے خلاف جو امتیازی فیصلہ
 دیا ہے، وہ جرمن کو اس قابل نہیں بناتا کہ وہ لیگ آف نیشنز میں واپس جائے
 جب تک تمام الجھاؤ میں انصاف اور مساوات پیدا نہ ہو جائے۔ ایدریس
 حالات جرمن چاہتا ہے کہ معاہدہ ورسیلو پر جس میں مغتوح اور فاتح قوم
 میں امتیاز روا رکھا گیا ہے، اخطائی منسوخ کیج دی جائے اور لیگ آف نیشنز

کوئی ایسا سمجھوتہ نہ کرانے جس میں اس کے تمام نمبروں کے مساوی درجات کو تسلیم نہ کیا گیا ہو اور بین الاقوامی زندگی میں تمام اقوام کو مساوی حقوق حاصل نہ ہوں۔ حکومت جرمنی کسی ایسے سمجھوتے پر دستخط نہیں کرے گی جس کی شرائط اس کے خیال میں پوری نہ ہو۔ ہاں وہ ان تمام معاہدوں کی خواہ وہ موجودہ گورنمنٹ سے پہلے ہی کیوں نہ کیے گئے ہوں، پابند رہے گی۔ جس پر اس نے اپنی مرضی سے دستخط کیے ہیں۔ جب تک معاہدہ لوکار نو پر دستخط کرنے والی دیگر طاقتیں اس معاہدے کی پابند رہیں گی جرمن بھی ان معاہدوں پر پیدائندہ ذمہ داریوں کو قبول کرتا رہے گا۔ چونکہ دوسری طاقتوں نے تخفیف اسلحہ کی ذمہ داریوں کو پورا نہیں کیا اس لیے جرمن نے معاہدہ ورسیلز کے اس آرٹیکل کا پابند رہنے سے انکار کر دیا ہے، جس کی رو سے جرمن کے خلاف امتیازی سلوک رعا رکھا جا رہا تھا۔

جرمن غیر مشروط طور پر ان احساسات کا احترام کرے گا جو اقوام کی بین الاقوامی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں۔ جرمن اجتماعی سسٹم میں شامل ہونے اور لوکار نو پیکٹ کے علاوہ ہوائی طاقت کے متعلق معاہدہ کرنے کے لیے بھی تیار ہے اور اس سلسلے میں جو بھی گفتگو ہوگی وہ اس میں شامل ہوگا۔ جرمن گورنمنٹ اپنے ہمسایوں کے ساتھ جارحانہ کارروائی نہ کرنے کے متعلق الگ معاہدہ کرنے کو بھی تیار ہے۔ جرمن گورنمنٹ کسی حالت میں بھی جرمن فوج کی ازیر نو تنظیم کے کام کو بند نہیں کرے گی۔

جرمن کے اس کام سے کسی کو کوئی خطرہ نہیں ہو سکتا۔ جرمن اپنے اسلحہ جات کو بھی کم کرنے کے لیے تیار ہے۔ بشرطیکہ دوسری طاقتیں بھی ایسا کرنے پر آمادہ ہوں۔ جرمن سمندر میں بھی کسی کا حریف نہیں بننا چاہتا۔ کیونکہ وہ برطانیہ کے اس معاہدے کو تسلیم کرتا ہے کہ برطانوی سلطنت کے استحکام کے لیے اسے زبردست بحری طاقت کی ضرورت ہے۔ لیکن یورپ میں اپنی مہستی کو قائم رکھنے کے لیے وہ سب کچھ کرنے کے لیے تیار ہے۔ نیز جرمن اسلحہ پر پابندی عائد کرنے

یا اسے ختم کرنے کی کوشش کے ساتھ ساتھ تعاون کرنے پر آمادہ ہے۔
جرمن ایسا معاہدہ کرنے پر بھی آمادہ ہے جس کی رو سے کوئی ملک
دوسرے ملک کے اندرونی معاملات میں دخل نہ دے سکے۔

ہٹلر کی اس تقریر سے جرمن پریس اور عوام نے بے تاثر لیا کہ ہٹلر نے برطانیہ کی رائے عامہ
کو اپنی حمایت پر آمادہ کرنے کی کوشش کی ہے۔

ایکٹ ۱۹۳۵ء نے اقوام ہند کے مابین جو انتشار ڈال دیا تھا، برطانیہ کی گرتی ہوئی دیوار
کو یہ انتشار بھی سنبھالانہ دے سکا۔ تاہم برطانوی سیاستدانوں کو جرمن ہٹلر کی مندرجہ بالا تقریر
میں اپنے لیے قدرِ عافیت نظر آئی اور انہوں نے ہٹلر سے پیچھا چھڑانے کے لیے اس وقت
کو غنیمت جانا اور دوسرے روز ۲۳ مئی کو برطانوی وزیر خارجہ مسٹر بالڈون (جن کے متعلق
ان دنوں یہ افواہ تھی کہ وہ ریزے میکڈانلڈ کے بعد وزیر اعظم ہونے والے ہیں) نے بالالعلوم
میں اپنی تقریر کے دوران ہٹلر کی گزشتہ روز کی تقریر کے جواب میں کہا:

”ہٹلر کی تقریر میں اُمید کی ایک جھلک ہے۔ ہمیں اس روشنی کو حاصل
کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ ہم ایک بار بھروسہ چاہتے ہیں کہ دیگر ممالک کے
دلوں پر جرمن کا جو خوف طاری ہو چکا ہے اسے نکال دیا جائے۔

بین الاقوامی سیاست کے پس پردہ کھلے دنوں جو کچھ متاثر رہا ہے اس
سے برطانیہ بھی محال تھا اور اس خوف کی خاص وجہ بین الاقوامی حالات سے لاعلمی
تھی۔ اب جرمن نے صحیح صحیح حالات بے نقاب کر دیے ہیں۔ لہذا وہ وقت قریب
آ رہا ہے جب کہ تمام یورپین ممالک اپنی خواہش صاف صاف بیان کر دیں گے۔
گزشتہ نومبر میں نے جو جرمن کے جنگی جہازوں اور ہوائی بیڑے کے متعلق
اعداد و شمار پیش کیے تھے وہ مبنی بر انصاف ہیں اور گزشتہ چھ سالوں میں
جرمن نے مزید ہوائی جہازوں کی تیاری کے کام میں نمایاں توسیع کر لی ہے۔
در اصل ان امور کے متعلق ہمیں کسی قدر غلط فہمی ہوتی تھی۔ جن دنوں سر جان
سائمن نے جرمن میں ہٹلر سے ملاقات کی تھی اور وہ اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ

جرمن کی ہوائی طاقت برطانیہ کے برابر ہو گئی ہے۔ بعد کی تحقیق سے پتہ چلا کہ ساڑھے آٹھ سو جنگی جہاز ہیں جو ہوائی جنگ کی صورت میں نہایت کارآمد ثابت ہو سکتے ہیں۔

ہٹلر نے سر جان رائٹس سے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ جرمن ہوائی طاقت کے لحاظ سے دراصل فرانس کا ہم پلہ ہونا چاہتا ہے۔ گویا ہٹلر فرانس کے بین بین چل کر نپدرہ سو جنگی جہاز تیار کرنے کے درپے ہے۔ ان حالات میں برطانیہ کے لیے اس موقع کو غنیمت جان کر چاہیے کہ وہ بین الاقوامی امن کے لیے کوشش کرے۔“

کو عظیم ترین زلزلہ | اصناع کے نزدیک اس کی برخلیق ایک عظیم شاہکار سمجھی جاتی ہے۔
سیدھی لکڑیوں کے ہیولے بکیرا ہے تو اس کی اپنی فطرت کہ اٹھتی ہے کہ زیری کائنات میں میرا جواب نہیں۔ حالانکہ عارضی رنگوں کے امتزاج کی یہ کاغذی حمارت ہوا کے ایک جھونکے سے اپنی تمام رونق ضائع کر بیٹھتی ہے۔ لیکن اس پر بھی گمراہی کا یہ عالم ہے کہ بے اختیار بول اٹھتا ہے۔

تو نے یہ کیا غضب کیا، مجھ کو بھی رسوا کر دیا

میں ہی تو ایک راز تھا، سینہ کائنات میں

اگر مصور کا غذا زہ مٹی کے کھلونوں پر اس قدر مسرور اور مغرور ہو سکتا ہے تو کائنات کائنات کو یہ حق کیوں نہیں کہ وہ ارض و سماوات کا الگ و خالق نہ ہو۔ جسے اپنے حقیقی شہ پاروں پر اپنے احکام نازل نہ کرے؟ اور انہیں اپنی رضا پر تیار نہ کرے؟ کبھی کبھار مٹی کی ان رنگین مورتوں میں ایسا ہیجان اٹھتا ہے کہ ان کے اندر سے وہ بے انتہا بغاوت پراں بھارتے ہیں تو یہ آپس سے باہر ہوا مٹھتی ہیں۔ ناپائیدار ہوائی قہقہے آتی ہیں مگر جیسے ہی تار ٹوٹتی ہے یہ بے حس و حرکت زمین پر لیٹ جاتی ہیں تو ان کے لئے اسی پر کہا ہے:

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ مِمَّا كَسَبَتْ أَيْدِي
النَّاسِ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي كَانُوا يَعْلَمُونَ

ترجمہ: پھیل گیا فساد جنگل اور دریا میں لوگوں کی ہاتھ کی کمائی سے تاکہ چکھایا جائے ان کو کچھ
مزہ ان کے کام کا کہ شاید واپس آجائیں۔

یہی حوادث کائنات ہے جسے مادی دنیا زلزلہ کہتی ہے اس سے فطرت کی مراوانسانوں کو ان
کے برے افعال پر عبرت دینا مقصود ہوتا ہے نہ کہ تباہی۔

ہندو تھیالوجی کے نزدیک دھرتی کا تمام بوجھ بیل دیوتا کے سینک پر ہے اور جب وہ اپنا
سینک تبدیل کرتا ہے تو زمین کانپ اٹھتی ہے۔ اپنے پاؤں (گناہوں) سے دھڑکتے ہوئے
دل اسے زلزلہ کہتے ہیں۔ پھر وہ دھن دولت سے اپنے پاپ دھونے کی کوشش میں فقیروں
کو خیرات بانٹتے ہیں۔

سائنس دان زلزلے کو زمین کے بخارات سے تعبیر کرتے ہیں ان کی رائے ہے کہ جہاں
کیں بخارات کو نکاس کی راہ نہیں ملتی وہیں زلزلہ آتا ہے۔

انسانوں کا دل بذات خود ایک کائنات ہے اور یہ کائنات اس قدر کمزور ہے کہ اس کی گینے
کو نگاہ کی ایک ہلکی سی چوٹ پارہ پارہ کر جاتی ہے۔ شاعر کہتا ہے: ۵
مست کسی کا دل دکھا اور مست کسی کی آہ لے
دل کے دکھ جانے سے ناداں عرش بھی ہل جائے

یہ حقیقت ہے کہ جب دل کی دنیا میں زلزلہ آتا ہے تو مجرور پر کانپ اٹھتے ہیں۔

صدیوں پہلے سقراط نے کہا تھا کہ زمین گردش میں ہے اور اسے اس جرم میں زیر پنا
پڑا۔ لیکن آج سمندر ہوں کہ پہاڑ زمین ہو کہ آسمان اس طرح لرزہ بر اندام ہیں کہ کائنات کا
سکون جنس گراں بنتا جا رہا ہے۔ بدیں و بھر قرآن حکیم کا یہ فیصلہ درست ہے ظَهَرَ الْفَسَادُ

فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ مِمَّا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي كَانُوا يَعْلَمُونَ

ترجمہ: پھیل گیا فساد جنگل اور دریا میں لوگوں کی ہاتھ کی کمائی سے تاکہ چکھایا جائے
ان کو کچھ مزہ ان کے کام کا کہ شاید واپس آجائیں۔

یکم جون کے اخبارات کی پہلی سرخی تھی۔
 ۳۱ مئی رات پورنے تین بجے کو مٹر میں شدید زلزلہ آیا جس میں ہزاروں جانیں
 تلف ہو گئیں۔ شہر اور دیہاتوں کا نشان تک مٹ گیا۔ کوئٹہ کا بابو محلہ اس سے خاصہ
 متاثر ہوا۔ چالیس ہزار سے زیادہ اموات ہوئیں۔ سرکاری اطلاع پچاس ہزار کی ہے۔

پلک جھپکتے ہی عمارتیں کھنڈرات میں تبدیل ہو گئیں



مورخین کی تحقیق ہے کہ کورہ ارض پر سب سے پہلا زلزلہ کوریتھ گریس "میں ۵۶ء میں آیا تھا اور اس میں ہلاک ہونے والوں کی تعداد پینتالیس ہزار تھی۔



(یہ طائف میں زلزلہ کے وقت رک گیا تھا اس سے راز لے کے صحیح وقت کا پتہ چلتا ہے)
 ممکن ہے کہ مورخین کی تحقیق صحیح ہو لیکن اگر اسلام کی سطح پر پرکھا جائے کہ زمین انسانی
 گناہوں سے کانپ اٹھتی ہے تو مودخ کی رائے پر اختلاف لازم آتا ہے۔ کیونکہ انسان اور
 گناہ کا رشتہ روز افزائش سے قائم ہے۔ آرزوؤں اور تمناؤں کا گوارہ انسان شاہراہ زندگی کے
 ہر موڑ پر فریب کھاتا ہے اور فریب خوردہ انسان اپنے عصیاں پر مطمئن ہونے کے ساتھ بعض

دفعہ سے نیکی کا درجہ دینے پر تیار ہو جاتا ہے یہی گمراہی انسان کے گناہوں کی پہلی منزل ہے۔
اگر اس حقیقت کو درست مان لیا جائے تو مؤرخین کی تحقیق غلط ہو جاتی ہے۔ طوفانِ نوح
فرعونِ مصر عدا، نمود اور آئے دن کوہِ آتشیں کے پھٹنے کو کیا سمجھا جائے، جس میں ہزاروں نہیں
لاکھوں جا میں تلف ہو چکی ہیں۔ یہ بھونچال نہیں تو اور کیا ہے۔

بہر حال ۳۰ اور ۳۱ مئی ۱۹۳۵ء کی درمیانی شب کو ٹیٹہ کی تباہی کی چشم دید گواہ ہے کہ اس
رات کی صبح ہزاروں مرنے والوں کو نصیب نہیں ہوئی۔

بے آب و گیاہ پہاڑوں کے درمیان پیسٹھ ہزار کی یہ آبادی جس میں ہر سال تفریح کے لیے
آنے والوں کی تعداد قریباً بیس ہزار کا اضافہ کر دیتی تھی کو ٹیٹہ میں مئی کے دنوں موسم تبدیل ہو جاتا ہے
لیکن اس سال موسم گرما اس ماہ بھی سرور ہوا۔ اس طرح اس بد نصیب شہر کی آبادی تباہی کے دنوں
اسی ہزار کے قریب تھی۔

برطانیہ کے ایک صحافی رابرٹ جیکسن اپنی تصنیف "کو ٹیٹہ کے تیس سیکنڈ" میں اس قیامت
صغریٰ کا نقشہ یوں کھینچتا ہے۔

"ہوایں خشکی تھی۔ چاند ابتدائی دنوں کا تھا بلبلوں کے آوارہ سائے ادھر ادھر
بھٹک رہے تھے۔ کچھ بے گھر لوگ فٹ پاتھوں پر سو رہے تھے اور جن کے گھر
تھے وہ بند کمروں میں آنے والی تباہی سے بے خبر گہری نیند میں مبتلا تھے۔

اس رات کو ٹیٹہ کے جانور عجیب سی بولیاں بول کر اپنی بے چینی کا اظہار
کر رہے تھے۔ گھوڑے، بھینس، بکریاں اپنی اپنی جگہ پر نہایت اضطراب کی کیفیت
میں مبتلا تھے۔ لیکن نہ تو کسی نے ان کی آواز سنی اور نہ توجہ دی۔

○

کو ٹیٹہ بلوچستان کا واحد مقام نہ تھا جہاں تین بجکر تین منٹ پر موت،
زندگی پر حاوی ہو گئی تھی۔ نواز لے کا پھیلاؤ مترسلی لمبے اور سولہ میل پورے
علاقے تک تھا۔ قلات کا معروف قصہ مستونک بھی آنا نا اہلیت و تباہی
کے اندھیرے میں ڈوب گیا تھا۔

ایک اور واقعہ گار آفاقی لکھتا ہے۔

۳۱ مئی ۱۹۳۵ء کی صبح ————— آج کی صبح کو بیڑ میں اندھا سورج طلوع ہوا۔ آج کوئی بنتا مسکراتا بچہ سکول نہ جاسکا آج کوئی خاتون قندھاری بازار خریداری کے لیے نہیں آئی۔ آج کسی بنک کا دواڑہ کاروبار کے لیے نہ کھل سکا۔ آج کو بیڑ شہر کے تمام بازار اپنا تک اتم کنان نظر آتے ہیں۔ اندھا سورج ہر طرف تاریکی اور بربادی کی کرنیں پھیلا رہا ہے۔

نصف رات کے قریب گرد و پیش کے ماحول میں کچھ مبہم سا تغیر رونما ہونے لگا۔ گھٹن اور جس کی سی کیفیت بڑھنے لگی۔ کچھ ہی ثانیہ بعد مغرب کی طرف سے سائیں سائیں کا شور بلند ہونے لگا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس شور نے آندھی کا روپ دھار لیا۔ کو بیڑ شہر شرقاً غرباً اور شمالاً جنوباً خونناک اور مہیب آندھی کی لپیٹ میں آچکا تھا۔ ابھی آندھی کا زور تھمنے نہ پایا تھا کہ مغرب کی طرف سے زیر زمین ایک جھٹکے کی برق رفتار اور جھجلا دینے والی لرآئی اور مشرق کی طرف کوئد گئی۔ یہ مشکل چند ثانیہ گزرے ہوں گے کہ مشرق کی طرف سے اسی طرح کی ایک خونناک زیر زمین لرآئی۔ معایہ خیال گذرا کہ دونوں مخالفت لہروں میں ایک زبردست قسم کا ٹکراؤ ہوا ہے۔ بس پھر کیا تھا کو بیڑ شہر ایک لڑخیز گڑا گڑا ہٹ کے سمندر میں ڈوب گیا۔

پینتالیس سیکنڈ تک گڑا گڑا ہٹ اور زلزلے کے بے رحم جھٹکوں کا سلسلہ جاری رہا اور اس کے ساتھ جھونپڑیوں، مکانوں اور دکانوں کے انہدام کا غیر معمولی شور و غوغا اٹھا کہ الامان! سوئے ہوئے زندہ انسان عمارتوں کی چھتوں تلے آکر کچلے گئے، محسوم بچے اور الٹو شیرائیں، جو خوابوں کے حین جزیرے میں پہنچے ہوئے تھے، پھر بھی بھی لوٹ کر اس حقیقی دنیا میں نہیں آ سکے۔ جان بوسینوں میں عزم و ہمت کے چراغ روشن کیے سو رہے تھے دوبارہ آنکھ نہ کھول سکے۔ ہر طرف گرام مچ گیا۔ مکان گر رہے تھے۔ زمین مچٹ رہی تھی۔ پہاڑوں سے

قوی سیکل پتھر اور بھاری بھر کم پٹانیں نشیبی آبادیوں کی طرف ٹھسک رہی تھیں اور وہ بد قسمت ہو اس قیامت صغریٰ کی زد میں آ رہے تھے اپنی دل روزِ حیح دیکار سے کانوں کے پردے پھاڑ رہے تھے یہ سلسلہ صبح ہونے تک جاری رہا۔ بچے یتیم ہونے رہے۔ ماہیں اپنے تختہ لائے جگر سے محروم ہوتی رہیں۔ بہنوں کے بھائی بزاروں من مٹی کے بوجھ تلے سسک سسک کر دم توڑتے رہے۔ اسی طرح رات بھر زندگی اور موت، موت اور زندگی کے درمیان تصادم جاری رہا۔

○

میں نے دیکھا کہ انگریزوں نے لاشیں لواحِ حقین کے سپرد نہ کیں، بلکہ پڑے پڑے گڑھے کھودے اور مسلمان، ہندو، سکھ یا عیسائی کا امتیاز کیے بغیر لاشوں سے بھر دیے۔ ایک ایک گڑھے میں سو سو افراد دفن کیے گئے۔

بقبرستان کالسی بڈ پراج بھی موجود ہے :

جس کو راکھے سائیاں

بعد الصمد رانی لیتے ہیں :-

• بابو محلہ میں ایک ڈرامیور رہتا تھا اس کا گھر بھی زلزلہ میں تباہ ہو چکا تھا جب سات دن سے بعد اس کے گھر کی کمرانی کی گئی تو اس کا شیر خوار بچہ زندہ تھا اور انگوٹھا پھوس رہا تھا۔

○

۳۰ مہنی کی رات کو بھاری مرغی نے انڈوں میں سے تیرہ بچے نکالے یہیں گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ زندہ بچ رہیں گے۔ قدرت کا کرشمہ دیکھنے تبین دن کے بعد جب بلداٹھایا گیا تو مرغی اپنے پردوں تلے بچوں کو لیے بیٹھی تھی۔ انہیں باہر نکالا تو سفید بچے بلبے پر ڈاری لینے لگے

○

ایک خاتون بلبے کے نیچے دب کر ہلاک ہو گئی۔ مگر اس کی تین ماہ کی شیر خوار

بچی زندہ بچ گئی اور اسے نواش تک نہ آئی۔

۵

ایک مجوزہ میں نے اپنی نظروں سے دیکھا ہے۔ میرے اور موہنی خاں رسلو گورنر مغربی پاکستان کے استاد سید غلام حسین معمر تھے۔ ان کے اپنی کوئی اولاد نہ تھی۔ ایک بچی پال رکھی تھی۔ حادثے کی رات سید غلام حسین ان کی بیوی اور بے پالک بیٹی سب گھر ہی میں تھے۔ حادثے کے دس گھنٹے بعد ان کا پتہ لگانے ان کے گھر پہنچا تو مکان ڈھیر موچکا تھا۔ ساتھ والی دو منزلہ عمارت بھی ان کے مکان پر گری تھی۔ ہاتھوں سے ملہا مٹھانا شروع کیا۔ چند دوست بھی میرے ساتھ تھے۔ ڈیڑھ گھنٹے بعد بلے سے آواز سی سنائی دی۔ کان لگایا تو یقین ہو گیا کہ استاد محترم زندہ ہیں۔ کچھ دیر کے بعد آواز صاف سنائی دینے لگی۔ میں نے کہا ”ہم پہنچ گئے ہیں تو استاد محترم نے جواب دیا کہ سٹور میں سے کدال اور بلیچ لے کر بلے کو بٹاؤ۔ ہم نے سسل جدوجہد کے بعد گھر کے مینوں افراد کو باہر نکالا۔

ان کے بچ رہنے کی وجہ دو ٹھہرے تھے۔ جو گرتے وقت آپس میں اوپر کی طرف مل کر زمین میں دھنس گئے تھے۔ جو بلے پڑتا تھا یہ ٹھہرے اسے روک لیتے۔ استاد غلام حسین، ان کی بیوی اور بے پالک بیٹی۔ مینوں ان ٹھہریوں کی اوٹ میں بچے ہوئے تھے۔“

”روزنامہ مشرق۔ سڈے ایڈیشن۔ کوئٹہ نمبر۔ ۲۸۔ مئی ۱۹۶۷ء“

احرار کا کوئٹہ ریلیف کمیٹی | سپاہیے قویہ تھا کہ اس قیامت صغریٰ میں انسان انسان کے کام آتا۔ کوئٹہ کے مصیبت زدگان کے لیے دنیاوی

دھندوں سے چند دنوں کے لیے ہاتھ کھینچ لیا جاتا۔ مگر ملک بھر کی سیاسی جماعتوں نے اپنی دنیاوی ضرورتوں کو ترک نہ کیا۔ وہ آئندہ انتخاب کی تیاریوں میں بدستور مصروف رہیں لیکن احرار نہاد نے شعبہ خدام خلق کے تحت لاہور دہلی دروازہ سے باہر کوئٹہ ریلیف کمیٹی قائم کر دیا۔ بارہ ڈاکٹر اور پچاس کمپوڈروں کی ایک جماعت پوری تیاری کے ساتھ کوئٹہ روانہ کر دی گئی۔ اس کے ساتھ ہی

رضا کاروں کی بھرتی کا کام اعلان کر دیا گیا جو کوئٹہ سے آنے والے زخمیوں کی دیکھ بھال میں مجلس احرار کا ہاتھ بٹائیں۔ نیز مصیبت زندگان کی امداد کے لیے ایک ریلیف فنڈ جاری کیا گیا۔

مقامی ریلیف کمیٹی کے انچارج ڈاکٹر محمد عبدالقوی لقمان ایم۔ بی۔ بی۔ ایس مقرر تھے کمیٹی دہلی دروازے سے اکبری دروازے تک پھیلا ہوا تھا۔ سو سے زائد برقی پنکھے اور اسی قدر برقی روشنی کا انتظام تھا۔ مجلس احرار نے کوئٹہ سے لاہور تک تمام اسٹیشنوں پر اپنے رضا کار متعین کر دیے تھے جو زخمیوں کی ہر طرح تیمارداری کرتے۔ امرتسر اور لاہور میں ۲۰ جون تک دو ہزار سے زائد کوئٹہ سے زخمی پہنچ چکے تھے۔ اس ضمن میں یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ احرار نے اپنے تمام تبلیغی اور سیاسی پروگرام ملتوی کر دیے اور تمام رہنما لاہور مرکز میں جمع ہو گئے۔

احرار کوئٹہ ریلیف کمیٹی کے امدادی کاموں میں مقامی کانگریس، انجمن حمایت اسلام لاہور اور دیگر مسلم جماعتوں نے پورا تعاون کیے رکھا۔ چھ لاریاں روزانہ لاہور ریلوے اسٹیشن سے مجروحین کو کمیٹی تک پہنچانے میں دن رات مصروف تھیں۔ کمیٹی میں مختلف جگہوں پر لاؤڈ اسپیکر لگا دیے گئے تھے تاکہ تکلیف یافتہ کے وقت کسی ڈاکٹر کو بلانے میں وقت نہ ہو۔ میوبہ ہسپتال لاہور کے ڈاکٹر بھی بمقامات زخمیوں کو طبی امداد دیتے۔ لاہور کے محترم گھرانوں کی عورتیں زخمی بہنوں کی تیمارداری کرتیں۔

کمیٹی کے انچارج چودھری افضل حق تھے۔ جو کوئی لمحہ گزارے بغیر کمیٹی کے رازد گھونٹے پھرتے اور ہر طرح کے کام کی نگرانی کرتے۔ اسی طرح امرتسر ریلیف کمیٹی کے انچارج مولانا عبدالسلام سہدانی تھے اور ان کے معاون شیخ صادق حسن رئیس، امرتسر، مولانا عبدالکریم مہتاب، خواجہ عبدالرحیم عاجز اور مرزا غلام نبی جانباز تھے۔ پنجاب کے سرکاری حکام نے بھی اس سلسلے میں پوری طرح تعاون کیا۔ وائسرائے ہند لارڈ ونگٹن اور اسٹین ہورس نے احرار ریلیف فنڈ میں پانچ ہزار روپیہ دیا۔ اس وقت کمیٹی میں زخمیوں کی تعداد سینکڑوں تھی۔

ایم۔ جون سے ۵۔ جون تک مجلس احرار کے چار مختلف وفد مصیبت احرار وفد پر پابندی

زندگان کی امداد کے لیے کوئٹہ روانہ ہو چکے تھے۔ اور ان کی رپورٹ کے مطابق ہر طرح کی اشیاء کوئٹہ روانہ کی جا رہی تھیں کہ ۵۔ جون کو حکومت بلوچستان نے ڈاء

عبدالقوی نعمان انچارج ریلیف کمیٹی کو تار کے ذریعہ مطلع کیا۔
 ”کوئٹہ میں مارشل لا نافذ کر دیا گیا ہے۔ وہاں ہر طرح کی بیرونی مداخلت ممنوع
 قرار دی گئی ہے اللہ اعلم ہمیں افسوس ہے کہ ہم آپ کی مزید خدمات سے
 فائدہ نہ اٹھا سکے۔ برائے لوازش اب آپ کوئٹہ میں اپنی ریلیف پارٹیاں
 نہ بھیجیں۔“

اس کے ساتھ ہی چوتھے احوار وفد کے سیکرٹری مولانا عبدالغفار غزنوی نے حبیب آباد
 سے چودھری افضل حق کو تار کے ذریعہ مطلع کیا کہ:

”ملٹری آفیسروں نے ہمیں حبیب آباد کے ریلوے اسٹیشن پر روک لیا ہے
 آپ ڈپٹی کمشنر لاہور کے ذریعہ ان افسراں سے کوئٹہ جانے کی اجازت لے کر دیں
 کیونکہ ابھی کوئٹہ میں امداد کی سخت ضرورت ہے۔ نیز کمبل اور سامان خورد و نوش
 بھی روانہ کریں۔“

”روزنامہ انقلاب لاہور ۶-جون ۱۹۲۵ء“

صدر مرکز کا حکم | مولانا حبیب الرحمن لادھیانوی صدر مرکز یہ مجلس احوار نے ماتحت
 مجالس کو حکم دیا کہ وہ کوئٹہ مصیبت زدگان کی امداد کے لیے مقامی
 ٹاکٹروں کو جو بغیر معاوضے کے کام کریں فوراً لاہور روانہ کریں۔
 حکومت بلوچستان کے مطابق کوئٹہ میں مارشل لا نافذ کر دیا گیا ہے۔ لیکن اس کے
 باوجود یورپین مجروحین کے لیے ہاتھ دہ ریلیف کمیٹیاں کوئٹہ پہنچ رہی ہیں۔ خاص طور پر ان
 کے ذمہ ہے کہ انگریز خاندان کی دیکھ بھال کی جائے۔ انہی دنوں وائسرائے ہند کوئٹہ ریلیف
 فنڈ جاری کیا گیا جس میں دیکھتے دیکھتے لاکھوں روپے جمع ہو گئے۔ سرکاری اور غیر سرکاری
 سرمایہ دار وائسرائے کے ریلیف فنڈ میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر امداد کرتے حالانکہ
 سرکاری آفیسر ہر روز احوار ریلیف کمیٹی دیکھتے آتے لیکن امدادی رقوم وائسرائے فنڈ میں
 دیتے۔ اس کے مقابل احوار ریلیف فنڈ میں بیس ہزار سے زیادہ روپیہ جمع نہیں ہوا۔ جس
 کی تفصیل ہر روز شام کو شائع ہونے والی بلیٹن میں درج کر دی جاتی تھی۔

احرار کیمپ کا معاہدہ | لاہور۔ ۶۔ جون۔ آج تیسرے پہر میں نے مجروحین کو ٹیڑھ کے اس کیمپ کا معاہدہ کیا جو مجلس احرار نے باغ بیرون دہلی دروازہ

میں قائم کر رکھا ہے۔ بحالات موجودہ ایک سو سے زائد بستروں کا انتظام بنامیانوں کے نیچے مجروحین کے علاج کا بیک وقت انتظام ہے۔ ایم۔ بی۔ ہائی سکول کی عمارت میں بھی مجروحین ہیں۔ اس کیمپ میں عورتیں اور بچے بھی مجروحین ہیں، جن کی دیکھ بھال کے لیے عورتیں مقرر ہیں۔ پناہ گزینوں کے نام کار حطر موجود ہے۔ بجلی کے ٹکے اور روشنی کا بہترین انتظام ہے۔ مجروحین کی خوراک کا انتظام بھی خوب ہے۔ ڈاکٹر عبد القوی نعمان، ڈاکٹر عبدالرحیم خاں ایم۔ بی۔ بی۔ ایس سابق سول سرجن اور ان کے ساتھ دوسرے ڈاکٹر بہمن مصروف ہیں۔

بحیثیت مجموعی احرار کیمپ نہایت مفید خدمت انجام دے رہا ہے۔ ایسے میں مسلمانان لاہور کا فرض ہے کہ وہ مجلس احرار کی دل کھول کر مدد کریں۔ کیونکہ اس وقت صرف یہی ایک کیمپ ہے جو مجلس احرار نے قائم کر رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے سکے آمین۔ (عبدالحمید سالک۔ مدیر روزنامہ انقلاب لاہور۔ ۸۔ جون ۱۹۴۵ء)

ٹرانی نیکی سے خائف | نیکی بہر حال نیکی ہے، اسے کرتے رہنا چاہیے۔ ٹرانی نیکی سے خائف رہ کر اسے ڈرانے دھمکانے کے کئی بہانے

تلاش کرتی ہے۔ مگر ایک وقت آتا ہے جب انسان کے فائدہ اعمال میں نیکی واضح ہو کر سامنے آتی ہے۔

۴۔ جون کو روزنامہ انقلاب لاہور کے ایڈیٹر عبدالحمید سالک نے احرار ریٹیف کیمپ دیکھا۔ اور اس کی روداد اگلے روز اپنے جہد سے میں شائع کی۔ لیکن ۹۔ جون کے شمارے میں اپنے ادارتی نوٹ میں لکھتے ہیں۔

»ان دنوں بعض حضرات حکومت ہند کو مشورہ دے رہے ہیں کہ وہ احرار

کو کوٹہ ریٹیف کے سلسلے میں اس قدر آگے جانے کی اجازت نہ دے کیونکہ

اندیشہ ہے کہ وہ اس سے کوئی سیاسی فائدہ نہ اٹھائیں۔

(محترم مدیر انقلاب اگر ان مشیروں کے نام شائع کر دیتے تو بات صاف ہوجاتی لیکن

اس مبہم سے ادارتی نوٹ سے کئی بُشہات پیدا ہوتے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ادارہ کی بڑھتی ہوئی شہرت سے مزارائیوں کو خطرہ ہو۔

اس کے دوسرے روز حکومت ہند نے اخبارات کے نام ایک پریس نوٹ جاری کیا کہ ”کوئٹہ کے متعلق کوئی خبر یا پریس نوٹ جو شائع ہو، وہ حکومت کی نگرانی میں ہو یا اس پر پابندی سختی سے ہو۔“

لاوارث بچے | مصیبت کے دنوں میں بھی کفر اپنی شرارتوں سے باز نہیں رہا۔ چنانچہ کوئٹہ کے زلزلہ میں زندہ بچے رہنے والے یتیم اور لاوارث بچوں کو ہندو اور عیسائی مشنری اپنے جال میں پھانسنے کے لیے کوئٹہ سے لاہور تک تمام ریلوے اسٹیشنوں پر بھرپور حملے کرتے رہے۔ غیر مسلموں کی ان حرکات کے پیش نظر چودھری افضل حق ایم ایل اے نے ۱۲ جون کو پریس بیان کے ذریعے ہندو اور مسلمانوں سے اپیل کرتے ہوئے کہا: ”کوئٹہ کے مصیبت زدگان کا کام ابھی پورے طور پر شروع نہیں ہوا۔ لیکن مختلف فرقوں نے یتیم بچوں اور مظلوم عورتوں کے اغوا کا کام شروع کر دیا ہے جس فرقتے کے دماغ کے کسی گوشے میں دوسری قوم کے بچوں اور عورتوں کے اغوا کا خیال ہوا انہیں خوف خداوندی سے ڈرنا چاہیے۔ بجائے دوسری قوم کے اغوا کا خیال کرنے کے انہیں اپنے ہزاروں بھیک مانگنے والے لوگوں کی حالت سدھارنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ ہزاروں ہندو مسلمان بچے اور عورتیں بھوک کے دکھ سے ملک میں مارے مارے پھر رہے ہیں ایسے وقت میں محبت اور نیک دل لوگ اپنی قوم اور مذہب کے ان بد نصیبوں کی امداد کیوں نہیں کرتے؟

میں تمام ہندو مسلمان دوستوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ مصیبت زدگان کی بلا تفریق مذہب امداد کریں۔ فضول افواہوں کی طرف توجہ نہ دیں نیز کوشش کریں کہ ہندو عورتیں اور ہندو بچے ہندوؤں کے سپرد کر دیے جائیں۔ مسلمان عورتوں اور بچوں کو مسلمانوں کے حوالے کیا جائے۔ اس طرح باہمی اتحاد کو برائیں

کسی قوم کی کمزوری سے فائدہ اٹھانا بدترین اخلاقی گناہ ہے مجھے امید ہے کہ کوئی انصاف پسند ایسا گناہ نہیں کر سکتا۔

مجلس احرار اس وقت صرف اور صرف انسانی ہمدردی کے طور پر کوئٹہ کے مصیبت زدگان کی امداد کر رہی ہے۔ ہمارے کمیپ میں نہ صرف ہندو مسلمان بل کہ مصیبت زدگان کی امداد کر رہے ہیں بلکہ سکھ اور عیسائی بھی اس مصیبت میں ہمارے معاون ہیں۔ ہماری یہ منشا ہے کہ زیادہ سے زیادہ متحد ہو کر کام کیا جائے۔ مجھے امید ہے کہ تمام شہروں میں کام کرنے والی ریفیٹ پارٹیاں پورے تعاون سے کوئٹہ کے مظلومین کی امداد کریں گی۔ ایسا نہ ہو کہ کوئٹہ کے مصیبت زدگان کی امداد کی بجائے باہمی بد اعتمادی سے لڑائی جھگڑا شروع ہو جائے۔ کوئٹہ والوں کی امداد کرتے کرتے کہیں دوسری مصیبت ملک پر نہ آجائے۔

کوئٹہ اور مجلس احرار لاہور ہسپتال کو چھوڑ کر امداد مصیبت زدگان کوئٹہ کے دوسرے تمام مراکز میں مجلس احرار کے کمیپوں کو ہر اعتبار سے فوٹیت جمل

ہے۔ اس مجلس نے باشندگان لاہور میں زخمیوں اور پناہ گزینوں کی امداد کا بے پناہ جوش پیدا کر دیا ہے جس کا نتیجہ ہے کہ چار پائیاں البتہ سے اور ہسپتال کے ساز و سامان خیمے اشامبالے ایشیا خورد و نوش اور پہننے کے کپڑے، غرض ہر چیز با فراط مہیا کی جا رہی ہے اور ہر روزان کمیپوں میں بے شمار پناہ گزین مہتمن اور زخمی اتندہ ست ہو کر اپنے اپنے گھروں کو جا رہے ہیں۔ اور کارکنان احرار کی مخلصانہ خدمت کا شہر بھر میں چرچا ہو رہا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ مسلمان آئندہ بھی مجلس احرار کی امداد میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہ کریں گے۔

ایشیائے مذکورہ بالا کے علاوہ نقد روپیے کی بھی سخت ضرورت ہے۔ مختصر حفاظت اس طرف بھی توجہ فرمائیں۔ بعض اخبارات میں احرار کے کام کی تعریف کے ساتھ ہی ساتھ ان کے مسائل اور انجمن اسلامیہ اور انجمن اشاعت اسلام پر یہ دواویسے لکھے جاتے ہیں کہ یہ سب چیزیں نزدیک یہ حملے محض احمقانہ جذبے کے تحت کیے جا رہے ہیں۔ ان کے خلاف ایسے شغل میں مصروف ہونا نہایت افسوسناک ہو گا۔ تمام احرار کو اس سے بچنا چاہیے۔

مطابق خدمت کی ہے۔ مجلس احوار کے حسن عمل کا اعتراف تمام ملک میں کیا جا رہا ہے اور یقین ہے کہ مجلس کے حامی دوسری جماعتوں کو برا بھلا کے بغیر بھی احوار کی معرفت مصیبت زدگان کی امداد جاری رکھیں گے۔

(روزنامہ انقلاب، لاہور ۱۲ جون ۱۹۳۵ء)



میوہسپتال کا چارج | لاہور میوہسپتال میں کوئٹہ سے آنے والے مجروحین کا چارج بھی احوار کے حوالے کر دیا گیا۔ اس ضمن میں چودھری افضل حق ایم۔ ایل۔ اے روزانہ صبح و شام میوہسپتال پہنچ کر مجروحین کو دیکھتے ان کی ضرورت کا خیال کرتے۔ زنانہ احوار لطیف کیمپ کی انچارج رشیدہ لطیف کو میوہسپتال زنانہ وارڈ سونپ دیا گیا۔

(چودھری افضل حق)

احرار بلٹین | کوئٹہ ریٹیف کیمپ کی طرف سے ہر شام بلٹین شائع ہوتا تھا اور ساتھ ہی تمام دن کا حساب آمد و خرچ بھی درج ہوتا۔ اس طرح ۲۲ جون کے بلٹین میں اعلان کیا گیا کہ ”یکم جون سے ۲۰ جون تک دو ہزار دو سو پچاسی روپے کی آمد ہوئی۔ اس کے مقابل اسی تاریخ کو دائرے کے ریلیف فنڈ میں بائیس لاکھ روپے جمع ہو چکا تھا۔“

دائرس کے اعتراف | قریباً ایک ماہ بعد خدمت خلق کے جذبے سے قائم کردہ کوئٹہ ریٹیف کیمپ اٹھا دیا گیا۔ مصیبت زدگان تندرست ہو کر گھروں کو جا چکے تھے، پورے انہیں لاہور میوہسپتال تبدیل کر دیا۔ لاوارث بچوں کو پنجاب کے مختلف خیراتی اداروں کے سپرد کر دیا گیا۔ بیوہ عورتوں کو کچھ توان کے وارث لے

گئے اور پورہ گئیں انہیں دارالامان بھیج دیا گیا۔ اس طرح مجلس احوار انسانی فرائض سے سرفرو
بہفتی۔

”ہر کہ خدمت کردا و مخدوم شدہ کے مصداق مجلس احوار کو ہندوستان بھر میں شہرت ملی۔
اپنے اور پرانے اس خلوص کا اعتراف کرنے لگے گھروں سے نکل کر یہ شہرت حکومت کے
ایوان تک جا پہنچی وائسرائے ہند لارڈ ونگلڈن نے احوار کی ان خدمات کو سراہتے ہوئے انہیں
وائسرائے ہاؤس نیو دہلی بلا بھیجا۔ اس موقع پر احوار ونگلڈن کی پیش کی آراء تقسیم ہو گئیں ایک
گروہ وائسرائے کے سرٹیفکیٹ کے حق میں تھا اور دوسرا حکومت کی اس راہ تحسین کے خلاف
موقف دونوں کا درست تھا۔ اول الذکر کی رائے تھی۔

”جب ہم نے کسی سیاسی ضرورت یا غرض سے کوئٹہ کے مسیبت زدگان کی
امداد نہیں کی تو پھر ہمیں اس مسئلہ میں حکومت کے تعاون کو پسند کرنا چاہیے
اور اتنی سی بات پر حکومت کی ناراضگی لینا درست نہیں۔“

دوسرے گروہ جس میں حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری شامل تھے، کی رائے تھی
”اگر ہم نے کسی سیاسی ضرورت یا غرض سے یہ کام نہیں کیا تو پھر ہمیں
حکومت کی خوشنودی کی بجائے اس کا صلہ اللہ تعالیٰ سے لینا چاہیے۔“ (دوسری
دلیل تھی)

ملک ہمارا اتنا ہی بھی ہمارے ملک کی ہوئی۔ بھائی بھی ہمارے مرے
ہم نے جو کچھ کیا ہے انسانیت کے لیے کیا ہے۔ اگر زیر سے سرٹیفکیٹ یا
انعام کے لیے نہیں۔ لہذا ہمیں وائسرائے ہاؤس نہیں جانا چاہیے۔
اس پر کافی دیر بحث رہی۔ آخر اول الذکر گروہ کو شکست ہوئی اور احوار رہنماؤں نے
وائسرائے کوٹنے سے انکار کر دیا۔

جیسے ہی احوار کو سٹر پیٹیف کمیپ سے فارغ ہونے کراچی کے مسئلے کو پھر اٹھا
یا گیا۔ حکومت اراوٹا اپنے اس ظلم پر پردہ ڈال رہی تھی۔ جس کے باعث
سینکڑوں مسلمان شہید اور زخمی ہوئے تھے۔ یہاں تک کہ ایوان لندن میں بھی اس ظلم کی

صدرائے بازگشت سنائی دی، لیکن حکومت کے فیصلے میں کوئی جنبش نہ آئی۔ آخر صدر آل انڈیا مجلس احوار نے ۲۱۔ جون کو تمام ہندوستان میں پوم کراچی منانے کا پھر سے اعلان کر دیا۔ جس کی تائید میں ڈاکٹر سر محمد اقبال، مولانا حسرت موہانی، علی گڑھ یونیورسٹی کے مفتی کفایت اللہ صدر جمعیتہ علمائے ہند اور ممبئی خلافت کمیٹی کے رہنماؤں نے پریس بیان دیے، جس میں حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ

”کراچی کے واقعہ کی غیر جانبدارانہ تحقیقات کی جائے۔ مگر حکومت نے ایسی ضد پکڑی ہے کہ وہ اس جائزات کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں۔ اگر آگے چل کر حالات بگڑ گئے تو اس کی تمام ترمذ مرداری حکومت ہند پر ہوگی۔“

۲۱۔ جون کو مجلس احوار کے ناظم مولانا منظر علی اظہر نے مسلمان ہند سے اپیل کی کہ

”جدید رائے دہندگان کی فرست تیار ہو رہی ہے۔ یہ خبر سرکاری طور پر بھی شائع ہو چکی ہے۔ تمام مسلمان بلا سیاسی اختلاف اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے نام درج کرائیں۔“

اگر کوئی فکر اس سلسلے میں کسی قسم کا تساہل کرے تو اس کی اطلاع فوراً دفتر احوار کو کریں۔ یہ فرست پندرہ جولائی تک مکمل ہو جائے گی، لہذا اس میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کرنی چاہیے۔“

دنیا کبھی طاقت کے سامنے سجدہ ریز ہوتی ہے اور کبھی ضرورت ہرمن، برطانوی معاہدہ کے سامنے جھکتی ہے۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد برطانوی اقتدار کا سورج نئے زاویوں سے ابھرا اور شکست خوردہ طاقتیں فرنگی کے دیو سپر انداز ہونے پر مجبور ہو گئیں۔ مگر جیسے ہی یہ دوپہر ڈھلی اور شام کے دھندلے دکھائی دیے تو آسمان کے ستارے بھی ایوان برطانیہ میں چھید کرنے لگے۔ ہرمن کے اکھڑے ہوئے قدموں میں ٹھہراؤ آیا۔ حالات بدلتے دیر نہیں لگتی۔ قوت کا توازن کبھی ایک ہاتھ نہیں رہا۔ میدان جنگ میں ہار جانے والی تو ہیں جب سنبھالا لیتی ہیں تو پھر سے ہوئے شیر کی طرح اپنے شکار پر چھٹی ہیں۔

جرمن نے ۱۹۱۸ء میں مات کھا کر درسیلز کے مقام پر اتحادیوں کے ہاتھوں ایک اور شکست کھائی کہ جرمن کو ان کے سامنے پارہ پارہ کر کے اتحادیوں نے اپنی بھولی میں ڈال لیا۔ لیکن دل لخت لخت کو جوڑنے کے لیے جرمن قوم نئے عزم سے آراستہ ہو کر میدان کارزار میں آن پہنچی۔ فرانس اور برطانیہ روس سمیت ایک دوسرے کا منہ تیکنے لگے۔ ہٹلر نے جرمن چانسلر کی حیثیت میں بکھرے ہوئے دانوں کو پھر ایک تسلیح میں پرو دیا۔ جواں سمیت جرمن حالات اور وقت کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتا رہا۔ اگرچہ اتحادیوں کے پسینے چھوٹتے رہے لیکن بہار کو آنا تھا وہ آکر رہی۔

۱۱۔ جون ۱۹۳۵ء کو رمزے میکڈانلڈ کی جگہ مسٹر بالڈون کو برطانیہ کا وزیر اعظم مقرر کر دیا گیا۔ موصوف اس سے پیشتر وزیر خارجہ کی حیثیت سے جرمن سے رابطہ قائم کیے ہوئے تھا اور خاص کر سال ۲۲-۲۳ مئی کو اپنی تقریر میں مسٹر بالڈون، ہٹلر کی امن پسند پالیسی پر پسندیدگی کا اظہار کر چکا تھا۔ چنانچہ نئی ذمہ داریاں سنبھالتے ہی جون کے آخری دنوں انہوں نے ہٹلر سے ایک معاہدہ کر لیا۔ جس کی رو سے

۱۲۔ جرمن کا یہ حق مان لیا گیا کہ وہ اپنی بحری قوت برطانیہ کے مقابل ہینتیس فیصد تک بڑھا سکتا ہے۔ نیز اسے ہمسایہ ممالک کے برابر ہوائی فوج رکھنے کا اختیار بھی مل گیا۔

اس طرح سترہ سال کے بعد معاہدہ درسیلز جس کی وجہ سے جرمن کے دامن پر رسوائی کا داغ لگ چکا تھا، عملی طور پر ختم ہو کے رہ گیا۔ اس معاہدے کو لندن کے اخبارات نے برطانیہ کی سب سے بڑی غلطی قرار دیا اور ہٹلر کی بلند سمتی پر اسے مبارک باد دی اور کہا کہ برطانیہ کی نرم پالیسی، ہٹلر کے روشن مستقبل کی ضامن بن کر ابھرے گی۔

ہندوستان کے موجودہ سیاسی حالات بھی برطانیہ کے لیے غیر مفید تھے۔ اقوام ہند حکومت کے کسی فیصلے سے مطمئن نہیں تھیں۔ اس موڑ پر حکومت کی یہ بنیادی پالیسی رکہ قوموں کو باہم ملاؤ اور حکومت کرو، بھی قیل ہو چکی تھی۔ حالانکہ ہندو مسلمان دست و گریبان تھے۔ تاہم انگریزوں کی ان حالات میں بھی اپنے لیے سکون نہیں تھا۔ اسی صورت میں جیسے

کیسے بن پڑا اس نے وقتی طور پر ہٹلے سے معاہدہ کر کے اپنے دامن کا ایک سراگ سے بچایا۔ اور اپنی دانست میں وہ یورپ کی دوسری بڑی جنگ سے محفوظ ہو گیا۔ ہندوستان پر اس معاہدے کا اثر ہوا کہ حکومت ہند اس سیاسی پرنٹی چالیں چلنے لگی۔

مسجد شہید گنج تحریک مسجد شہید گنج اور اس کے اسباب | جب تو میں کسی انقلاب کی زد میں آتی ہیں تو حوادث

آپ سے آپ رونما ہوتے۔ خواہش زمانہ اس انقلاب کی راہنمائی کرنی ہے۔ عوام کے ہاتھ اٹھتے ہیں۔ زبان دل سے ہم آہنگ ہو کر ہاتھوں کی معاون ہوتی ہے۔ پس پھر کیا ہوتا ہے، دلوں کی آگ عمارتوں کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے۔ امن گوشہ عافیت میں پناہ ڈھونڈتا ہے۔ بغاوت کے انہی شعلوں میں کبھی سلطنتیں تباہ ہو جاتی ہیں اور کبھی تو میں اپنا وقار کھو بیٹھتی ہیں۔

یہی حال سیاسی جماعتوں کا ہے۔ یہ جب عوامی محاسبہ میں آتی ہیں تو اپنے دستور یا منشور کی اوٹ میں بچاؤ کے راستے تلاش کرتی ہیں۔ لیکن عوام کی آنکھوں میں اتر ا ہوا خوں نہیں کہیں ان نہیں لینے دیتا۔ جذبات غلط ہوں یا صحیح، وقت کا اٹما ہوا طوفان ساحل مقصد پر پہنچ کر ہی دم لیتا ہے۔ اور جب حقیقت ابھر کر سامنے آتی ہے تو اندھیر گردی اپنا کام کر چکی ہوتی ہے افسانہ حقیقت کو جھٹلا کر اپنے قارئین میں مقبولیت پا چکا ہوتا ہے۔

عزیز مصر کے محل سے شہادت عثمان غنی تک اگر ناکردہ گناہوں کے خون کو جرح کیا جائے تو کئی نہریں بہہ نکلیں اور دجلہ و فرات کو اپنی تنگ دامنی کا گلہ ہو۔

دجلہ و فرات کی موجوں نے واقعات کرب و بلا پر اپنی آنکھیں کیوں بند کر لیں۔ حقیقت جان کر بھی دریاؤں کا پانی حسین کے قدموں تک کیوں نہ آن پہنچا؟۔ اگر ایسا ہو جاتا تو شاید تاریخ کو اپنی رنگینی کے لیے حسین کی بجائے دشمنان حسین کا خون تلاش کرنا پڑتا۔ لیکن عوام کے جذبات سے کھینچنے والے جب اپنے شکار کے لیے تگتے ہیں تو راستے کی ہر شے کو روندتے چلے جاتے ہیں۔ ان کے پیش نظر اپنا مفاد ہوتا ہے اور بس جب انسان یہاں پہنچتا ہے تو پھر نہ برائی ہوائی رہتی ہے۔ نہ نیکی کو مان ملتی ہے۔ انسان کا یہ کردار انسانیت کے چہرے پر ایک بد نما داغ ہے۔

زعمائے احرار شخصی طور پر اس قدر بلند کردار کے وارث رہے کہ حامد ہزار اچھل کود
کے باوجود ان تک نہ پہنچ سکے۔ فطرت نے ہمیشہ انہیں اپنے حصار میں رکھا۔ بادِ سموم کے
جھونکے ان کے دامن سے پیٹے کہ وہ چل جائے لیکن مہار آئے پر نزاں کو شرمندہ ہونا پڑا۔

تحریک مسجد شہید گنج کے

پس منظر میں بھی یہی ارادے

کار فرما تھے مگر ان کے خصوص

پر چھینٹے اڑانے جانیں۔

لیکن گمرد و غبار چھینٹے پر جو

سورج طلوع ہوا تو اس

کے دامن پر نہ تو کوئی داغ

تھا اور نہ آنکھل پر کوئی

بادل کا فکڑا کہ جس سے

دھوپ چھینٹے سنے نکھا۔

نہ آئے مستقبل کا

مونس چشم دید گواہ بن کر

سامنے آیا کہ تاریخ کے

ورق غبارِ آلود نہ ہوں

مخالف قوتوں نے

احرار رہنماؤں کے سامنے

جو کانٹے بکھیرے وہ



(مولانا ظفر علی خاں)

انہیں خود اپنی پلکوں سے صاف کرنے پڑے۔

۱۹۲۱ء سے ۱۹۳۵ء تک کبھی خلافت عثمانیہ کے لیے، کبھی آزادی وطن کے لیے اور کبھی

ریاستی حوام کی بہتینی کے لیے جو جدوجہد اور رہنمائی کے لیے انہیں ہندوستان بھر

شہرت حاصل ہوئی اور وہ قافلہ ہائے حریت کے رہنما بن کر ابھرے۔ کانگریس کی سیاسی طاقت اور اجتماعیت سے انگریز مخالف تھا۔ لیکن مسلمانوں میں اہوار کا بطور سیاسی طاقت کے ابھرنا

فرنگی حکمرانوں کو پسند

نہیں تھا۔ مسلمانوں میں

اہوار کی مقبولیت سے

کانگریس بھی سوچ میں

تھی۔ خصوصاً پنجاب

کا لوڈی مسلمان و نیاوی

اغراض کے صدقے میں

غیر ملکی بساؤ کا کامیاب

مرو تھا۔ ایکٹ ۱۹۳۵ء

کے تحت ہونے والے

انتخاب میں اہوار کی

کامیابی مشکوک نہیں

تھی لیکن انگریز اس

کے لیے تیار نہیں تھا

کہ پنجاب، اہوار الہی

انتہا پسند تنظیم کے



(میاں سرفضل حسین)

قبضہ میں چلا جائے۔ عسکری اعتبار سے پنجاب برطانیہ کیلئے بازوئے شمشیر زن تھا۔ پھر جبکہ سرفضل حسین خود پنجاب کی وزارتِ عظمیٰ کا امیدوار تھا اور اس کے لیے پیشتر سے اس نے سرسکندر حیات کو پنجاب کی عملی سیاست سے خارج کر دیا تھا، ایسے میں وہ اہوار کو اپنے راستے کا سنگِ گراں سمجھ رہا تھا۔ اور اس کو وہ ہالیوڈ کو گراہتا اس کے لیے از بس ضروری تھا۔ چنانچہ ۱۱ جون ۱۹۳۵ء کو شملہ کے اہوار رہنما میر احمد حسین کو پولیس کے ایک تھانیدار راجہ صبح صادق

۱۔ میر احمد حسین نیوٹنی اور شملہ کے بہت بڑے کاروباری لوگوں میں شمار ہوتے۔ چونکہ سیاسی ذہن رکھتے تھے اس لیے اہوار رہنما جب کبھی شملہ یا دہلی جاتے انہیں کے ہاں قیام کرتے۔

نے جو ان دنوں شملہ تھانہ میں تعینات تھا، ایک اطلاع کے ذریعہ خبردار کیا۔
 ”میر صاحب! احرار رہنما اکثر آپ کے ہاں قیام کرتے ہیں انہیں مطلع کر دیں کہ
 ان پر کوئی بڑی آفت آنے والی ہے۔“

ایک اخباری خبر | ۲۰۔ جون کے روزنامہ ”جے ہند“ لاہور نے اپنے ڈھوڑی کے
 نامہ نگار کے حوالے سے ایک خبر شائع کی۔

”ڈھوڑی کانگریس کے صدر شیخ غلام رشید لے کانگریس کے جلسہ عام
 میں تقریر کرتے ہوئے کہا ہے، اگر شہرہ دونوں ڈھوڑی میں سرفضل حسین کی
 کوٹھی بکروٹہ ہاؤس میں مولانا ظفر علی خاں مالک روزنامہ زمیندار لاہور اور سرفضل حسین
 کے درمیان ایک معاہدہ طے پایا۔ آگے چل کر شیخ صاحب نے کہا، قادیان کے
 خلیفہ بشیر الدین محمود بھی ان دونوں ڈھوڑی میں قیام پذیر ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ
 اس خفیہ ملاقات اور معاہدہ میں ان کا مشورہ بھی شامل ہو۔ بنا بریں مجھے یقین ہے
 کہ میاں سرفضل حسین خلیفہ محمود اور مولانا ظفر علی خاں کا بغیر کسی اطلاع اور پروگرام
 کے یکاکی ڈھوڑی آنا کسی سیاسی اعراض سے خالی نہیں سمجھنا چاہیے:
 خطرہ ہے کہ آئندہ چل کر ان خفیہ ملاقاتوں کے نتائج کے سلسلہ میں سیاسی
 اعتبار سے پنجاب میں کوئی نیا طوفان نہ اٹھے۔“

۱۵۔ نومبر ۱۹۳۲ء کے روزنامہ انقلاب لاہور کا یہ فقرہ تو زیر نظر کتاب کے صفحہ نمبر ۷۲
 پر قارئین دیکھ چکے ہیں۔

”احرار کی مخالفت کے لیے کوئی نیا میدان آراستہ کیا جائے۔
 مندرجہ بالا سلسلہ واقعات کی کڑیاں کہاں ملتی ہیں، ان کے نتائج کیا نکلتے ہیں یہ
 مستقبل بتائے گا۔“

حادثہ مسجد شہید گنج | ۲۸۔ سے ۳۰۔ جون تک احرار رہنما لاہور میں پراونشل احرار کانفرنس
 میں مصروف تھے کہ ۲۸ اور ۲۹۔ جون کی درمیانی رات کو سکھ
 مزدوروں نے رات کی تاریکی میں مسجد شہید گنج کو گرانما شروع کر دیا۔ اس دوران ایک سکھ مزدور

مسجد کی دیوار سے گر کر ہلاک ہو گیا۔ اس کی اطلاع صبح لاہور کے مسلمانوں کو ہوئی تو انہوں نے ہنگامہ کر دیا۔ یہ خبر حبیب گود دوارہ پر بندھک کمیٹی کے سکھ لیڈروں کو امرتسر پہنچی تو وہ حیران ہو گئے۔ کیونکہ ان کے کسی پروگرام یا ارادے میں نہیں تھا کہ مسجد گرائی جائے۔

یہ درست ہے کہ مسجد گرانے والے سکھ تھے لیکن وہ صرف مزدور تھے! انہیں محض اپنی مزدوری سے غرض تھی۔ وہ سکھ جماعت کے بھیجے ہوئے نہیں تھے۔ سکھ مزدوروں کی اس حرکت سے لاہور کی پرامن فضا اچانک زیر آلود ہو گئی۔ سکھ اور مسلمان آمنے سامنے آن کھڑے ہوئے۔ احوار رہنماؤں کو لاہور میں مسجد کی شہادت کی اطلاع ملی تو وہ موج میں پڑ گئے۔ اگلے دن خواجہ غلام حسین ایڈووکیٹ رجسٹرڈ لاہور پر و نسل احوار کانفرنس کی استقبالیہ کے صدر تھے، کے مکان پر صوبائی رہنماؤں کا اجلاس ہوا۔ یکم جولائی کو مولانا ظفر علی خاں کی دعوت پر میاں عبدالعزیز بیرٹر کے مکان پر چند رہنما جمع ہوئے۔ جن میں مولانا ظفر علی خاں کے علاوہ طاہر محمد عالم، چودھری افضل حق، مولانا منظر علی انظر، میاں امیر الدین اور ڈاکٹر سیف الدین کچلو شامل تھے۔ یہاں فیصلہ کیا گیا کہ سکھوں سے گفتگو کے لیے ایک وفد تشکیل دیا جائے۔ ہنوز اس کے لیے کوئی تاریخ مقرر نہیں ہوئی تھی کہ حکومت پنجاب نے لاہور میں دفعہ ۱۴۴ نافذ کر دی۔

یکم جولائی کو مرزائیوں کے آرگن ”الفضل“ نے مرزا بشیر الدین محمود کا حسب ذیل پیغام اپنی قوم کے نام نقل کیا۔

”برادران اسلام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

میں اپنے ایک خطبہ میں اعلان کر چکا ہوں کہ چند اشتہارات موجودہ حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے عنقریب شائع کیے جائیں گے۔ احباب کو ان کی طرف خاص توجہ کرنی چاہیے۔ پوسٹر حمد جگہوں پر لگائیں جائیں اور چھوٹے اشتہار عقل اور سمجھ کے مطابق تقسیم کرنے چاہیں۔ کیونکہ جلد یہ سلسلہ شروع ہونے والا ہے۔ میں پھر اس اعلان کے ذریعے (مرزائی) جماعتوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ نوراً مندرجہ ذیل امور کے متعلق انتظام کریں۔

۱۔ وہ جلد دفتر تحریک جدید میں اطلاع دیں کہ انہیں کس کس قدر پوسٹر ملے اور اشتہاروں کی ضرورت ہوا کرے گی۔

۲۔ ان کی جماعت یا اگر فرد ہے تو وہ کس قدر رقم کے اشتہار قیمت پر منگوانا چاہتے ہیں۔ اشتہار صرف لاگت پر نہیں گے۔ کوئی لفع محکمہ ان سے نہیں لے گا۔ ہو سکتا ہے خرید زیادہ ہو اور جماعت پورے خرچ کی متحمل نہ ہو سکے تو کچھ حصہ قیمت پر اور کچھ مفت ارسال کیا جائے۔

۳۔ بنگال، سندھ اور صوبہ سرحد کی جماعتوں کو چاہیے کہ بنگالی اسٹریٹس اور مشینوں میں ان اشتہاروں کے تراجم شائع کرنے کی کوشش کریں۔ اس میں ایک مقول حد تک دفتر تحریک جدید ان کی امداد کرے گی۔ مگر فیصلہ بذریعہ خط و کتابت ہونا چاہیے۔

۴۔ ہر جماعت یا فرد ان اشتہاروں کے چسپاں کرنے اور تقسیم کرنے کا انتظام فوراً کر چھوڑیں۔

۵۔ ہر جماعت یا فرد کو اس امر کا انتظام رکھنا چاہیے کہ ہر اشتہار ایسے ہاتھ میں جائے جہاں اس کا فائدہ ہو۔ اور اچھی جگہ پر پوسٹر چسپاں ہوں۔ سارے پوسٹر ایک دن لگائے جائیں کیونکہ بعض شریر دشمن انہیں بھاڑ دیتے ہیں۔ بلکہ دو تین دن میں لگیں تاکہ سب لوگ پڑھ سکیں۔

۶۔ اشتہاروں کی اشاعت کے بعد جماعت کے افراد ان کے اثرات کا اندازہ لگاتے رہا کریں اور مرکز کو اس کی اطلاع دیتے رہا کریں تاکہ اشتہاروں میں اس تجربے سے فائدہ اٹھایا جاسکے۔

۷۔ سب اطلاعات میرے نام یا سیکرٹری دفتر تحریک جدید کے نام ہوں۔ والسلام۔

خاکسار مرزا محمود احمد

خلیفۃ المسیح ثانی احمدیہ امام جماعت

اسی رات بیرون موچی دروازہ مولانا ظفر علی خاں کی صدارت میں جلسہ ہوا۔ جس کے لیے کسی اجار کے لیٹر کو دعوت نہیں دی گئی۔ حالانکہ میاں عبدالعزیز کے مکان پر جو کمیٹی تشکیل دی گئی تھی اس میں چودھری افضل حق اور مولانا ظفر علی اظہر کے نام شامل تھے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ اس جلسے میں حکومت سے مطالبہ کیا جاتا کہ مسجد گرانے والے سکھ مزدوروں کے متعلق تحقیق کی جائے کہ انہیں اس کارروائی پر کس نے اکسایا ہے لیکن ہوا یہ کہ تمام مقرروں نے سکھوں کو من حیث القوم لکھارا۔ اور انہیں طرح طرح سے دھمکیاں دیں۔

اس جلسہ کی کارروائی جب صبح ۸ زمیندارہ میں شائع ہوئی تو مزدوروں کی حرکت کو سکھ قوم کی حرکت قرار دیا گیا۔ آگے چل کر یہی معاملہ سکھ قوم کے لیے چیلنج کی حیثیت اختیار کر گیا۔ چنانچہ ۷۔ اور ۸ جولائی کو اس پر غور کرنے کیلئے سکھوں کی نمائندہ جماعت گوردوارہ بہ بندھک کمیٹی نے اپنا اجلاس بلوایا۔ لیکن اس رات ریلوے کرین کے ذریعے مسجد کے مزید حقے گرا دیے گئے۔

یہ تمام کارروائی اس قدر عاجلانہ طور پر ہوئی کہ کسی کی سمجھ میں نہ آسکا کہ ۲۹۔ جون سے ۸۔ جولائی کے عرصے میں یہ سارا کچھ کیوں اور کس طرح ہوا یا اس سارے کھیل کا اصل محرک کون ہے؟

اس وقت تک جو لوگ تحریک کی رہنمائی کر رہے تھے ان میں مولانا ظفر علی خاں، ملک لال خاں (گو جوانوالہ)، اور ڈاکٹر محمد عالم پیش پیش تھے۔ آخر الذکر آل انڈیا کانگریس کی ورکنگ کمیٹی کا ممبر رہ چکا ہے اور ابھی تک اس کا ذہن وہی تھا۔ ملک لال خاں خلافت تحریک کے بعد کبھی سننے میں نہیں آئے۔ رہے مولانا ظفر علی خاں نومبر ۱۹۲۵ء میں مسجد گرانے سے زیادہ سکھوں کے حق میں تھے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب سرفضل حسین نے وزیر تعلیم کی حیثیت سے پہلا گوردوارہ ایکٹ پنجاب کونسل میں پیش کیا تھا۔ یہ ایکٹ حکومت اور مسلمان ممبروں کے تعاون سے منظور ہوا تھا ان دنوں گوردواروں، مندروں اور مساجد کے انچارج سرفضل حسین تھے۔ روزنامہ سیاست کے مالک و مدیر سید حبیب نے یہ موقف لیا

تھا کہ گوردوارہ ایکٹ کے سلسلہ میں دوٹا دینے سے پہلے مسلمانوں کو سکھوں سے مسجد شہید گنج کی بازیابی کی بات کرنی چاہیے۔ لیکن مولانا ظفر علی خاں نے ۳۰ جون ۱۹۲۵ء کے روزنامہ ”زمیندار“ میں لکھا:

لنڈا بازار کی مسجد: لنڈا بازار لاہور کی وہ مسجد جو شہید گنج کے نام سے موسوم کی جاتی ہے۔ چند روز سے بعض مسلمانوں کی توجہ کا مرکز بنی ہوئی ہے اور معاشرہ سیاست میں یہ تحریک جاری کر رکھی ہے کہ گوردوارہ بل منظور ہو جائے سے پیشتر مسلمان اس مسجد کو سکھوں سے حاصل کریں۔

ہم کسی گزشتہ اشاعت میں اس مسجد کے متعلق اپنی حکمت عملی کا اعلان کر چکے ہیں اور ہمارا اب بھی یہی خیال ہے کہ سکھوں سے گوردوارہ بل کی حمایت کا معاوضہ وصول کرنا، مسلمانوں کی حق پرستی ادا کرنے کے شرف و وقار کے خلاف ہے۔ مسلمان گوردواروں کے معاملے میں سکھوں کی حمایت محض اس لیے کرتے ہیں کہ سکھ اپنے معاہدے کے آزاد کرانے کی کوشش میں بالکل حق بجانب ہیں۔

لنڈا بازار کی مسجد فوراً مل سکے یا نہ مل سکے، مسلمان حمایت حق سے باز نہیں رہ سکتے۔ اور ہم پنجاب کونسل کے مسلمان اراکین کی خدمت میں نہایت ادب سے گزارش کرتے ہیں کہ بل کے متعلق رائے دیتے وقت صرف اس قانون کی دفعات کو مدنظر رکھیں اور کسی مفروضہ وجہ اختلاف کو حمایت حق کے راستے میں حائل نہ ہونے دیں۔

اس سے پیشتر ۱۹۲۲ء میں ملک لال خاں اسی مسجد شہید گنج کے متعلق گوردوارہ شرومنی کمیٹی سے ایک سمجھوتہ کر چکے تھے۔ اس کے متعلق مولانا ظفر علی خان اخبار ”زمیندار“ کی اشاعت یکم جولائی ۱۹۲۲ء میں لکھتے ہیں۔

شرومنی گوردوارہ کمیٹی کا انصاف: شہید گنج لاہور میں زمانہ قدیم کی ایک مسجد واقع ہے جو مدتوں سے سکھ بھائیوں کے قبضہ میں ہے۔ اور اس

مسجد کے نواح میں پنجاب کے آخری مسلمان تاجدار کی قبر بھی ہے۔ اس جد
 کو سکھوں کے قبضے سے واپس لینے کے لیے مسلمانان لاہور نے ہر ممکن جدوجہد
 کی۔ کوشش بلخ، روپے پیسے کا خرچ سب کچھ مل میں آیا۔ عدالت کے
 دروازے کھٹکھٹائے گئے۔ حکام اور حکومت کے آستانوں پر نظریں جما
 کر بیٹھے لیکن اس دور میں جبکہ ہندوستانی بھائی ایک دوسرے کے دشمن
 اور لہو کے پیاسے رہا کرتے تھے یہ کہاں ممکن تھا مسجد مسلمانوں کے قبضے
 میں آجاتی۔

آخر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے وہ دور فتن ختم ہو گیا۔ محبت اور آشتی
 اتفاق و اتحاد کا دور شروع ہوا۔ اس دور کے شروع ہوتے ہی مسجد کا معاملہ
 دشمنان اتحاد کے سامنے مسلمانوں اور سکھوں کو سزا دینے اور ایک دوسرے
 سے جدا کرنے کا اچھا خاصہ بہانہ بن گیا۔ چند شریرانہ نفس ہستیوں نے جن کی
 آنکھوں میں باہمی اتحاد غار کی طرح کھٹکتا ہے، ساز باز اور باہمی مشوروں سے
 اشتہارات کے ذریعے سے مسلمانوں کو مشتعل کرنے کی کوشش کی۔ اور
 عوام الناس کی مہبودی اور خدمت اسلام کے پروے میں پھوٹ ڈالنے کی طرح
 ڈالنی شروع کی۔ لیکن خدا کا فکر ہے کہ ان کے ہمت شکنڈے بروئے کار نہ آئے
 آخر اتحاد و اتفاق کی برکت سے اس پرہیزگار مسئلے کا حل نکل آیا۔ جناب ملک
 لال خاں صاحب جو مدتوں سے اس مسجد کو سکھ بھائیوں سے لینے کے لیے
 شر دمنی گوردوارہ پر بندھک کمیٹی کے معزز ارکان سے گفت و شنید کر رہے تھے
 اور سکھ بھائیوں پر حکومت کی چشم انتقابت خصوصی کی وجہ سے اب تک ناام
 رہے تھے امر ترشہ تشریف لے گئے۔ شر دمنی گوردوارہ پر بندھک کمیٹی کے مقتدر
 ارکان نے جناب ملک لال خاں کا جس اخلاص اور محبت سے خیر مقدم کیا وہ
 ان کے دلی جذبات کی آئینہ داری کرتا تھا اور ان کے پوشیدہ خلوص کے اعصاب
 کو روشنی میں لاتا تھا۔ ہم شر دمنی گوردوارہ پر بندھک کمیٹی کے ارکان کا شکریہ ادا

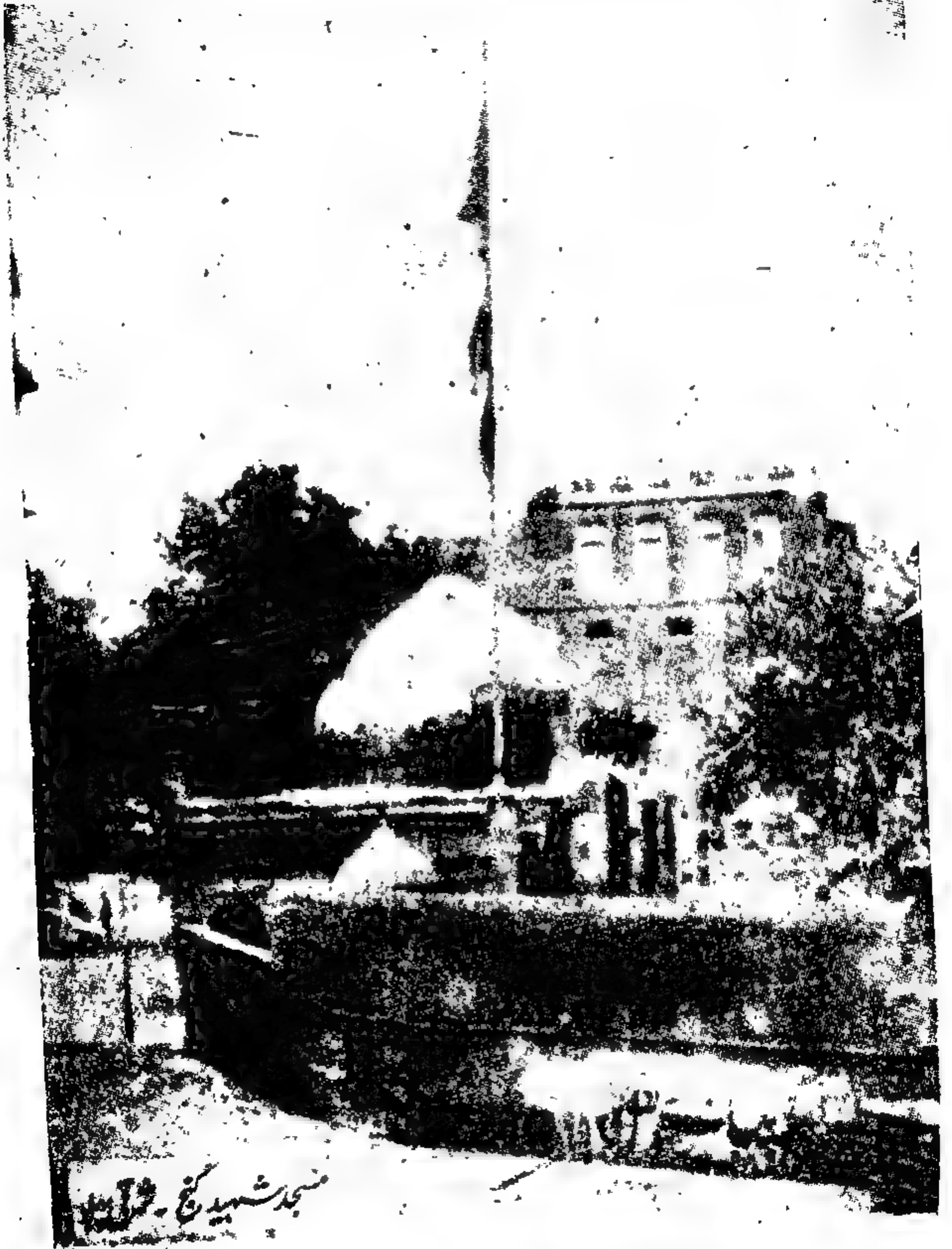
کرتے ہیں کہ انہوں نے ہمارے واجب الاحترام ملک صاحب کی عزت افزائی



مسیح شہید گنج سر غنی و جہنم پیدو

فرما کر ان کی مدتوں کی مساعی جمیلہ پر نظر کر م فرما کر مسلمانوں کو اظہارِ تشکر کا موقعہ دیا۔

کیا یہ اتفاق و اتحاد کی برکت نہیں کہ وہ مسجد جس کا قبضہ مدتوں سے باہمی
رنجش اور کدورت کا سرچشمہ بنا ہوا تھا اور جس کا ذکر دشمنان اتحاد کے لیے



سودمند ہو سکتا ہے آج باہمی مفاہمت و مصالحت شروعی گوردوارہ پر بندھ چکی ہے

کے فیصلے کے مطابق مسلمانوں کے قبضے میں آگئی ہے۔
 ان مندرجہ بالا تاریخی اقتباس کے بعد ۱۹۳۵ء میں مولانا ظفر علی خاں کو مسجد شہید گنج
 کے لیے کیا خیال آیا کہ وہ اس کے حصول میں تڑپنے لگے۔ ملک لال خاں سے بھی یہ
 سوال کیا جاسکتا ہے کہ

” ۱۹۳۳ء میں آپ نے شرومنی گوردوارہ پر بندھک کمیٹی سے جو سمجھوتہ
 کیا تھا اس کے کاغذات کہاں ہیں؟“

مگروں حضرات سے سوال کرنے کی بجائے ہر جلسے میں احوار سے تقاضہ کیا جاتا
 رہا کہ مسجد کے لیے آگے بڑھ کر حکومت سے ٹکرائیں اور سول نافرمانی کریں۔ دیکھتے دیکھتے
 مولانا ظفر علی خاں نے انجمن اتحاد ملت بنا ڈالی۔ اور احوار سرخپوش کے مقابل نیلی پوش
 تحریک کا پرچار ہونے لگا۔ ع۔

جو یعنی ہے تمہیں مسجد تو نیلی پوش ہو جاؤ! (ظفر علی خاں)
 کوچہ و بازار میں یہی گیت سنائی دینے لگا۔ جیسے جیسے مسجد کا قضیہ آگے بڑھتا گیا۔ فضا
 احوار کے خلاف ہوتی چلی گئی۔ اس دوران مرزائیوں کی تحریک جدید کا دفتر قادیان کی بجائے
 لاہور دفتر زمیندار کے قریب آگیا اور ان کی طرف سے قید آدم پوسٹر احوار کے خلاف شائع
 ہونے لگے۔

ادبائش قسم کے رٹ کے ٹولیاں بنا کر دفتر کے سامنے آتے اور زعمائے احوار کے خلاف
 نعرے لگاتے۔ اب ایک طرف لوگوں کو ابھار کر نڈا بازار کی مسجد کی طرف بھیجا جا رہا تھا
 کہ وہ پولیس کی لاطھیاں اور فوج کی گولیاں کھائیں، تو دوسرا گروہ احوار کے خلاف شہر بھر
 میں مظاہرہ کر رہا ہوتا کہ احوار والوں سے کہو کہ وہ مسجد کے لیے سول نافرمانی کریں۔

۱۔ روزنامہ انقلاب کا پریس نوٹ۔

۲۔ راہبر صبح صادق کی اطلاع۔

۳۔ مولانا ظفر علی خاں کا خاموشی سے ڈھونڈ پھینچنا۔

۴۔ مرزائی خلیفہ کا بیان۔

ان تمام کڑیوں کے جوڑنے سے ایک ایسی ذخیرہ بنائی جاسکتی ہے جس میں احوار کو اطرافِ عالم میں جکڑنا صاف اور واضح طور پر سمجھ میں آ رہا تھا۔ یہ سارا ڈرامہ حکومت کی ایجنج پر ہو رہا تھا اور اس کے ہدایت کار بفضلِ حسین تھے۔

احرار کا موقف | برطانوی آئین کے مطابق وہ عمارت (خواہ مسجد ہو، مندر ہو، گوردوارہ ہو یا رہائشی مکان یا سادہ پلاٹ) جو بارہ سال سے زائد عرصہ اگر کسی کے

مخالفانہ قبضے میں رہے اور اس دوران کوئی کرایہ نامہ، بیعہ نامہ یا رجسٹری نہ ہو اس پر مخالف کا قبضہ بطور مالک سمجھا جاتا تھا۔ اس کے برعکس اسلامی فقہ اس زمین کو بھی مسجد قرار دیتی ہے جس پر ایک دفعہ مسجد تعمیر ہو چکی ہو۔ خواہ یہ مسجد بعد میں کسی حادثے کا شکار ہو جائے، مگر غیر شرعی حکومت تو اس متابطے کی پابند نہیں ہو سکتی۔ حالانکہ شہید گنج مسجد ہے لیکن اس وقت کے غیر ملکی قانون نے اسے محض ایک عمارت قرار دیا اور بس۔ اس اعتبار سے جب کبھی مسلمانوں نے اس تاریخی مسجد کے حصول کے لیے قانون کو پکارا تو عدالتوں نے اپنا فیصلہ مسلمانوں کے خلاف کیا۔

اس مسجد کا اصل نام عبداللہ خاں کی مسجد تھا۔ اسے ۱۰۶۴ھ میں شاہجہان کے ولیعهد داراشکوہ کے خاندانوں نے دیکھا نا بنانے والا نہیں بلکہ سامان کی حفاظت کرنے والا محمد عبداللہ نے تعمیر کیا تھا۔ مغلیہ دورِ حکومت میں باغی سکھوں کو اس جگہ قتل کیا گیا تھا۔ جب ہمارا جہ رنجیت پنجا ب پر قابض ہوا تو اس نے سکھوں کی سمادھیاں جو یہاں قفل ہوئے تھے یہاں بنوا دیں۔ اس طرح سکھوں کی زبان میں یہ گوردوارہ شہید گنج قرار دیا گیا۔ ان تاریخی حقائق کے پیش نظر احوار نے کسی غیر قانونی حرکات کو نامناسب سمجھا اور نہ ہی مسلمانوں کو اس کی دعوت دی۔ ان کے نزدیک مسجد کا حصول صرف باہمی التفہیم سے ہی ممکن ہو سکتا تھا۔ مگر مولانا ظفر علی خاں اور ان کے اخبار زمیندار میں روزانہ ایسا مواد شائع ہوتا جو مسجد کی بازیابی کے لیے کم اور احوار کو رسولِ نافرمانی پر اکسانے کیلئے زیادہ ہوتا تھا۔ جیل خانہ احوار کے لیے کوئی نئی چیز نہیں تھی اور نہ ہی وہ اس سے خائف تھے۔

۱۔ مصنف کا دوسری کتاب حیات امیر شریعت میں مسجد شہید گنج کی پوری تاریخ شائع ہو چکی ہے۔

سوال اصول کا تھا کہ انگریز اپنے قانون کے مطابق اس مسجد کو مسلمانوں کی سست روی کے باعث غیر مسلموں کی ملکیت قرار دے چکا تھا۔ ایسے میں بات جھگڑے سے طے نہیں ہو سکتی تھی۔ بلکہ دونوں قوموں کے رہنما مل کر ہی اس قضیے کو چکا سکتے تھے۔

چنانچہ ۴ جولائی کو گوردوارہ پر بندھک کمیٹی کے نمائندوں سے گفتگو کا دن طے ہوا۔ اس میں مولانا محمد داؤد غزنوی کو احرار کی طرف سے شامل ہونے کی دعوت دی گئی۔ اس سے پیشتر باہم رہنماؤں نے اپنی بنی مجلس میں جو گفتگو کی، مولانا داؤد غزنوی اپنی ڈائری میں اسے نقل کرتے ہیں۔

(مولانا داؤد غزنوی، مولانا ظفر علیاں سے)

”آپ آئینی طور پر اس مسجد کو حاصل کرنے کی کوشش کریں گے یا اگر ضرورت پڑی تو اس کے لیے سول نافرمانی بھی کریں گے؟“

ظفر علیاں: ”ہم آئینی طور پر اس مسجد کو حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔“

داؤد غزنوی: آپ نے اس مسجد کے تمام قانونی پہلوؤں پر غور کر لیا ہے؟ اس سے پیشتر اس مسجد کے حصول کے لیے مسلمانوں کی طرف سے جس قدر مقدمات دائر کیے گئے ان کے فیصلوں کو دیکھ لیا ہے؟“

ظفر علیاں: ”مجھے کچھ معلوم نہیں۔ لیکن پورے حالات معلوم کرنے کیلئے ایک سب کمیٹی بنادی گئی ہے جو اس کے متعلق تمام دستاویزات ایجنسی مواد اکٹھا کرے گی۔“

داؤد غزنوی: ”جس صورت میں کئی عدالتوں کے فیصلے اس مسجد کے سلسلے میں مسلمانوں کے خلاف ہو چکے ہیں وہ پورے دو سو سال سے سکھوں کا اس مسجد پر قبضہ ہے۔ آئینی ایجنسی ٹیشن سے آپ اس کو کس طرح حاصل کر سکتے ہیں؟“

ظفر علیاں: اسمبلر پنجاب کونسل کے ذریعے تمام ہندوستان میں جلسوں کے ذریعے جو گورنمنٹ کو مجبور کر دے گا کہ سکھوں سے اسے

مسلمانوں کے حوالے کر دے یا کم از کم آثارِ قدیمہ کے سپرد کر دے۔“
 داؤد غزنوی: اس صورت میں کہ انگریزی عدالتیں کسی فرق کے حق میں فیصلہ دے دیں تو
 ان عدالتوں کے فیصلوں کا احترام رکھنا گورنمنٹ کا فرض ہو جاتا ہے۔
 یہ ناممکن ہے کہ حکومت آپ کے جلسوں سے متاثر ہو کر اپنی تمام عدالتوں
 کے فیصلوں کو نظر انداز کرتے ہوئے بلکہ ان کے صریح خلاف سکھوں سے
 ممتاز عرفیہ مسجد چھپن کر مسلمانوں کے حوالے کر دے۔“

ظفر علیاں: مجھے ایک بہت بڑے مسلمان افسر نے کہا ہے کہ آپ ایچی ٹیشن جاری
 رکھیں حکومت یہ مسجد مسلمانوں کے حوالے کر دے گی۔“

داؤد غزنوی: مولانا! میں تو ایک منٹ کے لیے بھی اس مسلمان افسر کی بات پر یقین نہیں
 کر سکتا کیونکہ یہ قطعاً ناممکن ہے کہ عدالتوں کے فیصلوں کے برخلاف حکومت
 کوئی اقدام کر سکے اور نہ حکومت یہ جرات کر سکتی ہے کہ مسلمانوں کو خوش کرنے
 کے لیے سکھوں سے جنگ خریدے۔

مجھے تو اس افسرِ عالی کی گفتگو آپ سے سن کر یہ شبہ ہوتا ہے کہ حکومت
 مسلمانوں اور سکھوں کو لڑانا چاہتی ہے۔ بہر طور آپ کو بہت ہی خرم و احتیاط
 سے کام کرنا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ آپ نادانستہ طور پر حکومت کے اس مذہبِ براہ
 کی تکمیل کے لیے آلہ کار بن جائیں۔“

ظفر علیاں: ”میں حالات و قرائن سے یہی امانت لگاتا ہوں کہ اگر مسلمانوں نے اس تحریک
 کو جاری رکھا تو مسجد مسلمانوں کو ضرور مل جائے گی۔“

”ایک خوفناک سازش یعنی تحریک شہید گنج کے مختلف دورِ صفت“

سکھ لیڈروں سے ملاقات | اس نجی گفتگو کے بعد وفد کے ارکان دو بجے کے قریب ہمارے
 رنجیت سنگھ کی سادھی کے متصل گوردوارہ میں سکھ لیڈروں
 سے ملنے گئے۔ اسٹارٹار سنگھ سردار منگل سنگھ اور گیانی گورکھ سنگھ مسافر سیکرٹری گوردوارہ پربھ
 کیٹی سکھوں کی طرف سے گفتگو کے لیے یہاں موجود تھے۔ مسلم وفد کی قیادت مولانا ظفر علیاں

کر رہے تھے۔

سکھ صاحبان سے مسجد شہید گنج کی حوالگی کے مطالبے کو ظفر علیاں نے نہایت مناسب الفاظ میں پیش کیا، جس کے جواب میں تارا سنگھ نے کہا:

”یہ تو ہمیں معلوم نہیں کہ یہ مسجد ہے یا کیا؛ لیکن اس حالت میں جبکہ مسلمانوں کے لٹھ بند جتھے لاہور کے بازاروں میں پھر رہے ہیں اور سکھ قوم کو دھمکیاں دے رہے ہیں مسجد کی حوالگی کے متعلق کوئی گفتگو نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ ان حالات میں مسجد کے متعلق کسی قسم کی گفتگو کرنا سکھ قوم کی توہین ہے۔“

ظفر علیاں: ”آپ شائد ہندو اخبارات کے غلط بیانات سے متاثر ہیں۔ مسلمانوں کی طرف سے سکھ قوم کو کوئی دھمکی نہیں دی گئی۔ بلکہ ہم تو برادرانہ طور پر آپ سے درخواست کرنے آئے ہیں۔“

اس کے جواب میں تارا سنگھ نے روزنامہ زمیندار، سیاست اور انقلاب کے فائل پیش کیے۔ ظفر علیاں نے مسر اخبارات دیکھ کر کہا:

”اگر مسلمان سبھ دوم سٹاس کی معافی، ہنگام میں اور میں اپنی ٹوپی آپ کے قدموں میں رکھ دوں تو کیا پھر آپ ان تحریروں کو نظر انداز کر کے مسجد مسلمانوں کے حوالے کر دیں گے؟“

تارا سنگھ: ”مولانا صاحب! میں آپ کو اس گفتگو میں مخلص نہیں سمجھتا۔ کیونکہ مسلمانوں نے اپنے عہد حکومت میں جن مندروں پر قبضہ کر کے ان پر مساجد تعمیر کر لی ہیں اور مندروں کے نشانات بھی موجود ہیں۔ کیا آپ لوگ وہ مندر بندوؤں کو واپس کرنے کو تیار ہیں؟“

ظفر علیاں: اس وقت ہم کسی ہندو مسلم تنازعہ کے لیے نہیں آئے۔ ہم اس وقت سکھ مانتدوؤں سے بات چیت کر رہے ہیں۔ کیا ہم نے سکھوں کے کسی گوردوارے پر قبضہ کیا ہے؟“

تارا سنگھ: ”ہر قوم نے اپنے اپنے عہد حکومت میں اس قسم کی تحریکات کی ہیں۔“

یہی بقول آپ کے مسجد شہید گنج کی بات تو ہماری تاریخ شاہد ہے کہ اس جگہ پر
سکھ قوم کے بہت سے بہادر شہید کیے گئے تھے اس لیے سکھ قوم کا ایک فرد
بھی ایسا نہیں ملے گا جو شہید گنج واپس کرنے کا خیال بھی دل میں لائے۔

مصالحات کی تجویز | ہارٹار اسکھ کی گفتگو سے اس مشترک اجلاس میں قدر تلخی پیدا ہوئی۔
ارکان وفد نے فیصلہ کیا کہ مصالحت کی کوئی راہ نظر نہیں آتی لہذا واپس

چلنا چاہیے۔ اتنے میں مولانا داؤد غزنوی نے سکھ لیڈروں کے سامنے ایک تجویز پیش کی۔

۱۔ اگر آپ انہدام مسجد کے ارادے سے باز آجائیں اور منہدم شدہ حصے
کی مرمت کرا دیں اور آئندہ مسجد کی حرمت کے خلاف کوئی اقدام نہ کریں۔ نیز
مزار حضرت کاوشاہ کے لیے پانچ فسطا کا راستہ مسلمانوں کو دے دیں تو زخمی
دلوں کو قدر سکون ہو جائے گا۔

اس تجویز پر اجلاس میں فریقین کے چہروں سے گزشتہ تلخی ہلکی ہو گئی اور ہارٹار اسکھ نے
مسکراتے ہوئے انداز میں سیٹے پر ہاتھ رکھ کر کہا:

”اے اس تجویز پر ہم غور کرنے کو تیار ہیں۔ بشرطیکہ اس فیصلے پر اس قبضے
کو ختم کر دیا جائے اور آئندہ کوئی سوال اس کے قبضے وغیرہ کا نہ اٹھایا
جائے۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی دوسری انجمن اٹھ کھڑی ہو اور از سر نو اس قبضے کو
شروع کر دے۔“

سید حبیب (روزنامہ ”سیاست“ لاہور) | یہ وفد مسلمانوں کا نمائندہ وفد ہے۔ اگر اس
فیصلے کے بعد کسی نے مخالفت کی تو یہ ہماری

مخالفت ہوگی۔

اس کے بعد ہارٹار اسکھ نے مولانا داؤد غزنوی کی تجویز کے متعلق اپنی جماعت کی طرف سے
آماجی کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

۱۔ آپ حضرات کے نزدیک (متنازعہ فیہ مقام) مسجد ہونے کی حیثیت سے
مبارک مقام ہے اور ہمارے نزدیک یہ شہید گنج ہونے کے لحاظ سے مبارک

جگہ ہے۔ اس لیے دونوں قوموں کے احساسات کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس جگہ کے آداب اور احترام کے خلاف ہم کوئی کام کرنا نہیں چاہتے۔

آپ حضرات کو معلوم ہے کہ جب یہ مسجد منستوں کے قبضے میں تھی تو اس کی چھت پر ٹٹی بنی ہوئی تھی لیکن جب سے یہ جگہ گوردوارہ پر بندھک کیٹی کے قبضہ میں آئی ہے، ہم نے ٹٹی اٹھوا دی صرف اس خیال سے کہ اس سے مسلمانوں کی دل آزاری ہوتی ہے۔

مسجد کے گرانے کا سوال عرصہ سے ہمارے پیش نظر تھا، لیکن ہم اس "مذہب میں تھے کہ یہ کام مسلمانوں کی دل آزاری کا باعث تو نہ ہوگا۔ روزنامہ "زمیندار" نے آج سے دس سال پہلے یہ لکھا تھا کہ موجودہ حالت سے بدھما یہی بہتر ہے کہ اس مسجد کو گرا دیا جائے تاکہ ہر ہندو مسلمانوں کے دلوں پر جو کے نہ لگیں۔ اس کے پیش نظر بالآخر یہی فیصلہ کیا گیا تھا کہ مسجد گرا دی جائے یہیں قطعاً امید نہ تھی کہ ایسی صورت حال پیدا ہو جائے گی۔"

(ایک خوفناک سازش - ص ۶۶-۶۷)

بات بنتے بنتے رہ گئی جیسے کہ سکھ ایڈیٹری تجویز ان رہے تھے اور مسلم وفد کے ارکان میں سے میاں امیر الدین میونسپل کمشنر لاہور میری تائید پر تھے ہو سکتا تھا کہ یہ بات سرے پر چڑھ جاتی لیکن وہیں بیٹھے بیٹھے ظفر علی خاں اور سید حبیب کے درمیان چلقش شروع ہو گئی۔ "زمیندار" نے یقیناً ایسا لکھا ہوگا جیسے کہ سکھ کہہ رہے ہیں۔ مگر روزنامہ سیاست نے انہیں سبھوں کو مسجد گرانے کی کچی رائے نہیں دی۔ قریب تھا کہ آپس کا یہ جھگڑا طویل پڑتا، مولانا داؤد غزنوی نے درمیان سے بات کاٹنے کی کوشش کی۔

گزشتہ فصول کو آپ حضرات بھول جائیں اور میں نے جو تجویز مسالحت پیش کی ہے اس پر غور کریں تاکہ ہم کسی نتیجے پر پہنچیں۔

ابھی یہ بات چل رہی تھی کہ مولانا ظفر علی خان نے نہایت غیر مال اندیشہ طور پر

ماسٹر تارا سنگھ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

”اچھا ماسٹر جی! جیسے کہ مولانا داؤد خزنوی کی تجویز ہے اگر مسجد کا مندرم شدہ حصہ کی آپ مرمت کرادیں اور مزار کے لیے پانچ فٹ کا راستہ دے دیں۔ مگر باقی امور کے لیے میں اپنا حق محفوظ رکھتا ہوں۔ اس مصالحت کے بعد میں یہ حق عدالت کے ذریعے وصول کروں گا، جس سے مسجد واکذار ہو سکے۔“

تارا سنگھ: ”مولانا صاحب! اگر یہ بات ہے تو پھر سارا کچھ آپ عدالت سے حاصل کریں“
 قریب تھا کہ مسلم ارکان اٹھ کر چلے آتے کہ مولانا ظفر علیاں سے علیحدگی میں بات کرنے کے لیے سکھ صاحبان سے گزارش کی کہ وہ ہیں ذرا علیحدگی میں بات کرنے کا موقع دیں پچنانچہ وہ سب اٹھ کر گوردوارہ کے اندر چلے گئے تو مسلم ارکان نے مولانا ظفر علیاں کی خدمت میں گزارش کی:

”خدا کے لیے آپ مولانا داؤد کی تجویز کو مان لیں اور ضد نہ کریں۔ ہم پھر آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ ایچی ٹمیشن سے مسجد نہیں ملے گی بلکہ مسلمان من حیث القوم ذلیل ہو جائیں گے۔“

اس موقع پر میاں امیر الدین نے پھر میری تجویز کی تائید کی لیکن مولانا ظفر علیاں نے کہا: ”مسجد کی واکذاری کے بغیر اور کوئی مطالبہ نہیں ہے اور نہ ہم اس کے بغیر کسی دوسری چیز پر مصالحت کر سکتے ہیں۔“

میرے ذہن میں مولانا ظفر علیاں کی پھر وہی بات آئی کہ ”مجھے ایک ذمہ دار افسر نے کہہ دیا ہے کہ آپ ایچی ٹمیشن جاری رکھیں مسجد آپ کو مل جائے گی۔“ اس موقع پر مولانا سید حبیب فوراً بول اٹھے:

”میں نے یہ سنا ہے کہ کسی ذمہ دار شخصیت نے سکھوں سے کہا ہے کہ تم

(سکھ) حق بجانب ہو۔ قانون تمہاری حمایت پر ہے اور عدالت کے فیصلے

تمہاری پشت پناہی کر رہے ہیں۔ تم اگر مسجد گرانہ چاہو تو تم کو حق ہے اور

مسلمانوں کی شورش کی وجہ سے اگر سکھ خطرہ محسوس کریں۔ تو بالکل بے فکر رہو

حکومت پولیس اور فوج کے ذریعے تمہاری حفاظت کرے گی۔
اس راز کے فاش ہونے پر مولانا ظفر علی خاں سے پھر گزارش کی گئی۔

اب تو بات آپ سمجھ گئے ہونگے کہ یہ کوئی دشمن ہے جو ایک طرف آپ کو کمرہ رہا ہے کہ تم ایچی ٹیشن جاری رکھو مسجد تمہیں مل جائے گی اور دوسری طرف سکھوں کو اکسیا جا رہا ہے کہ عدالت کے فیصلے تمہاری پشت پر ہیں تم مسجد کو گرا سکتے ہو۔

ظفر علی خاں کے آخری نعروں پر ہم سب مایوس ہوئے اور سکھ صاحبان کو بلا لیا گیا اور ان کے سامنے مسجد کی واپسی کی تجویز کا پھر سے اعادہ کیا گیا۔ اس کے جواب میں سکھ رہنماؤں نے کہا:

”آپ حضرات جو کچھ چاہتے ہیں، لکھ کر گوردوارہ پر بندھک کمیٹی کو بھیج دیں۔ ہم اس وقت از خود کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے۔ کمیٹی جو فیصلہ کرے گی آپ کو مطلع کر دیا جائے گا۔“

اس جواب کے بعد مسلم ارکان واپس آ گئے۔

(روزنامہ مجاہد لاہور۔ ۵ جولائی ۱۹۴۵ء)

سکھوں اور مسلمان رہنماؤں کی مندرجہ بالا ناکام گفتگو کے بعد حالات میں مزید سماجی پیدا ہو گئی۔ مسلمان نوجوان جتھوں کی صورت میں مسجد کی طرف بڑھنے لگے۔ پولیس کی لاٹھیاں اور فوج کی گولیاں ان کا استقبال کرتیں۔ پنجاب کے دیگر اضلاع سے مسلمانوں کے قافلے لاہور پہنچنے لگے اور سکھ جتھوں کی آمد بھی شروع ہو گئی۔ اس سے پنجاب کی فرقہ وارانہ فضا مکرر ہونا شروع ہوئی۔ اس دوران حکومت نے ریلوے کرین کی مدد سے راتوں رات مسجد کا اندرونی حصہ بھی مسمار کر دیا۔ اس پر یہ آگ اور بھڑکی۔ نیز حکومت پنجاب نے ظفر علی خاں، سید حبیب الملک لال خاں اور اس طرح کے دوسرے لیڈروں کو پنجاب کے مختلف مقام پر نظر بند کر کے ان کے الاؤنس مقرر کر دیے۔

۱۰۔ جولائی کے روزنامہ ”انقلاب“ میں ایک خبر شائع ہوئی۔

”سرفروغ خاں لون کے مکان پر لاہور کے معزز علمائے کرام اور دوسرے لوگوں کا اجتماع ہوا۔ جس میں علمائے دین نے یہ فتویٰ دیا کہ مسجد کا گرایا جانا ناجائز ہے۔ یہیں کوشش کر کے اپنے حقوق حاصل کرنے چاہئیں۔ بغیر کسی الجھے ہوئے۔“

لیکن اس خبر کے نیچے کسی کا نام درج نہیں تھا۔

اسی طرح ۱۱۔ جولائی کے روزنامہ ”انقلاب“ میں نامہ نگار کے حوالہ سے ایک خبر شائع

ہوئی۔

”قانون کا بہر حال احترام کرتے ہوئے مسجد کے حصول میں مجلس احرار کو

اپنی روایتی شان کے مطابق میدانِ عمل میں آجانا چاہیے۔“

اس خبر میں حکومت کو مسجد کے حادثے سے لاتعلق قرار دیا گیا تھا۔

تجویز ہو کہ تحریکِ محرک کے ذہن سے نکل کر اگر عوام کی زبان پر آجائے، تو رسوائی کے راستے کھل جاتے ہیں۔ کبھی کبھار کامیابی بھی ہوتی ہے، لیکن اس کی عمر دیر پا نہیں ہوتی جیسا عقول کے رہنما ہوں کہ جنگ کے نقشے لکھتے والے جرنیل کسی کو اپنا ہمارا نہیں بناتے یہاں تک کہ فتح و شکست واضح ہو جائے۔ اس پر بھی یہ راز صرف تاریخ تک رہتا ہے۔

مسجد شہید گنج کی تحریک کو جس ذہن نے جنم دیا اس سے بڑی غلطی یہ ہوئی کہ اس نے ظفر علی خاں ایسے جذباتی اور تلون مزاج آدمی کو اپنے راز میں شامل کر لیا۔ جذباتی دل اور دماغ کا آدمی راز اگلنے میں دیر نہیں کرتا۔

مولانا ظفر علی خاں نے ڈلہوزی سے اترتے ہی اس راز کو ”زمیندار“ کے صفحات پر اگل دیا، جس کے تعفن سے نہ صرف پنجاب، بلکہ ہر ہندوستانی کا دماغ پھٹنے لگا۔ اب یہ حقیقت واشگاف ہو کر سامنے آگئی کہ ڈلہوزی پلان کے پس منظر میں حصول مسجد سے کہیں زیادہ احرار کی شہرت کو نقصان پہنچا کر آئندہ الیکشن میں یونینسٹ پارٹی کو کامیاب کرنا مقصود تھا۔ اگر حصول مسجد میں خلوص کا روبرو ہوتا تو یہ ہم باہم مشورہ سے سر ہو سکتی تھی۔ جیسے کہ اکثر موڑ بھی کر بات بن جاتی لیکن تحریک کے رہنماؤں نے حالات کے راستے میں ارڈنا ایسے کانٹے

بکھیرے کہ نہ صرف مجلس احرار ایسی فعال جماعت اس سے متاثر ہوئی بلکہ مسلمان قوم کا وقار بھی مجروح ہوا۔

احرار اپنی دیانت کے آئینے میں تمام کارروائی کرتے رہے لیکن جب انہیں یقین ہو گیا کہ ان کا سیاسی حریف نئے ارادوں سے حملہ آور ہوا ہے تو وہ سچائی اور انصاف کے اصولوں پر اپنا دفاع کرتے رہے۔

جن حالات میں مسجد گرائی گئی اس کی براہ راست زد حکومت پر بھی پڑتی تھی۔ چنانچہ ۱۰ جولائی کو حکومت پنجاب نے حسب ذیل بیان کے ذریعے صورت حال واضح کر دی۔

ہد گذشتہ کئی دنوں سے سکھوں اور مسلمانوں سے حکومت نے بات چیت کی کہ کسی طرح کوئی سمجھوتہ ہو جائے۔

واقعات اس طرح ہیں کہ متذکرہ بالا عمارت تقریباً ایک سو ستر سال سے سکھوں کے قبضے میں چلی آرہی ہے اور مقدمہ بازی کے بعد جس کی ابتدا ۱۸۵۳ء میں ہوئی۔ اس مسجد کے متعلق سکھوں کے دیوانی حقوق کی گوردوارہ ٹریبونل نے ۱۹۳۰ء میں آخری تصدیق کر دی۔ ٹریبونل کے فیصلے کے خلاف مسلمانوں نے کوئی اپیل دائر نہ کی۔ اس قانونی پہلو کے پیش نظر حکومت کی طرف سے سکھوں سے یہ قرار لینے کی کوشش کی گئی کہ وہ اپنے حقوق کو ایسے طریق پر استعمال نہ کریں جس سے مسلمانوں کے مذہبی احساسات کو صدمہ پہنچے۔

اس فیصلے کے مختلف امکاناتی حل طرفین کے ساتھ علیحدہ علیحدہ معرض بحث میں لائے گئے۔ اور سکھ لیڈروں کی طرف سے حکومت کو یہ بتایا گیا کہ انہدام کے حق میں یا خلاف کم از کم اس وقت تک کوئی فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔ جب تک شرومنی گوردوارہ پر بندھاک کمیٹی کے اجلاس جوہ جولائی کو قرار پایا تھا نہ ہو جائے۔ اگرچہ حکومت کو ان حالات کا علم نہیں جن میں مسجد کے انہدام کا یکاکی فیصلہ کیا گیا۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سکھ لیڈروں کا اپنے انتہا پسند پیروؤں پر قابو نہیں۔ ۱۰ جولائی کی شام کو شاہ عالمی دروازہ

کے قریب ایک سکھ کی لاش پائے جانے کی اطلاع ملی۔ گو تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ یہ موت تشدد سے نہیں ہوئی۔ لیکن سکھوں نے اسے فرقہ وارانہ قتل کی واردات سمجھ لیا، اور اس طرح ان میں جوش پیدا ہو گیا۔

ظاہری اسباب خواہ کچھ ہی ہوں لیکن مسجد کا انہدام ۸ جولائی صبح شروع ہو گیا۔ حکومت کو افسوس ہے کہ سکھوں نے اچانک کارروائی کرنا مناسب سمجھا جس سے تصفیہ کے تمام مواقع جاتے رہے۔ اس طرح سے صورتحال نہایت نازک ہو گئی اور فرقہ وارانہ منافرت کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ ایسے میں حکومت عوام سے اپیل کرتی ہے کہ وہ فضا میں سکون قائم رکھیں اور امن قائم رکھنے میں مدد دیں۔

حکومت پنجاب نے اس بیان میں اپنی پاک دامنی کا روایتی مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی بلا دوسروں کے گلے ڈال دی۔ حالانکہ تمام تیلیوں کی ڈورا سی کے ہاتھ میں تھی۔ حکومت کے بیان کے بعد مجلس احوار نے صورتحال واضح کرتے ہوئے اپنی پالیسی کی وضاحت کی۔

مندرجہ ذیل بیان مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے ۱۳ جولائی ۱۹۲۵ء کو شاہی مسجد لاہور میں زیر صدارت صاحبزادہ سید فیض الحسن سجادہ نشین آلوہار شریف مجلس احوار اسلام ہند کی طرف سے پڑھ کر سنایا۔ اس اجلاس میں حاضرین کی تعداد پچاس ہزار کے قریب تھی۔

”مسجد شہید گنج کے متعلق اور ہماری جماعت کی پوزیشن کے متعلق چھ بیگونیوں ہو رہی ہیں۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک محتاط بیان پبلک کے سامنے پیش کر دیا جائے۔ اگر کبھی اس کی تفصیل بیان کرنے کا موقعہ ہوا تو مفصل بیان دیا جائے گا۔

ابھی ہم تبلیغ کانفرنس کے سلسلے میں لائپور میں تھے کہ بذریعہ ٹیلیفون ہمیں لاہور سے صورت حال کے متعلق اطلاع دی گئی۔ فوراً خواجہ غلام حسین ایڈووکیٹ نائب صدر مجلس استقبالیہ تبلیغ کانفرنس لائپور کے مکان پر جمع ہو کر مجلس احوار اسلام کے کارکنوں نے مشورہ کیا۔ رانا فیروز الدین ایڈووکیٹ

لاہور نے جو مولانا ظفر علیاں کے قریبی عزیز اور مجلس احوار کے معزز رکن ہیں مسجد شہید گنج اور حالات پر روشنی ڈال کر خرم و احتیاط کا مشورہ دیا اور ایک پالیسی تجویز کر لی گئی۔ جب ہمارے کارکن لاہور پہنچے تو انہیں معلوم ہوا کہ مسجد شہید گنج کے تحفظ کے لیے ایک مقتدر جماعت بنالی گئی ہے۔ جس میں مولانا ظفر علیاں، ان کے بیٹے اختر علیاں، اسید حبیب، ڈاکٹر محمد عالم، ملک لال خاں (گوجرانوالہ) شریک ہیں اور مسجد کے لیے ایچیٹیشن کرنے کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ جب ایک مقتدر جماعت نے ہماری لاہور سے واپسی سے پہلے کام سنبھالنے کا فیصلہ کر لیا ہو تو مجلس احوار کا من حیث الجماعت دخل دینا مسلمانوں میں کشمکش کا باعث ہو جانا لازمی تھا۔ اور جائز طور سے اس اعتراض کا موقع مہیا ہوتا کہ احوار ہر ایچیٹیشن میں ٹانگ اڑا دیتے ہیں۔ اور کسی دوسری جماعت کو خواہ وہ کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو کام کرنے کا موقع نہیں دیتے۔

بنابریں خاموشی کو بہتر سمجھا گیا، لیکن ہم اس امر کا اعلان کرتے ہیں کہ خاموشی کے معنی مخالفت کے نہ تھے۔ بلکہ مولانا اسید محمد داؤد غزنوی جنرل سیکرٹری مجلس احوار اسلام آباد تمام مشوروں میں برابر شامل رہنے کا فیصلہ کیا گیا اور انہوں نے ابتداء سے انجمن تحفظ مسجد شہید گنج میں نہایت محنت سے خدمت کو انجام دیا۔ لیکن نواب صاحب آف ممدوٹ کی کوٹھی پر ایک میٹنگ میں ایک حذر کی بنا پر شامل نہ ہونے کے لیے مولانا محمد داؤد کے خلاف غلط پروپیگنڈا بعض حلقوں سے شروع ہو گیا، جس کا تمام افسوس دفتر زمیندار کو ہونا چاہیے۔

پوزیشن کی وضاحت : اب مسجد گرا دی گئی تو بعض عاقبت نا اندیش طبقوں کی طرف سے مجلس کی دانشمندانہ خاموشی کو مجرمانہ خاموشی بیان کیا گیا اور ملک میں نا کردہ گناہوں کے خلاف انتہائی طور پر پروپیگنڈا شروع کر دیا۔ ہم نے اپنی پوزیشن واضح کرنے کے لیے یہ جلسہ ضروری سمجھا۔ یہ واضح رہے کہ جس دن سے مسجد شہید ہوئی ہے، ہم باخبر آدمیوں سے برابر مشورہ کرتے رہے۔

کل میاں عبدالعزیز بیرسٹر نے ٹیلیفون کیا کہ مجلس احوار اب کیا کرنا چاہتی ہے اور میں اس مسئلے میں جماعت کے ذمہ دار ارکان سے بات چیت کرنا چاہتا ہوں۔
غور و فکر کی مجلس : چنانچہ میاں صاحب کو مجلس احوار کی ورکنگ کمیٹی میں شمولیت کی دعوت دی گئی اور انہوں نے اس ایجنڈیشن کی تمام تاریخ دہرا کر احوار کارکنوں کو کہا کہ آپ کو اس مسئلے میں رہنمائی کرنی چاہیے۔

ہم نے کہا کہ آپ تجویز کریں کہ کام کس طرح ہو؟۔ انہوں نے کہا اس وقت اجلاس برخواست کر دیا جائے اور میں چار بجے شام پھر آؤں گا۔ اور اجاب کے مشورہ کے بعد دوبارہ گفتگو کروں گا۔

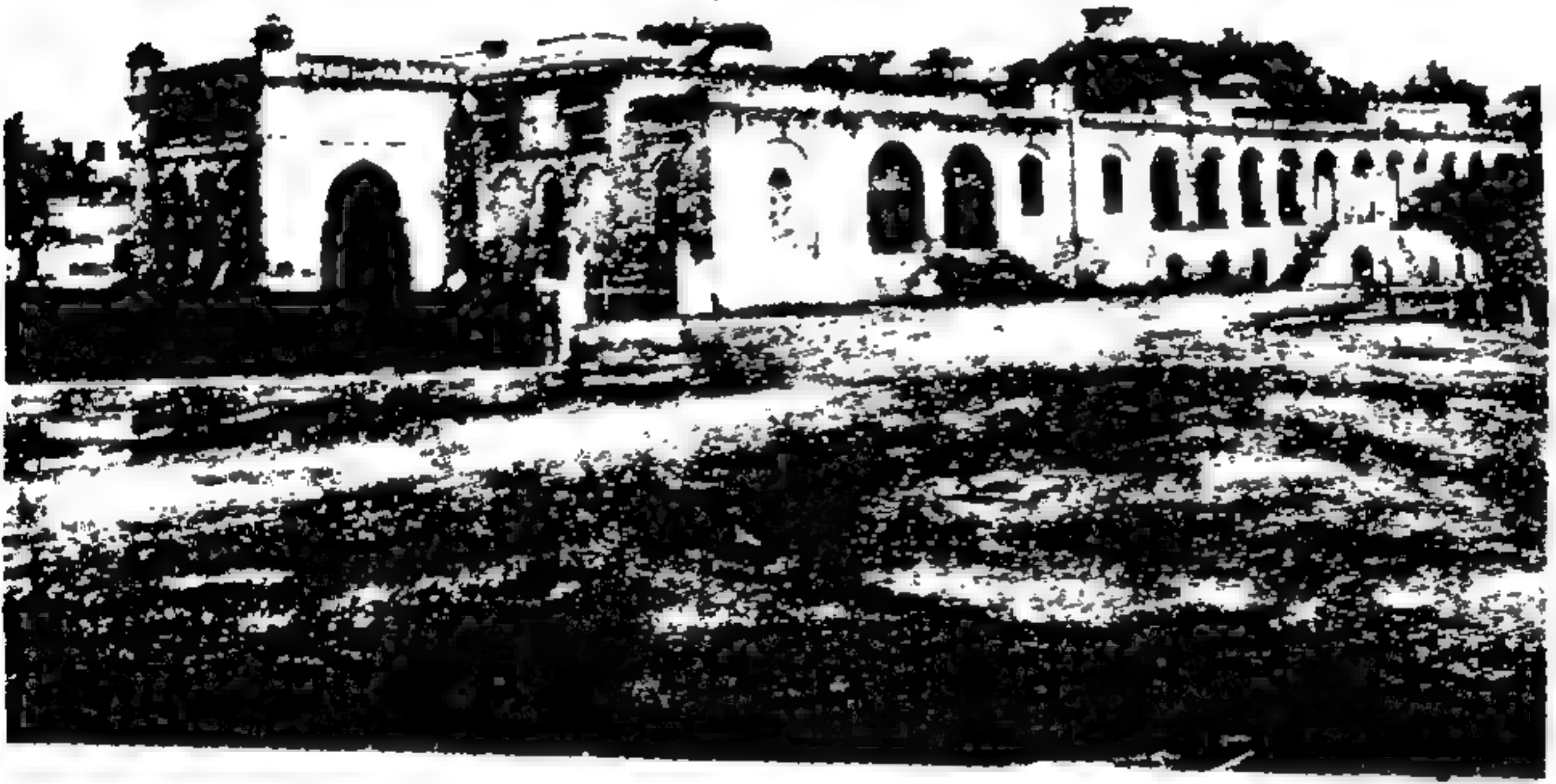
چار بجے ان کا فون آیا کہ وہ اجاب سے مشورہ کر رہے ہیں۔ پھر آج صبح ان کا ایک آدمی پیغام لے کر آیا کہ میری استدعا ہے کہ آج کے جلسے میں کوئی اختلافی بات نہ کی جائے اور نہ ہی کوئی رائے اور پروگرام دیا جائے، جس پر تمام مسلمان پہلے سے متفق نہ ہو جائیں۔ میرے دوست مجلس احوار سے آج شام ضروری گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ میری احوار کارکنوں سے درخواست ہے کہ وہ اس نازک موقع پر اتحاد بین المسلمین کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔

مجلس احوار نے اپنے کسی قول و فعل سے مسلمانوں کے مقاصد عالیہ کو نہ پہلے کبھی نقصان پہنچایا ہے اور نہ کبھی آئندہ پہنچانے کو تیار ہیں۔ آج یہ تحریر اس لیے مناسب سمجھی گئی کہ مبادا کسی لفظ سے کوئی غلط فہمی نہ پیدا ہو۔ اس بنا پر ہم حاضرین سے معذرت خواہ ہیں اور آج اس تحریر کے بعد کوئی تقریر نہیں کر سکے۔ امید ہے کہ آپ بھی ضبط و تحمل سے کام لیں گے۔ آپ مجھے تقریر کرنے سے معذور سمجھیں گے تاکہ مجلس احوار پر کوئی الزام نہ آئے۔

مسجد شاہ چراغ | شاہ صاحب نے اپنی مندرجہ بالا تحریر کے خاتمے پر کہا: ”مسجد شہید گنج کے علاوہ ایک اور مسجد بھی ہے جس پر

حکومت پنجاب کا قبضہ ہے، جسے ہم عنقریب حکومت سے آزاد کرانے کے لیے

مسجد شاہ چراغ کے متعلق اشارہ کرتے ہوئے شاہ جی نے جس ارادے کا اظہار کیا تھا۔
حکومت پنجاب نے اس کے جواب میں ۱۶ جولائی کے اخبارات میں اعلان کیا:
”مسلمانوں کی طرف سے مسجد شاہ چراغ کی واپسی کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ یہ مسجد
۱۸۶۰ء میں ایک ایسے آدمی سے خریدی تھی جو اسے ذاتی سکونت کے لیے استعمال
کرتا تھا۔ مگر اب اس جگہ کو حکومت خالی کر دے گی۔ لیکن جیسے ہی سیشن عدالتوں
کے کمرے جو زیر تعمیر ہیں، مکمل ہوئے مسجد شاہ چراغ کو مسلمانوں کے حوالے
کر دیں گے۔“



مسجد شاہ چراغ

یہ مسجد ایک درویش شاہ چراغ کے نام سے منسوب ہے، جو شاہ جہان کے عہد میں گزرے
ہیں۔ شاہ چراغ اوج شریف (بہاولپور) کے باشندے تھے اور حضرت شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی
کی اولاد میں سے تھے۔ جن کا ۱۶۵۰ء میں انتقال ہوا۔ ان کا مزار شاہ اوزنگ زیب نے تعمیر کرایا
تھا۔ اس مزار کے قریب ہی یہ مسجد نواب خان بہادر خان گورنر لاہور نے محمد شاہ کے عہد میں بنوائی تھی۔
جب زمام اقتدار سکھوں کے ہاتھ آئی تو اس مسجد پر سکھوں نے حملہ کر دیا اور بعد میں اسے

ایک مسلمان کے ہاتھ فروخت کر دیا جو اسے بطور مکان کے استعمال کرتا رہا۔ یہ مسجد ۱۹۰۰ء میں حکومت پنجاب نے خریدی اور اس میں اکاؤنٹنٹ کا دفتر قائم کیا گیا۔

مرزائی اور تحریک شہید گنج [قوت باطلہ روز آفرینش سے اس تاک میں رہی کہ حق کے راستے روک کر اس پر گامزن افراد کو گمراہ کیا جائے۔ لیکن اسلام کا پر تو جنہیں اندھیروں سے اجالوں میں لایا تھا وہ راستے کی روک ٹوک کے بغیر صراطِ مستقیم پر رواں دواں رہے تاہم کئی موڑ آئے کہ جادہ حق کے مسافروں کو کفر کی آگ سے اپنا دامن سمیٹنا پڑا۔

تحریک مسجد شہید گنج ایک ایسی سرخ اور بھیا تک آندھی تھی کہ سچائی کو منہ چھپانے کیلئے اماں ڈھونڈنی پڑی۔ ہم رنگ زمین دامن اس عنوان اور فریب سے بچھائے گئے کہ ہر قدم الجھتا چلا گیا۔ بگڑے ہوئے عوام کی زبان اور ہاتھ بغیر کسی سوچ اور فکر کے اپنا کام کرتے رہے۔ ایسے میں احوار رہنماؤں کا خلوص سرپیٹ کر رہ گیا۔ اور دل و جان کا نذرانہ لے کر اس راہ پر آکھڑے ہوئے جو اصول کی نشاندہی کرتا ہے۔ اس تحریک میں من حیث اقوم مسلمان کو سیاسی اور مذہبی کس قدر ندامت اٹھانا پڑی اس کا جواب آئندہ تاریخ دے گی۔

مسجد شہید گنج ۸۔ جولائی کو گرائی گئی۔ لیکن قادیانی لیڈر بشیر الدین محمود نے یکم جولائی کو ہی اپنے مریدوں کو اطلاع کر دی کہ عنقریب عمدہ قسم کے اشتہار شائع کیے جائیں گے جنہیں عمدہ جگہ پر لگائیں اور سمجھا دوں گے کہ تقسیم کریں۔ نیز ان پوسٹروں سے متعلق عوام کے تاثرات بھی معلوم کریں۔ چنانچہ جیسے ہی انہدام مسجد کا واقعہ پیش آیا۔ مرزائی تنظیم (تحریک جدید) کے بارہ سو کارکن لاہور پہنچ گئے اور انہوں نے ”زمیندار“ کے برابر مجازی بلڈنگ میں اپنا دفتر قائم کر لیا اور یہیں سے ۳۰۰ سائز کے پوسٹر شائع ہوتا شروع ہوئے۔ لاہور سے بھی پھر شمال مغربی صوبہ سرحد تک یہ پوسٹر شہروں کے علاوہ دیہاتوں، بستیوں اور گاؤں گاؤں تقسیم کیے گئے۔ ہر روز مختلف اقسام کے پوسٹر دیکھنے میں آتے۔ جن میں حصول مسجد کی بجائے احوار رہنماؤں کو گالیاں اور الزامات درج ہوتے۔ ان اشتہاروں نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔

جہلی خطوط | انہی دنوں احرار رہنماؤں کے خلاف دو جہلی خط بھی شائع ہوئے۔ یہ خط پہلے روزنامہ زمیندار میں اور بعد میں اشتہاروں کی شکل میں لاکھوں کی تعداد میں عوام تک پہنچائے گئے۔

خط ۱ دو گورداسپور۔ ۲۲۔ جولائی ۱۹۳۵ء

برادر مہتمم چودھری (افضل حق) صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

میں دورے سے واپسی پر دفتر پہنچا، لیکن آپ موجود نہ تھے۔ زبانی طور پر تمام واقعات مولوی محمد شفیع صاحب سے کہہ آیا تھا۔ غالباً انہوں نے تمام تشدید و فرار بیان کر دیے ہوں گے۔ احتیاط دوبارہ عرض کرتا ہوں:

۱۲۔ جولائی کا شاہی مسجد کا اعلان بہت مفید ثابت ہوا ہے۔ پبلک کا حجام ہماری طرف پیٹ چکا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ دوسرے چوتھے دن کے بعد ایسا ہی ہنگامہ نیز بیان شائع کر دیا جائے۔ تاکہ مولوی ظفر علی خاں یا اس کی پارٹی سے عامۃ المسلمین کٹ جائیں۔ مکمل فیصلہ و اقتدار ہونے کے بعد ایجنڈیشن فوراً ختم کی جاسکتی ہے۔

۱۳۔ تاکہ مسجد کا معاملہ نہایت اہم ہے۔ مگر اس میں حصہ لینے سے اگر کامیابی ہو بھی گئی تو نام ظفر علی خاں کا ہوگا۔ کیونکہ اس تحریک کا قائد وہی تسلیم کیا جا چکا ہے اور ہمارا اور مجلس احوار کا وقار سخت خطرے میں پڑ جائے گا۔ اور اکیلے ظفر علی خاں کی کامیابی ہمارے لیے بہت مشکل ہے۔

شاہ صاحب کو ہر ممکن طریق سے یقین دلائیں کہ ایجنڈیشن میں شامل ہونے سے جماعت فنا ہو جائے گی۔ انہیں مذہبی رنگ میں ہی قائل کیا جاسکتا ہے۔ مولوی حبیب الرحمن سے معلوم ہوا ہے کہ اعلان پڑھنے کے بعد وہ کچھ نرم ہو رہے ہیں اور انفرادی طور پر ایجنڈیشن میں شامل ہونے کا وعدہ بھی کر چکے ہیں۔ خدا کے لیے انہیں سمجھائیے۔ ان کی شمولیت سے اپنی تمام

فیل ہو جائے گی۔ میں مشاورت کے اجلاس میں شریک نہیں ہو سکا۔ امید ہے
آپ نے حسب منشا کارروائی کرائی ہوگی۔

احقر۔ منظر علی انظر

دوسرا خط۔

گورداسپور۔ ۱۲۔ ستمبر ۱۹۳۵ء

برادرِ مکرم چودھری صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
میں آپ کے اس خط سے حرف بحرف متفق ہوں کہ پیر صاحب حضرت
پیر جماعت علی شاہ صاحب علی پور، امیر ملت ہند و صدر مجلس اتحاد ملت ہند
کی مخالفت نہ کی جائے۔ کیونکہ اس وقت قوم ان کے ساتھ ہے۔ نیز یہ مسلمہ
بات ہے کہ وہ سول نافرمانی نہیں کریں گے۔ اس لیے ان کی حمایت کرنے میں
ہی ہماری بہتری ہے۔ ۱۵۔ ستمبر کو پیر صاحب لاہور آ رہے ہیں۔ اپنے درکرز
کو ہدایت کر دیں کہ یہ جلسہ کامیابی سے ہونے دیں۔ نیز روزنامہ مجاہد میں نہایت
تہدیر کے ساتھ مخالفت بھی جاری رکھی جائے اور اس جماعت میں اپنے آدمی
بھی شامل کر دیے جائیں تاکہ ان کی سرگرمی سے اطلاع بھی ہوتی رہے اور وقت
آنے پر یہ حارت فوراً گرائی جاسکے۔ مگر کوئی کچا آدمی ان کے نزدیک تک بھی
نہ جانے دیا جائے۔ شاہ صاحب سے کہہ دیں کہ اپنی تو جہات خاکساریت کی
طرف زیادہ منعطف کریں۔ اس دشمن کا سد باب نہایت ضروری ہے۔

مسئلہ حجاز کے متعلق میرا مشورہ صرف اتنا ہے کہ سلطان کی براہ راست
ہرگز مخالفت نہ کی جائے۔ کیونکہ اس طرح یہ تحریک ہمارے لیے نقصان دہ
نہایت ہوگی۔ یہ مانا کہ اس کی انگینخت میں اس کا بھی کوئی خاص فائدہ ہوگا۔ مگر ہمیں
اس سے کیا؟ مگر ہمارا مطلب پورا پورا حل ہو جائے۔
پبلک کی توجہ شہید گنج ایچی ٹیشن سے ہٹائے۔ اس سے بہتر اور کوئی حربہ

۱۔ چودھری صاحب کے اس خط کا میں ذکر نہیں کر رہا تھا۔

نہیں ہو سکتا۔ پھر اگر سلطان حجاز پر کما حقہ اثر ہو گیا تو مالی مشکلات بھی حل ہو جائیں گی اور چندے کی مصیبت سے کچھ عرصہ کے لیے نجات حاصل ہو جائے گی۔ ہاں! یاد آیا کہ ۱۶ ستمبر کا جلسہ اگر لاہور میں ہوتا تو بہتر تھا۔ اگر لاہور کے حالات موافق نہ ہوں تو اچھرہ ہی میں سہی۔ یہ جلسہ بہت مفید رہے گا۔ کیونکہ تمام نمائندگان کی موجودگی میں ہوگا۔ اور کمزور طبیعتیں بھی مضبوط ہو جائیں گیں۔ ۱۶ ستمبر کے اجلاس میں شمولیت کی کوشش کروں گا۔ والسلام

احقر منظر علی اظہر

جعلی خطوط کا محرک | ان خطوط کا شائع ہونا تھا کہ بدگمانیوں نے عوام میں نیا جنم لیا۔ افسانہ حقیقت کا پیر من اور صے بزم آرائیوں میں مصروف ہو گیا۔ رہے سہے درست و احباب دشمنوں کی صف میں چلے گئے۔ یہ جادو اس قدر سر چڑھ کر بولا کہ سچائی کی قوت گریانی سلب ہو کے رہ گئی۔ احوار کے راستے میں مشکلات کے نئے پہاڑ ابھرے نزاں نے بہار کے راستے روک لیے۔ گمراہی مرض کی طرح پھیلی چلی گئی۔ سیاہ رات کے سائے آگے بڑھ کر جھوٹ کے نئے پرائع روشن کرنے لگے۔ جس سے حقیقت کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ لیکن وقت کے ساتھ ساتھ اس سارے ڈرامے کا ایک ایک کردار اپنی برہنگی پر غر مندہ ہونے لگا۔

شیخ محمد شریف شوق جوان دنوں مرکزی مجلس احوار کا آفس سیکرٹری تھا۔ دیگر باتوں کے علاوہ اسے جعلی دستخط بنانے کا بھی ملکہ حاصل تھا۔ بحیثیت مرکزی احوار آفس کے انسپراج کے تمام احوار رہنماؤں کے کاغذات اس کے قبضے میں تھے۔ چنانچہ اس کی خدمات جعلی خطوط بنانے کے ضمن میں حاصل کی گئیں اور اسے امرتسر اسما حیل غزنوی کے مکان پر لے جایا گیا۔ اسی جگہ جعلی خطوط مرتب کیے گئے۔ اور محمد شریف شوق سے مولانا مظہر علی انصاری کے جعلی خطوط مرتب کئے۔ یہاں سے یہ خطوط روزنامہ زمیندار کے دفتر نیچے اور پیر میاں بیوں سے انصاری کی

۱۔ یہ شخص ان دنوں گوجرانوالہ کچری احاطہ میں عرضی نوٹس سے لٹھ مار ہو رہا ہے۔ غرض کہ ان دنوں
حسین نور الدین کا حقیقی نواسہ ہے۔

شکل میں شائع کیا۔ اس کا اعتراف مرزا محمود ان الفاظ میں کرتا ہے۔

”ہمیں ان (احرار) پر غصہ ہے۔ پس اگر کوئی شخص احوار کے خلاف طریقہ شائع کرتا ہے اور ہم اس کی اشاعت میں مدد دیتے ہیں یا خریدتے ہیں تو اس پر کسی کو اعتراض نہیں ہو سکتا۔ ہمارے بعض آدمیوں نے ایسا طریقہ خرید کر شائع کیا ہے یا اس کے شائع ہونے میں مدد دی ہے تو میں اسے برا نہیں سمجھتا۔ بلکہ اسے ایک قومی خدمت سمجھتا ہوں۔“

(خطبہ مرزا محمود۔ الفضل۔ ۱۹۔ ستمبر ۱۹۳۵ء)

اس طرح شیخ محمد شریف شوق کو مولانا منظر علی اظہر نے اپنی الیکشن پمیشن میں بطور گواہ پیش کیا تو اس نے عدالت کے رد برو اعتراف کیا کہ اس سے یہ خط مولوی اسماعیل غزنوی کے مکان میں لکھوائے گئے تھے۔ اس طرح محمد شریف شوق اپنے جھوٹ کا ایک اور حلقہ اعتراف کرتا ہے:

”میں ایک الیکشن پمیشن کے مسئلے میں لاہور کی ایک عدالت میں یہ بیان دے چکا ہوں کہ چٹھیاں مولانا منظر علی اظہر کے ہاتھوں کی لکھی ہوئی نہیں ہیں بلکہ یہ میرے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ میں عدالت موصوف میں یہ بیان بھی دے چکا ہوں کہ مولوی محمد اسماعیل صاحب کے دولت کو امر میں ایک طے شدہ پروگرام کے تحت مجھے لے جایا گیا۔ کہ تمہارا خط اچھا ہے یہ دو چٹھیاں لکھ دو۔ چنانچہ مولوی محمد اسماعیل صاحب غزنوی الفاظ بولتے گئے اور میں لکھنا گیا۔ مولانا منظر علی اظہر کے جعلی دستخط بھی میں نے خود کیے۔“

میرے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ ان چٹھیوں سے مجلس احوار کو قتل کرایا جائے گا۔ اور مسجد شہید گنج کا ملبہ مجلس احوار ایسی فعال جماعت پر گرا دیا جائے گا۔ چنانچہ یہ لوگ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ میرا یہ گناہ معاف کر دے۔“

محمد شریف شوق۔ (ماہنامہ تبصرہ۔ شمارہ اگست ۱۹۶۹ء)



اس ضمن میں راقم نے ۵۹ کو شیخ محمد شریف ثوقی
کو ایک خط لکھا کہ وہ اصل حالات سے آگاہ کرے
چنانچہ موصوف نے میری درخواست پر حسب ذیل
جواب دیا جو اگست ۱۹۶۹ء کے شمارہ "تبصرہ"
میں شائع ہو چکا ہے۔ (مصنف)

دموتی اسماعیل غزنوی بن کے مکان پر پہلی

محرری جانبار حبس ۱ چھٹیں مرتب ہوئیں

گورنر اہل

۶۹-۵-۵۵

الحکم در قلم الدور ۱۰ - گرامی نامہ شرف صدر اور

ہو رہا عرض ہے کہ - یہ ان دنوں کا نقد ہے مزاروں میں

بیس احرار زند کے دنز سو انہر کمر شری تھا - اس دلیہ پھلور کا

سے غنا سال ۱۹۳۶ء تا ۱۹۳۷ء سو جوہر انسل

کھلا معلوم کر ایک آئینہ شہزاد کے - سہلہ سہلہ پھلور کی راکھ اور

بیان لکھی کے کچھ سونے کے - سہلہ سہلہ سہلہ سہلہ کے

کر لکھی ہوئی ہوئی ہوئی - سہلہ سہلہ سہلہ سہلہ کے

راستہ سے - سہلہ سہلہ سہلہ سہلہ کے

ہوئی ہوئی ہوئی ہوئی - سہلہ سہلہ سہلہ سہلہ کے

کے، بہت تھے جا رہا تھا - کہ تھا زلف زلف

در لہجہ ان لکھ دو - نہ تھے نو لکھی لکھی لکھی

لو لکھی لکھی لکھی لکھی - سہلہ سہلہ سہلہ سہلہ کے

انہر انہر انہر انہر - سہلہ سہلہ سہلہ سہلہ کے

شہر گنج لکھ دو - سہلہ سہلہ سہلہ سہلہ کے

نہ تھے نہ تھے نہ تھے نہ تھے - سہلہ سہلہ سہلہ سہلہ کے

اصرار کا دوسری جھوٹ | اس وقت تک یہ بات کھل کر سامنے آچکی تھی کہ اندھیرے کے بادل چھٹ رہے ہیں اور حقیقت بلیوں اچھل رہی تھی کہ باطل کا کھیل تماشہ حصول مسجد کے لیے نہیں، محض مسلمانوں میں انگریزی سامراج کے خلاف منظم اور فعال جماعت کو نقصان پہنچانا اور آئندہ الیکشن میں یونینسٹ پارٹی کو کامیاب کرانے کا ایک حربہ تھا۔

۱۔ ایک ہی سرکاری آفیسر مولانا ظفر علیاں کو یقین دلاتا ہے۔

”تم ایچی ٹیشن جاری رکھو۔ مسجد تمہیں مل جائے گی“

۲۔ وہی سرکاری آفیسر (بقول سید حبیب) سکھوں سے کہتا ہے:

”تم مسجد گرا سکتے ہو۔ کیونکہ یہ تمہارا حق ہے۔ اگر مسلمان اس کے راستے

میں آئیں تو حکومت اپنی فوج اور پولیس سے تمہاری پشت پناہی کرے گی“

۳۔ یہی سرکاری آفیسر جس کے متعلق مرزائی لیڈر نے خود اعتراف کیا کہ:

”ایک ذمہ دار آفیسر نے جن کا میں نام نہیں لیتا، ایک معزنا احمدی سے

کہا ہے کہ اگر تم لوگ شہید گنج کے سلسلے میں دلچسپی رکھتے ہو تو میں ایسے

آدمی بنا سکتا ہوں جو تمہارے حسب منشا کام کر سکتے ہیں“

ہفت روزہ ”الفضل“ (مرزائی آرگن)

خطیبہ مرزا محمود۔ ۱۹۔ ستمبر ۱۹۳۵ء

آخر میں مولانا منظر علی اظہر کی طرف منسوب جنلی چٹیاں اور دیگر تمام واقعات نے

جو جون کے آخری دنوں سے شروع ہو کر جولائی کے اختتام تک ہوتے چلے آئے تھے

احرار کے لیے تمام راستے صاف کر دیے اور وہ چراغ گل ہو گئے جو کبھی بادِ سموم نے جلانے

تھے۔ ابلیس کے اڑائے ہوئے پھینٹے حق کے دامن کو داغدار نہ کر سکے۔ وقت گواہی دینے

کو آن پہنچا کہ باطل کی تمام کارروائی شرارت پر مبنی۔ اس پر بھی تہوں کا دعویٰ خدائی شرمندہ

ہوا اور وہ بدستور جھوٹ کی پتنگ کو ڈور ہلاتے رہے۔

احرار ایک متعینہ منزل کے مسافر تھے۔ راستے کا کوئی پتھر ان کے قدم نہ روک سکا۔

وہ چلتے گئے اور چلتے ہی رہے۔ اس دوران اگر کوئی دیوار آئی تو ان کے آہنی ارادوں کے سامنے ٹھہر نہ سکی۔ بلاشبہ تحریک مسجد شہید گنج احرار کے راستے کا مشکل ترین موڑ تھا کہ تمام قوم سنگ اٹھائے ان کے سروں پر آگئی۔ گریبان چاک کر دیے۔ اتہام طرازی اور بدکلامی سے اخلاق کی حدیں بری طرح زخمی ہوئیں۔ لیکن وفا شعار اور اثیار پیشہ احرار ملت اسلامیہ کی خفگی کو خندہ پیشانی سے سنتے اور برداشت کرتے رہے مگر تاجکے؟۔

آخراں آنکھوں کے ڈورے سرخ ہونے لگے، جن میں کل تک اپنی بے گنہی کے آئینہ تصویر رہے تھے۔ ان زبانوں میں گویائی کی قوت لوٹ آئی جو اپنی وفا اور شرافت سنبھالے ہوئے تھیں۔ وہ ہاتھ آوارہ عناصر پر ابھرنے لگے جو اپنے اکابر کی اطاعت میں بندھے ہوئے تھے۔ پھر ان قوتوں کی گوشمالی کے لیے احرار نے عسکری قوت ترتیب دی۔ ان فرائض کی انجام دہی کے لیے ایک سونو جوان منظم اور مسلح کیے گئے۔ ان کی تربیت کی ذمہ داری لاہور کے مہر علم الدین اور سلاہ معراج دین کے سپرد تھی۔ چند دنوں کی یمین و بیسار کے بعد احرار کا یہ درلی جھگہ (گوریلے) چاق و چوبند ہو کر اپنا کام سرانجام دینے لگا۔ اس گروہ کی ڈیوٹی تھی کہ وہ احرار کے اجلاس میں اگر کہیں گڑبڑ پائیں تو مشکوک لوگوں کے گرد بیٹھ جائیں۔ گروہ خاموشی سے جلسے کی کارروائی سنیں تو بہتر، ورنہ جلسے میں گڑبڑ کرنے کی کوشش کرنے والوں کو نہایت امن سے اٹھا کر باہر لے جائیں اور خوب چٹائی کریں۔ یہاں تک کہ وہ آئندہ احرار کے اجتماعات میں مخالفت کرنے سے توبہ نہ کریں۔ البتہ گوریلوں کو تاکید تھی کہ مخالفین کو نہ تو جان سے مارا جائے اور نہ ملک ضربات پہنچائیں۔

اس انتظام کے بعد ۱۶ ستمبر کو احرار نے اپنا پہلا جلسہ لاہور شہر کی بجائے اچھرہ میں کھا۔ مخالفین احرار کی اس سکیم سے بے خبر تھے۔ چنانچہ راقم کی انظم کے بعد حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری تقریر کے لیے کھڑے ہوئے تو مخالفین نے حسبِ عادت ہنگامہ مہ کرنا چاہا۔ چند منٹ انہیں سمجھایا گیا۔ لیکن جب پانی سر سے گزر گیا تو پھر احرار گوریلوں کو حکم دیا گیا کہ وہ جلسے کے انتظام کو سنبھالیں۔ بس پھر کیا تھا۔ کارروائی شروع ہو گئی۔ جلسے کا انتظام بیس منٹ کیلئے معطل رہا۔ پھر جو امن ہوا تو شاہ جی نے رات کے دو بجے تک نہایت سکون سے

تقریر کی۔ دوسرا جلسہ لاہور باغباں پور میں رکھا گیا۔ اس میں راقم کے علاوہ خطیب پاکستان قاضی احسان احمد شجاع آبادی کو خطاب کرتا تھا۔ اس میں گڑ بڑ کرنے کے لیے لاہور میکیگن کالج کے طالب علم بڑی تعداد میں جمع تھے۔ ابھی قرآن حکیم کی تلاوت شروع تھی کہ نادانوں نے دانائی سے اور بی ہو کر احوار رہناؤں پر کچھڑا چھاننا شروع کر دیا۔ احوار فورس پہلے سے تیار تھی۔ آج یہ ہاکیوں سے مسلح تھے۔ انہوں نے اپنا کام شروع کر دیا۔ بھاگتے ہوئے طلباء میں چند ایک بھاری بھر کم طلباء بٹک پر گر پڑے۔ بھاگنے والے تو بھاگ گئے، جو رہے انہیں سٹریچروں میں لے جایا گیا۔

ایک ہفتہ بعد احوار لاہور شہر میں داخل ہوئے۔ یہ جلسہ دہلی دروازہ کے باغ میں رکھا گیا۔ اس کے لیے انتظامات کہیں وافر کرنے پڑے۔ اس وقت تک احوار کا یہ دلی جھٹھ مزید طاقت پکڑ چکا تھا۔ نوجوان بڑی تعداد میں شامل ہو چکے تھے۔ سچ مخالفین بھی بڑی طاقت میں لیس ہو کر آئے تھے۔ احوار گوریلے اس سے بے خبر نہیں تھے۔ اسٹیج سیکرٹری نے جیسے ہی اعلان کیا حضرات اب جلسے کی کارروائی شروع ہو رہی ہے۔ ایک دم سے ہجوم کا ایک ریل اسٹیج کی جانب بڑھا۔ قریب تھا کہ وہ اسٹیج پر قابض ہو جاتا کہ احوار رضا کار ہاکیوں اور لاطیوں سے مسلح ان کے سامنے اکھڑے ہوئے۔ کراٹے کے آدمی منہس رضا کاروں کے سامنے کہاں ٹھہر سکتے تھے۔ آمنے سامنے کی لڑائی بھیڑ میں فریقین زخمی ہوئے۔ اور آخر میدان احوار کے ہاتھ رہا۔ اور جلسرات بارہ بجے تک بغیر کسی مداخلت کے ہوتا رہا۔

لاہور کے بعد باقی پنجاب میں بھی یہی طریق اختیار کیا گیا تو پھر کہیں جا کر سکون ہوا۔ اسی پسینشی پر دگرام کو احواری حروب بھی کہا گیا اور یہ لفظ اب تک رائج ہے۔

مولانا ظفر علی خان کے یہ تین شعر اسی دور کی یادگار ہیں۔

سرباز را چھلتی ہم نے دیکھیں پگڑیاں اپنی

بڑا ہے جب سے پالا فتنہ احوار سے ہم کو

بڑا یا آستنی کا ہاتھ جب ان کی طرف ہم نے

جواب اس کا ملا تلوار کی جھنکار سے ہم کو

اگر ڈر ہے تو ہے احرار کی مسلم نمائی کا
کوئی طاقت ڈرا سکتی نہیں کفار سے ہم کو

(”نگارستان“۔ مجموعہ کلام مولانا طفر علی خاں ص ۱۶۲، ۱۶۵)

نوٹ: تحریک مسجد شہید گنج ۱۹۳۷ء کے جنرل انتخاب تک جاری رہی۔ اس کا انجام کیا ہوا؟
اس کی تفصیل آئندہ اوراق میں آئے گی۔ (مصنف)

مسجد شہید گنج کے واقعات کو تاریخ کے دامن میں گرہ دینا رواں دواں تاریخ کا راستہ دکن
ہے۔ البتہ ایک موڑ کیسے جس پر مؤرخ کو چند لمحات کے لیے سستنا پڑا۔ اس سے بہتر کوئی دوسرا
عنوان قائم کرنا درست نہیں۔ ہاں اس سارے ہنگامے کو سیاسی سازش بھی قرار دیا جاسکتا ہے جو
محض مجلس احرار کو موت کے گھاٹ اتارنے کے لیے کی گئی تھی۔ جیسے کہ اس تحریک کے محرک
مولانا طفر علی خاں خود قرار کرتے ہیں۔

ہماری جیت میں ہے رندان کی موت کا پنہاں

پیام زندگی پہنچا ہے ان کی ہر سے ہم کو

(”نگارستان“۔ مجموعہ کلام مولانا طفر علی خاں ص ۱۶۴)

اس تحریک میں کرائے کے چند نوجوان بھی موت تھے جن میں عبدالکریم شورش اس طائفہ کا
یٹھ تھا۔ لیکن جیسے ہی اس نے اس سازش کے اندرون جھانک کر دیکھا تو اس کا دل کواہی دے
اٹھا کہ حصول مسجد کی تحریک کوئی تحریک نہیں بلکہ یہ ڈرامہ صرف یونینسٹ پارٹی نے انتخاب جیتنے
کے لیے رچا یا ہے اور بس! — وہ فوراً مجلس احرار میں آ شامل ہوا۔ وہ پھر یہی شخص آئندہ چل
کرا ل اٹھایا مجلس احرار کا جنرل سیکرٹری بھی بنایا گیا۔

انگریز اپنے اقتدار کے ڈوبتے سورج کو زندگی دینے کے لیے درپردہ جن حرکات کا مرکب
ہو رہا تھا۔ تحریک مسجد شہید گنج بھی اس کے کام کی تحریک نکلی۔ چنانچہ یہ وقتی تحریک پنجاب
سے بیٹ کر ہندوستان کی ہر گیر سیاست پر اثر انداز ہوئی۔ اس کی طفیل اقوام ہند متحد ہوتے
ہوئے اس موڑ پر پھر ایک ٹھوکر کھا گئیں۔ بعض ہندو لیڈر بھی سکھوں کی ہاں میں ہاں ملانے لگے۔
اس ہم آہنگی نے مسلمان کو مزید مشتعل کر دیا۔

بارش کے تھمتے ہی آسمان پر قوس و قزح کی لہریں دیکھ کر قیاس ہونے لگتا ہے کہ اب بارش نہیں ہوگی۔ لیکن کبھی کبھار بادِ مسموم رنگوں کے اس امتزاج کو اپنی لپیٹ میں لے کر قیاس لڑتیاں ختم کر دیتی ہے۔ اسی طرح ۱۹۳۵ء کے منہجئے ہوئے حالات میں تحریک شہید گنج نے ایک نیاز پر گھولا کہ ۳۔ جولائی کو حکومت ہند نے اعلان کیا کہ:

”حال ہی میں گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ دفعہ ۳۲ کے متعلق یہ گمان پیدا ہو گیا ہے کہ اس دفعہ کی رو سے ملک معظم کی حکومت کو یہ حق حاصل ہو گیا ہے کہ وہ حسب منشا فرقہ وارانہ اعلان میں تغیر پیدا کرے گی۔ کمیونگ میں اس خیال کی تردید کر دی گئی ہے۔ کمیونگ مندرجہ ذیل الفاظ پر ختم ہوتا ہے۔

فرقہ وارانہ اطلاق کی حدود اور شرائط کے اندر رہتے ہوئے ملک معظم کی حکومت کا ہر گزارہ نہیں کہ وہ اس دفعہ کی رو سے حاصل شدہ اختیارات کے تحت پارلیمنٹ کے پاس کسی قسم کی تبدیلی کی سفارش کرے۔ تاوقتیکہ اقوام ہند کی طرف سے کوئی متفقہ لائحہ عمل پیش نہ کیا جائے۔“

(روزنامہ انقلاب۔ لاہور۔ ۴۔ جولائی ۱۹۳۵ء)

جیسے ہی احوار کی عسکری قوت نے حالات کو درست راستے پر گامزن کیا اور فضا نے کروٹ لی، واقعات نئے رخ پر آنے لگے۔ تو ۱۰ جولائی کو احوار نے لاہور شاہی مسجد میں عام جلسے کا اعلان کیا۔ مذکورہ تاریخ سے چل کر یہ پہلا موقع تھا کہ احوار کا اجتماع پر امن ماحول میں ختم کو پہنچا۔ مگر جلسے سے واپسی پر مسجد وزیر خاں کے چوک میں بلا کسی اشتعال کے پولیس نے ہجوم پر لاٹھی چارج کر دیا۔ اس موقع پر چاہیے تو یہ تھا کہ پولیس کے متشددانہ رویہ کے خلاف احتجاج کیا جاتا۔ لیکن اس موقع پر مسجد وزیر خاں سے کرائے کے نوجوانوں نے احوار مردہ باد اور رانہ بلیان احوار مردہ باد کے نعرے لگانے شروع کر دیے۔ حالانکہ احوار بے قصور تھے۔ مگر جب حالات کو بگاڑنا مقصود ہو تو اچھے برے کا امتیاز کون کرتا ہے۔

حالات کو مزید سدھارنے کے لیے ۱۹۔ جولائی کو حسب ذیل مشترک دعوت نامے پنجاب

کے مختلف اہل الرائے حضرات کو روانہ کیے گئے۔

”کرمی و محرمی! السلام علیکم

ارکان مجلس تحفظ مسجد شہید گنج اور مجلس احوار کے متحدہ اعلان کے مطابق آپ کو دعوت دی جاتی ہے کہ آپ مسلمانان پنجاب کی مجلس مشاورت میں شریک ہوں۔ مسجد شہید گنج کے اندام سے پنجاب کے مسلمانوں میں جو جوش پیدا ہو چکا ہے۔ اس کو صحیح راہ پر ڈالنے اور اس کے مفید نتائج پیدا کرنے کے لیے آپ کے مشوروں کی اشد ضرورت ہے۔ اور دیگر اکابر توہ کو بھی دعوت دی جائے۔

لہذا آپ مربانی فرما کر ۲۴ جولائی کو لاہور پہنچ جائیں۔ اجلاس دو روزہ ہے گا۔ پہلا اجلاس ۲۴ جولائی ۳ بجے شام اور دوسرا ۲۵ جولائی ۸ بجے صبح شروع ہوگا۔

الداعی: (مولانا) سید عطار اللہ شاہ بخاری

(مولانا) حبیب الرحمن - چودھری افضل حق

(مولانا) محمد داؤد غزنوی - (مولانا) منظر علی اظہر

عبد اللہ قصوری - اختر علیخان - لال دین قیصر

محمد یوسف حسن - ایڈیٹر نیرنگ خیال - لاہور

نوٹ: مجلس احوار نے اپنا مرکزی اجلاس بھی اسی روز طلب کر لیا۔ تاکہ جو فیصلہ ہو اس پر فوری عمل کیا جاسکے۔

ممکن تھا مذکورہ اجلاس کے بعد پنجاب کے حالات میں قدر سکون ہو جائے۔ لیکن ۲۱ اور

۲۲ جولائی کو پولیس نے مسجد کی جانب بڑھتے ہوئے یجوم پر لنڈا بازار میں گولی چلا دی۔ جس کے نتیجے میں سرکاری رپورٹ کے مطابق کئی مسلمان شہید اور اتنی کے قریب زخمی ہوئے۔

گولی چلنے اور مسلمانوں کی شہادت کے بعد جذبات میں نئے سرے سے بیجان پھیل

فتویٰ گیارہ۔ نیز خطرہ بڑھ گیا کہ پنجاب کے دوسرے اضلاع سے مسلمانوں نے قافلے لاہور پہنچنا شروع ہو جائیں گے۔ اسی صورت میں مسجد وزیر خاں کے خطیب مولانا دیار علی نے ۲۴ جولائی کو حسب ذیل فتویٰ ایک عام اجتماع میں پڑھ کر سنایا جو مسجد میں منعقد ہوا تھا۔

”مولانا نے کتاب، شامی کا حوالہ پیش کرتے ہوئے فتویٰ دیا۔ جب مسجد شہید ہو رہی ہو تو مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ مسجد کی حفاظت کریں اور اس حفاظت کے ساتھ ساتھ اپنے خون کی بھی حفاظت کریں اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالیں“

روزنامہ ”انقلاب“ ۲۶۔ جولائی ۱۹۲۵ء

اس فتویٰ کا پڑھنا تھا کہ جلسہ میں شریک لوگوں نے شور مچا دیا کہ اگر یہی بات تھی تو علماء پہلے کیوں خاموش رہے۔ کیوں نہ مجمع کو آگاہ کیا؟۔ مرنے والوں کی جانیں کیوں خطرے میں ڈالی گئیں اور اکثر لوگوں نے بے سمجھی میں احوار رہناؤں سے گستاخی بھی کی مسجد کے اندر سینکڑوں لوگ علماء کی اس خاموشی پر زار و قطار رونے لگ پڑے اور فتویٰ دینے والوں پر آواز سے کہے گئے۔

اس کے ایک ہفتہ بعد جمعیتہ علمائے ہند کے امیر مفتی کفایت اللہ اور ناظم اعلیٰ مولانا احمد سعید صاحب ذیل بیان اخبارات میں شائع ہوا۔

”مسجد شہید گنج کے انہدام پر جس قدر افسوس کا اظہار کیا جائے کم ہے اسی قدر مسلمانوں پر لاٹھی چارج اور آتش باری کے نتائج الم انگیز ہیں۔ اور روح فرسا بھی۔ اس ضمن میں ہم جماعتی حیثیت میں تشویش کا اظہار حسب ذیل اعلان سے کرتے ہیں۔

۱۔ باوجودیکہ عدالتی فیصلے سکھوں کے حق میں تھے اور بدیں وجہ سکھ مسجد پر قابض تھے۔ سکھوں کے لیے مسجد کا گرا دینا، مسلمانان ہند کی انتہائی دل آزاری کرتا ہے۔ نیز اخلاقی اور وطنی حیثیت سے جائز نہیں تھا۔

۲۔ مذکورہ بالا دونوں باتوں کے باوجود حکومت قیام امن کی خاطر مسجد کے انہدام کو روک سکتی تھی۔

۳۔ جن مسلمانوں نے مسجد کے انہدام کے خلاف اظہار رنج و غم کیا اور اس کے لیے پرامن مظاہرے کیے حق بجانب تھے۔

۴۔ مسلمانوں نے باوجود انتہائی اشتعال انگیزی کے جو امن پسندی کا ثبوت دیا

وہ اپنی نظیر آپ ہے۔

۵۔ مسلمانوں نے لاشی چارج اور آتش باری کے دہوش رہا موافقہ پر جس ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا وہ بے نظیر ہے! اس پر وہ تمام مسلمان مبارک باد کے مستحق ہیں۔

۶۔ جو مسلمان ان پر امن مظاہروں کے درمیان متعلقہ حکام کی ناعاقبت اندیشی نہ آتش باری سے شہید ہوئے وہ ہرگز اس تشدد کے مستحق نہ تھے۔ اور جو اس بناء پر شہید ہوئے یا مجروح ہوئے ہیں وہ ثواب کے مستحق ہیں۔

۷۔ مسجد جب ایک مرتبہ مسجد بن جائے تو قیامت تک مسجد ہی رہتی ہے کوئی جاہل نہ دستور یا مخالفانہ قبضہ اس کو مسجد ہونے سے خارج نہیں کر سکتا۔

۸۔ اگر کوئی غیر منظم ایچی ٹیشن یا اعتبار سناج کے معنوی طور پر مفید نہ ہو تو اس ایچی ٹیشن کو ترک کر کے حصول مسجد کے لیے دوسرے ذرائع مثلاً باہمی مفاہمت پر غور کرنا چاہیے اور کوئی ایسا اقدام کرنا چاہیے جو فرزدان توحید کیلئے مفید ثابت ہو۔
۹۔ جو طریقہ بھی اختیار کیا جائے وہ تمام مسلمان زحما کے باہم مشورہ اور اتحاد و عمل سے ہوتا کہ اس کا نتیجہ بہتر اور باعزت صورت میں نکل سکے۔

۲۶۔ جولائی کے مسلم اخبارات میں صدر بلدیہ لاہور ملک محمدین صدر بلدیہ لاہور کا بیان کا ایک بیان شائع ہوا۔

”اگر بعض بیان اور علماء کا فتویٰ جو اس وقت شائع کیا گیا ہے مگر ہمارے یہی علماء و ولانا دیدار علی اس وقت جہات سے کام لے کر یہی اعلان پہلے کرتے تو بگناہ مسلمانوں کا خون ضائع نہ ہوتا اور نہ ہی بے گناہ معصوم جانیں ضائع ہوتیں۔
انسوس کہ تحریک کے دنوں مذہبی رہنماؤں کی حیثیت سے انہوں نے نہ اپنی ذمہ داری نبھائی اور نہ ہی دکھانے مسلمانوں کو مسجد کی قانونی حیثیت سمجھائی کہ اس کا نتیجہ بہتر ہوتا۔“

(روزنامہ انقلاب لاہور۔ ۲۶ جولائی ۱۹۳۵ء)

اس سے ایک ہفتہ پیشتر روزنامہ ”انقلاب“ لاہور نے مسلم لیگ کے سیکرٹری کا بیان شائع کیا۔

دہلی - ۲۵ - جولائی - خان بہادر حافظ ہدایت حسین ایم ایل سی دیوپی نے لاہور کی صورت حال پر مسلمانوں کے نام ایک پیغام میں کہا کہ وہ ایسے اقدام سے باز رہیں جس سے خرابی ہو اور امن کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو۔ ساتھ ہی آپ نے سکھوں کے انتہائی مسجد کی مذمت کی۔ نیز آپ نے کہا کہ یہ واقعہ نئے دستور سازی کی کامیابی کو خطرے میں ڈال رہا ہے۔ آخر میں آپ نے کہا کہ میں حکومت سے استدعا کروں گا کہ وہ جلد کوئی اقدام کرے جس سے مسلمانوں کی تسلی ہو۔“

مشترک اجلاس | دعوت نامے کی بنیاد پر جو ۱۹ - جولائی کو جاری کیے گئے تھے ۲۸ جولائی کو پنجاب اور سرحد کے مختلف انجمن مسلم رہنماؤں کا ایک مشترک

اجلاس لاہور میں ہوا۔

اس مشترک اجلاس کی تجویز پر مجلس احوار کے نمائندوں نے اپنی پوزیشن واضح کی کہ مسجد کو حاصل کرنے کی ہم نے کبھی مخالفت نہیں کی۔ لیکن سول نافرمانی یا تشدد کے ذریعے مسجد کے حصول کو ناممکن ضرور سمجھا اور وہی راستے مسجد کے حصول کے متعلق ہمارے ذہن میں ہیں۔ اول یہ کہ عدالت کے ذریعے۔ دوسرا سکھوں سے باہمی افہام و تفہیم سے یا کسی باعزت سمجھوتے کے ذریعے۔ بحیثیت مسلمان کے مسجد کے تحفظ کا سوال ہمارے پیش نظر تھا۔ اور ہمارے خیال میں ہر فرقے کے مسلمان ہمارے اس خیال سے متفق تھے۔ ہمارے سامنے شروع سے سوال تھا کہ اس مقصد کو کس طرح حاصل کیا جائے۔ الحمد للہ کہ مجلس مشاورت نے سکھوں سے افہام و تفہیم کے لیے ایک کمیٹی بنادی۔ جو مسجد شہید گنج کے متعلق سکھوں سے کوئی باعزت مفاہمت کرنے کی کوشش کرے گی۔

باقی چار مشقوں کے متعلق ہمیں کوئی اختلاف نہیں تھا۔ شق اول کے متعلق پنجاب کونسل میں احوار نمائندوں نے بہت جلدی حد تک کامیابی حاصل کی کہ سوائے پانچ اضلاع باقی تمام اضلاع میں تلامذہ پر سے پابندی اٹھ گئی ہے۔ باقی تین چیزوں کے حصول کیلئے ہر جائز تدبیر اختیار کرنے میں کوتاہی نہیں کریں گے۔

کانفرنس کی مشترک قرارداد | مجلس احرار کے اس واضح بیان کے بعد مشترک کمیٹی نے حسب ذیل قراردادوں پاس کی۔

۱۔ پنجاب اور صوبہ سرحد کے مسلم مندوبین کا یہ اجلاس مسجد شہید گنج لاہور کے انہدام پر اپنے دلی رنج و غم کا اظہار کرتا ہے۔ اور سکھوں کے اس غیر تہذیبی اور غیر روادارہ فعل کی پرزور مذمت کرتا ہے۔

۲۔ نیز مسلم شہداء کے لیے جو تحفظ مسجد شہید گنج کے سلسلے میں شہید ہوئے ہیں دعائے مغفرت کرتے ہوئے زخمیوں ا قید شدہ اور زیر حواست کو مبارک باد پیش کرتا ہے اور ان سے دلی ہمدردی کا اظہار کرتا ہے۔

۳۔ نیز مسلم مندوبین کا یہ اجلاس اپنے اس غم کے اعلان کے بعد کہ مسلمان کسی حالت میں تحفظ مسجد شہید گنج کے بغیر مطمئن نہیں ہو سکتے۔ ذیل کے اراکین پر مشتمل ایک سب کمیٹی بدیں غرض مقرر کرتا ہے کہ وہ اس سلسلے میں تمام پنجاب اور سرحد کے چیدہ چیدہ افراد کے پورے طبع شدہ مشورہ کے بعد کوئی پروگرام بنائیں جس میں ذیل کے امور کا خاص خیال رکھا جائے۔

و۔ مسلمانوں کو غیر مشروط طور پر تلوار رکھنے کی اجازت۔

ب۔ مساجد و قانات کے تحفظ کے لیے ایکٹ کا نفاذ۔

ج۔ مسجد شہید گنج کے سسہ میں گرفتار شدگان کی رہائی اور شہداء کے خون کا معاوضہ دلایا جائے۔

د۔ نیز یہی سب کمیٹی جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے اور جس کی تفصیل ذیل میں درج ہے کہ سکھوں سے مسجد کے متعلق گفتگو کر کے باعزت منہاجت کرنے کی کوشش کرے۔

اراکین کمیٹی | مولانا محمد داؤد غزنوی۔ خواجہ عبدالرحمن غازی۔ چودھری افضل حق۔ مولانا منظر علی ظہر
ملک لال دین قیصر۔ مولانا اختر علی خاں۔ مولانا عبدالقادر قصوری۔ سید غیاث شاہ
خواجہ محمد حسین امرتسری۔ مولانا شیر نواب قصوری۔ پروفیسر ملک غیاث اللہ۔ ملک محمد دین صدر

بلدیہ لاہور۔ میاں عبدالعزیز ایڈووکیٹ۔ شیخ محمد صادق امرتسری۔ میر مقبول محمود امرتسر۔ میاں محمد شریف پراچہ لاہور۔ بعد میں مولانا عبدالحمید سائیک اور مصطفیٰ شاہ گیلانی کو بھی اس کمیٹی میں شامل کر لیا گیا۔

نام میں تبدیلی | ۲۰۔ جولائی کو اس جماعت کا نام مجلس اتحاد ملی قرار پایا۔ اس کے صدر ملک محمد دین دہلوی لاہور، نائب صدر ملک لال دین قیصر۔ جنرل سیکرٹری مولانا محمد داؤد غزنوی خزانچی مسلم بنک کو قرار دیا گیا۔

سکھوں سے گفتگو کے لیے جو سب کمیٹی مقرر ہوئی، ان میں چودھری افضل حق ایم ایل سی مولانا منظر علی اظہار ایم ایل سی۔ میاں عبدالعزیز بیرسٹر۔ میر مقبول محمود۔ شیخ محمد صادق بھٹی شیر نواب قصوری۔

اس مشترک اور واضح بیان کے بعد احوار نے تحریک شہید گنج کو ثانوی حیثیت قرار دے کر اپنے رکے ہوئے کاروان کو منزل کی جانب روانگی کا حکم دیا۔ البتہ مذکورہ کارروائی پر نظر رکھی۔

کون کیا تھا | میدان جنگ ہو کہ اندرون خانہ سازش، دونوں کی منزل میں بعد نہیں ہوتا۔ فریق زندہ رہے کہ مرے پس منظر میں کام کرنے والے ہاتھ نتائج سے ماوری رہ کر نکتے لکیرتے رہتے ہیں کبھی کبھار دل و دماغ متصادم بھی ہوتے ہیں۔ لیکن نیتوں کا فتور بدستور کارفرما رہتا ہے۔ آخر وقت آتا ہے، کبھی ملک تباہ ہو جاتے ہیں اور کبھی افراد یا پارٹیوں کا وجود نہیں رہتا۔

شہید گنج تحریک تین مختلف ذہنوں کی پیداوار تھی۔ ہر مذہب اپنی اپنی سوچ میں منفرد تھا۔ لیکن ہدف ایک اور وہ مجلس احوار تھی۔

۱۔ گذشتہ سال خالد لطیف گابا کے الیکشن کے دنوں احوار رہنما شیخ محام الدین نے عوام میں تقریر کرتے ہوئے ایک موقع پر کہا:-

”یہ انتخاب ہمارا امتحان ہے۔ اگر ہم اس میں کامیاب ہو گئے تو مجلس احوار آئندہ کے لیے انتخاب میں بھرپور حصہ لے گی“

سرفضل حسین انہی دنوں دائرہ کے کی ایگزیکٹو کونسل سے فارغ ہو کر لاہور آئے تھے۔

وہ اکیٹ ۱۹۳۵ء کے تحت ہونے والے الیکشن میں کامیاب ہو کر پنجاب کی وزارت عظمیٰ کے متنی تھے۔ اس غرض سے انہوں نے پہلے تو سر سکندر حیات لوہاں کا ڈپٹی گورنر بنوا کر بمبئی بھجوا دیا۔ اب ان کے راستے کی سب سے بڑی دیوار مجلس احرار تھی شیخ حام الدین کے اشارے سے (مجلس احرار زندہ الیکشن میں بھرپور حصہ لے گی) وہ منجھلے آدھے ذہن اور ڈپوٹیک قسم کے تھے۔ گورنر پنجاب مسٹر ایرسن سے مل کر مسجد شہید گنج کی دیوار کا ملہ احرار پر گرا دیا۔
ایک ذہن یہ تھا۔

مولانا ظفر علیاں کے اس ذہن میں شریک دوسرا ذہن تھا۔ ۱۹۳۴ء میں جب قادیان احرار کانفرنس کی صدارت کا سوال سامنے آیا تو ظفر علیاں بھی اس کرسی کے امیدوار تھے۔ مگر جماعتی مضابطہ اس کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ کیونکہ وہ احرار کے ابتدائی رکن بھی نہیں تھے۔ لہذا یہ قرعہ نام سید عطاء اللہ شاہ بخاری نکلا۔ وہ دن جائے اور یہ آئے کہ مولانا ظفر علیاں احرار کے خلاف صفت آرا ہو گئے۔

مرزا بشیر الدین محمود اس سازش کا تیسرا ذہن تھا۔ اس کی احرار سے کیا دشمنی تھی، یہ تعارف کی محتاج نہیں۔

متفاد عناصر کے اس اتحاد نے ہندوستان کی ایک فعال مسلم سیاسی جماعت کو کس قدر نقصان پہنچایا۔ اس کا جواب تاریخ دے گی۔

حکومت سعودیہ کا برطانوی کمپنی سے معاہدہ | انگریز بھاڑ سیاست کا سنبھا ہوا کھلاڑی اور اپنے سرے پھلانے میں استاد مانا

گیا ہے! اپنے حریف کو مات دینے میں اس کی سوچ اس کے قدموں سے میلوں آگے ہے۔ یہ زمین کا سودا چکانے سے پیشتر ضمیر کا سودا کرتا ہے۔ اس خرید سے فارغ ہو کر آباد بستیوں کو ویران کرنے کے ارادے باندھتا ہے۔ پھر آزاد غلام ہو کر اپنی زنجیروں کو آپ گروہ دیتے ہیں۔ اور اس پر سے صدیاں گزر جاتی ہیں۔ تا آنکہ محکوم اپنے لہو کی آگ سے اس گروہ کو کھوتے ہیں۔

پرانی تہذیب جب نئے سانچوں میں ڈھلتی ہے تو قوموں کا حقیقی تمدن انہیں نفرت

سے دیکھتا ہے۔ لباس کی کتر بیونت، طرز تکلم، غلام قوموں کے اخلاق میں کئی تغیر پیدا کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ تدبیر اور شمشیر بیکار ہو کر رہ جاتی ہیں۔

پہلی جنگ عظیم کے آغاز میں ترکی کے زیر نگین عربوں نے جو کردار ادا کیا انگریز اس سے غافل نہیں تھا۔ گو شریف مکہ کی غداری سے انگریزوں کا قرض اتر چکا تھا۔ تاہم فرنگی وسط ایشیا کی پھانسی ہمیشہ کے لیے اپنے حلق سے نکال دینا چاہتا تھا۔ ویسے بھی عرب کے ریگزاروں میں بہاروں کے سینکڑوں خزانے پوشیدہ تھے، جنہیں نگاہ فرنگ نے دود سے تار لیا تھا۔ سونے کے ذخائر، تیل کے چھٹے، اقوام یورپ کے اندھیروں میں اجالا کرنے کے لیے ضروری اور اہم تھے۔ چنانچہ معاشی اور سیاسی ضرورت کے لیے اقوام عرب کا ذہنی استحصال فرنگی دانشوروں کے نزدیک ضروری سمجھا گیا۔

یکم اگست ۱۹۳۵ء کے ہندوستانی اخبارات اور روزنامہ ”الغلاب“ لاہور میں خصوصیت سے شاہ ابن سعود فرمانروائے حجاز کا فرمان اور معاہدے کا متن اس کی منظوری سے شائع کر دیا گیا جو درج ذیل ہے۔

”ہمیں اس معاہدے کی اطلاع ملی جو جدہ میں ۱۴۔ رمضان المبارک ۱۳۵۳ھ مطابق ۲۳۔ دسمبر ۱۹۳۴ء کو ہمارے وزیر مال اور مشرکے سی۔ توشل نمائندہ کمپنی تعین عربیہ سعودیہ مستعینہ لندن میں ہوا۔ لہذا ہم مجلس وزراء کی تائید کرتے ہوئے حکم دیتے ہیں کہ

۱۔ کمپنی ہذا کو اس زمین سے جس کی حدود اس معاہدہ میں متعین ہے تمام مہنیاں نکالنے کی اجازت ہے۔ یہ زمین بری مملکت عربیہ سعودیہ کی ہے جس کی حدود اس معاہدہ میں مذکور ہیں جس پر ہمارے وزیر مال اور نمائندہ کمپنی مذکور سے ۱۴۔ رمضان المبارک ۱۳۵۳ھ مطابق ۲۳۔ دسمبر ۱۹۳۴ء کو جدہ میں معاہدہ ہوا اور تصدیق ثبت کر دی گئی۔

۲۔ ہم اس معاہدہ کی تصدیق کرتے ہیں اور تاریخ اشاعت سے قابل نفاذ سمجھتے ہیں۔
۳۔ ہمارے وزیر مال پر اس کا نفاذ کرنا لازم ہے۔ اور یہ معاہدہ قصور یا مض میں

۸۔ ذیقعد ۱۳۵۳ھ مطابق ۴۔ فروری ۱۹۳۵ء کو پیش ہوا۔ اور ہم نے اس کی تصدیق کی۔“

”دستخط عبدالعزیز ملک حجاز“

معاہدہ | یہ معاہدہ ۱۴۔ رمضان المبارک ۱۳۵۳ھ مطابق ۲۳۔ دسمبر ۱۹۳۴ء کو شیخ عبداللہ سلمان احمد نائب حکومت عربیہ سعودیہ فریق اول اور فریق ثانی مسٹر کارل رائنہن توشل کے مابین ہوا۔ جو نائب ہیں کمپنی این۔ این عربیہ سعودیہ کے۔ جو رجسٹرڈ ہے۔ اور اس کا ہیڈ کوارٹر ۵۵/۶۱ مارکیٹ شہر لندن (انگلستان) میں ہے۔ یہ معاہدہ حکومت اور کمپنی کے مابین مندرجہ ذیل شکل میں طے پایا۔

دفعہ اول۔ حکومت اس معاہدے کی رُو سے ان شرائط پر جو بیان کی گئی ہیں۔ اس کا حق صرف اسی کمپنی کو دیتی ہے کہ ادنیٰ داخلی ہر قسم کی معدنیات کو تلاش کرے۔ ان کو کھودے یا کھدائی کر کے نکال لے۔ وہ سطح زمین پر ہوں یا اس کے اندر۔ ان حدود کے مطابق جن کی تصریح دفعہ دوم میں کر دی گئی ہے اور اس غرض کے لیے کمپنی کو یہ حق دیا جاتا ہے کہ وہ چھوٹے بڑے گڑھے نیچے اور اونچی جگہ اور پہاڑوں وغیرہ کو بھی کھود سکتی ہے اور وہ سوراخ وغیرہ بھی کر سکتی ہے حکومت اس بارے میں تمام ممکن و ضروری آسانیاں کمپنی کے لیے اغراض بذاتی خاطر بہم پہنچائے گی، جن کی تصریح اس معاہدہ میں کر دی گئی ہے اور کام شروع ہونے سے دو سال تک یہ تمام آسانیاں بہم پہنچانے کی ذمہ داری ہوگی۔

دفعہ دوم: یہ حق تفتیش کان کنی جس کا تذکرہ دفعہ اول میں ہے اس تمام خطہ ارض میں دیا جاتا ہے جو سر پیر خلیفہ میں بیان کر دیا گیا ہے۔ اور جس پر نمبر کا نشان ہے۔ اس کی حدود شمال مشرق میں طولاً درجہ ۳۸ سے شروع ہوتے ہیں اور عرضاً ۲۹ درجہ اور ۳۵ درجہ متعینہ ہے اور یہاں سے غرباً یہ خطہ خود مختار ہوتا ہے اور اس بلاد کے نشان تک جو اس وقت حکومت عربیہ سعودیہ کے قبضہ میں ہیں۔ شمالاً حبشہ شرق اردن ہے۔ سمیت غرباً خلیج عقبہ اور بحیرہ احمر تک اور یہاں

سے جنوباً لورالپرک تک و خطہ عرض و قاتی تک۔
 اس کے بعد یہ مختلف معدنیات کی تصریح ہے جو نقشہ حجاز سے متعلق ہے۔
 اور جس کا معاہدہ ہے کہ معاہدہ میں حسب ذیل دو مقامات مستثنیٰ کیے گئے ہیں
 مدینہ منورہ ہر چار جانب شہر پناہ۔ تیس کلومیٹر تک۔ مکہ مکرمہ کی وہ حدود جو عمری
 طور پر حرم میں داخل ہے۔

دفعہ سوم: (ا) اس معاہدے کی تاریخ نفاذ سے تین ماہ کے اندر اندر اس تمام
 رقبہ میں کان کنی اور تفتیش کا کام شروع ہو جائے گا۔ اور اس وقت تک یہ کمپنی
 کام جاری رکھے گی۔ جب تک کہ قومی موانع پیش نہ آئیں۔ آلات کان کنی وغیرہ
 کمپنی تیس دن کے اندر اندر تاریخ نفاذ سے منگاسکتی ہے۔

(ب)۔ اس معاہدے کے ہونے سے ایک سال کے ختم ہونے تک یا اس
 سے پہلے کمپنی اس زمین و خطے کو منتخب کرے گی۔ جہاں تک معدنیات کے
 نکلنے کا اظہار امکان ہو۔ نیز کمپنی کو چاہیے کہ معاہدے کے ایک سال گزرنے
 کے بعد جبہ میں اپنی اقامت گاہ متعین کر لے۔

(ت) معاہدہ کے دو سال ختم ہونے تک یا اس سے پہلے کمپنی کو چاہیے کہ وہ
 ان مقامات اور زمینوں کو پسند کرے جنہیں وہ کان کنی کے لیے اٹھادیں جس کے
 لیے ٹھیکہ پر لے رہی ہے تاکہ وہ خود کان کنی کرے یا اس غرض کے لیے کوئی اور
 کمپنی یا چند کمپنیاں بنائے۔

دفعہ چہارم: (ا) پہلے سال کے دوران کمپنی حکومت کو زیر مصارفہ نہ دے گی اور
 اس کے لیے جس کا دفعہ سوم میں فقرہ و میں تذکرہ ہے۔

(ب) دوسرے سال کمپنی پر فدان (ایک فدان ۴۴۴ مربع میٹر کا ہوتا ہے اور
 ایک میٹر قریباً ایک گز دو انچ کا ہوتا ہے) کا معاوضہ ۴۴۴ شلنگ اسٹرلنگ کے
 حساب سے سالانہ حکومت کو دے گی۔ اگر وہ کان کنی میں دفعہ سوم کے فقرہ ب
 سے زیادہ کام کرے گی۔

د) کمپنی حکومت کو ہر فنڈ کے حوض میں اس زمین کے لیے جس پر وہ دفعہ سوم کے فقرہ ت کے مطابق منتخب کرے ایک گنتی سالانہ دیا کرے گی۔

د) کمپنی حکومت کو کان کنی میں ان معاہدوں کے قیمت کا جو برآمد ہوں پانچ فیصد ادا کرے گی۔ بشرطیکہ اس کا اوسط ہر فنڈ کے حوض میں ہم شنگ سے زیادہ ہوتا ہو۔ یعنی انوالڈ کر کے حساب سے لینے میں حکومت کا قائدہ پانچ فیصدی میں ہے تو لیا جائے گا۔ ورنہ ہم شنگ فی فنڈ کے اعتبار سے لیا جائے گا۔

ج) یہ تمام رقوم اس بینک اور اسی عملہ کی معرفت ادا کی جائیں۔ جس کو حکومت پسند کرے گی۔

د) قبل اس کے کہ کمپنی کسی اور کمپنی کو اپنے حقوق و منافع کسی خطہ زمین کے متعلق عطا کرے یہ ضروری ہے کہ وہ حکومت سے استصواب کر کے اس کی منظوری حاصل کرے۔ حکومت کے لیے ضروری ہوگا کہ جب تک کافی اسباب کی بناء پر صریح نقصان اس میں نہ دیکھے تو اس کی اجازت دے دے۔

(روزنامہ انقلاب لاہور یکم اگست ۱۹۳۵ء)

انڈیا بل کی منظوری | کئی ماہ کی مسلسل بحث اور باہم گفتگو کے بعد ۲۔ اگست ۱۹۳۵ء کو گیارہ بجے چالیس منٹ پر ملک معظم نے انڈیا بل پر ہر تصدیق ثبت کر دی۔ اس طرح برطانوی شہنشاہ نے اپنے نزدیک ہندوستان کو آزادی دے دی اور ایکٹ ۱۹۳۵ء کو آخری شکل میں منظور کر لیا۔

اس ایکٹ پر ۱۹۳۵ء سے برطانوی دستوری کمیشن نے اپنا کام شروع کیا تھا۔ روزنامہ ٹیلیگراف لندن نے اس پر تبصہ کرتے ہوئے کہا کہ ”آج حکومت انگلستان نے موجودہ پارلیمنٹ کا سب سے اہم کام ختم کر دیا ہے۔“

ہندوستان کا نیا واسطو | ۶۔ اگست نو سرکاری اعلان کے مطابق لارڈ وننگٹن کی جگہ لارڈ وننگٹن کو نئے واسطے مند کا عہدہ سنبھال لیا۔

تحریک کانیا موٹر ۱۔ اگست کو حکومت پنجاب نے اخبارات پر سے سنسر کی تمام پابندیاں ختم کر دیں اور شہید گنج تحریک کے نظر بندوں کے ذاتی الاؤنس میں اضافہ کر دیا۔ نیز ۱۳۔ اگست کو لاہور شہر میں متحین گورافوج واپس بلا لی گئی۔ اس کے ساتھ ہی گورنر پنجاب سٹراٹیرسن اور ان کا عملہ شملہ روانہ ہو گیا۔ جبکہ پنجاب کے ریونیو ممبر خان بہادر مظفر خاں و فیروز خان فیروز خاں نون دوز و پیشتر ہی شملہ جا چکے تھے۔

اس سے چار روز پیشتر ۹۔ اگست کے روزنامہ "انقلاب" میں حسب ذیل خبر شائع ہو چکی تھی۔
 "جنرل سیکرٹری مجلس مرکزیہ تحفظ مساجد اوقات لاہور کی طرف سے اعلان کیا گیا کہ شہداء نے مسجد شہید گنج کی شاندار یادگار قائم کی جائے گی اور مجروحین کی امداد کے لیے ایک متحدہ اسلامی فنڈ کا قیام عمل میں لایا جائے گا۔ اس سارے پروگرام کی تفصیل کا اعلان ایک دو روز میں کر دیا جائے گا۔
 ایک اور خبر: بلدیہ لاہور سے سکھوں نے درخواست کی کہ انہیں مسجد کی جگہ گوردوارہ تعمیر کرنے کی اجازت دی جائے؟

اس پر مرکزی مجلس تحفظ مساجد نے مطالبہ کیا کہ مسلمانوں کو مزار حضرت پیر کا کو شاہ پر قبضہ کرنے کی اجازت دی جائے۔

روزنامہ "انقلاب" لاہور۔ ۱۴۔ اگست ۱۹۴۵ء

مسلمانوں نے سکھوں کو مسجد پر گوردوارہ تعمیر کرنے سے روکنے کے لیے دیوانی عدالت میں دعویٰ دائر کر دیا۔
 تحریک مسجد شہید گنج کو بغیر کسی نتیجے کے چھوڑ کر مولانا مظفر علیاں کے ہمراہیوں نے نیلی پوش تحریک کو پنجاب میں جنم دیا اور انتخاب کی مہم شروع کر دی! اس پر بھی احوار کے خلاف پروپیگنڈہ ہوتا رہا۔

روزنامہ "مجاہد" کا اجراء | روزنامہ "زمیندار" کے آئے دن کے غلط طرز عمل اور جھوٹی سچی خبروں نے حوام اور احوار کے مابین ایسی دراڑ پیدا کر دی تھی کہ

۱۹۴۵ء گوردوارہ ہے۔ مگر یہ یادگار بھی تک قائم نہ ہو سکی اور نہ ہی مجروحین کے لیے کسی اسلامی فنڈ کا قیام عمل میں آیا۔

احرار اپنا اخبار نہ ہونے کے باعث اس کا جواب نہ دے سکتے تھے۔ اس طرح ہر روز نیا سکیڈل تیار کیا جاتا۔ آخر ۹۔ اگست ۱۹۳۵ء کو مجلس احرار نے روزنامہ ”مجاہد“ کا اجراء کیا۔ یہ اخبار ابتداء میں ۴ صفحات پر مشتمل شائع ہونا شروع ہوا۔ مسٹر تاج الدین انصاری اس کے چیف ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ اور جواب آں غزل کے طور پر روزنامہ ”زمیندار“ کا جواب الجواب شروع ہوا۔ اگر ”زمیندار“ ایک جھوٹ شائع کرتا تو ”مجاہد“ چار جھوٹ بنا کر شائع کرتا۔ عوام ہر صبح اس کے منتظر رہتے۔ دیکھتے ہی دیکھتے مجاہد کی اشاعت دس ہزار کے قریب پہنچ گئی۔

”مجاہد“ کے اجراء کو ہنوز ایک بیعت بھی نہیں گذرا تھا کہ مالکان ”زمیندار“ نے مجاہد کے سامنے سپر ڈال دی۔ اور ۱۵۔ اگست کو روزنامہ ”زمیندار“ اور ”مجاہد“ کے درمیان ایک معاہدہ طے پایا۔

”آئندہ دونوں اخبار ایک دوسرے کے خلاف کوئی مضمون یا ذاتی حملہ نہیں کریں گے“

اس معاہدے کے نیچے مسٹر تاج الدین اور اختر علی خاں نے دستخط کیے۔

تحریک التواضع | سیاسی ضرورت کے تحت مسجد کا انہدام حکومت پنجاب اور ٹیڑھی مسلمانوں کی آشاؤں کو پورا نہ کر سکا۔ کیونکہ انتخاب میں ابھی ٹیڑھ دو سال کا عرصہ باقی تھا۔ ادھر اجراء رہنماؤں نے اپنی فراست سے اس سازش کو بے نقاب کر دیا۔ یہی سہی کسر ۲۸۔ جولائی کے مشترک اجلاس کی قرارداد سے پوری کر دی۔ دوسری طرف مجلس احرار کے رہنما مسٹر خالد لطیف گابا نے (۲۰۔ اگست) کو مسجد کے متعلق سنڈل اسمبلی میں اس تحریک پر بحث کا نوٹس دے دیا کہ حکومت جواب دے۔

۱۔ آبا شہید گنج کے تنازعہ کے سلسلے میں ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ لاہور نے ۲۔ جولائی کو مندرجہ ذیل اعلان اخبارات میں درج کرایا تھا۔ ۳۔ جولائی کے مقامی اخبارات میں شائع ہوا تھا۔

تمام ذی عقل انسانوں کو معلوم ہے کہ اگر ایسی صورت حال کا سدباب نہ کیا جائے تو اس صورت میں فرقہ وارانہ تعلقات خراب ہو جائیں گے اور شہر میں

نقص امن کا شدید خطرہ پیدا ہو جائے گا۔ میں اپیل کرتا ہوں کہ اقواموں کی تہذیب کے بارے میں اپنی تمام تر قوت کو صرف کریں اور فرقہ وارانہ تعلقات کو کشیدہ ہونے سے بچائیں۔ مسجد اور گوردوارہ بالکل محفوظ ہیں اور ارباب حل و عقد اس اقدام میں مصروف ہیں کہ ایک فیصلہ ہونے تک ان کی حفاظت کی جائے۔ (ب) مسجد اور گوردوارہ کی حفاظت کے بارے میں مندرجہ بالا اقدام سے کیا چیز مراد ہے؟ جس کی حفاظت کی جائے۔

(ج) اس کا کیا مطلب ہے؟ کہ مسجد کے بارے میں ہر ممکن اقدام کے بعد ایسے حالات میں کہ حکومت اور لیڈروں کے درمیان گفت و شنید جاری تھی۔ سکھوں کی بڑی تعداد نے مسجد کو گرا دیا۔ آیا مقامی ارباب حل و عقد کے حفاظتی اقدامات ناکافی تھے۔ یا انہوں نے اس بارے میں بالکل انکساری سے کام لیا ہے؟

(د) آیا حکومت ہند مطمئن ہے کہ مقامی حکومت کے وسائل مسجد کے انہدام کے بعد اس باب میں ناکافی تھے؟

(س) آیا حکومت کی اب یہ منشا ہے کہ ہر فرقہ یا مذہب کو اختیار دے دیا جائے کہ اپنے قانونی حقوق کی آپ حفاظت کرے۔

۲۔ آیا حکومت مندرجہ ذیل سوالات کا جواب دے گی۔

حکومت ان افراد یا افسران کے نام ظاہر کرے گی؟ جنہوں نے مسجد کو حفاظتی انتظامات کے بعد جیسا کہ ڈپٹی کمشنر لاہور کے اعلان سے واضح ہے، سکھوں کے حوالے کر دیا۔ تاکہ وہ اسے مسمار کر دیں۔

۳۔ آیا حکومت جواب دے گی کہ:

(ا) آیا سکھ جتے جولاہور میں شورش کے دوران شہر میں داخل ہوئے، وہ

تلواروں سے مسلح تھے؟ آیا قانون اسلام کے تحت سکھوں کو اجازت ہے کہ

وہ ایسا کریں۔؟

(ج)۔ آیا حکومت اس امر سے آگاہ ہے کہ یہ امر مسلمانوں کے مذہبی حقوق میں شامل ہے کہ وہ اپنی حفاظت کے لیے تدارک رکھ سکیں؟۔ آیا حکومت آمادہ ہے کہ مسلمانوں کو بھی ایسی سہولتیں دے؟

ایک اور مسجد کا انہدام | دبا پھیلتی ہے تو ہوا کی طرح پھیلتی ہے۔ سارا علاقہ اس کی لپیٹ میں ہوتا ہے۔ اگر ماہر امراض سمیت اور تدبیر سے اسے

نہ روک لیں تو متعدی مرض کی طرح اس کا پھیلاؤ روکنا ناممکن ہو جاتا ہے۔
سکھ اگر باشعور قوم ہوتی تو غیر ملکی سامراج کے ایجنٹوں کی اس سازش کی تکمیل کی بجائے مسلمانوں کا دل رکھنے کے لیے مسجد کو اسی حالت میں رہنے دیتی مگر غلاموں کا شعور اقدار کے ہاں رہن ہوتا ہے۔

مسجد شہید گنج کے انہدام کی صدائے بازگشت صوبہ مدراس کے ایک قصبہ دیپائے (ضلع گنڈر) میں بھی سنائی گئی۔ جبکہ ۲۱۔ اگست کو علاقہ کے ہندوؤں نے اپنے کلکٹر سے شکایت کی کہ مسجد ہماری آبادی کے قریب ہے۔ لہذا اسے گرا دیا جائے۔ اس پر حکومت مدراس نے ضلعی مجسٹریٹ کو واقعہ کے متعلق رپورٹ کرنے کو کہا۔ آخر حکومت مدراس نے مسجد کو گرانے کا حکم دیا۔ لیکن گاؤں کے مسلمانوں نے جلدی سے ایک اجتماع میں صدائے احتجاج بلند کرنے کے ساتھ ساتھ آل انڈیا مجلس احوار اور دہلی میں جمعیتہ علمائے ہند کو برقی پیغام کے ذریعے اس حادثے کی اطلاع کر دی۔ اس پر ۲۲۔ اگست کو مولانا حبیب الرحمن صدر مرکز مجلس احوار اور مفتی کفایت اللہ صدر جمعیتہ علمائے ہند نے حکومت مدراس کو مشترک برقی پیغام کے ذریعے مطلع کیا۔

”قصبہ دیپائے کی مسجد کو گرانے کا حکم فوراً واپس لے لیا جائے۔ شکریہ“

۲۲۔ اگست کو گورنر مدراس نے دونوں رہنماؤں کو حسب ذیل جواب دیا۔

”بعض غلط اطلاعات کی بنا پر علاقہ کے مسلمانوں میں اضطراب پھیل گیا تھا۔ مسجد کا انہدام روک دیا گیا ہے۔ یاد آوری کا شکریہ“

(روزنامہ ”مجاہد“۔ ۲۵۔ اگست ۱۹۲۵ء)

ڈاکٹر محمد عالم مسجد کی تحریک | موسم برہنگال ہو تو کوڑے کرکٹ کے ڈھیر سے بھی پھول اگتے ہیں۔ دیکھتی نظروں کو یہ پھول جھلے دکھائی دیتے ہیں۔

لیکن ان میں حقیقت نہیں ہوتی۔ ان میں نہ خوبو ہوتی ہے نہ ان کی عمر کو دوام حاصل ہوتا ہے۔ عوام میں مسجد کی تحریک کے برگ و بار پھیلنے لگے تو گورکن قسم کے لوگ بھی جنازے کو کندھا دینے اہم بود ہوئے۔ آل انڈیا کانگریس کی ورکنگ کمیٹی کے نمبر ڈاکٹر محمد عالم ایڈووکیٹ رازہ سارا آدمی تھے۔ چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی۔ کے مطابق کانگریس سے چھلانگ لگا کر تھپٹ سے مسجد شہید گنج کی تحریک میں قانون دان کی حیثیت سے شامل ہو گئے۔ یہ اگست کے آخری دنوں کی بات ہے۔ حالانکہ اس سے پیشتر ۲۹۔ جون کو کانگریس کے منتخب صدر بابو راجندر پرشاد لاہور آئے تو انہوں نے اس تحریک کو فرقہ وارانہ سمجھ کر اس میں مداخلت سے اجتناب کیا۔ جسے خود کانگریس کے کارکنوں نے بھی محسوس کیا۔ مگر جھوٹی شہرت کے خواہش مند اصول اور ضابطے کی تمام طنابیں توڑ کر اس راہ پر چل سکے جو بالآخر ان کی سیاسی موت پر جا کر ختم ہوئی۔

سکھوں کی انوکھی تحریک | مجلس احرار کی مساعی پر پنجاب کے پانچ اضلاع کے ملازم باقی ضلعوں میں بھی مسلمانوں کو تلوار رکھنے اور عام لے

کر چلنے کی اجازت تھی۔ اس پر سکھوں کا مذہبی طبقہ اس قدر برہم ہوا کہ ۲۰۔ اگست کو کالی دل نے سکھوں کو حکم دیا کہ وہ آئندہ سے اپنے پاس دوکر پائیں رکھیں۔ اگر اس پر گرفتار ہو جائیں تو پھر اس پر سول نافرمانی کی تحریک شروع کر دی جائے۔ چنانچہ گرفتاریاں شروع ہو گئیں۔ لیکن ایک ماہ کے بعد سکھوں نے یہ تحریک واپس لے لی۔

حکومت ہند کا اعلان | اقوام ہند کی حالیہ معنی کا جب حکومت یہ تماشہ دیکھ چکی۔ تو ۲۰۔ اگست کے اخبارات کے ذریعہ دفعہ ۲۹۵ کے تحت

اعلان کیا کہ:

”جو شخص کسی کی عبادت گاہ یا ایسی چیز کو جو کسی فرقے کے نزدیک متبرک سمجھی جاتی ہو، اس نیت سے نقصان پہنچائے یا اس کی بے حرمتی کرے کہ جس سے کسی فرقے کی مذہبی توہین ہو۔ یا اسے علم ہو کہ اس کے انہدام سے

کسی فرقے کے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچے گی۔ اسے دو برس قید کی سزا دی جائے گی یا جرمانہ یا دونوں سزائیں دی جاسکتی ہیں۔

بسا اٹھ شہید گنج پر نیا مہرہ | پنجاب میں انگریز کی عملداری کے بعد دو طبقوں کا یہاں کے عوام پر زیادہ اثر رہا۔ سیاسی طور پر اُمرار اور مذہب کے نام پر پیرانِ عظیم اپنا لوہا منواتے رہے۔

پہلی جنگِ عظیم میں انڈیا کرگروہ نے اپنے پیروؤں کے علاوہ تعزید گنڈوں سے بھی انگریز کو اپنے تعاون کا یقین دلایا۔ آج بھی پنجاب کے جذبات پر یہی لوگ قابض ہیں۔ باشعور لوگوں نے کبھی ان کے جنگل سے رہائی چاہی تو انہیں انگریز کا باغی یا دہائی کہہ کر قابلِ تعزیر قرار دے دیا گیا۔

شہید گنج تحریک کے سفلی جذبات مات پڑنے لگے، تو پرانے شکاری نئے جال بے کر آن دھمکے۔ یعنی یکم ستمبر کو راولپنڈی میں پیر جماعت علی شاہ علی پوری کی صدارت میں حصولِ مسجد کے لیے نیا پروگرام وضع کیا گیا اور انہیں امیر ملت کا خطاب دیا گیا اس اجتماع میں سول نافرمانی کی تجویز پاس کی گئی۔ رضا کاروں کی بھرتی اور فراہمی فنڈ کا بھی اعلان کیا گیا۔ لیکن احوار کو اس اجلاس میں شرکت کی دعوت نہیں دی گئی۔ اس پر ۱۵ ستمبر کے روزنامہ ”انقلاب“ لاہور نے حسب ذیل امارتی نوٹ لکھا:

”یہ معلوم کر کے ہمیں بہت رنج ہوا کہ راولپنڈی کانفرنس کے کارکنوں نے احوارِ سلام کو اپنے مشوروں میں شرکت کی دعوت نہیں دی تھی۔ ہمارے نزدیک یہ ایک بہت بڑی فروگزاشت ہے۔

مجلس اتحادِ ملت کے کارکن تو کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے شروع مجلس کے وقت بھی بزرگانِ احوار کا تعاون طلب کیا اور اس کے بعد اپنے اجلاسوں میں درملانیوں کے وقت انہیں اطلاع دیتے رہے۔ شریک ہونا نہ ہونا ان کا اپنا فعل ہے۔ لیکن راولپنڈی کانفرنس کے کارکنوں کی یہ عقلیت درحقیقت قابلِ ملامت اور چودھری افضل حق کا یہ قول صحیح ہے کہ مجلس احوار اخلاقی طور پر راولپنڈی

کانفرنس کی قرارداد کی پابند نہیں۔

کمزور عقیدے کا مسلمان سیاسی شعور سے ہمیشہ بیگانہ رہا۔ روسا کی اخلاقی کمزوریوں سے واقفیت کے باوجود غربت اور سیاسی دباؤ نے اسے چپ رہنے پر مجبور کیے رکھا۔ اس پر غیر ملکی خلائی کے بوجھ نے اس کے دائمی کل پھڑے بیکار کر دیے اس تہری خلائی کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہر شعبہ ہائے انہیں اپنی ضرورت کے سانچے میں ڈھال لیا۔ سید جاحت علی شاہ صوفی منش آدمی تھے اور اپنے حلقہ اثر میں محترم بھی۔ لیکن انہیں سیاسیات کی خازن روادی میں گھسیٹ لانا ان پر ظلم کرنا تھا۔ مگر سیاسی طالع آزمائوں کے قربان جاتیے کہ ایک درویش کو قمار بازوں میں لایٹھایا۔

راولپنڈی کے اجتماع میں دو روز تک یہ بحث رہی کہ حصول مسجد کے لیے سول نافرمانی فوراً کی جائے یا بدیر۔ آخر ہاؤس نے یہ اختیار پیر جاحت علی شاہ کو دے دیا کہ وہ جب مناسب سمجھیں۔ اس پر پیر صاحب نے بات ۲۰ ستمبر پر طائل دی۔

اس پر تبصہ کرتے ہوئے روزنامہ ”انقلاب“ نے، ستمبر کی اشاعت میں ان رہنماؤں سے گزارش کی کہ وہ سول نافرمانی کی بجائے اہم اتحاد کی کوشش کریں۔ کیونکہ قومیں جنگ سے کم اور اتحاد سے زیادہ مضبوط ہوتی ہیں۔

یہ مفاد عامہ کے خلاف ہے | مسٹر خالد لطیف گابا نے ۲۰ اگست کو اسمبلی میں جس تحریک التوا کا نوٹس دیا تھا۔ ۲۰ ستمبر کو اس پر بحث

کی اجازت دے دی گئی۔ لیکن اس کے جواب میں دائرہ رائے ہند نے کہا: ”اس پر بحث مفاد عامہ کے خلاف ہے۔“

پنجاب میں مسلمانوں کو تلوار رکھنے کی مکمل اجازت ملنی چاہیے | ۲۰ ستمبر کو مولانا مظہر علی اظہر

سیکرٹری آل انڈیا مجلس احوار اور خواجہ محمد یوسف ایم بایل سی (دہلیانہ) نے پنجاب کونسل کے آئندہ اجلاس کے لیے حسب ذیل قرارداد کا نوٹس دیا۔

”یہ کونسل حکومت سے سفارش کرتی ہے کہ پنجاب کے باقی اضلاع میں جہاں

مسلمانوں کو تلوار رکھنے کی تاحال اجازت نہیں دی گئی۔ تلوار کو قانونِ اسلحہ کے عمل سے مستثنیٰ قرار دیا جائے۔

یوم شہید گنج | ملک لال دین قیصر سیکرٹری تحفظِ مساجد نے اعلان کیا کہ ۲۰ ستمبر کو یوم شہید گنج منایا جائے۔ لیکن اس پروگرام میں سول تافرمانی کی تحریک شامل نہیں۔

اس روز کے اخبار انقلاب لاہور (۱۱- ستمبر ۱۹۳۵ء) میں پندرہ وکلاء کی طرف سے اعلان شائع ہوا کہ

”و عنقریب مسجد شہید گنج سے متعلق قانونی کاسدوائی شروع کر دی جائے گی۔“

تلوار رکھنے کی اجازت | شملہ- ۱۱ ستمبر پنجاب حکومت کی طرف سے مندرجہ ذیل کمیونٹک شائع ہوا۔

”۱۹۳۲ء میں حکومت پنجاب نے یہ پالیسی اختیار کی تھی کہ قانونِ اسلحہ منہ کے تحت تلوار پر جو پابندیاں عائد ہیں ان کو رفتہ رفتہ کم کر دیا جائے۔ مثلاً بعض جاگیرداروں، پچاس روپے یا پچاس روپے سے زائد لگان ادا کرنے والوں، انکم ٹیکس افسروں کو تلوار رکھنے کی اجازت دے دی گئی تھی۔ اس سال جولائی کے مہینے میں پنجاب کے نواضلاع میں قانونِ اسلحہ کی دفعہ ۱۳ اور ۱۵ کے تحت تلوار کو مستثنیٰ قرار دے دیا تھا۔ نومبر ۱۹۲۸ء میں پانچ اضلاع - مئی ۱۹۳۰ء میں پانچ اور اضلاع کو اس فرست میں شامل کر دیا گیا اور اب صورتِ حال یہ ہے کہ پنجاب کے ۲۹ اضلاع میں سے ۲۲ اضلاع ایسے ہیں جہاں تلوار کو قانونِ اسلحہ سے مستثنیٰ قرار دے دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ضلع فیروز پور لاہور امرتسر، گورگاوڈ، راولپنڈی میں ان خاص اضلاع کو مستثنیٰ قرار دے دیا گیا ہے۔ قانونِ اسلحہ کے تحت سکھوں کو کرپان رکھنے کی اجازت ہے۔ چند سال ہوئے ہائیکورٹ پنجاب نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ جس وقت تلوار کسی سکھ کے پاس ہوگی تو اسے کرپان ہی کہا جائے گا۔ چنانچہ متعدد چھ اضلاع میں بھی سکھوں کو وہ امتیاز حاصل رہا جس سے باقی قومیں محروم تھیں۔ یا جس طرح سکھ تلوار

رکھتے تھے۔

حکومت پنجاب نے حکومت ہند سے یہ درخواست کی تھی کہ اس امتیاز کو
ہٹا دیا جائے۔ چنانچہ ان چھ اضلاع میں تلوار کو قانون اسلحہ کی دفعات سے
مستثنیٰ قرار دے دیا گیا۔

مولانا احمد علی لاہوری کا بیان | پنجاب میں جیسے ہی حکومت نے اسلحہ (تلوار) سے
پابندی اٹھائی۔ غیر مسلموں کی طرف سے اچھی خاصی
ہنگامہ آرائی ہوئی۔ چنانچہ سول اینڈ ملٹری گزٹ نے لکھا کہ اسلام نے مسلمانوں کو تلوار لے کر
چلنے کی کہیں اجازت نہیں دی اور نہ ہی اس قسم کا کوئی دوسرا حکم دیا ہے۔

اس پر ۳۰ ستمبر ۱۹۳۵ء کے روزنامہ انقلاب نے اپنے ادارتی نوٹ میں لکھا:
”سول اینڈ ملٹری گزٹ نے تلوار رکھنے کے ضمن میں عالم دین بننے کی کوشش
کی ہے اور کہا ہے کہ اسلام نے مسلمانوں کو تلوار باندھنے کا حکم نہیں دیا ہے۔
ہمارے خیال میں سول اینڈ ملٹری گزٹ اور دوسرے غیر مسلم اخباروں کا شریعہ
اسلامی کے متعلق اس قسم کی غلط بیانی کرنا صریح خلاف ورزی اور مداخلت فی الدین
ہے۔ علمائے اسلام کو چاہیے کہ تلوار کے متعلق تمام دینی احکام مسلمانوں اور غیر مسلموں
اور حکومت کے خداوندوں کی اطلاع کے لیے شائع کریں۔“

روزنامہ انقلاب کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے حضرت مولانا احمد علی لاہوری نے
۱۰ ستمبر ۱۹۳۵ء کو حسب ذیل بیان دیا۔

”ہمیں روزنامہ انقلاب کی رائے سے پورا اتفاق ہے کہ سول اینڈ
ملٹری گزٹ کا یہ کہنا کہ اسلام میں مسلمانوں کو تلوار رکھنے کا کہیں حکم نہیں اسلام
کے متعلق افتراء ہے۔ اور سول اینڈ ملٹری گزٹ کا تعلیم اسلام سے ناواقف
ہونے کا بین ثبوت ہے۔ فقط تلوار نہیں بلکہ مسلمانوں پر فرض ہے کہ اپنے وقت

لے سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور کا انگریزی روزنامہ تھا جسے لندن کی ایک لیڈنگ فرم چلا رہی تھی البتہ اس میں کچھ
ہندوستانی حصہ دار بھی تھے جن میں سردار بلدیو جی جوبیدی جو میسٹ گورنمنٹ میں سکھوں کے نمائندے ہو کر وزیر بنے
دوسرے دہلی کے ڈالیا تھے۔

کے تمام ہتھیاروں سے مسلح رہیں۔

جیسے کہ قرآن کریم کا ارشاد ہے۔

وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَ مِنْ رِجَالٍ
الْخَيْلِ تُرْمِيُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخِرِينَ
مِنْ دُونِهِمْ لَا تَعْلَمُونَهُمُ اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ
وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ
وَأَنْتُمْ لَا تظْلُمُونَ (قرآن مجید سورۃ الانفال رکوع ۴)

ترجمہ: دشمنوں (کے شر سے محفوظ رہنے) کے لیے جتنی قوت (یعنی ہتھیار) ممکن ہو سکے اور پلے ہوئے گھوڑے تیار رکھو کہ اس سے اللہ کے دشمنوں اور تمہارے دشمنوں پر دھاک پڑے اور ان کے سوا دوسروں پر جنہیں تم نہیں جانتے اللہ انہیں جانتا ہے۔ اور اللہ کی راہ میں دینی فراہمی سامان و اسلحہ جو کچھ تم خرچ کرو گے وہ تمہیں پورا ملے گا۔ اور تمہارا حق رہ نہیں جائے گا۔ انتہی۔

اس کی تائید مفتی کفایت اللہ صدر جمعیتہ علمائے ہند دہلی۔ مولانا احمد سعید ناظم جمعیتہ علمائے ہند دہلی، مولانا حسین احمد مدنی صدر مدرس دارالعلوم دیوبند، قاری محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند، مولانا عزیز الدین خطیب شاہی مسجد لاہور، مولانا عبدالعزیز خطیب جامع مسجد گوبرا نوالہ، مولانا محمد چنانغ مرسمہ انوار العلوم گوبرا نوالہ، مولانا محمد شریف مدرس مسجد فتح پوری دہلی۔ مولانا عبدالحنان اور دوسرے علمائے حق نے کی۔

احرار کو دعوت مباہلہ | احوار کو مخالفین کے زعمے میں دیکھ کر مرزا بشیر الدین محمود کو گمان ہوا کہ زخمی شیر پر اگر مزید حملہ کر دیا جائے تو بہار راستہ صاف ہو سکتا ہے۔ چنانچہ ۳ ستمبر ۱۹۳۵ء کے اخبار الفضل میں مجلس احوار کو قادیان میں مباہلہ کی دعوت دے دی گئی۔ جسے احوار نے فوراً قبول کر لیا۔ اور ۱۳ ستمبر کو قادیان پہنچنے کا اعلان کر دیا اس اعلان کا شائع ہونا تھا کہ قادیانیوں کے اوسان خطا ہو گئے۔ اور لگے اپنے آباؤ اجداد کو پکار کر دیکھو جی! احوار والے پھر قادیان میں فساد کرنے آرہے ہیں۔ حالانکہ خود ہی آنے کی دعوت

دی اور خود ہی وادیا کرنے لگے۔ اب انہیں یقین ہو گیا کہ وہ جس شیر کو مردہ یا گھائل سمجھ رہے تھے، وہ ان کے لیے زندہ ہے۔

مجلس احوار نے مولانا منظر علی اظہر کو قادیان پہنچ کر بشیر الدین محمود سے مباہلہ کے لیے نامزد کیا اور روزنامہ مجاہد کی ہر اشاعت میں اس تاریخ کو قادیان جانے کا اعلان ہونے لگا۔ پنجاب کے دیگر شہروں سے احوار رضا کار قادیان جانے کی تیاری کرنے لگے۔ ۱۹۳۴ء کی طرح حکومت تماشا بن کر خاموش رہی۔ کیونکہ اب تو مرزائی لیڈر نے خود ہی احوار کو قادیان آنے کی دعوت دی تھی۔

تاریخ مقررہ پر مولانا منظر علی اظہر مجہ اپنے رفقاء جن میں صاحبزادہ فیض الحسن سجاد نشین آلومہارا مولانا محمد حیات احاجی عبدالرحمن میونسپل کمشنر ٹیالہ، اسٹریٹاج الدین انصاری، خواجہ عبدالرحیم عاجز اور راقم شامل تھے۔ قادیان پہنچے۔ ریلوے اسٹیشن پر مولانا عنایت اللہ نے سینکڑوں مسلمانوں کے ساتھ مہمانوں کو خوش آمدید کہا۔ نماز جمعہ صاحبزادہ صاحب نے پڑھائی۔ اس سے پیشتر محترم عاجز صاحب اور راقم کے کفر شکن کلام نے قصر قادیان میں دراڑ ڈال دی۔ دوسرا اجلاس نماز عصر کے بعد ہوا۔ جس میں مولانا منظر علی اظہر نے حسب ذیل تقریر کی:

”حضرات! آج میں آپ کے سامنے اس لیے حاضر ہوا ہوں کہ قادیان کی سرزمین میں جہاں مرزا محمود کے آباؤ اجداد نبوت کا دعویٰ کیا اور جس جگہ قرآن مجید کے مقابلہ میں بقول مرزا محمود نیا قرآن نازل ہوا اس کے آباؤ اجداد پرانا ہو چکا ہے، جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا۔ وہی قرآن قادیان میں دوبارہ نازل ہوا۔ میں مرزا محمود کے اس چیلنج کا جواب دوں جو اس نے اپنے آبا کی نبوت کو سچا ثابت کرنے کے لیے مجلس احوار کو کیا ہے۔

میرے ہاتھ میں اس وقت ۳ ستمبر ۱۹۳۵ء کا ۱۰ الفضل موجود ہے جس میں مرزا محمود کا چیلنج مباہلہ شائع ہوا ہے۔ اسے شروع سے آخر تک پڑھ جائیے۔ اس میں کہیں بھی مرزا محمود نے یہ نہیں کہا کہ میں خود مباہلہ میں نکوں

گا۔ بلکہ کہا ہے کہ ہم میں سے پانچ سو یا ہزار مقابلے کے لیے آئیں گے۔ حالانکہ قرآن مجید میں کسی جگہ نہیں آیا کہ مباہلہ کے لیے پانچ سو یا ہزاروں کی تعداد ہونا ضروری ہے۔ اگر مرزا محمود کو احکام قرآنی کے منشاء سے آگاہی ہوتی تو یہ ہرگز نہ کہتا کہ پانچ سو یا ہزار مباہلہ کے لیے نکلیں گے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب نجران کے عیسائی وفد کو مباہلہ کے لیے بلایا تھا۔ اس وقت کسی مقررہ بڑی تعداد کی شرط نہیں لگائی تھی۔

یہ بات احوار کے حصے میں آئی ہے کہ جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پرانے عیسائیوں کو آیہ مباہلہ کے ذریعے مباہلہ کا چیلنج دیا تھا اسی طرح ہم بھی آج ان نئے مسیحیوں یعنی قادیانیوں کو یاد دلاتے ہیں کہ مباہلہ کے بارے میں حکم قرآنی یہ ہے کہ آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلاتے ہیں، تم اپنے بیٹوں کو بلاؤ، ہم اپنی عورتوں کو بلاتے ہیں، تم اپنی عورتوں کو بلاؤ۔ ہم اپنے نفسوں کو بلاتے ہیں، تم اپنے نفسوں کو بلاؤ۔ پھر ہم مباہلہ کریں اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت بھیجیں۔ اس لیے میں کہتا ہوں کہ ہم میں سے جس کو زیادہ سے زیادہ بدعتیہ یا بدعمل خائن یا غدار سمجھے اس کو مباہلہ کے لیے بلا لے۔ وہ شیخہ ہو یا سنی۔ بریلوی ہو یا دیوبندی، خفی ہو یا اہلحدیث وہ اسی طرح اپنے خاندان کو میدان مباہلہ میں لے کر نکلے گا۔ جس طرح حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت امام حسین کو گود میں لیے ہوئے اور حضرت حسن کو انگلی سے لگائے ہوئے اور جناب فاطمہ الزہراء اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کو پیچھے پیچھے ہمراہ لیے ہوئے وفد بنو نجران کے مقابلے میں مباہلہ کے لیے نکلے۔

ہم یہ جانتے ہیں اور ہم کو معلوم ہے کہ عام قادیانی تمہارے فریب میں آئے ہوئے ہیں۔ لیکن اگر دانستہ جھوٹے دعوے کرنے کا الزام ہے تو تمہارے آباؤ اجداد احمد پر ہے۔ جس نے اللہ اور اس کے رسول پر افترا کیا۔ یا تم پر ہے جو اہل عام و دجی کو پیش گوئیوں کے طور پر دنیا کے سامنے پیش کرتے ہو۔ اس

لیے اگر تم میں حوصلہ ہے کہ میدانِ مباحلہ میں اپنے اور اپنے آبا کے دعووں کی تائید کر سکو تو خود میدانِ مباحلہ میں آؤ اور اپنے خاندان کو ساتھ لاؤ۔ یہ مناسب نہیں کہ اپنے فریب خوردہ پیروؤں کے کندھے پر رکھ کر نبدوق چلاؤ اور خود گوشہٴ حافیت میں بیٹھ کر دوسروں کا تماشا دیکھو۔ ہم میں سے سید عطار اللہ شاہ بخاری کو، مولانا سید داؤد غزنوی کو، مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کو، مجھ کو یا چودھری افضل حق، جس کسی کو تم چاہو۔ انشاء اللہ تعالیٰ ہم میں سے ہر ایک بلا تامل آیات قرآنی کی تعمیل کرتا ہوا، تمہارے مقابلہ میں میدانِ مباحلہ میں نکل آئے گا۔

لیکن اس امیر کو واضح کرنے کے لیے ہم کسی صورت میں بھی مباحلہ سے گریز نہیں چاہتے۔ اور مرزا محمود کو ہی گریز کا موقعہ دینے کے لیے تیار ہیں۔ مین صاف اور صریح، غیر مبہم الفاظ میں کہہ دینا چاہتا ہوں کہ اگر مرزا محمود پانچ سوادر ہزار تو کیا اگر وہ پانچ ہزار یا دس ہزار آدمیوں کو لانے کی شرط پر بھی احرار کو مجبور کرے تو ہم اس تحداد کو بھی پورا کرنے کی ذمہ داری لیتے ہیں اور اس سے بھی زیادہ آدمی میدانِ مباحلہ میں پیش کر دیں گے۔ ہم مرزا محمود احمد کو کوئی موقعہ دینا نہیں چاہتے کہ وہ مباحلہ سے پہلو تہی کر سکے۔

مرزا محمود نے اپنی تقریر میں بہت سی باتیں کہی ہیں۔ لیکن میں فقط اس مضمون کے متعلق اظہارِ خیال کروں گا، جو مباحلہ کے متعلق ہیں یا جس کا تعلق مجلس احرار سے ہے۔ دوسرے امور کے متعلق میرے پاس نہ فرصت ہے نہ میں تبصرہ کروں گا۔ مگر یہ نہ سمجھا جائے کہ میں باقی تمام خیالات میں مرزا محمود کا ہم خیال ہوں۔

(روزنامہ "مجاہد" لاہور۔ ۳۰ ستمبر ۱۹۳۵ء)

احرار کی اس جرات پر مرزائی پریشان ہوئے۔ انہیں یقین تھا کہ احرار تحریک شہید گنج میں اُبھے ہوئے ہیں۔ وہ ہمارے چیلنج کو قبول نہیں کریں گے۔ لیکن احرار نے بھی بڑے کو اس کے گھڑ تک پہنچا کے چھوڑا۔

امیر ملت کا خطاب | تحریک شہید گنج کے امیر منتخب ہونے کے بعد پیر جماعت علی شاہ صاحب نے ۱۵ ستمبر کو پہلی مرتبہ لاہور میں ہزار ہا عوام سے خطاب کرتے ہوئے کہا:-

”انگریز کو ہمارے ملک میں آئے ہوئے چھیالیس سال کا عرصہ ہو چکا ہے۔ اس عرصے میں مسلمانوں کی ایک درخواست بھی منظور نہیں کی گئی۔ ہم نے حکومت سے ہمیشہ و ناداری کی اور کسی قسم کی بغاوت نہیں کی اور نہ ہم ایسا کرنا چاہتے ہیں۔ ہم نے حکومت کی خطر اپنے ترک بجائیوں پر گولیاں چلائی اور انگریزوں کو فتح دلائی، جس کا بدلہ ہمیں اس صورت میں دیا جا رہا ہے کہ ہماری مسجدوں کو گرایا جاتا ہے۔“

بارشاہ والد کی جگہ اور رعیت بجائے اولاد ہوتی ہے۔ آج تک کسی باپ نے بیٹے کا گلہ نہیں کاٹا۔ ہو باپ ہو کر بیٹے کا گلہ کاٹے وہ بادشاہ نہیں ہوتا۔

(روزنامہ ”الغلاب“ لاہور، ۱۴ ستمبر ۱۹۳۵ء)

امیر شریعت اور امیر ملت | تن آسان قومیں بہت اور ایمان کے ساتھ حافظہ بھی کھو بیٹھتی ہیں۔ آباد اجداد کی حقیقت ان کے لیے داستان پارینہ بن کے رہ جاتی ہے۔ یہیں سے قوموں کے زوال کی ابتدا ہوتی ہے۔ جنگجو قومیں مرع اور بٹیروں کی پالیا سمجھانے لگتی ہیں اور پھر ————— پھر غرقِ مئے نابِ آخر۔ ۵

میں سمجھ کو بتاتا ہوں تقدیر اُم کیا ہے

شمسِ روناں اول طاؤس و ربابِ آخر (اقبال)

تختِ طاؤس کے وارث جب محفلِ ناؤ نوش سجا بیٹھے تو ہزاروں میل سے چل کر آنے والی فرنگی قوم نے انہیں اپنے حصار میں لے لیا۔ پھر انہیں یاد نہ رہا کہ ہم کون تھے؟ صدیوں کی حقیقت افسانوں کے قولِ تھنے لگی۔ اور یہی لوگ خواب میں بڑبڑانے لگے۔ ۵

یہ بے اُونچے اُونچے جو کوٹ تھے وہ ہیں اب زمیں سے طے ہوئے

دہاں اُتو آ کے ہیں بولتے، جہاں باز پر نہ ہلا سکے

۱۹۳۰ء انگریزی سامراج کے خلاف جہاد کا بھرپور سال تھا۔ غلامی سے نجات کے لیے جذبات کی بھٹیاں آگ آگ رہی تھیں۔ متحدہ ہندوستان کی سرزمین غیر ملکی قدم اکھاڑنے میں قولا کا دل لیے بیٹھی تھی۔ اہل ایمان کے دل فرنگی ظلم و جور کے سامنے سینہ سپر تھے۔ جہاد کی اس صفت میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری بھی تھے کہ انہیں لاہور میں جمع پانچ صد علماء نے حق نے، جن میں حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب کشمیری، حضرت لاہوری اور مولانا ظفر علی خاں شریک تھے امیر شریعت کا اعزاز بخشا۔ ظفر علی خاں نے اسی خوشی میں کہا۔ ۵

کانوں میں گونجتے ہیں بخاری کے زمرے
ببل چمک رہا ہے ریاض رسول میں
پانچ برس بھی نہ گزرنے پائے تھے کہ اپنے مندرجہ بالا فیصلے کے خلاف بغاوت کر دی
اور امیر شریعت دجنوں نے ہمیشہ انگریزوں سے جہاد کیا، کا دامن چھوڑ کر پیر صاحت علی شاہ کو
امیر ملت منتخب کر لیا، جنہوں نے انگریزوں کی وفاداری کا یوں اظہار کیا:
”ہم نے اپنے ترک بھائیوں پر وقت کی حکومت کی خاطر گولیاں چلائیں اور
انگریزوں کو فتح دلائی۔“

پھر مولانا ظفر علی خاں کے حافظے کی موت کیسے یا تلون کی انتہا کہ اتنا بھی یاد نہ رہا کہ وہ
امیر شریعت کے متعلق کہہ چکے ہیں۔ ۵

کانوں میں گونجتے ہیں بخاری کے زمرے
ببل چمک رہا ہے ریاض رسول میں
امیر ملت کا دامن تھامتے ہی کہنا شروع کر دیا۔ ۵

پانچ لگوں کا ہے پابند شریعت کا امیر
اس میں طاقت ہے تو کرپاں کی جھنکار سے ہے

”نگارستان“ کا مجموعہ کلام مولانا ظفر علی خاں

ایسے تلون مزاج لوگوں کے لیے غالب مرخوم نے کہا ہے۔ ۵
چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک راہرو کے ساتھ - پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

مرکزی مجلس اصرار کی حاملہ کا اجلاس | ۱۶ ستمبر کو لاہور میں مرکزی مجلس اصرار کی مجلس عاملہ کی مشاورت کا اجلاس ہوا، جس میں مسجد شہید گنج

کے اندام پر سکھوں کی مذمت کی گئی اور حکومت کی مستعدانہ پالیسی کی بھی مذمت کی گئی۔ اور اس امر پر تالیفیندیگی کا اظہار کیا گیا کہ تمام مسلم جماعتوں نے سول نافرمانی کا فیصلہ نہیں کیا۔

حکومت کو مشورہ دیا گیا کہ وہ تمام نظر بندوں اور قیدیوں کو فوراً رہا کر دے اور شہداء کے پس ماندگان کو معقول معاوضہ دے۔ نیز مجلس عاملہ اصرار کو ہدایت کی گئی کہ وہ مسجد شہید گنج کے متعلق سکھوں سے کسی باعزت سمجھوتے کے لیے گفت و شنید جلد سے جلد شروع کرے اور اس کے نتیجے سے مسلمانوں کو آگاہ کرے۔ تیر ماہ تحت مجاس کو ۲۰ ستمبر کے یوم شہید گنج کے اجتماع میں پرامن شرکت کی اجازت دی گئی، اس کے ساتھ ہی مجلس مشاورت نے مسلمانوں کو خبردار کیا کہ وہ مسجد شہید گنج کے سلسلے میں مرزائیوں کا کسی قسم کا تعاون قبول نہ کریں کیونکہ یہ مسلمانوں کا آپس کا معاملہ ہے۔ غیر مسلموں کو اس میں مداخلت نہیں کرنی چاہیے۔

سکھوں کے خلاف دعویٰ | ۱۸ ستمبر کو لاہور میں مسجد شہید کرنے کے سلسلے میں دفعہ ۲۹۵ کے تحت سکھوں پر ڈاکٹر محمد عام ایڈووکیٹ اور دہشیانہ

کے وکیل میاں عبداللہ کی طرف سے عدالت میں دعویٰ دائر کر دیا گیا۔

یوم شہید گنج | ۲۰ ستمبر کو لاہور شاہی مسجد میں پیر جماعت علی شاہ کی صدارت میں یوم شہید گنج پر سب سے بڑا اجتماع ہوا جس میں دو لاکھ کے قریب مسلمان شریک ہوئے۔

اس میں ہندو شہداء جماعتوں نے شرکت کی۔ اصرار نے ہندو کلام اور صحافی بھی شریک ہوئے۔ سب سے بڑا رول پر سیاہ پٹیاں باندھ رکھی تھیں۔ عوام کا تاثر تھا کہ اس جگہ میں حصول مسجد کیلئے لڑائی ہو رہی ہے۔ فیصلہ کیا جائے گا۔ لیکن چار گھنٹے کے اجلاس میں کسی ایک فیصلے پر اس خیال کی تائید نہیں کی۔ جس نے کہا یہی کہ مسجد مفاہمت سے یا قانونی پارہ جونی سے مل سکتی ہے۔

جیشہ کی جنگ | ان دنوں اٹلی اور اپنی بیٹی کے درمیان جنگ کے کان ہر روز بڑھتے جا رہے تھے۔ اٹلی کے ڈائریکٹر موسولینی نے بجاویر کو ٹھکرا

دیا تھا اور افواہ متحدہ کی بات ماننے سے انکار کر دیا تھا۔

اس وقت یورپ نازک ترین دور سے گزر رہا تھا۔ اور خطہ تھا کہ دوسری جنگ عظیم کے حالات پیدا نہ ہو جائیں۔ اطالوی کابینہ نے بھی تمام تجاویز کو ناقابل قبول قرار دیا۔

اس طرح برلن کے سرکاری حلقے اطالیہ کے فیصلے پر سخت متعجب ہو رہے تھے۔ ۱۱۔ ستمبر کو مٹلر نے اعلان کیا کہ میرے وزراء اس بات پر غور کریں گے کہ فرانس کا وزیر اعظم موسیو وال کب تک برطانیہ کی پشت پناہی کرتا رہے گا۔ تاہم اس بات کا آخری فیصلہ موسولینی کے جواب پر منحصر ہے۔

لیگ آف نیشنز کی تجاویز کو ابی سینیا نے منظور کر لیا تھا۔ لیکن اطالیہ نے اسے قبول نہ کیا۔ اطالیہ کے چار مطالبات تھے۔

۱۔ جلسہ کو غیر مسلح کر دیا جائے۔ ۲۔ اور سمندر تک پہنچنے نہ دیا جائے۔

۳۔ ابی سینیا کی افواج کو غیر مسلح کر دیا جائے۔

۴۔ اطالیہ کو ابی سینیا کے علاقے کی ایک پٹی دے دی جائے۔

یہ ۲۶ ستمبر کے اخبارات کی خبر تھی۔

امیر ملت نے بحیثیت پنجاب کے ایک مقتدر
پیر کے برطانوی حکومت کو اپنی دیرینہ خدمات کا

واسطہ دے کر منوانا چاہا۔ راولپنڈی کے اجلاس میں کوئی لائحہ عمل سامنے نہ آیا، تب حالات واضح ہو کر سامنے آ گئے۔ مگر ابی کے تمام بادل چھٹ گئے۔ حقیقت کا سورج دھوپ دینے لگا۔ اپنے اور پرانے یہ بات جان گئے کہ مسجد کا کوئی قضیہ نہیں، صرف احرار کی بڑھتی ہوئی طاقت کو کمزور کرنا مقصود ہے تو احرار اپنی عسکری قوت سمیت سامنے آ گئے۔

۲۲ ستمبر رات نوبے دہلی دروازہ کے باغ میں اپنا جلسہ کر کے صاف بات کہہ دینے کا فیصلہ کیا۔ اس جلسہ میں عوام کی تعداد سچا پس ہزار کے قریب تھی۔ احرار کے لٹھ بند رضا کار جلسہ کے ارد گرد موجود تھے۔ مسلح پولیس بھی کافی تعداد میں تھی۔ مخالفین بھی پوری طاقت سے موجود تھے۔ اسٹیج پر مولانا داؤد غزنوی، مولانا منظر علی اظہر، چودھری افضل حق اور دیگر مقامی احرار رہنما موجود تھے۔ لیکن اس جلسے میں صرف صدر مرکزیہ مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی نے

اپنی زندگی اور احوار کی تاریخ کی مختصر تقریریں کہا:
 ”میں مسجد شہید گنج گرانے کی تمام تر ذمہ داری حکومت پر ڈالتا ہوں۔ اگر حکومت چاہے تو مسجد صبح نمودار ہونے سے پہلے مل سکتی ہے۔ اگر حکومت مجھے گرتار کر لے تو میں قید ہونے کو تیار ہوں تاکہ بات صاف ہو جائے۔ مسجد کا ملنا ملنا حکومت کی مرضی پر منحصر ہے۔“

باقی بات میں عدالت میں کر دیں گا اور ثابت کر دیں گا کہ مسجد کے گرانے میں حکومت کا کیونکر ہاتھ ہے۔ حکومت اگر مجھے گرتار کرنا چاہے تو میں اپنے دفتر میں اس کا انتظار کر دیں گا۔“

یہ آخری فقرہ کہہ کر جلسہ برخاست کر دیا۔ مخالفین منہ تھکتے رہ گئے، جو جلسے کو خراب کرنے کا منصوبہ لے کر آئے تھے۔

مولانا حبیب الرحمن رات دو بجے تک پولیس کا انتظار کرتے رہے۔ لیکن کوئی نہ آیا۔

تلوار کے متعلق حکومت پنجاب کا اعلان | شملہ - ۲۸ ستمبر سرکاری اعلان منظر ہے۔ کہ:

”حکومت پنجاب کی سفارش پر حکومت ہند نے حال ہی میں ایک اعلان کیا تھا کہ حدود پنجاب میں تلواریں قانون اسلحہ کی دفعات ۱۷۱ اور ۱۷۲ سے مستثنیٰ ہوں گی۔ معلوم ہوتا ہے کہ بعض حلقوں میں تلواریں بنانے اور فروخت کرنے کے متعلق کچھ غلط فہمی پیدا ہو گئی ہے۔“

قانون اسلحہ کی دفعات ۱۷۱ اور ۱۷۲ جن کا ذکر حکومت کے سابق اعلان میں تھا۔ سامان حرب کو قبضہ میں رکھنے اور لے جانے کے متعلق ہیں۔ یہ باب کے طول و عرض میں تلواریں اجازت نامہ حاصل کیے بغیر بھی لے جانی جاسکتی ہیں۔ تلواریں بنانے اور بیچنے کے متعلق جو قواعد ہیں، جدید اعلان سے ان پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔ جو قانون اسلحہ ۱۹۲۲ء کے قاعدہ ۱۷۱ اور دفعہ ۱۷۲ کے ماتحت ہیں۔ تلواریں بنانے اور بیچنے کے لیے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ سے اجازت حاصل ہے۔“

ضروری ہے۔

حکومت کے اعلان کی توضیح: سول اینڈ ملٹری گزٹ کے نمائندے نے ان شکوک و شبہات کے ارتقاع کے لیے جو تلواروں کے متعلق حکومت کے اعلان کے بعد عوام میں پیدا ہو سکتے ہیں تحقیق کی۔ اس کے نتیجہ میں ایک ماہر قانون نے حسب ذیل رائے ظاہر کی۔

حدود پنجاب کے اندر تلواروں کو قبضہ میں رکھنا اور ان کو استعمال کے لیے لے جانا قانونِ اسلحہ سے مستثنیٰ کر دیا گیا ہے۔ لیکن شمشیر سازی اور شمشیر فروشی کو مستثنیٰ نہیں کیا گیا ہے۔

اعلان میں تھا کہ قانونِ اسلحہ کے ماتحت قواعد کے شیڈول میں بعض الفاظ کی جگہ دوسرے الفاظ درج کر دیے گئے ہیں۔ اس کا یہ منشا سمجھا جاتا ہے کہ تلواروں کو قانونِ اسلحہ کی بعض دفعات سے مستثنیٰ کر دیا گیا ہے۔

پنجاب کے تمام اضلاع میں تلواریں اور ان کے علاوہ گنتیاں قانونِ اسلحہ کی دفعات ۱۳۱ اور ۱۳۲ سے مستثنیٰ ہو رہی گی۔

دفعہ ۱۳۱: سرکاری اعلان سے قانونِ اسلحہ کی دفعہ ۱۳۱ پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ اس دفعہ کا منشا یہ ہے کہ کوئی شخص اجازت نامہ کے بغیر اور طریقہ اور حد کے باہر جو مقرر کر دی گئی ہو۔ سامانِ حرب نہ بنائے نہ فروخت کرنے کے لیے رکھے نہ فروخت کر کے کے لیے پیش کرے۔ اس میں کوئی ایسی تصریح نہیں ہے جس سے ایسے سامانِ حرب کی فروخت ناجائز ٹھہرے جو ذاتی استعمال کے لیے جائز طور پر کسی کے قبضہ میں ہو۔ بشرطیکہ فروخت اس شخص کے ہاتھ کیا جائے جس کے لیے سامانِ حرب کو قبضہ میں رکھنا کسی قانون کی رو سے ممنوع قرار نہ دے دیا گیا ہو۔ لیکن فروخت کرنے والے کا فرض ہوگا کہ بلا تاخیر ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ یا قریبی تھانہ کے افسر انچارج کو فروخت کی اطلاع دے اور خریدار کے نام و نشان سے آگاہ کرے۔

سرکاری اعلان کی رو سے ایک شخص ذاتی استعمال کے لیے تلوار قبضہ میں

رکھ سکتا ہے۔ اور لے جاسکتا ہے۔ لیکن قانون اسلام کی دفعہ ۵ کی پابندی کیے بغیر ملّا رہا اور یہ سچ نہیں سکتا۔

امیر ملت کا منصب پنجاب میں روحانیت کے مدعی اگر اپنے منصب پر فائز رہتے تو بھٹکی ہوئی انسانیت صراطِ مستقیم پر آ جاتی۔ لیکن بجائے عاقبت کے انہوں نے دنیا کو اپنے لیے پسند کیا۔ وہ بھی غیر ملکی اقتدار کے مہارے کو ایسے لوگوں کے گھر بجلی کے چراغوں سے روشن رہے۔ مگر جن ستاروں کی نوکشانہ پر کو رفق بخشی رہی وہ خود زندگی بھر اندھیرے میں رہے۔ اس پر اقبال چیخ اٹھا۔

مجھ کو تو میسر نہیں مٹی کا دیا بھی
گھر پیر کا بجلی کے چراغوں سے روشن

پیر جاحت علی شاہ کو مسلمانوں نے حصولِ مسجد کے لیے امیر ملت منتخب کیا تھا۔ یہ درست ہے کہ اس منصب پر یہ آئے نہیں لائے گئے تھے۔ کیونکہ یہ سکیم ہنوز ادھوری تھی اور مرے چلانے والا ہاتھ پہچانا گیا تھا۔ لہذا پیر صاحب کو اس رخ پر موڑ دیا گیا انہوں نے ۲۔ اکتوبر کو حصولِ مسجد کے لیے دس لاکھ رضا کاروں کی بھرتی کا اعلان کیا۔ اب نو من تیل ہوگا تو رادھا ناپے گی۔

لاہور میں اچانک ہندوؤں سے کاروباری بائیکاٹ کی تحریک چل نکلی۔ اس وقت تک تمام منڈیوں پر غیر مسلم قابض تھے۔ انہوں نے جواب میں مسلمان کے ہاتھ سودا سلف بیچنے سے انکار کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خواجہ فردش سے درمیانے درجے کا کاروباری مسلمان ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھ گیا۔ اس تحریک کا محرک کون تھا؟ اس کی ذمہ داری کسی نے قبول نہیں کی۔ یہاں تک کہ ۱۱۔ اکتوبر کو امیر ملت نے بھی کہہ دیا کہ:

”میں نے بائیکاٹ کے متعلق کوئی حکم نہیں دیا۔ البتہ مسلمانوں کو اپنی طاقت بڑھانے کا مشورہ دیا ہے۔“

اس سے پیشتر ۱۲۔ اکتوبر کو مسلم اخبارات نے ہندوؤں سے درد مندانہ گزارش کے عنوان سے ادارتی نوٹ لکھے کہ وہ مسلمانوں سے کاروباری بائیکاٹ ختم کر دیں۔ نیز مسلمانوں

کو بھی مشورہ دیا کہ وہ بھی اس قسم کے ارادوں سے باز رہیں۔

اس کاروباری لڑائی میں مسلمان مسجد سے ہٹ کر معاشی مشکلات میں الجھ گیا۔ دوسری طرف امیر ملت نے مسلمانوں کو تلوار رکھنے پر زور دیا۔ لہذا وہ تلوار کی خرید و فروخت میں لگ گئے۔ اس طرح مسجد کی تحریک کمزور پڑ گئی اور امیر ملت ہندوستان کے دورے پر روانہ ہو گئے۔ اس دوران احمد آباد پہنچ کر انہوں نے اپنی تقریر میں کہا:

”حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر کہنے والے کافر ہیں۔ وہ حرام ہیں جو کسی پیر کے نام کی چیز کو حرام قرار دیتے ہیں۔“

(روزنامہ الجمعیتہ دہلی۔ ۲۰ اکتوبر ۱۹۲۳ء)

اس پر روزنامہ ”انقلاب“ لاہور نے ۲۲ اکتوبر کے پرچے میں احتجاجی نوٹ لکھا۔ ”ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہ رپورٹ کس حد تک درست ہے۔ لیکن ”الجمعیتہ“ دہلی ہر حال ایک ذمہ دار اخبار ہے۔ مسجد شہید گنج کے معاملے میں مسلمانوں کے مطالبے کا نہایت سرگرم جامی ہے۔ اس سے یہ توقع نہیں ہو سکتی کہ اس نے اپنے صفحات پر کسی غیر ذمہ دار تحریک کو شائع کرنا گوارہ کیا ہو۔ اس طرح اجمیر کی ایک اطلاع ہے کہ وہاں حضرت امیر ملت نے سلطان ابن سعود کے معاہدہ پر شدید ہتکتہ چینی کی ہے۔ ہماری رائے ہے کہ پیر صاحب نے یہ غیر متعلقہ اور نامناسب طرز گفتگو اختیار کیا ہے۔“

روزنامہ انقلاب اور مرزائی | مسجد کی تحریک میں مرزائی بدستور اپنے عقائد باطلہ اور ملت اسلامیہ میں تخریب کا باعث بنے رہے۔ وہ شکل و صورت اور لباس سے مسلمان دکھائی دیتے لیکن اپنی حرکات سے مسلمانوں کے دامن تخریب کی تخم ریزی کرنے میں کوئی لمحہ ضائع نہیں کرتے تھے۔ خصوصاً احوار کے خلاف پروپیگنڈا کرنے میں بہت توجہ دیتے تھے۔ جہاں چار مسلمان دیکھتے ان میں شامل ہو کر احوار کو گایاں دے لگتے۔ تاہم احوار بھی اس سے غافل نہیں تھے۔

روزنامہ ”انقلاب“ لاہور کے مدیر مولانا غلام رسول مہران دنوں آشوب چشم کے مرض

میں مبتلا تھے۔ لہذا اخبار مذکور کی ذمہ داری عبدالمجید سالک پر تھی۔ انہوں نے موقعہ کو غنیمت جان کر یکے بعد دیگرے تین اڈیٹوریل حرار کے خلاف اور مرزائیوں کے حق میں لکھ مارے۔ ۲۔ اور ۳۔ اکتوبر کے اڈیٹوریل خاص کر مرزائیوں کی حمایت میں تھے۔ اس کے جواب میں روزنامہ ”مجاہد“ نے بھی اڈیٹوریل لکھے۔ اس قلمی چیلنج کے باعث ”مدیران“ ”انقلاب“ کی عوامی حیثیت مشکوک ہو گئی۔

ڈاکٹر امیتکر کا بیان | بمبئی کے ضلع ناسک میں اچھوتوں کی ایک کانفرنس کی صدارت کرتے ہوئے ۱۵۔ اکتوبر کو ڈاکٹر امیتکر نے کہا:

”اچھوتوں کو چاہیے کہ وہ ہندوؤں سے علیحدہ ہو جائیں اور کوئی دوسرا مذہب اختیار کر لیں، جو ان سے پوری طرح تعاون کرے اور ان کے ساتھ ملنے بیٹھنے میں برائی امتیاز نہ برتے۔ میں اپنے اچھوت بھائیوں کو مشورہ دوں گا کہ وہ اپنے لیے کوئی دوسرا مذہب اختیار کریں اور ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی پہلی غلطی کی تلافی کریں۔“

گاندھی جی نے ڈاکٹر امیتکر کے مندرجہ بالا بیان پر سخت پریشانی کا اظہار کیا۔ اور وار دھا سے گاندھی جی نے کہا کہ اگر واقعی ڈاکٹر امیتکر کا یہی خیال ہے تب مجھے اس کا بہت افسوس ہوا ہے۔ لیکن مذہب کسی مکان یا لباس کی طرح نہیں جو اپنی مرضی کے مطابق فوراً تبدیل کر لیا جاسکے۔ یہ معاملہ جسم کا نہیں، روح کا ہے۔ مذہب ایسا ایسا رشتہ ہے۔ جو انسان کو خالق سے ملاتا ہے۔ مذہب انسان کی موت کے بعد بھی برقرار رہتا ہے۔ اگر ڈاکٹر امیتکر کو خدا پر بھروسہ ہے تو میں انہیں مشورہ دیاں گا کہ وہ غصے کو خفوک دیں اور اپنے فیصلے پر از سر نو غور کریں۔

مجلس اصرار اور اچھوت | ڈاکٹر امیتکر کے بیان کے بعد مجلس اصرار نے ۲۰ اکتوبر کو مجلس مشاورت کا ایک عام اجلاس منعقد کیا۔ جس

کی صدارت چودھری افضل حق نے کی۔ اس میٹنگ کے ایجنڈے میں ڈاکٹر کے اس بیان کے متعلق جس میں اس نے اچھوت قوم کو تبدیلی مذہب کا مشورہ دیا ہے غور و خوض

کرنا ہے۔

صبح آٹھ بجے سے گیارہ بجے تک اس پر بحث رہی۔ آخر مجلس نے حسب ذیل فیصلہ کیا۔

۱۔ مجلس مشاورت کا یہ اجلاس ڈاکٹر امیت کر کے اس اعلان کے سلسلے میں مجلس احوار نے جو کام اس وقت تک کیا ہے اسے منظر استحضار دیکھتا ہے اور دفتر کی اس تجویز کی تائید کرتا ہے کہ ڈاکٹر امیت کر کے پاس مجلس احوار کی طرف سے ایک مختصر وفد بھیجا جائے۔

۲۔ مجلس مشاورت کا یہ اجلاس تجویز کرتا ہے کہ شعبہ تبلیغ مجلس احوار اچھوتوں کو ہندوستان میں دوسرے ہندوستانیوں کے برابر درجہ دلانے کی سعی کرے نیز اس سلسلے میں دنیا پر واضح کر دے کہ صرف اسلام ہی ہر قسم کے امتیازات مٹانے والا مذہب ہے۔

مجلس مشاورت کے فیصلے کے فوراً بعد مجلس احوار نے ڈاکٹر امیت کر کے سے خط و کتابت شروع کر دی اور مجلس احوار بمبئی کے کارکنوں کو ہدایت کی کہ وہ دفتر کو تمام حالات سے مطلع کریں کہ بمبئی میں اس کام کو کس طرح سرانجام دیا جاسکتا ہے۔ یا بمبئی مجلس احوار خود اس معاملے میں مرکز کی کیا امداد کر سکتی ہے۔

۲۱۔ اکتوبر کو مولانا منظر علی اظہر کی طرف سے ایک خط ڈاکٹر امیت کر کے نام لکھا گیا اور ملاقات کے لیے وقت مانگا گیا۔

اس دوران مجلس احوار نے پنجاب کے متعلق جو معلومات حاصل کیں وہ حسب ذیل ہیں۔ چودہ پندرہ لاکھ کے قریب اچھوت پنجاب بھر میں موجود ہیں اور ان کا بیشتر حصہ مسلمانوں کے گاؤں میں آباد ہے، وہ بہت ہی آسانی سے مسلمان ہو سکتے ہیں۔ بشرطیکہ وہاں کے زمیندار اپنی زبان سے ان کو مسلمان ہونے کے لیے کہیں۔

امید ہے کہ مجلس احوار کا شعبہ تبلیغ پنجاب میں اس ضمن میں بہترین خدمت انجام دے سکے گا۔

دفتر مجلس احوار مرکزیہ کا خیال تھا کہ ہم چھوٹوں میں کام کرتے رہیں اور اخبارات میں اس کا ذکر نہ آئے تاہم مجلس مشاورت نے ہدایت کی ہے کہ اس سلسلے میں کچھ نہ کچھ کارروائی اخبارات میں آنی چاہیے۔ خصوصاً پنجاب کے کام کے متعلق جہاں جنوبی ہند سے زیادہ کامیابی کی امید ہے۔

مولانا داؤد غزنوی کا استعفیٰ | ۲۸۔ اکتوبر کو مجلس احوار کے ناظم اعلیٰ مولانا سید محمد داؤد غزنوی نے اپنے خانگی حالات کے پیش نظر جماعتی ذمہ داریوں سے عیحدگی اختیار کر لی اور ان کی جگہ مولانا منظر علی اختر نے سنبھال لی۔

امریکن اور انگریز کمپنیوں کو ٹھیکہ دیا گیا | دسمبر ۱۹۳۲ء کے بعد حکومت سعودیہ کے وزیر مالیات شیخ عبداللہ سلیمان احمد نے جو

ان دنوں دمشق کے سرکاری دورے پر تھے۔ ۳۱۔ اکتوبر کو ایک بیان میں کہا: ”ہم نے ایک امریکن کمپنی کو پٹرول نکالنے کا ٹھیکہ دیا ہے۔ اس کمپنی نے اپنا کام شروع کیا تو اس کے دوران معلوم ہوا کہ تیل کے چشمے کافی ہیں۔ ایک اور امریکن کمپنی کو ٹھیکہ دیا گیا ہے کہ وہ حرمین شریف کی حد چھوڑ کر حجاز کے دیگر مقامات میں معدنیات کی تلاش کرے۔ اور اس دوران معلوم ہوا کہ سونے کی بڑی مقدار ہماری مملکت میں ہے اور یہاں سے سونا نکالنا آسان ہے۔ (بیان کے آخری حصے میں وزیر مالیات نے کہا)

کچھ عرصہ پیشتر ہماری حکومت کی مالی حالت بہتر نہ تھی۔ مگر اب حالات پر قابو پا لیا گیا ہے۔ گزشتہ جنگ کے باعث ہمارے مالیات پر بوجھ پڑ گیا تھا۔ لیکن اب حالات بہتر ہیں۔“

مطلق العنان حکمران جب بزعم خویش اولی الامر بن جاتے تو وہ خاندانی وقار کو ملکی مفاد پر ترجیح دیتا ہے۔ اسلام نے اس طرز سلطنت کی نفی کر کے خلافت کے طریق نظام کو انسانوں کے لیے پسند کیا، اس لیے کہ قومی اور نسلی منافرت یہیں سے جنم لیتی ہے۔ طلوع اسلام کے پیشتر عرب میں قبائلی جنگیں اسی بنا پر رہیں تا آنکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی ضابطہ حیات

کے نفاذ سے اس فتنے کی ہمیشہ کے لیے جڑ کاٹ دی۔

آج بھی راہی اور رعایا کے مابین کہیں فساد ہے تو اس کی بنیادیں بھی شخصی آئین کا فرما ہے۔ یورپ کی پہلی بڑی برطانی کے دوران جب خلافت عثمانیہ کو شریف مکہ ایسے خدروں کی وساطت سے شکست ہو چکی تو ستمبر ۱۹۲۴ء میں آل سعود نے حجاز کی عنان اقتدار سنبھالی۔ اور امیر عبدالعزیز بن سعود اس کے پہلے فرمانروا ٹھہرے۔

بے آب و گیاہ سرزمین ہونے کے ساتھ اقوام عرب کی باہم سر پھٹول نے بھی اس خطہ کو معاشی پریشانیوں میں سمیٹ لیا۔ جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے کہ برطانوی اقتدار کے استحکام کو اقوام عرب کی ابتری مفید تھی اور وہ اس سنگلاخ مادی کی ایک ایک پگڑی پر یونین جیک دکھینا چاہتی تھی۔ لہذا پہلی جنگ عظیم سے فراغت کے بعد یورپین سیاست نے اس طرف کارخ کیا اور یہاں کی حکمران جماعت سے کاروباری عنوان سے تعلقات استوار کرنا شروع کیے۔ بقول حکومت سعودیہ کے وزیر مال کے کہ: ”کچھ عرصہ پیشتر ہماری حکومت کی مالی حالت بہتر نہ تھی“ یہ درست ہے لیکن برطانیہ اور امریکین کو حجاز میں قدم رکھنے کی اجازت دینے سے پیشتر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی سمجھ لیا جوتا۔

أَخْرِجُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ مِنْ جَزِيرَةِ الْعَرَبِ ط۔ ترجمہ: یہود و نصاریٰ کو جزیرہ عرب سے نکال دو۔ (حدیث نبوی)

اس حدیث سے یہ کہیں ثابت نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف مکہ اور مدینہ میں یہودیوں اور نصاریوں کو داخل ہونے سے منع فرمایا ہو۔ بلکہ فرمایا۔ جزیرۃ العرب سے ان کو نکال باہر کرو۔ مگر آل سعود نے برطانیہ اور امریکہ کو حجاز سے معدنیات نکالنے کی اجازت دے کر سارے عرب کے تمدن پر یورپین تہذیب کی مر لگادی۔

مجلس احوار نے حکومت سعودیہ کے اس فعل کو اسلام اور اقوام عرب کے لیے غیر مفید سمجھ کر اس پر سخت احتجاج کیا۔

آل انڈیا پولیٹیکل حرار کا نفرنس سیالکوٹ | سال رواں اگر ہندوستان میں اقوام ہند کے لیے جدوجہد کا آخری سال تھا تو مجلس احوار کو بھی

اسی سال اپنے عوام کی غلط رائے سے ٹکڑا پڑ رہا تھا۔ دشمن سے لڑائی اس قدر دشوار نہیں جس قدر اپنی قوم سے برسرِ پیکار ہونا مشکل ہے۔ بگڑا ہوا ہجوم اور اکھڑے ہوئے قدم مشکل سے جھٹتے ہیں۔ احوار رہنا سال رواں کے وسط تک مسلم عوام کے ہر دل عزیز رہنا تھے۔ لیکن اغراض کے بندوں نے بہتے پانی میں ایسا زہر گھولا کہ ہر قطرہ زہر بلا بل بن کر حلق میں اترنے لگا۔ مگر پیکرِ امتیاز و خلوص دلجمعی سے اپنی قوم کے چہرے برداشت کرتے رہے۔ جو تیر بھی کمان سے نکلا اسے مسکراہٹ سے سینے پر قبول کیا۔ کیا مجال کہ ہشیانی شکن آلود ہوئی ہو یا دل پر کوئی میل آیا ہو۔

تم ہم کو مٹا کر روتے ہو ہم تم پر مٹ کر رہتے ہیں۔
اس دور میں بھی جاننا تھے ہم اس دور میں بھی جاننا ہیں ہم

(جاننا مرزا)

گھپ اندھیرے کے اس دور میں جب حق و باطل کے مابین امتیاز کی دیوار گر چکی تھی گرم ہواؤں نے پھول پتیاں جلا کر خزاں کا دامن رکھ سے بھر دیا تھا۔ احوار رہنا سیا لکھٹ پہنچے۔ یہاں آل انڈیا پولیٹیکل احوار کانفرنس منعقد ہونے والی تھی۔ ریلوے اسٹیشن پر ہزاروں سرخ پوش مسلح احوار رضا کاروں نے رہنماؤں کا خیر مقدم کیا۔ شہری عوام نے مکانوں کی بچتوں اور دکانوں کے تھڑوں پر سے ان پر بھپولوں کی بارش کی۔ ۱۰۔ نومبر ۱۹۲۵ء کو کانفرنس کے منتخب صدر مولانا غلام غوث ہزاروی کا جلوس جب سیا لکھٹ کے بازاروں سے گذر رہا تھا تو یوں لگتا کہ جیسے آج یومِ سعید ہے کہ ہر شہری لباس میں اُجھلا اور دل سے مسرت کا پیکر دکھائی دیتا ہے۔

احوار کے سرخ پرچم کو چہرہ دہانہ میں لہرا رہے تھے۔ ان کی اڑائیں اپنے حریفوں پر خندہ زن تھیں۔

رات نمازِ عشا کے بعد کانفرنس کا پہلا اجلاس تالابِ شیخ مولانا بخش میں صدر کانفرنس کی صدارت میں کلامِ پاک سے شروع ہوا۔ ابتداء میں مولانا منظر علی ظہر نے خطبہ استقبالیہ پڑھا۔ جس کے چند اقتباس حسبِ ذیل ہیں۔

۱۔ اس وقت ہندوستان کے باشندوں کی نگاہیں نئے آئین حکومت کی طرف لگی ہوئی ہیں۔ جب تک ہم اپنی مصیبتوں کے علاج کا صحیح جائزہ نہیں اس وقت تک آئین کی تبدیلی قائمہ بحث نہیں ہو سکتی۔ نئے آئین میں صوبائی حکومتوں کا نظام برقی حد تک منتخب شدہ ممبروں کے ہاتھ میں ہوگا جس سے وزراء چنے جائیں گے جو کاروبار حکومت کو چلائیں گے لیکن حقوق کامل جانا کچھ فائدہ مند نہیں اگر ہم اپنی ذمہ داریوں کا احساس نہ کریں۔ اگر ووٹ دیتے وقت ایسے نمائندے منتخب نہ کیے جائیں جو آزاد خیال اور قابل اعتماد ہوں۔ جو لوگ ایک طرف گورنر سے خائف نہ ہوں اور اس کی تجاویز کے مقابلے میں ملک کی بہتری کے لیے تجاویز پیش کرنے کی قابلیت کے ساتھ جرأت بھی رکھتے ہوں۔ اور کوئی لالچ یا خوف ان کے عزم و ارادہ کو شکست نہ دے سکتا ہو۔ اور دوسری طرف اپنے ماتحت ملازمین حکومت سے جن میں مقتدرانگیز اور ہندوستانی افسر شامل ہیں کام لینے کی اہلیت اور جرأت رکھتے ہوں۔ اس وقت تک ذرا برابر بہتری کی امید رکھنا بھی ایک خیال خام ہے۔ نمائندوں سے یہ توقع بھی ہونی چاہیے کہ وہ ذاتی اور یگانہ پروری کا خیال نہ رکھیں گے۔ اور بے لاگ ملک کی خدمت کا عزم صمیم رکھتے ہوئے اپنی تمام کوششوں کو وقف کر دیں گے۔ نیا آئین حکومت اخراجات کے لحاظ سے ہنگامہ پڑے گا۔ اگر اس کے مقابلے میں اس سے زیادہ فائدہ نہ ہوا تو ملک کی مصیبتیں اور بھی بڑھ جائیں گی۔ اس لیے رائے دینے والوں کو اپنے فرائض کا احساس اور بھی ضروری ہے۔

ملک میں آزاد خیال جماعتوں کا ایک فرقہ نئے آئین کو ٹھکرانا چاہتا ہے۔ لیکن اسے سوچنا چاہیے کہ جب حکومت صوبائی نظام کی باگ ڈور بظاہر ہندوستانیوں کے ہاتھ میں دے رہی ہو اور کوئی آزاد خیال جماعت اپنی اکثریت کونسل میں لاسکتی ہو اور نہ لاسکے اور ملکی مجالس آئین ساز کی رائے کو مانستہ اپنے

خلافت کرتی ہوئی، میدان رحبت پسند اور خوشامد پسند دشمنان وطن کے ہاتھ میں دے دے، تو اس سے بھانوی اقتدار کو دھکا نہ لگے گا، بلکہ ہندوستانی، ہندوستانیوں کے ہاتھوں ہی نالاں ہوں گے اور آزاد خیال اکثریت غلامی پسند اقلیت کو خود اپنے لیے وجہ مصیبت بنائے گی۔

اگر کونسل میں منتخب ہو کر اور اکثریت حاصل کر کے وزارت مرتب کرنے سے انکار کر دیا جائے تو بھی کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہیں نکل سکتا، جو ملک کو آزادی کی منزل کی طرف لے جاسکے۔

گورنر کاریمست خود سنبھال لیں گے۔ اور ان کی تمام کوتاہیوں کی ذمہ داری اس اکثریت پر ہوگی جو دانستہ کاروبار سلطنت کو سنبھالنے سے انکار کرے۔ گورنر اور گورنروں کے ہمنا ہندوستانی ترک موالات کرنے والی اکثریت کے خلاف کامیاب پروپگنڈا کر سکیں گے۔ جس کا مؤثر جواب اکثریت کی طرف سے بن نہیں سکے گا۔

بدیں حالات اس امر کے متقاضی ہیں کہ آزاد خیال جماعتیں اپنے آنے والے موقف سے نادمہ اٹھا کر ملک میں آزاد خیالی کی رو کو زیادہ وسیع اور پر زور بنادیں اور ان جھگڑوں کو چکانے کی کوشش کریں، جو آئے دن ملک کے خرمین امن کو آگ لگاتے رہے ہیں۔ اگر گورنروں کو خود پسندی اور ملک دشمنی آزاد خیال وزراء کو خدمت وطن کرنے سے روکے اور ان وزراء کو کام نہ کرنے دیا جائے تو گورنر اور ان کے ہمنا ہندوستانیوں کے مفاد کی خاطر ہندوستانی مفاد کو کچلتا چاہیں خود اس بات کے ذمہ دار ہوں گے کہ ہندوستانی اکثریت کی آواز دبا دیں۔ بلکہ اس کا گٹھ گبھڑیں دیں۔ اس صورت میں ملک کی آواز انگلستان کے وسیع اقتدار کے خلاف بلند ہوئے گی۔ آزاد خیالی ملک کی جدوجہد زیادہ قوت اختیار کرے گی۔

ایک دلیل یہ بھی پیش کی جاتی ہے کہ وزارت کی خواہش آزاد خیال، بہت

کو متفرق کر دے گی۔ کیونکہ جاہ پسند لوگ آگے آئیں گے۔ اگر آزاد خیال جاہلوں
اس قدر تنظیم پیدا نہیں کر سکتیں کہ قابل اور ایثار پسند لوگوں کو پیش کر سکیں تو
آزادی کی جنگ میں خود غرض لوگوں کا پیش پیش ہونا کسی حالت میں بھی کامیابی
کی منزل تک نہیں پہنچ سکے گا۔

۲۔ ریاستیں۔ جو مسائل اقتصادی و سیاسی برطانوی ہند کو پریشان کر رہے ہیں۔
وہ ہندوستانی ریاستوں کے باشندوں کے لیے موہان روح ہیں۔ لیکن ریاستوں
کے باشندوں کا بہت بڑا مطالبہ یہ ہے کہ ہمیں ویسی حکومت دی جائے
جیسی برطانوی ہند میں ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ریاستوں
کے باشندے کس افلاس، غربت اور ہلاکت میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اگر
برطانوی ہند میں نمائندہ حکومت کے بغیر گزارہ چلنا مشکل ہے تو ریاستوں
میں مطلق الحضانی کا دور دورہ کبھی ختم نہیں ہو سکتا۔ ریاستی باشندوں سے ہمیں
پوری پوری ہمدردی ہے اور ان کے مصائب کے بوجھ کو کم کرنے کے لیے
جہاں تک ہو سکے۔ ہمیں تیار رہنا چاہیے۔ جب تک ریاستوں کے باشندے
اور برطانوی ہند کے لوگ آزادانہ فارغ البالی میں زندگی بسر نہ کرنے لگ جائیں
اس وقت تک ملکی جدوجہد اختتام کو نہیں پہنچ سکتی۔

۳۔ مسئلہ حجاز: ہندوستانی سیاسیات کے علاوہ آجکل مسئلہ تحفظ حجاز و حرمین
شریفین ایک نئی صورت اختیار کر رہا ہے۔ حال ہی میں سلطان ابن سعود
والہی حجاز نے ایک انگریز کمپنی کے ساتھ ملک حجاز میں کان کنی کے لیے ایک
معاہدہ کیا ہے جس سے مقدس ارض حجاز میں انگریزی اثر و رسوخ اور اقتدار کا
بڑھ جانا لازمی ہے۔ تاریخ آج سے پہلے ہندوستانیوں کے سامنے یہ حقیقت
پیش کر رہی ہے کہ الیٹ انڈیا کمپنی نے تجارت کے بہانے ہندوستان
کی سیاست پر قبضہ کیا اور ایک عرصہ تک خود ہندوستان پر حکومت کی۔
آج شہنشاہ جارج پنجم کی حکومت ہندوستان میں الیٹ انڈیا کمپنی کی

وارث اور قائم مقام ہے۔ ہندوستان کے مسلمانوں کو دلائل شے یہ سمجھانے کی کوشش کرنا کہ نئے معاہدہ میں خطرات نہیں، سعی لا حاصل ہے۔ اس لیے ہمیں ایک طرف تو سلطان ابن سعود کو یقین دلانا ہے کہ ہم اس کے بدخواہ نہیں۔ لیکن مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہم اس رجحان سیاسیات و اقتصادیات کو برداشت نہیں کر سکتے، جس سے ایک دن ارض حجاز کامل طور پر غیر مسلم اقتدار کا شکار ہو جائے۔ اور اگر رہ جائے تو محض اس حیثیت میں جس حیثیت میں قومی اور اسلامی جھنڈے ہندوستان میں لہرائے جاتے ہیں سو دوسری طرف ہم نے حکومت برطانیہ کو بھی بتانا ہے کہ اسے خواہ مخواہ مسلمانوں میں بد اعتمادی پیدا نہیں کرنی چاہیے۔ اگر حقیقتاً انگریزی سیاست کی نگاہیں ارض حجاز پر نہیں تو برطانوی کمپنی یا قوم کو معاہدہ حجاز سے ایسے منافع نہیں ہوں گے۔ جن کا نعم البدل دنیا کے کسی اور حصے میں نہ مل سکے۔ جس کے بغیر برطانوی قوم غربت افلاس کی نذر ہو جائے۔ اس لیے سلطنت برطانیہ کے مفاد کے پیش نظر حکومت برطانیہ کو پوری کوشش کرنی چاہیے کہ سلطنت حجاز اور برطانوی کمپنی کے درمیان جو معاہدہ ہوا ہے وہ کالعدم قرار دے دیا جائے تاکہ مسلمانوں کے دل برطانیہ کی طرف سے مسئلہ حجاز کے سلسلہ میں مطمئن ہو سکیں۔“

(خطبات احرار جلد اول ص ۱۲ تا ص ۱۳)

خطبہ استقبالیہ کے بعد مولانا منظر علی اظہر نے احرار پولیٹیکل کانفرنس کے منتخب صدر مولانا غلام غوث ہزاروی کا تعارف کراتے ہوئے کہا،

”احرار کا یہ وصف رہا ہے کہ اس نے ہر شخص اور معنی کارکنوں کو اپنے نزدیک لاکر اسے ادب سے اونچا مقام عطا کیا۔ مولانا غلام غوث اپنے حلاقہ (ہری پور ہزارہ) اور صوبہ سرحد میں اپنی قربانیوں اور گونا گوں مشغلات کے باعث مشہور ہیں انہوں نے قہر و بند کی معویہ نہیں برداشت کیں۔ لیکن اس پر بھی وہ گناہ رستہ اور وہ شہرت حاصل نہ کر سکے، جس کے وہ مستحق تھے۔“

مجلس احوار نے اپنی روایات کے مطابق ان کی قدر کی اور انہیں آل انڈیا احوار پولیٹیکل کانفرنس کی صدارت کا اعزاز بخشا۔ مولانا موصوف مدنی بھی طور پر دیوبند سے فارغ ہیں اور سیاسی طور شمالی صوبہ سرحد میں سرخوش تحریک کے قائد رہ چکے ہیں۔ مولانا منظر علی اظہر کی تائید میں مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی نے ایک مختصر تقریر کی اور بعد میں مولانا غلام غوث نے کرسی صدارت سنبھالی۔ اپنے خطبہ صدارت کے بعد کانفرنس کی کارروائی شروع کی۔

۱۱۔ اکتوبر کو پنڈال میں پرچم احوار لانے کی رسم ادا کی گئی۔ یہ نظارہ دیدنی تھا۔ پنڈال کے چاروں طرف سرخ باوردی اور سلج رضا کاروں کے چاق و چوبند دستے فوجی طریقہ پر قطار اندر قطار کھڑے تھے۔ احوار بینڈ قومی دھنیں بجا رہا تھا۔ مولانا غلام غوث نے پرچم کشائی کے بعد کہا:

”یہ جھنڈا آزادی ہند اور خدا کے نام کو بلند کرنے کا جھنڈا ہے۔ اس کو بلند کرنے سے ہم پر کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ اس کی بلندی کو قائم رکھنے کے لیے ہمیں کن قربانیوں کی ضرورت پیش آئے گی۔ اس کا احساس کریں اور اس سرخ پرچم کے سائے میں آج وعدہ کریں کہ اگر کبھی اس کی سرخی کو قائم رکھنے کے لیے خون کا آخری قطرہ بھی دینا پڑا تو اس سے دریغ نہیں کریں گے۔“

رسم پرچم کشائی کے موقع پر ہندوستان بھر کے علما واد سیاسی شخصیتوں نے حصہ لیا۔ اس موقع پر ان تمام حضرات نے دلی کیفیت کا اظہار کرتے ہوئے وعدہ کیا کہ آزادی وطن اور ہندوستان میں اسلام کی سر بلندی کے لیے اگر کبھی ضرورت پیش آئی تو وہ کسی قربانی سے دریغ کریں گے۔ اس کے بعد طرز رضاروں نے جھنڈے کو سلامی دی، اور منتشر ہو گئے۔

جیش احوار کا اجلاس | اس اجلاس کی صدارت سید محمد احمد کاظمی ایڈووکیٹ، آباد نے کی۔ اجلاس میں دس ہزار سے زائد باوردی احوار رضا کار شریک تھے۔

۱۲۔ نومبر کو احوار پولیٹیکل کانفرنس کا آخری اجلاس ہوا۔ جس میں دیگر کارروائی کے حسب ذیل قراردادیں منظور کی گئیں۔

۱۔ آل انڈیا احوار پولٹیکل کانفرنس سیکوٹ کا یہ اجلاس مجلس احوار کے نصب العین یعنی ملکی آزادی کو اہل وطن کے دکھوں کا واحد حل سمجھتا ہے۔ اور ہندوستان کی آزادی ہی میں تمام دنیا کی آزادی کا راز مضمر دیکھتا ہے۔ لہذا ہندوستان کے مسلمانوں سے اپیل کرتا ہے کہ وہ مجلس احوار کے ساتھ پورا پورا تعاون کر کے ہندوستان کو آزاد کرانے میں مدد دیں۔

(قرارداد کے محرک مولانا محمد اسماعیل مراد آبادی اور تائبید مولانا حبیب الرحمن نے کی۔)
۲۔ آل انڈیا مجلس احوار کا یہ اجلاس حکومت ہند سے مطالبہ کرتا ہے کہ زمینداروں کی مالی بدحالی کے پیش نظر مالیے میں کم از کم سچاس فیصد تخفیف کر دی جائے جس سے زمینداروں کی مالی مشکلات کا حل ہو سکے۔

(قرارداد کے محرک صاحبزادہ فیض الحسن اور تائبید چودھری عبدالعزیز بیگودا لہ نے کی۔)
۳۔ آل انڈیا احوار کانفرنس کا یہ اجلاس آئین نو کے پیش نظر رحبت پسندوں کی سرگرمیوں کو تشویش کی نظروں سے دیکھتا ہے۔ نیز مسلمانوں کی تمام آزادی پسند جماعتوں اور افراد سے اپیل کرتا ہے کہ کسی مناسب مقام پر جمع ہو کر ان رحبت پسند عناصر کی سرگرمیوں کا مدداسوچیں۔ ورنہ یہ لوگ اپنی ریشہ دوانیوں میں کامیاب ہو کر ملک کو بیش از بیش غلامی میں مبتلا کرنے کا باعث ہوں گے۔
(قرارداد کے محرک سید عطا اللہ شاہ بخاری اور تائبید مولانا اسماعیل ذیح کا پوری مدیر قومی دیر کا پور نے کی۔)

۴۔ آل انڈیا احوار پولٹیکل کانفرنس کا یہ اجلاس حکومت سعودیہ کا غیر ملکی کمپنیوں سے معاہدہ سرزمین حجاز میں غیر ملکی حکومت کی مکمل سیاسی مداخلت اور اثر و رسوخ کے مترادف سمجھتا ہے۔ از بس کوئی مسلمان از روئے شریعت اسلامی برداشت نہیں کر سکتا۔ لہذا یہ کانفرنس سلطان ابن سعود کو یقین دلاتی ہے کہ دنیا کے ہر فرقے اور عقیدے کا مسلمان حجاز کی آزادی اور تحفظ کے لیے ہر قسم کی قربانی اور حکومت حجاز کے ساتھ تعاون کے لیے تیار ہے۔

اس قرارداد کی دوسری شق میں ایک وفد سلطان ابن سعود کی خدمت میں بھیجنے کا فیصلہ

کیا گیا۔

(قرارداد کے محرک مولانا منظر علی اظہر اور تائید مولانا عبدالقیوم پوپلہنی (پشاورم نے کی)
مدعی نبوت کو سزا | جرمن کی اس خبر کو پیرس کے ایک اخبار نے جو کہ روسی زبان میں شائع ہوتا ہے، نمایاں طور پر شائع کیا۔

”برلن میں ایک شخص نے نبی ہونے کا دعویٰ کیا۔ اور اس کے پاس ہزاروں افراد آئے لگے۔ جھوٹی نبوت کا دعویٰ درمرضیوں کو دوا دیتا، جس کے باعث ان میں سے اکثر صحت یاب ہو جاتے تھے۔ لیکن حکومت جرمنی نے اس شخص کو گرفتار کر لیا۔ حکومت کا موقف یہ ہے کہ یہ شخص دعویٰ نبوت کر کے اخلاقی اور مجلسی جرم کا مرتکب ہوا ہے۔“

اس کا مقدمہ بند کمرے میں ہوا۔ سینٹیں گواہان استغاثہ کے بیان ہوئے۔ آخر میں جھوٹے بی کا بیان ہوا۔ جس میں اس نے کہا کہ اس نے مرضی ہی صحت یاب نہیں کیے بلکہ اکثر مردے بھی زندہ کیے ہیں۔ آخر میں عدالت نے مجرم کو ایک سال قید با مشقت کی سزا دی۔

(روزنامہ ”انقلاب“ لاہور ۱۴۔ نومبر ۱۹۳۵ء)

”یورپ جنگ کا اکھاڑہ“ | طاقت ور ممالک ہمیشہ کمزور پراٹھتا ہے۔ اور حبیب اسے مغلوب کر لیتا ہے تو فتح کا علم اٹھائے مفتوح پر اپنی مسکراہٹیں بکھیرتا ہے۔ جس میں ہزاروں طنز کے تیر و نشتر ہوتے ہیں۔ کمزور کے وسائل بھی کمزور ہوتے ہیں اور فاتح اسی دروازے سے داخل ہوتا ہے۔

یورپ کی مذہب قوموں نے اس سال اپنی تہذیب کے دامن میں جس بری طرح چھید کیا۔ مورخ اس سانحہ کو سیاہ حاشیہ میں تحریر کرے گا۔ حبشہ اور اٹلی کی جنگ شیر اور بکری کی لڑائی تھی۔ لیکن برطانیہ اور فرانس نے فاتی اغراض کے تحت اٹلی کو ڈھیل دی کہ وہ مظلوم حبشہ کو اپنی فتح کا نشان بنائے۔

۲۶۔ ستمبر کو جب فریقین میں بات طے نہ پاسکی تو ۳۔ اکتوبر (۱۹۳۵ء) کو اٹلی حبشہ پر چڑھ

دوڑا۔ یورپ کی سیاست ان دنوں عجیب مراحل سے گزر رہی تھی۔ برطانیہ اردس اور جرمن کے

اتحاد کو تشویش کی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ دوسری طرف فرانس اور سوویت روس کے تعلقات کو اس لیے بھی پسند کرتا تھا کہ شاید وہ برلن اور ماسکو کے درمیان کسی کشیدگی کا محل ثابت ہوں۔ تاہم برطانیہ روس کی انقلابی تحریک سے بھی خائف تھا۔ اس اعتبار سے فرانس کی دوستی بھی اسے گوارہ نہیں تھی۔ اس طرح انگلستان کے سیاستدان روس، فرانس اور جرمنی کے اس تماشے کو خوف اور وحشی کے ملے جلے جذبات سے دیکھ رہے تھے۔

حبشہ کی ساڑھے چار لاکھ کی مظلوم آبادی برطانیہ کے ہمارے آگ برسر ہے تھے۔ شہنشاہ حبشہ نے یورپ کے مذہب لوگوں کو پکارا لیکن نقارخانے میں طوطی کی صدا کب سنائی دیتی ہے۔ ایک ہفتہ بعد جمعیت اقوام نے جینوا میں اپنا اجلاس بلایا کہ موسولینی نے حبشہ پر حملہ کر کے میثاق کی دفعہ ۱۵ کی خلاف ورزی کی ہے۔ لہذا جمعیت اقوام نے اپنے ارکان کو ہدایت کر دی کہ وہ اٹلی کے ہاتھ آئندہ کوئی سامان فروخت نہ کریں۔ نیز اپنے اپنے علاقوں سے آئے قرضوں کا انتظام بھی نہ ہونے دیں۔ اور اٹلی سے کوئی سامان بھی خرید نہ کریں۔

بظاہر یہ حبشہ کا اقتصادی تحفظ تھا۔ لیکن ضروری اور اہم چیز جس سے اٹلی مات کھا سکتا تھا اور بہت جلد گھٹنے ٹیک دینا وہ تیل کا معاملہ تھا۔ جسے مقاطع میں شامل نہیں کیا گیا۔ کیونکہ اس سے فرانس اور برطانیہ کو نقصان پہنچتا تھا۔ امریکی صدر مسٹر روز ویلیٹ نے غیر جانبداری کا جو قانون پیشتر سے منظور کر لیا تھا۔ اس میں تیل، پھٹکل، لوہا اور فول دایسی اہم جنگی چیزیں شامل تھیں۔

ان حالات میں اٹلی کے ڈکٹیٹر موسولینی کو تیل بھی ملتا رہا اور جنگ کا دوسرا سامان بھی۔ اس وقت تک جنگ میں اٹلی کے دس ڈویژن (دہائی لاکھ) اور ڈیڑھ لاکھ افریقی فوج لگے تھے۔ جو جدید سامان جنگ سے لیس تھی جبکہ اس کے مقابل حبشہ کی غیر تربیت یافتہ صرف پینیس ہزار فوج تھی، جس کے پاس سامان جنگ بہت کم اور معمولی تھا۔

برطانیہ بڑی طاقت ہونے کے باعث حبشہ کے نتائج سے فائل نہیں تھا، تاہم وہ اس کے لیے کسی بڑی جنگ کو دعوت یا اس کے امکان پیدا کرنے کو بھی تیار نہیں تھا۔ فرانس کا وزیر اعظم برٹرا لاول، موسولینی کی پیش قدمی کا اس وقت تک حافی تھا جب تک فرانس کا مفاد

تھا۔ بالآخر برطانیہ کے وزیر خارجہ مسٹر سمویل بور اور فرانس کے مسٹر لادال نے ایک مشترک اور خفیہ مضمون ترتیب دیا جس کے تحت فیصلہ کیا گیا۔

”صوبالیہ اور ایرٹیریا کی سرحدوں کے ساتھ ساتھ ساٹھ ہزار مربع میل کا علاقہ اٹلی کے حوالے کر دیا جاتے۔ اس کے معاوضے میں تین ہزار مربع میل کی ایک گزرگاہ حبشہ کو دے دی جاتے۔ تاکہ وہ اس سے اپنی اقتصادی توسیع اور آباد کاری کا حلقہ بنا سکے۔“

اس خفیہ معاہدے پر مسٹر لادال اور مسٹر ہور نے حلف لیا کہ وہ اس معاہدہ کو صیغہ راز میں رکھیں گے، مگر ہنوز اس کی سیاسی خشک نہ ہونے پائی تھی کہ فرانس نے یہ معاہدہ شائع کر دیا۔ اس کے نتیجے میں سارا انگلستان ناراض ہو گیا کہ چاندی کی طشتری میں رکھ کر فتح کا تحفہ موسولینی کے حوالے کر دیا جاتے حالانکہ جنگ ابھی جاری تھی۔ برطانوی اخبارات، برطانوی پارلیمنٹ اور عوام اس قدر سیخ پا ہوئے کہ مسٹر سمویل بور کو اپنے عہدے سے مستعفی ہونا پڑا اور اس کی جگہ ایٹنی ایڈن برطانیہ کے وزیر خارجہ نامزد کیے گئے۔

”دنیا کی بساط سیاست“ مصنفہ مولانا منظر علی اعظمی
 [دوسری جنگ عظیم - مصنفہ لوئیس ایل سائڈر صفا تاسو]

۱۸۸۳ء میں رمگانا کے پہاڑی علاقہ کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں لوہار موسولینی کے ہاں پیدا ہوا۔ اس نے ابتدائی تعلیم اپنی والدہ سے حاصل کی اور فراغت کے بعد محوڑی مدت کے لیے محنتی کا پیشہ اختیار کیا۔ ایک سال بعد اس پیشے کو چھوڑ گیا۔ اس دوران وہ سوشلزم سے متاثر ہو چکا تھا اور اس نے اٹلی کو خیر باد کہہ کر سویٹزرلینڈ میں مزدوروں کی ایک انجمن بنائی۔ مقامی حکومت نے ان سرگرمیوں کی بدولت اسے ملک سے نکل دیا۔ وہ پھر اٹلی آ پہنچا۔ انقلاب پسند تحریک یہاں بھی جاری رکھی اور یہاں وہ ایک کمیونسٹ اخبار کا ایڈیٹر بن گیا۔

۱۹۱۵ء میں برطانیہ اور اٹلی کے درمیان ایک خفیہ معاہدہ ہوا جس کی موسولینی نے حمایت کی۔ اٹلی کی کمیونسٹ پارٹی اس معاہدے کے خلاف تھی۔ لہذا اسے جماعت سے

خارج کر دیا گیا۔ حکومت بھی سوشلسٹوں کے خلاف تھی لہذا موسولینی کو اس کے نظریات کی بناء پر قید میں ڈال دیا گیا۔ رہائی کے بعد موسولینی آسٹریا آگیا۔ یہاں اس نے ایک اخبار نکالا جس میں انقلابی سوشلسٹوں کے نام پیغام موجود تھا۔ آسٹریوی حکومت کو اس کی یہ سرگرمیاں پسند نہ آئیں اور اسے ملک سے باہر نکال دیا یہ پھر اٹلی واپس آگیا۔

اٹلی نے جب ٹریچولی کے بارے میں جنگ چھیڑی تو موسولینی نے اس کی زبردست مخالفت کی جس کی بناء پر حکومت نے اسے پانچ ماہ کے لیے قید کر دیا۔ رہائی کے بعد اسے سوشلسٹ اخبار اونٹی کا ایڈیٹر بنا دیا گیا۔

پہلی جنگ عظیم شروع ہوئی تو موسولینی حب الوطنی کی بناء پر فوج میں بھرتی ہو گیا اور میدان جنگ میں بری طرح زخمی ہوا۔ اسی بناء پر اسے فوج سے الگ کر دیا گیا۔ صحت یاب ہونے پر اس نے ایک اور اخبار نکالا اور اٹلی کی سیاسی اور اقتصادی زندگی کو از سر نو جاندار بنانے پر زور دیا۔ ازاں بعد وہ قومی مفاد کی خاطر جدوجہد کرنے لگا۔ اس نے روسی کمیونزم کی سخت مخالفت کی۔ لہذا اب یہ سوشلسٹ نہیں تھا بلکہ سنڈیکلزم کا حامی بن گیا۔

نومبر ۱۹۱۹ء میں اٹلی کے عام انتخاب ہوئے۔ اٹلی پارلیمنٹ کی کل ۵۴ نشستوں میں سے ایک سو پچھپن سوشلسٹ سوشلسٹوں کے ہاتھ آئیں۔ تو انہوں نے رضا کار تنظیم قائم کر کے ملک میں چاروں طرف انتشار اور بلامنی پیدا کر دی۔ فسطائیوں نے ان کا مقابلہ کر کے ان کی تمام سرگرمیوں کا خاتمہ کر دیا۔ ملک میں موسولینی کی فسطائی جماعت کا زور تھا۔ موسولینی کی جماعت نے سیاہ قمیص کو اپنی دردی قرار دیا۔ چنانچہ ۱۹۲۲ء میں انہوں نے روم پر پیش قدمی کر کے حکومت پر قبضہ کر لیا۔ اس یلغار کو سیاہ قمیص والوں کی یلغار کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ شاہ اٹلی دکن حمایتوں سوم نے ملک کو تباہ کن جنگوں سے محفوظ رکھنے کے لیے فسطائیوں کے سربراہ بنیٹو موسولینی کو وزیر اعظم مقرر کر دیا۔ اس نے فوری طور پر کابینہ تشکیل کی، فسطائیت نے حکومت پر فتح حاصل کر لی اور بادشاہ محض کٹھ پتلی بن گیا۔ اس طرح موسولینی کو اٹلی میں اقتدار حاصل ہوا۔

۱۴ جولائی ۱۹۱۹ء کو پیدا ہوا۔ اچھی تعلیم پائی۔ خاصا عقلمند اور باوقار۔

آدمی تھا۔ ۱۹۱۲ء سے نائب سلطنت رہا۔ ۱۹۲۸ء میں بادشاہ بنا۔

شہنشاہ ہیل سلاسی

ملکہ زادتو کی وفات کے بعد ۱۹۳۰ء پر شہنشاہ بن گیا۔ اس کے سامنے بہادر گرام تھا۔ اول ملک کو متحد رکھنا۔ پھر حدود جو پسماندہ ملک کو عہدِ حاضرہ کے درجے پر لانا۔ نسلی اور مذہبی اختلاف بہت زیادہ تھے۔ مقامی رئیسوں کی روایات یہ تھی کہ الگ تھلک رہیں۔ غلامی کے ساتھ ساتھ جہالت اور اداؤں کا دور دورہ تھا۔ ۱۹۳۲ء میں ہیل سلاسی نے ارادہ کر لیا کہ وہ اپنی مملکت میں بردہ فروشی روک دے گا اور غلامی ختم کر دے گا۔ اس کے بعد اسے جمعیۃ اقوام کا رکن بنالیا گیا۔ ہندوستان کی سیاسی اور اقتصادی صورت حال پیشتر سے ابتر تھی۔ لیکن حبشہ اور اطالیہ کی جنگ نے اسے مزید متاثر کیا۔ مغربی ممالک سے مال کی درآمد قطعی محدود ہو گئی۔ جس سے اندرون ملک کی ہر شے گرانی کا شکار ہوئی۔ ہندوستان کی منڈیاں اور عوام اس کے متحمل نہیں تھے۔ سیاسی رہنما اور جماعتیں انتخاب میں مصروف تھیں۔ جس کے نتیجے میں یورپ کے دلاؤں نے کافی فائدہ اٹھایا۔

پنجاب کو نسل میں شہید گنج پر بحث ||۔ نومبر کو پنجاب کو نسل میں چودھری افضل حق نے اپنی تقریر کا آغاز کرتے ہوئے کہا کہ بحث

پولیس کے اخراجات کے متعلق تھی، پولیس کے اخراجات منظور کرنے کی چٹاں ضرورت نہیں کیونکہ اس سے صوبے کو بالکل فائدہ نہیں ہے۔ ابھی شہید گنج کا واقعہ پیش آیا۔ پولیس موجود تھی۔ اس کا سارا ساز و سامان موجود تھا، لیکن حالات نے اس پر بھی نازک صورت اختیار کر لی۔ ان واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ پولیس کی ضرورت ہے اور وہی اس کے لیے بحث منظور کرنے کی۔ مسجد شہید گنج کے متعلق کافی عرصہ سے بے چینی پائی جاتی ہے۔ اس سلسلے میں کافی دفعہ گورنمنٹ سے ملاقات کی۔ اور گورنمنٹ نے بھی اس امر کا یقین دلایا کہ مسجد نہیں گرائی جائے گی۔

مسٹر بائیڈ: "یہ غلط ہے۔ حکومت نے کب اور کن الفاظ میں وعدہ کیا تھا؟"

چودھری افضل حق: حکومت نے ان الفاظ میں تو وعدہ نہیں کیا تھا کہ مسجد نہیں گرائی جائے گی۔ لیکن یہ ضرور کہا ہے کہ سکھوں کے ایک وفد نے گورنر پنجاب کے ساتھ ملاقات کی اور یقین دلایا کہ مسجد مسمار نہیں کی جائے گی۔ لیکن اس کے باوجود ۸ جولائی کو جب مسلمانوں کی نمائندہ انجمن صورت حال پر غور کر رہی تھی کہ انہیں اطلاع ملی کہ مسجد مسمار کی جا رہی ہے۔ کیا

مسٹر بائیڈ: کیا آنریبل ممبر کو یہ معلوم ہے کہ وہ کن شرائط کے تحت وعدہ کیا گیا تھا؟
 چودھری افضل حق: ”مجھے اس سے سروکار نہیں۔ میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ حکومت نے
 اس معاملے میں مداخلت نہیں کی۔ اگرچہ میرے پاس اس بات کا ثبوت نہیں۔ لیکن میرے تجربے نے
 مجھے بتایا تھا کہ رات دس بجے فوجی افسروں کو اس بات کا علم تھا کہ مسجد مسما کی جانے والی ہے
 مسٹر بائیڈ: یہ سفید جھوٹ ہے۔“ (اس لفظ کے خلاف ہاؤس میں احتجاج کیا گیا اور اس پر
 صدر کونسل کے کہنے پر آنریبل ممبر نے الفاظ واپس لے لیے۔)
 چودھری افضل حق نے تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا:

حکومت اس حیثیت میں اپنی پوزیشن واضح کرے کہ ریوے کے اوزار مسجد گرائے
 جانے سے پیشتر آئے یا بعد میں۔ لیکن مسجد گرائے میں سہولت بہم پہنچائی۔ اور حکومت نے
 اس کی امداد کی۔ کیونکہ اس موقع پر وہاں پولیس موجود تھی۔ لیکن اس کے باوجود اسے بروقت
 علم نہ ہو سکا۔ یہ واقعات ثابت کرتے ہیں کہ پولیس نے اس وقت کوئی کام نہیں کیا۔
 چودھری صاحب کی اس تقریر کے جواب میں چیف سیکرٹری حکومت پنجاب نے
 حکومت کی پوزیشن واضح کی کہ ”یہ الزام غلط ہے۔ یہ درست ہے کہ سکھوں کے ایک
 وند نے ڈپٹی کمشنر سے ملاقات کے دوران کہا تھا کہ مسجد نہیں گرائی جائے گی۔ اس بنیاد
 پر ڈپٹی کمشنر نے مسلمانوں کو یقین دلایا تھا کہ مسجد نہیں گرائی جائے گی۔ اس کے باوجود سکھوں
 نے مسجد کو گرائی شروع کر دیا۔ جس پر حکومت نے فساد کے پیش نظر پولیس اور فوج کو
 وہاں متعین کر دیا تھا۔ باقی رہا سکھوں کے بیانات تو حکومت اس کی ذمہ دار نہیں۔“

مرزائیوں کی درخواست | گزشتہ سال ۲۲- اکتوبر کو قادیان احرار کانفرنس کے صدر

تقریر کی۔ اس پر مقدمہ چلا اور انہیں چھ ماہ قید کی سزا ہوئی تھی۔ اس کے خلاف سیشن جج
 جی۔ ڈی کھوسلہ نے ۵- جون ۱۹۲۵ء کو اپنا تاریخی فیصلہ دیا تھا۔ مرزائیوں نے اس کے
 خلاف لاہور ہائیکورٹ میں اپیل دائر کی۔ ۱۱- نومبر ۱۹۲۵ء کو لاہور ہائیکورٹ کے جسٹس
 کولڈسٹریم نے مرزائیوں کی درخواست نگرانی کا فیصلہ سناتے ہوئے لکھا۔

”میشن جج گورداسپور نے اپنے فیصلے میں گورنمنٹ (برطانیہ) اور مرزا قادیان کے متعلق کچھ ریمارکس پاس کیے۔ جس پر گورنمنٹ اور خلیفہ صاحب دونوں نے اعتراض کیا۔ ہائی کورٹ میں دونوں نے درخواستیں دیں کہ ان ریمارکس کو فیصلہ سے حذف کر دیا جائے۔“

جسٹس کوڈل سٹریم نے اس فیصلے میں سے گورنمنٹ کے خلاف ریمارکس نکالنے کی ضرورت نہ سمجھی لیکن اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے فیصلہ میں لکھا:

”میشن جج کے روبرو شہادت ریکارڈ پر موجود تھی اس کی بنا پر جج حق بجانب نہ تھا کہ وہ ریمارکس پاس کرتا۔ جس میں مندرجہ ذیل الفاظ شامل تھے۔“

قادیانیوں کے افعال کے خلاف پولیس کو اطلاع دی گئی۔ لیکن پولیس نے کوئی کارروائی نہ کی۔ وغیرہ، وغیرہ۔“

قادیانیوں کے خلاف تین فقرے نکال دیے گئے۔ فاضل جج نے ان چودہ فقروں میں سے جس کے خلاف مرزا قادیان اور اس کے فرقی نے اعتراض کیا تھا۔ تین فقرے نکال دینے کا حکم دیا۔

۱۔ فاضل جج نے قادیانی مذہب نیو فنگلڈ (NEW FANGLED) نکال دیا۔ دوسرا فقرہ یہ تھا۔ مرزا نے جہادِ انکریم کی موت کی پیش گوئی کی۔ اس میں سے پیش گوئی کا لفظ نکال دیا گیا۔ تیسرا فقرہ مرزا نے کٹر مسلمانوں کو گالیاں نکالیں۔ اس فقرے کو اس لیے نکال دیا گیا کہ اس ریمارکس کے متعلق شہادت موجود نہیں ہے۔ یہ فقرہ بھی کہ مرزا صاحب پورمر کی ٹانگ دائیں استعمال کرتے تھے۔ اس فقرے کا مقدمے سے کوئی تعلق نہیں مرزائیوں کے اس مقدمہ کی پیروی سر تیج بہادر نے کی۔

پنجاب کونسل میں بحث کا دو سہ روز | ۱۴ نومبر پنجاب کونسل میں مسجد شہید گنج پور دھری افضل حق کے بعد مولانا

منظر علی اظہر نے اپنی تقریر کے دہان کہا

”مسجد کے انہدام کی تمام تر ذمہ داری حکومت پر عائد ہوتی ہے۔ اگر

حکومت چاہتی تو مسجد کو بچا سکتی تھی۔ لیکن حکومت کے ایک محکمہ (ریوس) نے مسجد کی مسامری کے لیے کریں دیا۔ ایک طرف سکھوں کی حوصلہ افزائی کی کہ وہ مسجد کو گرا دیں۔ دوسری طرف مسلمانوں کو کہا کہ وہ اس کے خلاف احتجاج کریں۔ اس طرح دونوں قوموں کو لڑا دیا۔

مولانا منظر علی اظہر کے بعد پیر اکبر علی نے حکومت کے مطالبے کی مخالفت کرتے ہوئے کہا:

”شہید گنج کے واقعہ کے دوران پولیس بیکار اور نااہل ثابت ہوئی ہے۔ اس روپے کی مستحق نہیں، جس میں بجٹ کا ذکر کیا گیا ہے۔“

پنجاب میں تلوار پر سے پابندی ختم ہونے کے بعد شمالی صوبہ سرحد کے عوام نے بھی یہ مطالبہ کیا

صوبہ سرحد میں تلوار کی اجازت

کہ انہیں بھی سر عام تلوار لے کر چلنے کی اجازت ہونی چاہیے۔

۴۔ نومبر کو سرحد کونسل کا اجلاس شروع ہوا تو آرتھریل سرگنگم ہوم ممبر نے خان بہادر غلام حیدر خاں کے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ حکومت سرحد کے پاس اس مفہوم کی درخواستیں پہنچی ہیں کہ تلوار کو قانون اسلحہ سے تشبیہ کر کے اس کے رکھنے اور لے کر پھرنے کی عام اجازت دی جائے۔ لیکن حکومت نے ابھی تک اس سوال پر غور نہیں کیا۔

(اخبار ترجمان سرحد پشاور، ۴۔ نومبر ۱۹۳۵ء)

اس سے پیشتر ۲۰ اکتوبر کو حرار کانفرنس بم خییل دسرحد میں منعقد ہوئی جس کی صدارت حضرت عبدالوارث پادشاہ نے کی، جس میں پشاور کے چیدہ چیدہ علمائے شریعت کی اس کانفرنس کے آخری اجلاس میں حکومت سرحد سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ پنجاب کی طرح سرحد سے بھی قانون اسلحہ پر سے پابندی ختم کر دے۔

آخر ۱۱۔ نومبر کو صوبہ سرحد کی کونسل میں ملک خدا بخش کی قرارداد منظور ہو گئی۔ جس میں حکومت سے درخواست کی گئی تھی کہ وہ تلوار کو اسلحہ ایکٹ سے مستثنیٰ قرار دے دے۔ اس قرارداد کے حق میں تمام مسلم ارکان نے ووٹ دیا۔ جبکہ غیر مسلم ممبران نے اس قرارداد

کی مخالفت کی۔

پھر مہاراجہ کا چیلنج | وسط ستمبر کی بات ہے کہ مرزائی مذہب کے لیڈر نے احرار کو مہاراجہ کا چیلنج دیا تھا۔ اور جب احرار قادیان پہنچے تو وادیا شروع کر دیا۔ مگر احرار ہٹاؤں کو پہنچنا تھا، وہ جا پہنچے۔ حکومت بھی خاموش رہی۔ بات آئی گئی ہو گئی۔ لیکن نومبر کے وسط میں پھر بات چھڑ دی اور پہلی سخت کوڑا مارنے کے لیے مرزائیوں نے ایک دوسرا چیلنج دے دیا۔ اور ساتھ ہی انکار بھی کر دیا۔ مگر احرار اسے منظور کر چکے تھے اور ۱۸۔ نومبر کی تاریخ بھی مقرر کر دی کہ حکومت درمیان میں آن کھڑی ہوئی۔ اور اس نے قادیان اور اس کے ارد گرد نو میل تک دفعہ ۱۲ نافذ کر دی۔ اس ضمن میں ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کا حکم حسب ذیل ہے۔

۱۸۔ نومبر۔ حکومت پنجاب کی ہدایت پر ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ گورداسپور نے زیر دفعہ ۱۲۴ کے ضابطہ فوجداری کے تحت حکم امتناعی جاری کیا کہ احرار کے ارکان ۱۸۔ نومبر ۱۹۳۵ء سے ۲۲۔ نومبر تک قادیان سے نو میل کے فاصلے تک کسی مقام پر جمع نہ ہوں۔“

(الیوسی ایٹڈ پریس)

آل انڈیا احرار کانفرنس کی صدارتے بازگشت | ۱۸۔ نومبر کو چودھری اسد اللہ خاں ایم ایل سی درادر چودھری ظفر اللہ

مرزائی، نے پنجاب کونسل میں سوال اٹھایا کہ تالاب چودھری مولابخش کو احرار پولیٹیکل کانفرنس کے لیے سیالکوٹ میونسپل کمیٹی نے کیوں صاف کیا اور اس پر وہ پہ کس نظریے سے خرچ کیا۔ اگر کیا تو کیوں؟ اس سوال کے جواب میں ڈاکٹر گوگل چند ناننگ وزیر بلدیات نے کہا:

”میونسپل کمیٹی نے حفظانِ صحت کے طور پر یہ اقدام کیا ہے۔ جو ضروری اور اہم تھا۔ یہ جگہ بے مقصد اور بے کار تھی۔ جس کی صفائی نہ ہونے کے باعث حلالہ کے عوام کی صحت پر اثر پڑ رہا تھا۔“

تمنہ خدمت | ۱۹۔ نومبر کو حکومت ہند نے کوئٹہ کے مصیبت زدگان کے امدادی کاموں کے سلسلہ میں خطابات اور سندیں دینے کا اعلان کیا۔ اس سلسلے میں مجلس احرار کو بھی دعوت دی گئی۔ وائسرائے کے اس بلاؤٹے پر غور کرنے کے لیے امرتسر میں مجلس احرار کا فوری اجلاس طلب کیا گیا۔ اس پر احرار رہنماؤں کا موقف

اجلاس کے دوسرے روز ۲۱۔ نومبر کو احرار ورکنگ کمیٹی نے قادیان اور اس کے ارد گرد دفعہ ۱۲۲ پر غور کیا۔

چونکہ احرار ۱۸۔ نومبر کی تاریخ مقرر کر چکے تھے اور اس کی اطلاع ماتحت مجالس کو دی جا چکی تھی جس پر مختلف اضلاع سے احرار رضا کار دفتر مرکزیہ میں پہنچ رہے تھے۔ لیکن مرکز نے انہیں نا حکم نامی قادیان جانے سے منع کر دیا۔ اجلاس کی کارروائی شروع تھی کہ پولیس کی بھاری جمعیت نے تمام ورکنگ کمیٹی کے ممبروں کو گھیرے میں لے لیا۔ جن میں سے حسب ذیل رہنماؤں اور کارکنوں سے نوٹس کی تعمیل کرائی گئی۔

شیخ حسام الدین، مولانا حبیب الرحمن، مولانا سید عطار اللہ شاہ بخاری، مولانا منظر علی ظہر اور غلام نبی جانباز۔ نوٹس کی عبارت حسب ذیل تھی۔

”کریمیل لارامنڈ منٹ ایکٹ کے تحت ان حضرات کو نوٹس دیا جاتا ہے کہ وہ قادیان میں نوٹس کے اندر اندر داخل نہ ہوں۔ اور

دوسرا نوٹس تھا کہ:

”دفعہ ۱۲۲ کے مطابق حکم دیا جاتا ہے کہ ضلع گورداسپور میں ۲۲۔ نومبر یا اس کے کسی قریبی دن میں قادیان اور تحصیل ٹہالہ و مضافات میں مباحثہ یا مناظرہ کے لیے کسی قسم کی کوئی مجلس منعقد نہ کریں۔“

ان نوٹسوں کی تعمیل کے بعد احرار ورکنگ کمیٹی نے کیا فیصلہ کیا۔ یہ بات پریس کو بتانا مناسب نہ سمجھی گئی۔ تاہم حکومت کو احرار کی اس خاموشی پر شبہ گذرا کہ مستقبل قریب میں کوئی نئی آفت آنے والی ہے۔

ملک میں نئی اصلاحات کے پیش نظر حکومت اس وقت کسی نئی سیاسی تحریک کو مناسب نہیں سمجھتی تھی۔ چنانچہ آنے والے کسی طوفان کے خوف سے اس نے تحریک شہید گنج کو سمیٹنا شروع کیا۔ اگرچہ حکومت اپنی دانست میں اپنا کام ختم کر چکی تھی۔ جو اس نے اس تحریک سے لینا تھا۔ مگر اب یہ آگ بجھانے بجھتی دکھائی نہ دیتی تھی۔

نظر بندوں کی رہائی | ۲۲۔ نومبر کے اخبارات میں سرکاری حوالے سے اطلاع شائع ہوئی کہ تحریک مسجد شہید گنج کے چار ایسیر لیٹنڈوں کو رہا کر دیا گیا۔ ان میں روزنامہ سیاست کے مدیر سید حبیب، میاں فیروز الدین احمد، ملک لال خاں، مولانا محمد شاہ شامل ہیں۔

ان حضرات کی رہائی پر (بقول روزنامہ انقلاب یکم دسمبر ۱۹۳۵ء) جو جلسہ ہوا۔ اس میں پانچ ہزار افراد جمع ہو سکے اور حبیب یہ رہنما گرفتار ہوئے تھے، تو ان کے احتجاجی جلسہ میں سچاس ہزار عوام شریک تھے۔

رہا شدگان نے اس جلسہ میں پھر اعلان کیا کہ حصول مسجد کے لیے دس لاکھ رضا کاروں کی ضرورت ہے۔

جیسے ہی حکومت کی منشا میں انقلاب آیا، اخبارات کی رائے بھی بدل گئی۔ تحریک مسجد شہید گنج کے دوران روزنامہ "انقلاب غیر مسلموں کے خلاف جس تیزی سے آگے بڑھا سرکاری پالیسی کیا تبدیل ہوئی کہ اخبار مذکور کا مزاج بھی بدل گیا۔ ۳۔ دسمبر کے شمارے میں بیان انقلاب نے پنجاب کے ہندو، مسلمان اور سکھ عوام سے اپیل شائع کی کہ وہ پنجاب کی فضا کو مکدر نہ کریں۔ اور پیار و محبت سے رہنے کی اپیل کی۔

یہ اپیل اخبار مذکور میں ایک چوکھٹے کی شکل میں کئی روز شائع ہوتی رہی۔

۶۔ دسمبر کو یوم شہید گنج منایا جانا تھا۔ مگر ۴۔ دسمبر کو امیر ملت کا اعلان آگیا کہ یہ دن نہ منایا جائے۔

ایک اور نوٹس | ۵۔ دسمبر کو اتر سر کے احوار کارکنوں اور رہنماؤں کو حکومت پنجاب کا ایک نوٹس موصول ہوا کہ:

”حسب ذیل حضرات ۱۲۲ کے تحت غیر معینہ مدت کے لیے قادیان سے چار چار میل تک کسی اجتماع میں شریک نہ ہوں اور نہ ہی کوئی اجلاس منعقد کریں۔ مولانا عبدالغفار غزنوی۔ شیخ عبدالغفار اثر۔ کیپٹن محمد امیر خاں۔ غلام نبی جانیانہ۔ مولانا بہاؤ الحق قاسمی، مولانا عبدالکریم مہالہ واسے اور مولانا محمد سلیمان ناروٹی۔ اس نوٹس کی نقول شہر کے تمام احوار دفاتر میں تقسیم کر دی گئیں۔

لاہور ۱۳۔ دسمبر ایک غیر معمولی سرکاری اعلان منظر ہے کہ نعلی گودا سپور دفعہ ۱۸۸ اور ۱۲۲ میں دفعہ ۱۸۸ تحریرات بند کے تمام جرائم پولیس کے قابل دست اندازی ہوں گے۔ دفعہ ۱۸۸ تحریرات بند ایسے احکام کی خلاف ورزی کے متعلق ہیں جسے حکام مجاز نے باقاعدہ طور پر نافذ کیا ہو۔

۱۳۔ دسمبر کو مولانا سید حبیب مدیر روزنامہ ”سیاست“ جو گذشتہ دنوں تحریک مسجد شہید گنج کے سلسلہ میں نظر بندی کے بعد رہا ہو کر آئے تھے۔ ڈپٹی کمشنر اور انسپکٹر جنرل پولیس لاہور نے انہیں امتیاء کیا اس کے جواب میں مدیر ”سیاست“ نے کہا:

”آج صبح آپ نے مجھے امتیاء کی تھی۔ ذیل کی چند سطریں جواب میں عرض کر رہا ہوں۔

۱۔ میں آپ کو اور آپ کے ذریعے حکومت کو یقین دلاتا ہوں کہ اخبار سیاست کا دفتر یا اس کے دفتر کا عملہ شہید گنج تحریک کے نام میں استعمال نہیں کیا جائے گا۔

۲۔ اگر اخبار سیاست جاری ہو گیا یا دوسرے الفاظ میں جب بھی جاری ہوا وہ بھی دوسرے اخباروں کی طرح معتدل انداز یا رویہ اختیار کرے گا

(روزنامہ ”انقلاب“ ۱۵۔ دسمبر ۱۹۳۵ء)

شہنشاہ حبشہ نے مصالحتی فارمولا مسترد کر دیا | ۱۴۔ دسمبر حبشہ اور اٹلی کے درمیان جنگ میں بڑی طاقتوں سے

مداخلت کی اپیل کی گئی تھی۔ جس پر برطانیہ اور فرانس نے آگے بڑھ کر مصالحت کی جن تجاویز کو مناسب سمجھا تھا شہنشاہ حبشہ نے اس فارمولے کو مسترد کر دیا۔

احرار کی قادیان میں سول تافرمانی | حکومت کے اس فیصلے پر کہ احرار قادیان میں داخل نہ ہوں، احرار رہنماؤں نے اس حکم کو توڑنے کا

فیصلہ کیا کہ حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری ۶۔ دسمبر کو قادیان میں نماز جمعہ پڑھائیں گے اور واپس آجائیں گے۔ اگر حکومت نے مداخلت کی تو نماز جمعہ پر پابندی سمجھی جائے گی لہذا احرار اس حکم کو مداخلت فی الدین سمجھتے ہوئے اس کے خلاف تحریک چلائیں گے۔ نتیجہ خدا کے سپرد۔ اس فیصلے کے تحت حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری ۶۔ دسمبر صبح کو امرتسر سے روانہ ہو کر حبیب ٹالہ اسٹیشن پر پہنچے تو حکومت نے انہیں ایک نوٹس کے ذریعے قادیان میں داخل ہونے سے روکنا چاہا۔ لیکن وہ حسب الحکم جماعت قادیان کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس وقت حبیب ٹالہ اسٹیشن پر ہزاروں مسلمانوں کا ہجوم تھا۔ جس نے حضرت شاہ صاحب کو محبت اور عقیدت کے پر ہوش نعروں کے ساتھ قادیان روانہ کیا۔ پولیس بھی ریل کے اسی ڈبے میں شاہ جی کے ساتھ آ بیٹھی۔ جیسے ہی گاڑی جینتی پور ریلوے اسٹیشن پر پہنچی۔ پولیس انسپکٹر نے آگے بڑھ کر شاہ جی سے استدعا کی کہ اس سے آگے دفعہ ۱۳۳ کی خلاف ورزی ہوگی۔ لہذا آپ یہیں اتر جائیں، لیکن شاہ جی نے پولیس کے اس حکم کو ماننے سے انکار کر دیا اور سفر جاری رکھا۔ آخر پولیس نے انہیں گرفتار کر لیا۔

یوم حجاز | ۱۲۔ دسمبر کو ہندوستان بھر میں مجلس احرار کے صدر مولانا حبیب الرحمن نے احرار کارکنوں اور دیگر مسلمانوں کو حکم دیا کہ ۲۰۔ دسمبر کو یوم حجاز منائیں اور ان ٹھیکوں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کریں جو حکومت سعودیہ نے خیر لمکی کمپنیوں کو حجاز میں کان کنی کے لیے دیے ہیں۔

کرفیو اٹھالیا گیا | ۱۸۔ دسمبر کے اخبارات میں اعلان کر دیا گیا کہ اب لاہور کی فساد پرست کرفیو اٹھالیا گیا ہے۔ لہذا آج رات بارہ بجے کے بعد کرفیو ختم سمجھا جائے۔

خاکسار لیڈر کا اعلان | ۱۲۔ دسمبر ۱۹۳۵ء کو تحریک شہید گنج کے سلسلے میں گورز پنجاب نے ایسی تمام جماعتوں کو انتباہ کیا جو فوجی قسم کی دروی یا پریڈ وغیرہ کرتی تھیں۔ اس پر خاکسار تحریک کے لیڈر علامہ عنایت اللہ المشرقی نے گورز پنجاب کو حسب ذیل مراسلہ تحریر کیا۔

” ۱۲۔ دسمبر کو لاہور پہنچ کر میں نے ہذا کیسی لنسی کے اس اعلان کو بخور پڑھا ہے جو آپ نے لاہور کی فرقہ وارانہ کشیدگی کے متعلق ۱۰۔ دسمبر کو کیا۔ اور جس میں ان انجمنوں کی طرف بھی اشارہ تھا، جو سپاہیانہ طور پر تحریک ہیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ آپ کا انتباہ خاکسار جماعت کے متعلق نہیں، جس کا روزِ اول سے مقصد وحید حکومت سے الجھاؤ نہیں اور جس کے پیش نظر ہندوستان کی تمام قوموں میں اتحاد اور اتفاق پیدا کرنا ہے۔

خاکسار تحریک امن اور احترام قانون قائم رکھنے کے لیے حکومت کو ہر حیثیت میں امداد دینے کو تیار ہے۔ جیسے کہ کئی بار اعلان کیا جا چکا ہے۔ اس وقت لاہور کے افسوسناک حالات کو پیش نظر رکھ کر میں نے خاکساروں کو ایسی سرگرمیوں میں حصہ لینے سے منع کر دیا ہے، جس کا غلط مفہوم لیا جاسکتا ہو۔ میں امید کرتا ہوں کہ میرے ان احکام کے بعد ہذا کیسی لنسی کو خاکسار تحریک کے متعلق کامل اطمینان ہو جائے گا۔

(روزنامہ ”القلاب“۔ ۲۱۔ دسمبر ۱۹۳۵ء)

احرار کانگریس کی گولڈن جوبلی میں شامل نہ ہوں | ۲۲۔ دسمبر۔ مولانا حبیب الرحمن صدر مجلس احرار ہند نے تمام

احرار کارکنوں کو ہدایت کی کہ وہ کانگریس کی گولڈن جوبلی میں شریک نہ ہوں۔ صدر مرکزیہ کے علاوہ اس اپیل پر ان رہنماؤں کے بھی دستخط تھے۔

مولانا منظر علی اظہر۔ چودھری افضل حق، سید محمد داؤد غزنوی، شیخ حسام الدین، ماسٹر تاج الدین انصاری اور صاحبزادہ فیض الحسن۔

باوجودیکہ تحریک مسجد شہید گنج میں احرار کی مخالفت انتہا کو پہنچ چکی تھی، تاہم رجعت پسند گروہ کو احرار سے ابھی خطرہ تھا کہ یہ لوگ آئندہ انتخاب میں جس انداز سے سامنے آئے ہیں اور پنجاب میں جس جماعت سے ان کا ٹکراؤ ہوگا، وہ صرف مجلس احرار ہے۔ چنانچہ ان دنوں مخالفین احرار آل انڈیا احرار پولیٹیکل کانفرنس کی اس قرارداد کو اچھال رہے تھے، جس میں کہا گیا تھا کہ رجعت پسندوں کا مقابلہ کرنا چاہیے۔ نیز حجاز کی قرارداد پر بھی بحث جاری تھی۔ انہی دنوں لاہور کے انگریزی روزنامہ "سول اینڈ ملٹری گزٹ" نے مجلس احرار کی سیاست پر ایک ادارہ لکھا ہے ۲۷۔ دسمبر کے روزنامہ "انقلاب" نے نقل کیا۔

اقبال کا استعفیٰ | کفر پر سے جو نہی طمع کی چادر اتری حقیقت واضح ہو گئی کہ اسلام کے روپ میں قادیانی طبقہ اسلام نہیں بلکہ ایک باطل گروہ ہے۔ اس آرائش کو کچلنے کے لیے جو ہاتھ اٹھا اور جو قدم آگے بڑھے وراثتِ باطل نے وہ ہاتھ اور قدم نہ صرف روک دیے بلکہ انہیں طوقِ سلاسل میں جکڑ دیا۔ بالآخر وہ وقت آن پہنچا کہ شڈاس کو عریاں کر دیا گیا۔ اور اس پر بھری ہوئی کافذ کی پھول پتیاں بیکار کر دی گئیں جو نہی یہ تعقیق پھیلا۔ سید روحوں کے دم گھٹنے لگے۔

مرزا نیوں کے اخبار "الفضل" نے اپنی ۱۱ جولائی ۱۹۲۵ء کی اشاعت میں جب اس وقت

کا اعلان کیا:

”وہ قادیان ہے، نبی کی بستی، یہ تختِ گاہِ رسولِ حق ہے۔ خدائے قادر کا یہ وعدہ ہے۔ یہ بلا دارالامان رہے گا۔ ہزاروں عذاب آئیں دنیا میں۔ لاکھ شہر برباد ہوں مگر یہ شہر احمد نبی یقیناً بحفظ دارالامان رہے گا۔“

قادیان مکہ ہے۔ فرق اس کی اینٹوں میں ہے۔“

کفر کے اس واضح چیلنج پر دانشور قتل و خرد کے ناخن لے کر سوچنے لگ پڑے کہ پتیل سونا کیسے ہو سکتا ہے۔ مسکرا کر گر کیسے بن بیٹھا۔ گندگی کا پھیل چنبیلی اور گلاب کی ہمبستی کیوں کرتے لگا۔ اس سوچ میں ڈاکٹر اقبال نے کہا۔

پنجاب کے اربابِ نبوت کی شریعت۔ کتنی ہے یہ مومن پارینہ ہے کافر (ضربِ کلیم مصنفہ ڈاکٹر اقبال)

ضربِ کلیم سے نکل کر اقبال حبیب پیغمبرِ اسلام کے ارشاد پر پہنچے۔
 ”انا خاتم النبیین، لانی بعدی“

تو بے اختیار کھڑے ہوئے:

”میری رائے میں قادیانیوں کے سامنے صرف دو راہیں ہیں یا وہ ”بہائیوں“ کی تقلید کریں یا پھر وہ ختم نبوت کی تاویلوں کو چھوڑ کر اس اصول کو اس کے پورے مفہوم کے ساتھ قبول کر لیں۔ ان کی جدید تاویلیں محض اس غرض سے ہیں کہ ان کا شمار حلقہٴ اسلام میں ہو۔ تاکہ انہیں سیاسی فوائد پہنچ سکیں۔“

(”اقبال اور سیاست ملی“ مصنفہ رئیس الاحقری ص ۲۲۲)

علامہ اقبال مرحوم نے مرزائیت کو سمجھنے میں گو بڑی دیر کی۔ تاہم دیر آید درست آید وہ ۱۹۳۵ء میں اس راہ پر آنکھ کے کہ مرزائیت ایک خوفناک اثر ہے جو اسلام کی کل پوش وادوں میں زیرِ پھیلا رہا ہے۔ اس زیر کا تریاق اسی میں ہے کہ اس گروہ کو مسلمانوں سے الگ کر دیا جائے تاکہ کفر کے فریب میں گنجائش نہ رہے۔ چنانچہ معروف انگریزی اخبار ”اسٹیش مین“ کے ۱۰ جون ۱۹۳۵ء کے ایک مضمون کے جواب میں اقبال نے ایک طویل مضمون لکھا جس میں نپڈت جو اہر لال نہرو سے اقبال کی قلمی رطائی دیر تک جاری رہی۔

۲۲ نومبر ۱۹۳۵ء کو ڈاکٹر سر محمد اقبال انجمن حمایت اسلام دلاہور کی صدارت سے سبھی مستحق ہو گئے۔ کیونکہ اس ادارہ میں مرزائیوں کو بحیثیت مسلمان بلند مقام حاصل تھا۔ جو اقبال کی نظر میں مسلمان نہیں تھے۔ لیکن انجمن نے انہیں پناہ دے رکھی تھی۔ استعفیٰ کے الفاظ حسبِ ذیل ہیں۔

”ڈیر شیخ عظیم اللہ!

اسلام علیکم۔ میں نے آپ سے اور شیخ کلاب دین سے زبانی گفتگو میں عرض کیا تھا کہ جو تحریر انجمن کی طرف سے میرے استعفیٰ کے متعلق اخباروں میں شائع ہوئی ہے اس کا شائع ہونا ٹھیک نہ تھا۔ اگر میں اس کی تردید کرتا تو شاید اس کے نتائج انجمن کے حق میں اچھے نہ ہوتے اس لیے میں خاموش ہی رہا۔

آپ نے میری رائے سے اتفاق کیا تھا۔ آپ کو معلوم ہے کہ میں نے
 علالت کی بنا پر استعفیٰ دیا تھا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اور بھی وجوہات تھے جن
 کو میں نے محض اس وجہ سے نظر انداز کر دیا تھا کہ ان کی اشاعت سے انجمن کو
 نقصان پہنچنے کا احتمال تھا۔ اس واسطے اس خط میں بھی ان کو بیان کرنے سے
 احتراز کرتا ہوں۔ اور میں صرف اسی پر اکتفا کرتا ہوں کہ انجمن کے موجودہ حالات
 میں میں صدارت کا بارگراں نہیں اٹھا سکتا۔ آپ مہربانی کر کے جنرل کونسل سے
 میری طرف سے استدعا کریں کہ میرا استعفیٰ قبول کر کے مجھے ممنون فرمادیں۔
 میں نہیں چاہتا کہ میری صدارت میں انجمن عام مسلمانوں میں اپنا وقار کھو دے
 اور میں اس بے اعتمادی کا کوئی علاج نہ کر سکوں۔ والسلام
 (دستخط) محمد اقبال ۱۲/۳/۱۲

علامہ اقبال کے اس خط اور استعفیٰ پر انجمن ہذا میں کافی دیر بحث رہی۔ بالآخر ۱۵ دسمبر ۱۹۲۱ء
 کو علامہ اقبال کا استعفیٰ منظور کر لیا گیا۔

دوسری اور تیسری گرفتاری ۶ دسمبر کو مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی گرفتاری کے
 بعد مجلس احوار نے تحریک سول نافرمانی کا آغاز کر دیا لیکن
 اسے صرف جمعہ کی نماز تک محدود رکھا۔ چونکہ قادیان میں نماز جمعہ پر پابندی تھی۔ لہذا احوار
 کے نزدیک یہ مداخلت فی الدین تھی۔ لہذا اس پابندی کو ختم کرنا احوار کے مذہبی مقاصد میں
 تھا۔ دوسرے جمعہ یعنی ۱۲ دسمبر کو قادیان میں نماز جمعہ کے لیے مولانا ابوالوفا شاہ جہان پوری کو
 منتخب کیا گیا۔ چنانچہ حسب فیصلہ مولانا ابوالوفا شاہ جہان پوری امرتسر سے قادیان جانے کے
 لیے بذریعہ ریل روانہ ہوئے۔ مقامی حاجت نے راقم کو مولانا کے ساتھ چلنا تک بھیجا۔

گذشتہ جمعہ شاہ جی کی گرفتاری کے بعد علالت نے انہیں تین ماہ قید سخت اور کچاس
 روپے جواز کی سزا دی تھی۔ راقم اس وقت بھی شاہ جی کے ساتھ تھا اور پولیس کی آنکھ بچا کر
 قادیان پہنچ کر نماز جمعہ پڑھادی۔ پولیس کو اس بات کا بڑا غصہ تھا۔ چنانچہ جیسے راقم مولانا ابوالوفا
 شاہ جہان پوری کے ساتھ چلنا ارٹیشن پر پہنچا۔ مولانا کے ساتھ دوسرا نوٹس راقم کو بھی دے دیا

گیا کہ جانتا ہذا قادیان نہیں جاسکتے۔ لیکن راقم نے اس حکم کو غیر شرعی سمجھ کر جماعتی فیصلے کے مطابق ماننے سے انکار کر دیا اور نوٹس کو پولیس کے رو برو بھاڑ دیا۔ اس پر مولانا ابوالوفا شاہ بھانپوری اور مجھے گرفتار کر لیا گیا۔ ساتھ ہی عدالت کے سامنے پیش کر دیا، جس نے تین ماہ قید اور پچاس روپے جرمانہ۔ عدم ادائیگی برائے کی صورت میں ایک ایک ماہ مزید قید کا حکم سنایا۔ ساتھ ہی راقم کو بی کلاس میں رکھنے کا حکم دیا گیا۔ سزا کے بعد ہمیں گورداسپور ڈسٹرکٹ جیل بھیج دیا گیا۔ وہاں شاہ جی کے ساتھ ملاقات ہو گئی۔

نماز جمعہ پر پابندی کے سلسلہ میں یہ میسری گرفتاری تھی۔

صاحبزادہ فیض الحسن کا تقریر برائے سالانہ پنجاب | مجلس احرار ان دنوں دو طرفہ لڑائی
طرہی تھی۔ ایک طرف تحریک

شہید گنج میں پنجاب کے رجعت پسندوں سے اور دوسری طرف قادیانیوں سے مدد بھیڑ ہو چکی تھی۔ اگرچہ اس لڑائی میں حکومت پنجاب براہ راست دخل تھی۔ تاہم لڑائی کا رخ مرزائیوں کی



طرف تھا۔ ایسے میں مجلس احرار نے اپنی عسکری تنظیم کو نئے انداز سے ترتیب دینا شروع کیا اور اس کے لیے خانقاہ آہو مار دھلیج سیالکوٹ کے سجاد نشین سید فیض الحسن شاہ صاحب کو سالانہ پنجاب منتخب کیا۔ جبکہ مرکز کے سالانہ شیخ حامد الدین تھے۔

صاحبزادہ فیض الحسن
۱۹۲۲ء میں مجلس احرار میں
داخل ہوئے تھے۔ ان

صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ

کی قابلیت اسوج اور فکر کے مطابق انہیں اوارورکنگ کمیٹی میں لے لیا گیا تھا۔ اور ان کے مفید مشورے جماعت کے لیے معاون ثابت ہوئے۔

صاحبزادہ فیض الحسن مارچ ۱۹۱۱ء میں سید غلام حسین شاہ صاحب سجادہ نشین آلومہار کے ہاں پیدا ہوئے۔ بی۔ اے تک تعلیم سیالکوٹ مرے کالج میں حاصل کی۔ ۱۹۲۳ء میں فارغ ہوئے۔ تعلیم کے دوران تحریک کشمیر زدوں پر تھی اور اس کا مرکز سیالکوٹ تھا۔ صاحبزادہ فیض الحسن ان دنوں اکثر احوار رہنماؤں سے ملتے رہے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد انہوں نے باقاعدہ احوار میں شمولیت کا اعلان کر دیا۔

صاحبزادہ صاحب کردار اور گفتار کے فاری تھے۔ وہ جب تک احوار سے وابستہ رہے برطانوی سامراج ان کے خلاف کئی بہانے تلاش کرتا رہا۔ لیکن ان کی جرات ایمانی نے دشمن کو ہر موڑ پر شکست دی۔ اس دوران ان کی منزل کے راستے میں علاوہ دیگر مصائب کے جیل خانہ بھی آیا۔ لیکن قفس کی تیلیاں منزل کو اوجھل نہ کر سکیں۔

پنجاب کے روایتی پیروں سے الگ تھنک انہوں نے اپنے لیے انفرادی مقام حاصل کیا۔ حالانکہ مشاطہ فطرت نے ان کے بناؤ سنگھار میں کہیں بجلی سے کام نہیں لیا۔ مضبوط جسم، سرور قد، کھلے گندمی رنگ کے پھرے پر چشم آہو نے ایسی بہار باندھ رکھی تھی کہ الامان الحفیظ۔

اکھاں یار دیاں توبہ معاذ اللہ

جنویں بھریاں پھرن دیوانیاں نی

اس پر کردار کا یہ عالم کہ جس راہ سے گزر جاتے آہٹ تک نہ ہوتی تھی! انہی اوصاف کی بناء پر جماعت نے انہیں عسکری ذمہ داریاں سونپ دیں۔ جسے انہوں نے خوب نبھایا۔ مگر بیان دنوں کی بات ہے جب آتش جوان تھا۔ گوا آج بھی کھنڈرتا رہے ہیں کہ عمارت عظیم تھی۔ بہر طور جب تک مجلس احوار میں رہے انہیں خوب رہے۔

پچوٹی گرفتاری | مجلس احوار کی یہ انفرادی اور محدود سول تا فرمانی کی تحریک اجتماعی یا ہنگامی تحریک نہیں تھی۔ اس کی نوعیت انگریز کسٹس قانون کی

خلاف ورزی تھی، جو شرعی فرائض کے راستے میں دیوار بن گیا تھا۔ در نہ قادیانی گروہ کی کج حیثیت تھی

جیسے جیسے مجمع کا دن قریب آتا لوگ اپنی جگہ تیار ہو کر امرتسر ریوے اسٹیشن اور ٹالہ ریوے اسٹیشن پر ہجوم در ہجوم جمع ہو جاتے۔ اس طرح تحریک آہستہ آہستہ آگے بڑھتی رہی۔ ۲۰ دسمبر کو لاہور کے ایک کارکن محمد حسین سیفی کا نام سامنے آیا کہ وہ لاہور سے امرتسر پھر پود گرام کے تحت قادیان پہنچ کر نماز جمعہ پڑھائیں۔ لیکن انہیں ٹالہ سے آگے جیننی پور ریوے اسٹیشن پر گرفتار کر لیا گیا۔

تحریک ہذا کے قیدی، گورنمنٹ اسپورٹس ٹرکٹ جیل میں رکھے جاتے۔ لیکن حضرت امیر ترحیت کو یہاں سے تبدیل کر کے لاہور سنٹرل جیل پہنچا دیا گیا۔

احرار کی انوکھی جہارت | حریف کومات دینے کے لیے سیاسیات کی سوچ میں بعض ایسی راہیں آتی ہیں۔ جس سے دشمن تو بہر حال شیشا تاج

لیکن ضمیر غیر مطمئن رہتا ہے۔ ویسے بھی عشق اور جنگ کے میدان میں تخریب کی ہر تدبیر کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ حریف اور رقیب کو جن اطوار سے بھی شکست دی جائے برا نہیں۔ پھر قادیان تو ایسی بستی تھی جہاں کے چھوٹے فقار نے وہاں کی مظلوم آبادی کو ہراساں کیے ہوئے تھے۔ مذہب اور سیاست ان کی جیبی گھڑی تھی۔ برسرِ اقتدار مرزا کی خاندان کا کوئی فرد اگر بازار سے گزرتا تو اس کی پذیرائی میں سارا بازار سر و قامت کھڑا ہو جاتا۔ مرزا غلام احمد کا خاندان نہیں بلکہ جارج پنجم کی اولاد ہے۔ جس کی سواری قادیان کے کوچہ و بازار سے گزرے تو آبادی کے ہر فرد پر لازم تھا کہ اس کے احترام میں اپنی جگہ کھڑا ہو جائے۔ خواہ وہ غیر قادیانی ہی کیوں نہ ہو۔ اس ڈرامے کے اکیڑوں کا یہ مصنوعی لباس اتار کر انہیں ہر عام ننکا کرنا بھی احرار کے نزدیک اسلام اور انسانیت کی بڑی خدمت تھی۔

ان دنوں ماسٹر تاج الدین انصاری قادیان میں دفترِ حرار کے انچارج تھے۔ ملمع سارنی کی اس دکان کو اجاڑنے اور پتیل کو سونے کے بھاؤ بیچنے والے ان سلی بازوں کو بے نقاب کرنے کے لیے، ماسٹر جی نے ایک منصوبہ بنایا۔ جس کے تحت قادیان کے ایک نوجوان محمد حنیف کو جو بھیک منگوں کا لڑکا تھا، تیار کیا۔ اس کے ذمہ یہ لگایا کہ وہ مرزا بشیر الدین محمود خلیفہ قادیان کے بھائی شریف احمد کو جب وہ بازار میں لکھے تو ہر عام پیٹ ڈالے۔ اور

موقعہ واردات سے فرار ہو جائے۔ باقی دیکھا جائے گا۔ چنانچہ اس سکیم پر عمل پیرا ہوتے ہوئے محمد حنیف نے وقت کا جائزہ لیا کہ مذکورہ آدمی کب بازار میں نکلتا ہے۔ جب اسے گرد و پیش کا اندازہ ہو گیا تو ایک دن حنیف ہاکی سے مسلح مرزائیوں کی مسجد اقصیٰ کے قریب کھڑا ہو گیا۔ اتنے میں شریف احمد سیاہ چکن پہنے سنہری کلاہ پر سفید پگڑی باندھے، سفید شلوار، پٹینٹ کی سیاہ گرگابی اور ہاتھ میں چھڑی لے کر قادیان کے مین بازار میں تفریح کے لیے نکلا۔ ابھی وہ اپنی شاہی رفتار سنبھال ہی رہا تھا کہ ڈیوٹی پر کھڑے محمد حنیف نے ہاکی شریف احمد کی دونوں ٹانگوں کے درمیان اڑا کر اسے ایسی شکنجی دی کہ وہ منہ کے بل گرا۔ اور پھر اوپر سے تین چار ہاکیاں اس کے چوتھوں پر رسید کر دیں اور بھاگ نکلا۔ یہ سارا کچھ اس قدر عاجلانہ طور پر ہوا کہ بازار کے لوگ اس انہونی کارروائی پر ایک دوسرے کا منہ تکتے رہ گئے۔ آن کی آن میں یہ خبر قصر خلافت سے ہو کر قادیان میں پھیل گئی کہ احوار والوں نے شہنشاہ کی توہین کر دی۔ گویا شریف احمد کے چوتڑے شہنشاہ تھے۔ (اللہ کی نشانی) نعوذ باللہ۔ سارے شہر میں کلام مچ گیا۔ مرزائیوں کے گھر میں صاف ماتم سمجھ گئی۔ قریباً ایک صدی کا دام فریب جس کی طنابیں ابلیس نے تمام رکھی تھیں۔ تار تار ہو کر کھیر گیا۔ عزت و احترام کا کاغذی پھول پاؤں تلے مسل دیا گیا۔ جھوٹی نبوت کے قصر خلافت کو ایک فقیر نے ایسا پتھر مارا کہ لات و بیل کی بنیادیں بل گئیں۔

اب ملزم کی تلاش شروع ہوئی۔ پولیس نے دفتر احرار کو اپنی تفتیش کا مرکز بنا کر اس طرح تاج الدین کی نگاہوں میں نگاہیں ڈال کر ملزم کو ڈھونڈنا چاہا۔ مگر یہ تو بجز قلمزم تھا۔ یہاں ان چھوٹی موٹی چیزوں کا اتنے پتہ کہاں مل سکتا تھا۔ قادیان سے باہر جانے والے تمام راستے مسدود کر دیے گئے لیکن ہوائیں بھی ملزم کی بوسہ نہ گھسنے میں ناکام رہیں۔ مرزائیوں کی اپنی سی۔ آئی۔ ڈی اور ضلعی انتظامیہ مسلسل تلاش کے بعد جب ایوس ہو چکیں تو رات کے پچھلے پہر محمد حنیف کو قادیان سے نکال کر صبح ہونے تک پٹھانکوٹ پہنچا دیا گیا اور عدالت سے اس کی ضمانت کرائی گئی۔

اب محمد حنیف قانون کے حصار میں تھا۔ مرزائی اسے کچھ کہہ بھی نہیں سکتے تھے۔ مگر دل ہی دل میں زہر کے گھونٹ پی رہے تھے۔ قادیان پہنچ کر حنیف کو کچھ رقم دے دی گئی جس سے وہ منڈی سے آموں کا ٹوکرا خرید لانا اور مرزائی محلوں میں فروخت کرتا۔ مرزائی عورتیں آم

خویدنے کے بہانے حنیف کو دیکھتیں اور اس طرح آدھ گھنٹے کے اندر وہ آموں کا ٹوکرا فروخت کر کے دوسرے آتا تمام دن یہی شغل رہتا حنیف دن بھر بھیک مانگ کر مشکل سے پیٹ پالتا تھا۔ مگر اب وہ اچھا خاصا خانچہ فروش بن گیا اور مزے سے روزی کمانے لگا۔ کچھ دنوں تو یہ سلسلہ رہا۔ آخر جمعہ کے روز بشیر الدین محمود نے اپنی تقریر میں کہا:

”مرزائیو! تمہیں شرم نہیں آتی کہ تم لوگ اس آدمی سے سودا خریدتے ہو۔“

جس نے کل سہر عام شاعر اللہ کی توہین کی تھی۔“

اس پر مرزائی عورتیں حنیف سے آم تو نہ خریدیں مگر چپکے سے دروازے کی درازوں سے حنیف کو دیکھ ضرور لیتیں۔ آخر دو ماہ مقدمہ چلنے کے بعد محمد حنیف کو چھ ماہ قید کی سزا ہو گئی۔ اس دوران مقامی جماعت اس کے اہل خانہ کی مالی امداد کرتی رہی۔

تحریک جمعہ کے دوران راقم جب ۱۹۴۲ء کی خلاف ورزی کے جرم میں سزا پارک گورداسپور جیل پہنچا تو یہاں محمد حنیف سے ملاقات ہو گئی۔ تب اس سے دریافت کیا کہ تم شریف احمد پر حملہ کرنے کے بعد کہاں جا چھپے تھے۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا: ”قادیانیوں کی مسجد اقصیٰ کے بار بار لے مکان میں تھا۔ یہ ایک معروف مرزائی کا مکان تھا۔ دو دن اور تین راتیں اسی جگہ رہا۔ ان دنوں مجھے کھانا بھی اچھا ملا اور آرام بھی۔ پولیس اور خود مرزائیوں کو اس پر شبہ تک نہ ہو سکا۔ میری رات کے آخری حصے میں مولوی رحمت اللہ (مہاجر) اور ان کا ایک بھراہی مجھے قادیاں سے پیدل بٹالہ لے کر پہنچے۔ یہاں ہم حاجی عبدالرحمن رئیس بٹالہ کے گھر رہے۔ شام ہونے سے ذرا پہلے یہاں سے چار نوجوان مجھے لاری کے ذریعے پٹھانکوٹ لے گئے اور ایک وکیل نے میری ضمانت کرادی۔“

دوسری جسارت | دام تبلیس میں آنے سے پیشتر مرزا غلام احمد اور اس کا دست راست حکیم نور الدین بھروی عقیدہ تاخیر مقلد تھے۔ اسلام سے ہٹ کر اپنے باطل مذہب (مرزائیت) کی نیواٹھانے کے بعد تک موصوف اسی عقیدے پر جمے رہے۔ یہی وجہ تھی کہ قادیاں میں کوئی تہوار، یہاں تک کہ عید میلاد النبی بھی منانا جرم تھا۔ اشنا عسری

۱۔ ۲۔ ۳۔ ۴۔ ۵۔ ۶۔ ۷۔ ۸۔ ۹۔ ۱۰۔ ۱۱۔ ۱۲۔ ۱۳۔ ۱۴۔ ۱۵۔ ۱۶۔ ۱۷۔ ۱۸۔ ۱۹۔ ۲۰۔ ۲۱۔ ۲۲۔ ۲۳۔ ۲۴۔ ۲۵۔ ۲۶۔ ۲۷۔ ۲۸۔ ۲۹۔ ۳۰۔ ۳۱۔ ۳۲۔ ۳۳۔ ۳۴۔ ۳۵۔ ۳۶۔ ۳۷۔ ۳۸۔ ۳۹۔ ۴۰۔ ۴۱۔ ۴۲۔ ۴۳۔ ۴۴۔ ۴۵۔ ۴۶۔ ۴۷۔ ۴۸۔ ۴۹۔ ۵۰۔ ۵۱۔ ۵۲۔ ۵۳۔ ۵۴۔ ۵۵۔ ۵۶۔ ۵۷۔ ۵۸۔ ۵۹۔ ۶۰۔ ۶۱۔ ۶۲۔ ۶۳۔ ۶۴۔ ۶۵۔ ۶۶۔ ۶۷۔ ۶۸۔ ۶۹۔ ۷۰۔ ۷۱۔ ۷۲۔ ۷۳۔ ۷۴۔ ۷۵۔ ۷۶۔ ۷۷۔ ۷۸۔ ۷۹۔ ۸۰۔ ۸۱۔ ۸۲۔ ۸۳۔ ۸۴۔ ۸۵۔ ۸۶۔ ۸۷۔ ۸۸۔ ۸۹۔ ۹۰۔ ۹۱۔ ۹۲۔ ۹۳۔ ۹۴۔ ۹۵۔ ۹۶۔ ۹۷۔ ۹۸۔ ۹۹۔ ۱۰۰۔

فرقہ کے لوگ سال ہا سال کی جدوجہد کے باوجود یہاں تخریب نہ کرنے میں ناکام رہے۔
گو مجلس احرار میں انگریز اور مرزائی دشمنی کے باعث ہمہ عقائد لوگ جمع تھے۔ مگر اکثریت
اہل سنت کی رہی، جن کے نزدیک حرۃ داری جائز نہیں۔ لیکن عشاق جب صحراوردی کے لیے
نکلے ہیں تو انہیں پھول اور کانٹوں دونوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ مگر مراد آبادی نے اسے یوں
کہا ہے۔

گلشن پرست ہوں مجھے گل ہی نہیں عزیز
کانٹوں سے بھی نباہ کیے جا رہا ہوں میں
پنجاب کے معروف صوفی شاعر سید بلھے شاہؒ نے اسی مفہوم کو اپنے انداز میں کہا ہے۔
سانوں نیچ نیچ یارنوں منادوتا پے گیا
بہر طور عشق اور محبت میں گاہ ہے ایسی راہیں آتی ہیں کہ قدم اٹھتے نہیں اٹھائے جلتے
ہیں۔ جیسے کہ غالب کہتے ہیں۔

اس نقش پا کے سجدے نے کیا کیا ذلیل
ہم کو چہر قیب میں بھی سر کے بل گئے
حقیقہ ختم نبوتؐ کی حفاظت میں قادیانی حصار کو توڑنا اسلام کا بنیادی حصہ تھا۔ کفر کا
یہ قلعہ برطانوی پناہ میں تھا۔ اس میں درار ڈانا، جو تھے شیر لانے کے مترادف تھا۔ احرار نے
ہر رخ سے اس پر طغیاری اور جملہ مناسب سمجھا، تاکہ یہ بت ٹوٹ جائے اور اس کی پریشانی
سے لوگوں کے ایمانوں کی حفاظت ہو سکے۔

سال رواں کے دم توڑتے دنوں کی بات ہے کہ ماسٹر تاج الدین انصاری کی تجویز
پر دنیا نگر، دضلع گورداسپور سے شیعہ رہنما مظفر علی شمسی کو قادیان بلوایا گیا تاکہ محرم کے
دنوں قادیان میں گھوڑا زکالنے کا اجتماع کیا جاسکے۔ چنانچہ اندر خانہ اس کی تیاریاں شروع
کردی گئیں۔ اس کے لیے آسمان کے کون کون سے تارے توڑنے پڑے۔ سمند کی
کن گہرائیوں سے موتی نکالنے پڑے اور پہاڑوں کا سینہ چیر کر کیونکر راستہ ہموار کیا گیا۔ یہ
راز مرستہ ہے لیکن دسویں محرم کو قادیان کی تاریخ میں پہلا دن تھا، جب اس کے بازار

سے گھوڑے کا جلوس گذر رہا تھا۔ اس کی رہنمائی مظفر علی شمسی کر رہے تھے۔

اتم گساہوں کے گرد پولیس کے ہمراہ احرار سرخپوش بھی جلوس کے ساتھ تھے۔ شہر کے ہندوؤں اور سکھوں نے اپنے محلوں میں پانی کی بیلین لگائیں۔ قادیان کے مسلمانوں نے اہل جلوس کی تواضع مٹھائی اور ٹھنڈے پانی سے کی۔ دن بھر شہر میں گھوم پھر کر گھوڑے کا جلوس نماز مغرب کے قریب نہایت امن اور سکون سے ختم ہوا۔

قصر خلافت کے کنگرے اور قادیانیوں کے دل اس واقعہ کو کس طرح برداشت کر سکے یہ بحث کا دوسرا رخ ہے۔ لیکن شریف احمد پر حملہ اور قادیان میں گھوڑے کے جلوس نے نبوہ باطلہ کے تمام وقار کو مٹی میں ملا دیا۔ اور قادیان کی رہی سہی ساکھ تحریک جمعہ پر پابندی نے اڑادی۔

پانچویں گرفتاری | حسب دستور نماز جمعہ پر پابندی کے سلسلے میں ۲۰ دسمبر کو نو مسلم مولوی بشیر احمد (یہ مرزائیت سے نائب ہو کر مشرف باسلام ہوا تھا) اور ضلع مظفر گڑھ کا باشندہ تھانے جلالہ سے قادیان جا کر نماز جمعہ پڑھانے کے لیے روانہ ہوتا تھا۔ مگر اسے جلالہ ٹیلیشن پر ہی گرفتار کر لیا گیا اور تین ماہ قید سخت بمعہ جرمانہ کی مسز سنا کی گئی۔

کفر اور اسلام کے بائین یہ بات چائی جا رہی تھی کہ ۱۹۲۵ء کا سال اپنی پیشانی پر نشیب و فراز کے سینکڑوں بل لیے ہوا بکرا کابل میں ڈوب گیا۔



جوب مشرقی ایشیا سے اُبھرنے والا سال نو کا آفتاب لو میں نہایا ہوا ہے۔ آسمان دھرتی تک سر جھکانے خونِ آدمیت میں ماتم کناں ہے۔ خونِ آلود فضاؤں میں ریت کا ہر گولہ سرخ آنکھی اڑائے چلا آ رہا ہے۔ تہذیبِ گندہ سے گھبرایا ہوا انسان اپنے حقوق کے حصول میں راستے کی ہر دیوار توڑتا، پہاڑوں سے روتا، سمندرِ فل کو چیرتا اور آسمانوں میں شکاف ڈالتا ہوا اپنی آزادی کی طرف دوڑتا چلا جا رہا ہے۔

چین دیوتاؤں کی سرزمین، توہمات کے گرد و غبار میں لپٹے انسانوں کا جہوم، حقیقت سے دور انسانوں کی مہجول بھلیوں میں اُلجھے ہوئے لوگ اپنے آپ سے نا آشنا، وقت اور زمانے کی ضرورت سے کوسوں دور انسانیت کی منزل سے بیگانہ۔ جب ذرا بیدار ہوئے تو غلامی کی زنجیریں ان پر ٹسکا رہی تھیں۔

مذہمت کے پجاریوں نے اپنے عقیدے میں ایسی اینوں گھولی کہ بر چینی اپنے حکمران ٹولے کی خرمستیوں سے غافل اپنی ترنگ میں ایسا مست ہوا کہ غلامی کی زنجیروں نے ان کا مذاق ہی نہیں اڑایا، بلکہ یورپ اور ایشیا بھی ان پر ہنسنے لگے۔ وہ کائنات کے لیے ایک کھلونا بن گئے تھے کہ ۱۹۱۱ء میں ہمارے چوٹیوں نے انہیں بھنجوڑا۔ تبت کی تیرائیوں سے انقلاب کی آگ سلگنے لگی۔

گراں خواب چینی سنبھلنے لگے

ہمارے چہنے اُبلنے لگے

(اقبال)

پودھری افضل حق کی معروف کتاب آزادی ہند اس موضوع پر انہی دنوں کی تصنیف ہے۔

جس کا پس منظر چین کی موجودہ بیداری سے ہے۔

لیکن یہ انقلاب چینی عوام کو اس نہ آیا۔ کہ ڈاکٹر سن یات سین چینی عوام کو یورپین سیاستدانوں کے دامن سے وابستہ کر دینا چاہتا تھا۔ ان کی موت کے بعد ان کا ہم زلف چینگائی شیک چینیوں کی قسمت کا مالک بنا، توروس کے دانشور آگے بڑھے۔ انہوں نے اس خام مال کو اپنی جھولی میں ڈال لینا چاہا۔

قومیں جب بیدار ہوتی ہیں، پھر نہ انہیں حکمران کی سا جڑی زینہ کے جھولے میں سلا سکتی ہیں نہ ظلم و جور انہیں اپنے ساروں سے باز رکھ سکتا ہے۔ صدیوں کا سویا ہوا چین اپنے محکوم متعلد کو بیدار دیکھ رہا تھا۔ اسے اپنی حقیقت معلوم ہو چکی تھی۔ وہ اپنی آزادی کے لیے اب وقت کا محتاج نہیں تھا۔ اس کے قدم منزل کی جانب رواں دواں تھے۔

طوفان آتا ہے تو ساحل بھی موجوں سے کھینا چھوڑ دیتا ہے۔ منجھدار میں لہجی ہوئی کشتی کے پتوار ٹوٹ جاتے ہیں۔ ایسے میں ملاح کے حواس اگر درست رہیں، تو کنارے پر پہنچ جانا دشوار نہیں ہوتا۔

۱۸ اکتوبر ۱۹۳۴ء کا دن چینی عوام کی تاریخ میں ہمیشہ سنگ میل رہے گا، جب ایک غریب کسان کے بیٹے نے پل اور پنجابی چھوڑ کر اپنی دھرتی کی کوکھ سے ان جیالے نوجوانوں کو جنم دیا، جنہوں نے مشرقی ایشیا کی تاریخ کو اپنے خون سے لکھا۔ ۱۹۳۶ء کا سورج ابھرا تو کامریڈ ماؤزے تنگ اپنے لانگ مارچ میں فرسودہ چین کی تمام شاہراہوں پر نیا چین تعمیر کر رہا تھا۔

دس ہاں کمیونسٹ انقلاب کے بعد جنوب مشرقی ایشیا سے سرخ آندھی کے بادل سرزمین یورپ کے لیے سازگار نہیں تھے۔ جیسٹہ اداسٹی کی لڑائی برطانوی سیاستدانوں کے لیے سو مان روح تھی۔ ہندوستان کے حالات بھی انگریزوں کے حق میں نہیں تھے۔ ایکٹ ۱۹۳۵ء کا نفاذ جسے برطانیہ نے اپنی بقا کا ذریعہ سمجھا تھا، اس کی موت کا باعث بن رہا تھا۔ ایسے میں جنوب مشرقی ایشیا سے نئی ابھرتی ہوئی تحریک یورپین سامراج کے لیے ایک نیا الجھاؤ پیدا کر رہی تھی۔ بہر حال ۱۹۳۶ء کے چہرے پر سکون کے آثار نہیں تھے۔

نئے چین کا خالق کامریڈ ماؤزے تنگ دچینی زبان کے تلفظ میں اسے ماؤزے ونگ کہا جاتا ہے، ۲۶ دسمبر ۱۸۹۳ء کو چین کے صوبہ ہونان کے ایک گاؤں شاؤشان میں ایک غریب

کسان کے ہاں پیدا ہوا چین میں ان دنوں علم برائے حساب و کتاب تک محدود تھا۔ اپنے گاؤں کے پرائمری سکول سے فارغ ہو کر ماؤ گھریلو زندگی کی کفالت کے ذریعہ تلاش کرنے میں مصروف ہو گیا۔ وہ بغیر اطلاع دیے گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ دوسرے گاؤں کے سکول میں تعلیم مکمل کرنے لگا۔ جہاں اسے حالات کی خبر ہوئی اور اس کے سیاسیات کا مطالعہ شروع کیا۔ ۱۰ اکتوبر ۱۹۱۱ء کو چین کے حکمران مانچو خاندان کے خلاف بغاوت ہو گئی۔ یہ آگ دیکھتے دیکھتے سارے چین میں پھیل گئی۔ ماؤ زے تنگ ان دنوں انقلابی فوج میں بھرتی ہوا۔ ۱۹۱۲ء میں چین کے نظام کمرہ میں بنیادی تبدیلی آئی۔ اس انقلاب کے لیڈر ڈاکٹر سن یات سین تھے۔ اس کی نظریں دیوار چین سے پرے یورپ کی طرف دیکھنے لگیں، جسے ماؤ زے تنگ نے پسند کر لیا اور وہ ملازمت سے الگ ہو کر وقت گزارتا رہا۔ اس دوران سکول میں داخلہ بھی لیا۔ صابن سازی کا کام بھی کیا۔ اس نے طلباء کی تنظیم بھی کی۔ ۱۹۲۱ء میں چینی کمیونسٹ پارٹی وجود میں آئی۔ لیکن بنوڑ یہ تحریک خفیہ تھی اور ایک محدود تھی۔ ۱۹۲۵ء میں ڈاکٹر سن یات سین کا انتقال ہوا۔ ان کی جگہ چنگیا تی شیک نے لی۔ مگر اس کا ذہن لینن ازم کی طرف تھا، جسے ماؤ نے قبول نہ کیا اور میں سے ماؤ نے اپنی انفرادی سرگرمیاں شروع کیں۔ جسے چنگیا تی شیک نے چین میں نئی بغاوت کا پیش خیمہ قرار دے کر ماؤ زے تنگ کا گھیراؤ شروع کیا۔ لیکن ماؤ سمجھتا تھا اپنی مختصر طاقت سمیٹ کر پہاڑوں میں جا چھپا۔ جہاں بیٹھ کر اس نے اپنی انقلابی تحریک کو منظم کیا۔ آخر ۱۸ اکتوبر ۱۹۳۴ء کا دن آیا کہ ماؤ زے تنگ پہاڑوں کے دامن سے مختصر ساتھی لے کر لانگ مارچ (لمبا سفر) کے لیے نکل کھڑا ہوا۔ وہ جس گاؤں پہنچا لوگ اس کے لیے فرش راہ ہوتے۔ وہ جس شہر گیا اپنا مقام پیدا کرتا چلا گیا۔ لوگ اس کی پذیرائی کے لیے گھروں سے نکل آئے۔ ماؤ نے نظام کی بنیاد ڈالتا آگے بڑھتا گیا۔

ماؤ زے تنگ ابھی پہاڑوں کا سینہ چیر کر دریاؤں کے پانی روندھ کر چنگیا تی شیک کی فوج سے زبرد آزمائی سے تھک ہار کر ذرا سی دیر کے لیے سستیاپی تھا کہ شمال مغربی چین سے ۱۹۳۶ء کا سورج ابھرا۔

حکومت کی شکست | قادیان میں نماز جمعہ پر پابندی کے سلسلہ میں ۳۔ جنوری ۱۹۳۶ء کو قاضی اجماع احمد شجاع آبادی قادیان جا رہے تھے کہ بلالہ یلو

اسٹیشن پر انہیں ایک نوٹس کے ذریعے مطلع کیا گیا کہ قادیان میں آپ کے واسطے پر قذف ہے۔ قاضی صاحب نے یہ پابندی قبول کرنے سے انکار کر دیا اور اپنے سفر پر روانہ ہو گئے۔ جیسے ہی وہ متعینہ حدود سے آگے بڑھے پولیس نے انہیں گرفتار کر لیا۔ اسی وقت ڈیوٹی مجسٹریٹ نے انہیں چھ ماہ قید اور ایک ہزار روپیہ جرمانہ کی سزا دی۔

قاضی صاحب کی گرفتاری اس تحریک کی آخری گرفتاری ثابت ہوئی۔ ۵۔ جنوری کو حکومت پنجاب نے قادیان میں نماز جمعہ پر سے پابندی اٹھالی۔

۵۔ دسمبر ۱۹۳۵ء کو حکومت پنجاب نے قادیان میں نماز جمعہ پر پابندی عائد کر دی تھی جسے مجلس اہل حق نے مداخلت فی الدین سمجھ کر قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ ۶۔ دسمبر کو اس کی خلاف ورزی کا فیصلہ کیا اور سب سے پہلے قانون شکنی کے لیے امیر شریعت قادیان گئے۔ یہ سلسلہ تحریک کی صورت میں شروع رہا۔ آخر حکومت کو سپر انداز ہونا پڑا۔

ایکٹ ۱۹۳۵ء کے نفاذ سے پیشتر حکومت ہند پنجاب کو ہر طرح کی سیاسی آلائشوں سے پاک و صاف دیکھنا چاہتی تھی تاکہ برطانیہ کا یہ بازو نئے شمیر زن رحبت پسندوں سے نکل کر آزادی پسند گردہ کے اقتدار میں نہ آجائے۔

یکم جنوری کو حکومت پنجاب نے اعلان کیا کہ لاہور میں تاحکم ثانی دفعہ ۱۲۲ کے تحت کوئی شخص کرپان دتلوار کو بطور ہتھیار استعمال نہیں کر سکے گا۔ اور یہ حکم ۳۱۔ جنوری تک نافذ رہے گا۔ اس پر گوردوارہ پر بند حکم کمیٹی نے اعلان کیا کہ سکھ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے اس حکم کی خلاف ورزی کریں گے۔ چنانچہ ۲۔ جنوری کو سردار بوٹا سنگھ ڈپٹی پریذیڈنٹ پنجاب کونسل کی رہنمائی میں پانچ سکھوں کا ایک جتہ گوردوارہ باولی صاحب (لاہور) سے ننگی کرپان میں لے کر نکلا جسے پولیس نے گرفتار کر لیا۔

اسی روز راولپنڈی میں سکھ اور مسلمانوں کے درمیان ہنگامہ ہوتے ہوتے رہ گیا۔ ۴۔ جنوری کو حکومت ہند نے اعلان کیا۔

» حالات کے پیش نظر کرپان پر پابندی میں ۳۱۔ جنوری کے بعد توسیع نہیں کی جائے گی۔ تاہم اس دوران قانون شکنی کرنے والوں کو نیز اسی طریق سے

گی، جیسے کہ دی جا رہی ہے۔

گو حکومت ہند کا براہ راست اس سے کوئی تعلق نہیں لیکن اس دوران عمل کی وہی شکل ہوگی جو حکومت پنجاب پسند کرے گی۔

۹۔ جنوری کو لاہور میں شہید گنج کانفرنس ہونے والی تھی۔ حکومت نے ایک نوٹس کے ذریعے اس کانفرنس کو روک دیا۔

ان حالات میں حکومت پنجاب نے اوزار سے گلو خلاصی کے لیے قادیان سے ۱۲۴ واپس لے لی۔ لیکن اس تحریک کے قیدیوں کو رہا نہیں کیا گیا۔ بلکہ وہ اپنی میعاد امیری گزار کر آہستہ حکومت کے ۹۔ جنوری کے اعلان کے باوجود ۱۰۔ جنوری کو لاہور کی دیواروں پر متذکرہ کانفرنس کے اشتہار چسپاں پائے گئے۔ کہ آل انڈیا اتحاد ملت شہید گنج کانفرنس مقرراتیوں پر (۱۰-۱۱-۱۲ جنوری) ہوگی۔ اس پر میاں فیروز نالدین احمد اور مولانا سید حبیب نے مندرجہ ذیل بیان دیا۔

”حضرت امیر ملت نے گذشتہ دنوں اعلان کیا تھا کہ تحریک مسجد شہید گنج کانفرنس کو علماء اپنے دل سے نکال دیں۔ لیکن اس کے باوجود پھر کسی غیر ذمہ دار شخص نے اس کانفرنس کے انعقاد کا اعلان کر دیا۔ لہذا ہم پھر اعلان کرتے ہیں کہ ایسی کوئی کانفرنس منعقد نہیں ہو رہی اور نہ ہوگی۔ کیونکہ ہمارا خیال ہے، اس تحریک کے سلسلے میں ابھی خاموشی اختیار کی جائے۔ نیز اس سلسلے میں کسی کو کوئی پختہ وغیرہ بھی نہ دیا جائے۔

۱۱۔ جنوری۔ ہفت روزہ ”الحجیۃ“ دہلی

اس اعلان کے باوجود ۱۰۔ جنوری کو شاہی مسجد لاہور میں ہزاروں کی تعداد میں لوگ پہنچ گئے۔ جب کانفرنس شروع ہونے لگی تو دوسرے گروہ نے اس کی سخت مخالفت کی اور کہا کہ

”ہمیں محض مسلمانوں کو سہل نافرمانی کی دعوت دے کر ہلاکت میں نہیں ڈالنا چاہیے۔

اس سے پہلے کافی نقصان ہو چکا ہے۔“

۱۰۔ جنوری کو لندن سے بمبئی پہنچنے پر سر آغا خاں نے ایسوی ٹیڈ پریس

سر آغا خاں کا بیان | کو اپنے ایک بیان میں کہا:

”ہندو مسلم اتحاد ہندوستان کے لیے اہم اور ضروری ہے۔ دوسری گولڈن

کافر نس میں اپنی اس مساعی جیلہ کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ میں نے اتحاد کرانے کی کافر نسوں میں حصہ لیا ہے اور لیتا رہوں گا۔ میرا ایمان ہے کہ دونوں قوموں کے لیڈر آپس میں بیٹھ کر تمام تنازعات طے کر سکتے ہیں۔ میں عنقریب دہلی جاؤں گا تو اپنے دوستوں سے گفت و شنید کروں گا۔ میں ہما تم گاندھی کی صحت کے لیے بھی دعا کرتا ہوں کہ وہ جلد صحت یاب ہوں۔ وہ میرے دوست ہیں۔ مجھے امید ہے کہ ہم مصالحت کرانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

نئے آئین کے متعلق سر آغا خاں نے کہا،

ہیں اس آئین کو قبول کر لینا چاہیے۔ کیونکہ اب یہ ملک کا قانون بن

چکا ہے۔ (ہفت روزہ "الجمیۃ" دہلی ۱۶-جنوری ۱۹۳۶ء)

قادیان میں نماز جمعہ | منائیموں کی مسلسل اشتعال انگیزی اور حکومت کی جانبداری کے باعث گزشتہ سال دسمبر کے شروع میں قادیان کے گرد و نواح میں دفعہ ۴ نافذ کر دی گئی تھی۔ جس پر مجلس احوار نے انفرادی سول نافرمانی کی تحریک چلائی۔ ایک ماہ کے بعد حکومت کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور اس نے یہ پابندی اٹھائی تو مجلس احوار نے مولانا لال حسین اختر کو قادیان جا کر نماز جمعہ پڑھانے کی ہدایت کی۔

مولانا لال حسین اختر ۱۹۳۲ء میں مرزا نیت سے تائب ہوئے تو انہیں قادیان چھوڑنا پڑا۔ اس سال جنوری ۱۹۳۶ء میں جب وہ قادیان میں داخل ہوئے تو باطل اپنے ارادوں میں شکست کھا چکا تھا۔ امرتسر، بٹالہ اور ضلع گورداسپور کے ہزاروں مسلمان نماز جمعہ کے لیے قادیان پہنچے۔ نماز سے پہلے مولانا لال حسین اختر نے اپنے حالات و واقعات کی تمام کڑیاں اس انداز سے ملائیں کہ تاریخ ماضی اپنے ادراق پٹنے لگی۔ باطل مذہب کے چھوڑنے کی کہانی سناتے ہوئے مولانا نے کہا:

میں ۱۵ اکتوبر ۱۹۳۶ء کو اپنے والد محترم شیخ حسین بخش کے ہاں دھرم کوٹ

ضلع گورداسپور میں پیدا ہوا۔ والد صاحب حضرت پیرام علی شاہ مکان ٹریف

تحصیل بٹالہ کے خلیفہ مجاز تھے۔ ابتدائی تعلیم گھر میں اور نویں جماعت تک مانسہرہ ضلع ہزارہ میں پڑھنے کے بعد میں نے لاہور اور ٹنڈیل کالج میں داخلہ لیا اور یہاں مٹھی فاضل تک پڑھا۔ یہ ۱۹۲۱ء کا زمانہ ہے۔ خلافت تحریک زور پاتی تھی۔ میں مولانا منظر علی اظہر کے ساتھ ضلع گورداسپور کی خلافت کمیٹی میں کام کرنے لگا۔ اور انہی کے ساتھ گرفتار ہو کر جیل چلا گیا۔ ۱۹۲۳ء میں رہا ہوا تو آریہ سماج نے شذھی کی تحریک شروع کر رکھی تھی۔ ان سے ٹھہر بیٹھ رہی، مناظرے ہوتے رہے۔ ان ہنگامی دلوں میں میری ملاقات مرزائی مبلغین سے ہوئی۔ چونکہ میری مذہبی تعلیم ادھوری تھی، لہذا میں مرزائیت کا فریب کھا گیا۔ مرزائیوں نے میری تعلیم پر قریباً پچاس ہزار روپیہ صرف کیا تھا۔

پھر میں نے اسلام کے خلاف علماء سے مناظرے کیے اور خوب کیے اخبار پنچنام صلح کا ایڈیٹر بھی رہا اور احمدیہ ایسوسی ایشن کا جنرل سیکرٹری بھی۔ مرزائیت کو قریب سے دیکھنے، اس تحریک کو سمجھنے کے بعد جب مجھ پر یہ راز کھلا کہ یہ کوئی مذہب نہیں، بلکہ سلی بازوں کا ایک ٹور ہے تو میں نے اس پر سوچنا شروع کیا۔ اسی دوران ایک رات میں نے خواب میں مرزا غلام احمد کو آگ میں جلتے دیکھا۔ ان حالات میں جنوری ۱۹۲۲ء کو میں نے مرزائیت سے توبہ کر لی اور مسلمان ہو گیا۔ علماء کے ساتھ مل کر تردید مرزائیت میں جو مجھ سے ہو سکا کر رہا ہوں۔ مجلس احرار نے شعبہ تبلیغ میرے ذمہ لگا رکھا ہے اور میں یہ ذمہ داری نبھا رہا ہوں۔ آپ میرے لیے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے استقامت عطا فرمائیں آمین۔ تم آمین۔

نماز جمعہ آپ نے پڑھائی۔ اس وقت مسلمانوں میں مرزائیت کے خلاف خاصا جوش تھا۔ ماسٹر تاج الدین انصاری، حاجی عبدالرحمن رئیس بٹالہ نے بھی تقریریں کیں اور آخر میں حسب ذیل قرارداد منظور ہوئی۔

”مسلمانان قادیان کا یہ عام جلسہ حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ امیر شریعت

حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور ان کے ساتھیوں کو جنہیں نماز جمعہ کے لیے قادیان آتے ہوئے گرفتار کر کے جیل بھیج دیا ہے، غیر مشروط طور پر رہا کر کے مسلمان ہند کی بڑھتی ہوئی بدظنی کو دور کر دے تاکہ عوام یہ سمجھ سکیں کہ حکومت مرزائیت کی امداد کرتے ہوئے مسلمانوں کے مذہب میں مداخلت بے جا نہیں کرتی۔ نیز یہ جلسہ حکومت سے پرزور مطالبہ کرتا ہے کہ قادیان میں احرار تبلیغ کا نفرین پرماند کردہ پابندیاں دور کر کے انصاف پسندی کا ثبوت دے۔

(روزنامہ ”مجاہد“ لاہور۔ ۱۸۔ جنوری ۱۹۳۶ء)

کشمیری بھائیوں کے نام | انہی دنوں روزنامہ ”احسان“ لاہور میں کشمیر کے چند مسلمانوں کا ایک پیغام شائع ہوا، جس میں شیخ عبداللہ پر عجیب و غریب الزام تھے۔ اور مجلس احرار کو اپنی مطلوبیت کی طرف متوجہ کیا گیا تھا۔ اس لیے جواب میں چودھری افضل حق نائب صدر مجلس احرار اسلام ہند نے ”کشمیری مسلمانوں“ کے عنوان سے روزنامہ ”احسان“ میں ایک خط شائع کیا جو حسب ذیل ہے۔

”چند دنوں سے مرزائیوں کی کشمیر میں فتنہ انگیزیوں کی خبریں زیادہ گرم ہو رہی ہیں۔ دفتر مجلس احرار اسلام ہند میں متعدد تاریخیں اور خطوط اس مہینے میں آئے ہیں۔ بعض دوست کشمیر میں بھیجے گئے ہیں۔ پر الزام لگاتے ہیں کہ مجلس احرار نے اتنی کثیر اور بے نظیر قربانیاں کر کے اپنے کشمیری بھائیوں کو بھلا دیا ہے۔ انہیں یقین کرنا چاہیے کہ مجلس احرار کشمیر کی حالت سے کبھی بھی بے خبر نہیں ہوئی۔ لیکن وہ بھی انسانوں کی جماعت ہے۔ اپنے مخالفین کی رخنہ اندازیوں سے ہو کام کرنا ضروری ہوتا ہے، وہ بھی ملتوں کو دینا پڑتا ہے۔

بہیں یقین ہے کہ اگر آج سے چار برس پہلے ان تدابیر پر عمل کیا جاتا اور ان خطرات سے پوری طرح آگاہی حاصل کر لی جاتی جو مجلس احرار اسلام کشمیری زعماء کے سامنے پیش کرتی رہی تو آج نہ کشمیر میں اصلاحات کے ناکافی ہونے کا شکوہ ہوتا اور نہ مرزائیوں کے فریب و جال بچھ سکتا۔ لیکن

اللہ کو ہی منظور تھا جو ہوا اور یہ فائدہ بخش بھی ہے۔ کیونکہ اب تمام جماعتوں نے جو کشمیر کی حقیقی مصلحتی کے لیے کام کرنا چاہتی ہیں۔ محسوس کر لیا ہے کہ مرزا بشیر الدین محمود نے اہل کشمیر کو مزید مشکلات میں مبتلا کر دیا ہے اور اس کا مقصد کشمیر کمیٹی میں شمولیت سے اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ وہ مرزائیت کی تبلیغ کے لیے راہیں کھولے۔ انشاء اللہ وہ اس کام میں بھی ناکام رہے گا۔ کیونکہ سوائے عقل کے اندھوں کے کسی کو یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ قرآن حکیم نے جو آخری شریعت دی ہے اس کے لانے والا آخری نبی کے سوا اور کون ہو سکتا ہے اور اگر مرزائیوں کے عقیدہ کے مطابق نبی آتے رہے تو مسلمان گروہوں میں تقسیم ہو کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے۔

مجلس احرار کو یہ دیکھ کر بے حلاطینان ہوتا ہے کہ کشمیر میں اب خود ایسے صاحبِ مہم نو جوان پیدا ہو گئے ہیں جنہوں نے اپنا سیاسی نصب العین وہی بنایا ہے جو مجلس احرار اسلام ہند کشمیر کے لیے پیش کرتی تھی۔ یہ لوگ خدا کے فضل سے اتنے ایشیا پیشہ ہیں کہ ان پر آئندہ کام کا بھروسہ کیا جاسکتا ہے۔ باقی رہا قادیانی فتنے کا سد باب تو اس کے متعلق بھی دیکھتا ہوں کہ کشمیری بھائیوں میں بے حد بیداری پیدا ہو رہی ہے۔ یہ بیداری اس امر کی ضامن ہے کہ یہ فتنہ کشمیر میں اب سر نہیں اٹھا سکتا۔

یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ مجلس احرار کشمیر کے کاموں میں دلچسپی نہیں لے گی۔ ایسا برگز نہیں ہوگا۔ بلکہ ہم اپنی سرگرمیوں کو انیز اپنے براہِ راست تعلقات کو زیادہ استوار کریں گے۔ ہماری ابتدائی مشکلات ختم ہو گئی ہیں اور کشمیری بھائی خود بخود ہماری ناچیز خدمات کو عزت کی نظر سے دیکھنے لگے ہیں۔ تمام غلط فہمیاں پورے طور پر دور ہو چکی ہیں۔ اب کشمیر میں اطمینان سے کام کرنے کے مواقع پیدا ہو گئے ہیں۔ ہم صرف اس وقت کے منتظر ہیں جب کشمیر کے وہ بہادر بھائی تک جیل میں بند ہیں، وہاں ہو جائیں، تو ان کے مشورے سے کسی حقیقی سیاسی اور تبلیغی کام کو

جاری کریں۔ اس مدد میں بہترین ہے کہ کشمیر کے جو بھائی پر امن اور بہتر طریقہ سے مسلمانوں کی حقیقی فلاح کا کام کرنا چاہتے ہوں، وہ مجلس احوار کے ساتھ اپنا رابطہ برقرار رکھیں اور خصوصیت سے شعبہ تبلیغ احوار کو کشمیر میں بھی قائم کریں، تاکہ اللہ کے دین کی پوری پوری نشر و اشاعت کر سکیں۔ دشمنی کے طور سے مرزائیت کا قلع قمع بھی ہوتا چلا جائے گا اور مرزائیت کے حامی حکام کو بھی پتہ چل جائے گا کہ مرزائیوں کی حمایت سے وہ مسلمانوں کے قیمتی تعاون سے بالکل محروم ہو جائیں گے۔ کیونکہ مذہبی امور میں جانبداری سلطنتوں کو تباہ کر دیتی ہے۔ جب تک مسلمان سوتے رہے، امرزائیوں کا کام بنتا گیا۔ اب مسلمان بھی مرزائیت کے سید باب کے لیے ہوشیار ہیں۔ کوئی حکومت مرزائیوں کی نوا جب امداد کی غلطی نہیں کرے گی۔

کشمیر کے مسلمان بھائیوں سے میری درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر اپنے معاملات کو اپنی مہمتوں سے درست کریں۔ نہ صرف مرزائیت کا سید باب منظور ہے بلکہ ہمارے سامنے تو تمام دنیا کو مسلمان کرنے کا نصب العین بننا چاہیے۔ اگر اسلام سچا مذہب ہے تو یہ تحفہ ہر ایک انسان کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

شعبہ تبلیغ مجلس احوار اسلام ہند اسی کام کے لیے وجود میں آیا ہے۔ اس کا ملکی سیاست سے کوئی تعلق نہیں۔ البتہ سیاسی کام کے لیے مجلس احوار موجود ہے۔ امید ہے کہ کشمیر کے بہادر اور غیرت مند بھائی ہمارے ساتھ ان کاموں میں اپنے اپنے ذوق کے مطابق ضرور شامل ہوں گے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ہمارے کاموں میں مددگار ہوں۔

آپ کا افضل حق

فی صورت حال پنجاب کے حالات میں ہر روز نئی تبدیلیاں رونما ہو رہی تھیں۔ کانگریس مسلم لیگ اور مجلس احوار جمعہ جمعیتہ علمائے ہند اپنے اپنے سطح پر سوچ رہی تھیں۔ وطن کی آزادی کے ہی خواہ اور غیر ملک حکومت سے وابستہ لوگ وقت کے نازک ترین موز پر کھڑے تھے۔ دونوں کی دیانت اور سوچ اپنی اپنی جگہ درست تھیں۔ ان کے مابین ایک تعمیر کردہ تھی۔ جس کی

رہنمائی ماڈریٹ (MODERATE) قسم کے لوگ کر رہے تھے۔ مسلمانوں میں مٹر محمد علی جناح اس طبقہ میں نمایاں حیثیت کے مالک تھے۔

مسلم لیگ پر ان دنوں ٹوڑی مسلمانوں کا قبضہ تھا۔ لیکن مٹر محمد علی جناح جو ذہنی طور پر دنیا ازم کے خلاف تھے۔ اپنی فائست میں مسلم لیگ کو فعال بنانے میں مصروف تھے۔ وہ ایکٹ ۱۹۳۵ء کے نفاذ سے ملنے والی صوبائی خود مختاری میں مسلم حقوق کی لڑائی جدا گانہ طریق پر لڑنے کے خواہش مند تھے۔ چنانچہ اس غرض سے انہوں نے ۵ جنوری ۱۹۳۶ء کو ایک خط بفضل حسین کے نام تحریر کیا۔

”مسلم لیگ کونسل کے ممبروں کی یہ عام خواہش ہے کہ آپ سے لیگ کے آئندہ سیشن کی صدارت کرنے کی درخواست کی جائے۔

جونہی میں نے آپ کا نام صدارت کے لیے تجویز کیا۔ اس کا پرتپاک نعرہ مقدم کیا گیا۔ میں اور میرے کئی ساتھی یہ محسوس کرتے ہیں کہ اس مرحلے پر ہندوستان کے مسلمانوں کی رہنمائی کے لیے آپ سے زیادہ موزوں شخصیت کوئی نہیں۔

آپ اس وقت بہت بڑی خدمت سر انجام دے سکتے ہیں، جو آپ کے کارناموں میں اضافہ کرے گی۔ ہمیں آپ کی قابلیت اور تجربے کی ضرورت ہے۔ شاید میں پوری طرح ظاہر نہیں کر سکا کہ مجھے اس بات کا کتنا احساس ہے کہ مسلمانوں کے مفاد میں آپ کا ہمارے ساتھ تعاون بہت اہم ہے۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ آپ میری اس خواہش کا اندازہ لگائیں گے اور مجھے جواب میں صرف دو نقطے تیار قبول ہے۔ آپ کا انکار فاتی طور پر میرے لیے سخت مایوسی کا باعث ہوگا۔“

(مارشل لا سے مارشل لا تک مصنف سید نور احمد ص ۱۴۳)

جواب میں بفضل حسین نے معذرت لکھ بھیجی۔

اس کے بعد مسلم لیگ کونسل نے سر وزیر حسن کو لیگ کے آئندہ اجلاس کا صدر چنا۔ اس موقع پر راجہ غضنفر علی خاں جو اس اجلاس میں موجود تھے کا بیان ہے کہ جیسے ہی سر وزیر حسن کا نام چنا گیا تو مولانا شوکت علی نے اس کی سخت مخالفت کرتے ہوئے کہا۔

”مارشل لا سے مارشل لا تک ص ۱۴۳، ۱۴۴“

”سرفزیر حسن نے اپنی زندگی میں مسلمانوں کی کوئی خدمت نہیں کی، لہذا وہ اس اعزاز کے مستحق نہیں۔“

اس کے جواب میں مسٹر محمد علی جناح (قائد اعظم) نے راجہ فضل محمد علی سے کہا کہ ”وزیر حسن شاید ایک لحاظ سے موزوں ثابت ہوں۔ کیونکہ آئندہ سال کے لیے کانگریس کے صدر پنڈت جواہر لال نہرو ہیں، جن کے ساتھ وزیر حسن کے ذاتی تعلقات اچھے ہیں۔ شاید یہ بات کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان تعاون کے نقطہ نگاہ سے مفید رہے۔“

(مارشل لار سے مارشل لا تک ص ۱۴۲-۱۴۳)

سرفضل حسین اور قائد اعظم محمد علی جناح کے درمیان بنیادی اختلاف تھا اور یہ اختلاف ایکٹ ۱۹۳۵ء کے نفاذ سے شروع ہوا۔ اختلاف کی حقیقی وجہ یہ تھی کہ مسٹر جناح کے نزدیک اصل اور اہم سوال ملک کی آزادی کا تھا۔ اور سرفضل حسین کی توجہ صوبائی خود مختاری کے مواقع پر مرکوز تھی۔

تصویر کا دوسرا رخ سرفضل حسین پیش کرتے، وہ بھی اپنی جگہ دلچسپ تھا۔ وہ کہتے تھے کہ فرض کیجئے مسٹر جناح کے پروگرام کے مطابق پنجاب میں مسلم لیگ کے ٹکٹ پر میں انتخابی مہم شروع کروں۔ اس کے دولازمی نتائج ہوں گے۔

۱۔ میں اپنے امیدوار زیادہ سے زیادہ چھپاسی مسلم حلقوں میں نامزد کرا سکوں گا۔

۲۔ فرقہ وارانہ نعرے پر میری انتخابی مہم کا لازمی ردِ عمل یہ ہوگا کہ ہندو اور سکھوں میں بھی فرقہ وارانہ پارٹیوں کو تقویت حاصل ہوگی اور ریسے بہادر چھوٹو اور ام گروپ کے لیے اپنے حلقوں میں سخت مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔ گویا خود اپنے عمل سے میں اس غیر مسلم گروپ کی شکست کے اسباب مہیا کروں گا جو باہ سال سے مضبوطی کے ساتھ مسلم لیگ کا ساتھ دے رہا ہے۔ اس کے بعد کیا ہوگا؟ چھپاسی نشستیں صوبائی اسمبلی کے کل ایک سو پچھتر کے ایوان میں پہلے ہی اقلیت کی حیثیت رکھتی ہیں۔ لیکن عملی بات یہ ہے کہ انتہائی کامیابی کی صورت میں بھی مجھے پانچ، دس فیصد حلقوں میں شکست

کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ لہذا میری پارٹی انتخابات سے لازماً ایک اقلیت کی صورت میں برآمد ہوگی۔ اس کے بعد میں ایسے گروپ تلاش کروں گا جو میرے ساتھ کولیشن کرنے کو تیار ہوں۔ اور دوسری پارٹیاں میری پارٹی کے مقابل کولیشن قائم کرنے کی کوشش کریں گی۔ میں، ہندو، سکھ، ممبروں کو توڑ کر اپنے ساتھ ملا سکوں گا یا دوسری پارٹیاں چند مسلمانوں کو توڑ کر اپنے ساتھ ملا لیں گی۔ ایسے غیر یقینی حالات میں گورنر اگر چاہے گا تو مسلمان لیڈر کی وزارت بنوا دے گا اور اگر چاہے گا تو ہندو اور سکھوں کی وزارت بنوا دے گا۔ دونوں صورتوں میں وزارت اس کے ہاتھ میں کھلونا بنی رہے گی۔ بعینہ یہی صورت بنگال میں پیش آئے گی۔ مسلم اکثریت والے یہی دو صوبے ہیں۔ لہذا اگر مقصد یہ ہے کہ مسلم اکثریت کے صوبوں میں نئے آئین کے تحت مسلمانوں کو سیاسی اقتدار پر قبضہ کرنے کے جو مواقع ملے ہیں ان سے ناگاہ اٹھایا جائے تو یہ طریقہ اس مقصد کو حاصل کرنے کا نہیں بلکہ ضائع کرنے کا ہے۔

اس کے مقابل سرفضل حسین یونینسٹ پارٹی کے نام سے ایک ایسے پروگرام کی بنیاد پر جو مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلموں کے ایک پس ماندہ طبقہ کے لیے بھی اقتصادی کشش رکھتا ہو۔ تمام مسلم حلقوں اور کم از کم نصف غیر مسلم حلقوں میں انتخاب لڑنا چاہتے تھے۔ پنجاب کی دیہاتی آبادی کو سود خور مہاجن کے قرضے سے نجات دلانا اس انتخابی مہم کا بنیادی نعرہ تھا۔ سرفضل حسین کی رائے تھی، کہ اس طرح کم از کم مجھے یہ موقعہ ملتا ہے کہ میں ایک قطعی اکثریت رکھنے والی پارٹی کے کرا سبلی میں جاؤں گا، جس میں مسلمانوں کو غالب اکثریت حاصل ہو۔ اور ایک مضبوط اور فعال وزارت بناؤں گا۔ اس طرح سرفضل حسین کے خیال میں بنگال میں مسلمانوں کے لیے ایک غیر مسلم عنصر کو ساتھ لانے کے لیے مٹھوس اقتصادی بنیاد موجود تھی۔ یعنی دوامی بندوبست کے تحت قائم شدہ جاگیرداروں کی تنسیخ اور کسانوں کو ان کی زیر کاشت زمینوں کی ملکیت دلانے کا پروگرام۔ ان جاگیرداروں پر بندوبست لے ایک طبقہ کی تقریباً مکمل لجاواری تھی۔ جس کے بوجھ کے نیچے اس صوبے کے مسلمان اور ان کے ساتھ ہندو کسان بری طرح پس رہے تھے۔

سرفضل حسین کا خیال تھا کہ مسلمانوں کو اس صورت حال سے فائدہ اٹھا کر مضبوط اکثریت حاصل کرنے اور مضبوط وزارت قائم کرنے کا موقع مل سکتا تھا، جو اسمبلی کو فرقہ وارانہ خطوط پر تقسیم کرنے سے نہ ملتا۔ صوبہ سرحد اور سندھ کی اسمبلیوں میں مسلمانوں کو قطعی اکثریت حاصل تھی۔ لیکن سرفضل حسین کے خیال میں وہاں بھی مسلمانوں کے لیے فرقہ وارانہ پارٹیاں بنا کر اسمبلیوں میں جانے سے کوئی خاص فائدہ نہ تھا۔ سوائے اس کے کہ گورنروں کو آفیشوں کی حفاظت کے نام پر وزارت سازی میں دخل اندازی کا موقع ملے۔

ان دلائل کے پیش نظر سرفضل حسین کی رائے یہ تھی کہ مسلم لیگ کو صوبائی انتخاب میں دخل ہی نہ دینا چاہیے۔ صرف مرکزی اسمبلی میں مسلم لیگ پارٹی بنانی چاہیے۔
(مارشل لاء سے مارشل لاء تک ص ۱۴۳-۱۴۵)

اعلام کا چیلنج | ۱۴ جنوری ۱۹۳۶ء کو "روزنامہ مجاہد" میں مولانا منظر علی اظہر کا ایک مختصر بیان شائع ہوا جس میں انہوں نے سرفضل حسین اور سرفیروز خاں نون کو چیلنج کرتے ہوئے کہا کہ

» اگر سرفضل حسین اور سرفیروز خاں نون یہ سمجھتے ہیں کہ مسجد شہید گنج مل سکتی ہے جیسے کہ سرفیروز خاں نون خفیہ طور پر مسلمانوں سے کہتے رہے ہیں کہ سول، افرامی ہو تو مسجد مل سکتی ہے اور اس طرح احوار بولنا کیا جا رہا ہے۔ تو میں دونوں حضرات کو چیلنج کرتا ہوں کہ وہ بادشاہی مسجد یا کسی اور مسجد میں آکر مسلمانوں کے سامنے اس خیال کا اظہار کریں اور سول، افرامی کے بعد مسجد کے حاصل ہونے کا یقین دلائیں۔ پھر اگر وہ کہیں کہ سچا س ہزار مسلمانوں نے جیل جانے سے مسجد مل سکتی ہے، تو میں اس بات کا ذمہ لیتا ہوں کہ میں خود سب سے پہلے جیل کی طرف قدم اٹھاؤں گا اور سچا س ہزار نہیں بلکہ ایک لاکھ آدمی جس مقام سے اور جس عرصہ میں سرفضل حسین اور سرفیروز خاں نون چاہیں گزرتا رکھ دوں گا۔ اور اگر یہ دونوں حضرات فرمائیں کہ پانچ صد آدمیوں کے گولی کھا کر جان دینے سے مسجد مل سکتی ہے تو سب سے پہلی گولی میں کھاؤں گا۔ اور پانچ صد نہیں

ایک ہزار نو جوان گولی کھالے والے میدان میں آجائیں گے، جو اپنی جانیں نذا
کر دیں گے۔ ہم اپنا حساب ذات باری تعالیٰ کے سپرد کر چکے ہوں گے۔ پھر
وہ مسلمان جو زندہ ہوں گے۔ سرفضل حسین اور سرفیروز خاں نون کی گردن میں کپڑا
ڈال کر پوچھ لیں گے کہ لاؤ مسجد کہاں ہے، جس کے لیے ایک لاکھ مسلمانوں
کو جیل بھیجا تھا۔

۳۔ اکتوبر ۱۹۳۵ء کو اٹلی نے حبشہ کی کمزور اور مظلوم آبادی پر
حبشہ اور اٹلی کی جنگ | پڑائی کر دی تھی۔ یورپ کی طاقتور سلطنتیں دوسری جنگ عظیم
کے خوف سے اپنا پہلو بچاتی رہیں۔ یہاں تک کہ اقوام متحدہ خاموش تماشائی بنی رہی۔ آخر
جنوری ۱۹۳۶ء کے پہلے ہفتے اٹلی نے حبشہ پر زہریلی گیس کے ایسے بم پھینکے کہ ان کے اثرات
سے وہاں کی تمام آبادی مختلف امراض کا شکار ہو گئی۔ جس سے افواج حبشہ شکست کھا
گئی اور شہنشاہ حبشہ بھاگ کر انگلستان پہنچ گئے۔ اس طرح حبشہ کے دار الحکومت ادیس بابا
پر اٹلی کا قبضہ ہو گیا اور اسے اٹلی میں شامل کر لیا گیا۔ گوروس نے اٹلی کے خلاف احتجاج کرنے
کو کہا لیکن مٹلر نے اس آواز کو ناکام بنا دیا۔ اس ہلکی سی امداد نے موسولینی کو مٹلر کا طفیلی بنا دیا
یہی وہ تاریخی واقعہ ہے کہ جس سے موسولینی اور مٹلر کے تعلقات استوار ہوئے جو دوسری
جنگ عظیم کے اختتام تک قائم رہے۔

۱۶۔ جنوری کو شہنشاہ جاپان نے حبشہ کی فوجی امداد کا اعلان کیا۔ لیکن آگے چل کر جاپان
بھی جرمن اور اٹلی کا اتحادی بن گیا۔

۳۱۔ جنوری کو مجلس احوار کی طرف سے ہندوستان بھر کی مسلم انجمنوں
مجلس احوار کا مطالبہ | سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ اپنے اداروں سے مرزائیوں کو خارج کر دیں
اس کی سب سے بڑی زد لاہور کی انجمن حمایت اسلام پر پڑی۔ علامہ اقبال کے مستعفی ہونے
کے باوجود جو مرزائی اس انجمن کے نمبر تھے، انجمن ہذا انہیں اپنے سے علیحدہ نہ کر سکی۔ انجمن
کی اس حرکت سے تنگ آکر مجلس احوار نے انجمن حمایت اسلام کے سالانہ جلسہ کے موقع پر
عوام کی طرف سے ایک قرارداد پیش کر دی کہ مرزائیوں کو انجمن حمایت اسلام سے فوراً خارج

کر دیا جائے۔ کیونکہ یہ غیر مسلم ہیں اور غیر مسلم انجمن حمایت اسلام کا ممبر نہیں ہو سکتا۔
اس قرارداد پر مختصر مہنگامہ ہوا۔ بالآخر قرارداد منظور ہو گئی۔

سکھ تحریک ختم ہو گئی | یکم فروری کو حکومت پنجاب نے جس حکم کے تحت کرپان پر ۲۱۔ جنوری تک پابندی عائد کی تھی۔ جیسے ہی وہ متعینہ تاریخ

پر حکم نامہ ختم ہوا سبھوں نے اسے اپنی فتح قرار دیا۔ اور تمام دن سکھ لاہور کے بازاروں میں کرپانیں باندھے پھرتے رہے۔ مسلمان بھی اس روز کمر سے تلواریں لٹکاتے بازاروں میں پھرتے دکھائی دیے۔ اس طرح یہ واقعہ ایک مضحکہ بن گیا۔

انہی دنوں پنجاب کے دیگر اضلاع سے مسلمانوں کے قافلے شہید گنج کے سلسلہ میں لاہور آنے شروع ہو گئے۔ راولپنڈی، امرتسر اور جالندھر کے اکثر جتھے لاہور پہنچ چکے تھے۔ چودھری مولابخش نامی ایک نوجوان ان دنوں شہید گنج کا لیڈر تھا۔ اس نے اپنا دفتر شاہی مسجد میں قائم کر لیا تھا۔ یہیں سے قافلے شہید گنج کی طرف جاتے ہوئے گرفتار ہو جاتے۔

جارج پنجم کا انتقال | ۲۰۔ جنوری کو رات بارہ بجے برطانیہ کا شاہ جارج طویل علالت کے بعد انتقال کر گیا۔ گواس کی موت سے ہندوستانی غلاموں پر برطانیہ کی گزرت ڈھیلی نہ ہوئی، تاہم برطانوی تاریخ میں ایک ایسا موڑ آیا، جس کی مثال اس شاہی خاندان میں پیشتر سے دکھائی نہیں دیتی۔

امیر ملت کی حج کو روانگی | بے نمازہ غازی اور بے عمل صوفی دونوں قوم کو لے ڈبے تھے ہیں۔ پنجاب کے صوفی منش لوگوں نے کہیں پیر کے لباس میں کہیں لیڈر ڈور بننا بن کر تن آسان افراد کی تعداد میں اس قدر اضافہ کیا کہ مالِ کار مسلمان قوم ایک بھیڑ معلوم ہونے لگی اور کہیں جہاد کی ضرورت پڑی تو میدانِ کارزار بے عمل مجاہدوں کا منہ ٹکھنے لگا کہ سالارِ کارواں کو کلو و شواہو کے سوا قرآن حکیم یاد ہی نہیں رہا۔ جب تو میں ان خطاط کے اس موڑ پر پہنچتی ہیں۔ تو راستے کی ہلکی سی رکاوٹ پہاڑ دکھائی دینے لگتی ہے۔ پھر محض تسبیح و مصلّا کو خدا کی عبادت قرار دینے والے سببیت اور کابل امیر قوم بن جاتے ہیں۔ تحریک مسجد شہید گنج میں مسلمانوں نے پیر جاحلت علی شاہ کو اپنا امیر منتخب کر دیا۔

۷۔ اس کی تفصیل آئندہ ادلاق میں دیکھیں۔

گوشہ نشین فقیر کے ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے میں بندوق دے کر جہاد کی راہ میں لاکھڑا کیا۔
تسلح کی نوگراں لگیاں نہ ہی تلوار مستحال سکیں اور نہ ان انگلیوں سے بندوق کی لب لپی دب سکی۔
جرات ایمانی لکڑا بن کر سامنے آئی مگر تعویذوں کے سہارے قوم کو دشمن پر فتح دلانے اور
پھونکوں سے کفر کے چراغ گل کرنے والے آخر کو خدا کے گھر کی حفاظت سے دست بردار
ہو کر بیت اللہ کی زیارت کو چل دیے۔ ۵

وہ چلے جھٹک کے دامن میرے دستِ ناتواں سے

اسی دن کا آسرا تھا مجھے مرگِ ناگہاں سے

۲۔ فروری کو امرتسر خیر الدین کی مسجد میں اتحادِ ملت کی کانفرنس ہو رہی تھی کہ حضرت

پیر جماعت علی شاہ نے اعلان کیا کہ

”چونکہ میں حج کے لیے جا رہا ہوں لہذا اپنے تمام اختیارات اتحادِ ملت کے

سپر د کرتا ہوں۔“

اس پر نوجوان طبقہ میں بے چینی پھیل گئی اور کانفرنس میں شریک لوگ ایک دوسرے کا

گریباں نوچنے لگے۔ اس افراتفری میں کانفرنس غیر معینہ مدت کے لیے ملتوی کر دی گئی۔

ان دنوں تحریکِ شہید گنج عجیب حالات سے گزر رہی تھی۔ ایک گروہ سول نافرمانی

کر رہا تھا۔ دوسرا آئین شکنی کے خلاف تھا۔ تیسرا لیڈروں کا گروہ تھا جو اس تحریک کو بیڑھی بنا

کر کونسل اور اسمبلی میں جانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ انتشار کے دنوں امیر ملت

پریشان حال مسلمانوں کے کام آتے مگر۔ ۷

یہ ناداں گر گئے مسجد سے ہیں جب وقتِ قیام آیا

دین دار اور حریت پسند طبقہ نے حکومتِ حجاز کے

یورپین کمپنیوں کے ساتھ کان کنی کے معاہدے کو

اس قدر ناپسند کیا کہ پنجاب اہلحدیث تنظیم کو بھی اپنے ۵۔ فروری کے اجلاس میں حسبِ ذیل

قرارداد منظور کرنا پڑی۔

”جمعیۃ تنظیم اہل حدیث پنجاب کا یہ نمائندہ اجلاس حکومتِ حجاز سے

برطانوی کمپنی کے معاہدہ کان کنی کی شرائط کو ختم و استیاط پر مبنی سمجھنے کے باوجود برطانوی کمپنیوں کے سابق اعمال کی بنیاد پر نتائج و عواقب کے خطرات سے خالی نہیں سمجھتا۔ برطانوی عمال کی آمد و رفت اور ان کے طریقہ معاشرت کے تاثرات سے عرب مزدوروں کا متاثر ہو جانا بھی خطرات سے خالی نہیں۔ اس لیے وہ حکومت حجاز کو قیمتی مشورہ دیتا ہے کہ کمپنی کے عمال پر پورا کنٹرول رکھے تاکہ وہ خطرات پیدا نہ ہو سکیں جن کے متعلق عالم اسلام بنیاری کا اظہار کر رہا ہے۔

اس کے ساتھ ہی یہ اجلاس برطانوی ایمپائر اور کمپنی کے انگریز عمال کو متنبہ کرتا ہے کہ وہ جزیرہ عراق و عرب میں کوئی ایسی حرکت اور ریشہ دوانیاں کریں جس سے برطانوی ایمپائر مثل سابق بدنام ہو۔ اور عالم اسلام میں اضطراب کی لہر دوڑ جائے۔

حرکت مولانا اسماعیل (گوجرانوالہ) [الجمعیۃ دہی
مؤند۔ مولوی عطاء اللہ (کوٹ کپڑا)]

جمعیۃ علمائے ہند کی قرارداد | یکم ادا تین فروری ۱۹۳۶ء کو جمعیۃ علمائے ہند کی مجلس
عالمہ کا اجلاس مراد آباد میں ہوا۔ جس میں حسب ذیل
قرارداد منظور کی گئی۔

”جمعیۃ علمائے ہند کی مجلس عالمہ کا یہ جلسہ اس معاہدے سے کہ جو حکومت سعودیہ اور ایب انگلش کمپنی کے درمیان حجاز میں کان کنی کے متعلق ہوا ہے سخت خطرہ کی نظر سے دیکھتا ہے۔

یورپین طاقتوں کی استعماری پالیسی کے خطرناک اور تباہ کن اثرات جمعیۃ علماء کے سامنے ہیں۔ جن کی بنیاد پر جمعیۃ جزیرۃ العرب میں ان طاقتوں کے دخل کو خواہ وہ کسی شکل میں ہو اطمینان کی نظر سے نہیں دیکھ سکتی۔

جزیرۃ العرب کا تقدس اور بالخصوص حجاز کی غیر مسلم اثرات سے حفاظت مسلمانان عالم کے نزدیک اہم ترین مسئلہ ہے اور اس کو کسی حال میں نظر انداز

نہیں کیا جاسکتا۔ جمعیت حکومت عربیہ سعودیہ کی مالی حالت اور وسائل و ذرائع کی بہم رسانی کی اہمیت سے غافل نہیں ہے۔ لیکن اس کے ساتھ وہ جزیرہ العرب پر غیر مسلم اقتدار کے قیام کے تصور سے بھی لرزہ بر اندام ہے۔ جمعیت کو یہ بھی یقین ہے کہ اگر جلالتہ الملک سلطان عبدالعزیز بن فیصل السعود بھی اہل یورپ کی استعماری ہوس سے خوب واقف ہیں اور یہ کہ جزیرہ العرب کا تقدس اور محاکم عربیہ کی حفاظت بھی ان کے نزدیک عزیز متاع ہے۔ باوجود اس کے وہ اپنی طرف سے اور مسلمانان ہند کی طرف سے جلالتہ الملک کی خدمت میں یہ عرض کرنا ضروری سمجھتی ہے کہ جزیرہ عرب کی غیر مسلم اثرات سے حفاظت ان تمام فوائد و منافع سے جو معاہدہ کے ذریعے حاصل ہو سکتے ہیں زیادہ قیمتی اور اہم و مقدم ہے۔

”جمعیت علماء کیا ہے۔ حصہ دوم ص ۱۹۶-۱۹۸“

جیسے ہی اگست ۱۹۲۵ء کے اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی کہ حکومت شاہ حجاز کا اعلان | سعودی عرب کا کان کنی کا ایک معاہدہ انگریز کمپنیوں سے ہوا ہے تو احرار و رہنماؤں کی دور رس نگاہوں نے اس معاہدے کو نہ صرف جزیرہ العرب کے لیے بلکہ مذہبی اور سیاسی اعتبار سے اسلامی اصولوں کے منافی جان کر سارے ہندوستان میں اس کے خلاف احتجاجی مظاہرے کیے کہ یہ معاہدہ بھر طور منسوخ ہونا چاہیے۔ اس پر ملک کی ذمہ دار سیاسی اور غیر سیاسی جماعتوں نے بھی احرار کی ہم نوائی کی۔ آل انڈیا احرار کانفرنس بامکھوٹ کے آخری اجلاس میں ایک قرارداد کے ذریعے شاہ حجاز سے درخواست کی گئی کہ وہ اس معاہدے پر نظر ثانی فرمائیں۔ اس پر ۱۶- فروری ۱۹۲۶ء کے سہ روزہ الجمعیت دہلی میں سلطان حجاز کا سید امین الدہلی الحسینی سیاح ہند کی معرفت ایک اعلان شائع ہوا۔

”ہمارا مقصد انسانیت اور قوانین شریعت کی ترویج ہے۔ ہمارے کسی فعل پر اگر کسی کو شبہ ہو تو وہ بلا تکلف پیش کرے۔ ہم اس کے قول کا پورا احترام کرتے ہوئے غلطی کی اصلاح کرنے کی پوری کوشش کریں گے اور معتصرین کو ہر طرح مطمئن کریں گے۔“

اٹاروند کی حجاز کو روانگی | سلطان عبدالعزیز بن سعود والہی حجاز کے اعلان سے پیشتر ۲۰ فروری کو آل انڈیا اور ورکنگ کمیٹی نے اپنی گذشتہ نومبر کی قرارداد کے مطابق فیصلہ کیا کہ حجاز کے لیے ایک وفد کی تشکیل کی جائے۔ چنانچہ اس اجلاس میں اعلان کر دیا گیا کہ مولانا سید محمد داؤد غزنوی، مولانا منظر علی اظہر اور مولانا ظہور احمد بگوتی پر مشتمل ایک وفد حجاز روانہ کیا جائے گا۔ مولانا داؤد غزنوی وفد کے قائد اور مولانا منظر علی اظہر سیکرٹری ہوں گے اس ضمن کے بعد اٹاروند کو پاسپورٹ کے حصول میں کافی پریشانی اٹھانی پڑی۔ تاہم وفد ۸ فروری کو لاہور سے کراچی کے لیے روانہ ہوا۔ اسٹیشن پر بے پناہ ہجوم تھا جو وفد کو الوداع کہنے کے لیے جمع ہو چکا تھا۔ ۱۱ فروری کے روزنامہ مجاہد میں چودھری افضل حق نے حجاز وفد کی روانگی پر حسب ذیل ادارہ تحریر کیا۔

”مسلمانوں کا شکستہ عزم محتاج دلیل نہیں۔ کیونکہ اس سرزمین کی آزادی محل بحث ہے جو ہماری قوت کا مرکز اور برکتوں کا سرچشمہ ہونی چاہیے تھی۔ اٹار کے رئیس وفد مولانا محمد داؤد غزنوی کو الوداع کہنے کے لیے احباب اسٹیشن پر اکٹھے ہوئے وفد اٹار اس لیے جا رہا ہے تاکہ جلالت الملک کی خدمت میں حاضر ہو کر انہیں فریپ فرنگ سے آگاہ کرے۔ غلام آباد مہند کے مسلمان وفد سے بہتر کوئی استعمار مغرب کی پریچ چالوں کو کیا بیان کر سکتا ہے۔ یہ دردناک داستان اس کی آبِ مٹی ہوگی۔ آپ بیتی، جنگ بیتی سے اکثر مؤثر ہوتی ہے۔

دورِ حاضر کے فرزندانِ توحید پر زمانہ نے ان کی برداشت سے زیادہ بوجھ ڈال دیا ہے۔ جدھر نظر اٹھتی ہے عالیشان محلات اور شاہی عمارتوں کے شکستہ بام و در عظمتِ گذشتہ کو زبانِ حال سے بیان کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ وہ غلامی کی زنجیروں میں بندھا ہوا ہے۔ ہندوستان احساسِ آزادی کھو چکا ہے عراق و فلسطین مغربیوں کے حکم بردار ہیں۔ ترکی اور ایران ابھی خطرات میں گھرے کھڑے ہیں۔ افغانستان کا اللہ مالک ہے۔ جلالت الملک سلطان ابن سعود کے گرد ڈورے ڈالے جا رہے ہیں۔ اگر اسلام کی یہ آخری متاع بھی ہٹ گئی پھر مسلمانوں

کی زندگی میں کیا دلچسپی رہ جائے گی۔ خدا مسلمانوں کو وہ روزِ بد نہ دکھائے۔

یاس انگیز حالات میں ہی اللہ فضل کی بارش شروع کرتا ہے، جس سے کشتِ امید بری ہو جاتی ہے۔ خدا ایسے مردِ مجاہد پیدا کرتا ہے جو قوموں کی قسمت کو لپٹ دیتے ہیں۔ احرار کا وفدِ خدا کے مہر و سر پر جا رہا ہے۔ فاتیٰ نفع و نقصان سے بے نیاز ہے۔ اس کے پیشِ نظر وہ کام ہے جس سے دنیا تے اسلام کو یکساں دلچسپی ہے۔ اگرچہ بعض سرکاری آدمی بارے خلافتِ مصروفِ تنگ دو ہیں۔ لیکن ان کی مخالفتِ سرگرمیاں ہماری سچائی کی دلیل ہیں۔ معلوم ہوا ہے کہ حجاز میں ہمارے خلافتِ زیرِ اگلنے اور معاندانہ پروپیگنڈے کے وسیع انتظامات ہو رہے ہیں۔ جو لوگ پریشان حالی میں کسی نیک کام کے لیے کمر ہمت باندھ کر نکلتے ہیں وہ جھوٹے پروپیگنڈے کی کیا پرواہ کرتے ہیں۔ مجلسِ احرار کے نزدیک استقلالِ عرب وقت کا اہم ترین مسئلہ ہے۔ اسلامی اتحاد کی خدمت میں مسلمانانِ عالم کے خیالات کا اظہار نہایت ضروری ہے۔ اس وقت تساہل سے کام لینا بدترین گناہ ہے۔ سرزمینِ عرب میں غیر مسلم کا اثر و اقتدار ناقابلِ برداشت ہے۔

انگریزی حکومت احرار کے وفد کی اہمیت کو خوب سمجھتی ہے۔ وہ بغور معائنہ کر رہی ہے کہ اونٹ کس کروت بیٹھا ہے۔ ہماری مخالفت میں جو شور مٹاتا تھا وہ دب چکا ہے۔ اسلامی ہند میں پورا اتحاد خیال ہے۔ انگریزی حکومت اب پید شدہ حالات کو نظر انداز نہ کر سکے گی۔

لاہور ریلوے اسٹیشن پر مسلمانوں نے مولانا محمد داؤد کو الوداع کمی اور وفد کی کامیابی کے لیے دعا مانگی۔ غلط مسلمانوں کی دعائیں انشاء اللہ قبول ہوں گی۔ گو مجلسِ احرار کو مخالفت کے اور بھی بہت سے طوفانوں میں سے گزرنا پڑے گا۔ لیکن خدا کے فضل و کرم سے یقین ہے کہ بالآخر احرار کو کامیابی ہوگی۔ تشویش کا کچھ وقت گزرنے کے بعد مسلمان اطمینان حاصل کر سکیں گے۔ ہمیں حضرت مولانا محمد داؤد غزنوی کے خلوص پر کامل اعتماد ہے کہ وہ ہر حال میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی خوشنودی کو مدنظر رکھیں گے۔

صعوبت سفر پر داشت کر کے دیار حبیب کو جانے والو! غلافِ کعبہ تمام کر
 ربِ کعبہ سے دعا کرنا کہ مسلمانوں کی ہمتوں میں برکت دے۔ ہمارے نوجوان آہنی خرم
 لے کر دنیا میں نکلیں۔ نہ صرف خود آزادی حاصل کریں بلکہ غلام قوموں میں روحِ آزادی
 پھونک دیں۔ جلبِ منفعت اور ترقی درجات کے شخصی خواب نہ دیکھیں بلکہ دنیا
 کی نجات کے ارادوں کو جامعہ عمل چننے کے لیے زندگی وقف کر دیں۔ مخالفِ مہلک
 اسلامی کے گرد تیندوے کی طرح جال پھیلا رہا ہے۔ خدا ہم میں ایسے صاحبِ عزم
 پیدا کرے جو دشمن کا مار پود بکھیر دیں اور مایوسیوں میں کرن امید بن جائیں۔
 حجاز کی موجودہ گتھیاں بجز فضلِ ایزدی سلجھانا آسان کام نہیں۔ دشمن کے پاس
 اثر دام تو ہیں۔ تباہ کن جہاز، منوں بم پھینکنے والے ہزاروں طیارے ہیں۔ ادھر دنیا کا
 بے دست و پا غلام مسلمان ہے۔ یہ تو کیا ہو۔ ہمارے دند کے ساتھ سلطان خواہ برا
 سلوک بھی کرے تو بھی ہمیں ضبط و تحمل سے کام لینا چاہیے۔ زمانہ حال میں مسلمان سلاطین
 کی مجبوریاں ابندستان کا غلام مسلمان بہتر سمجھ سکتا ہے۔ آج اسلامی سلطنتوں کے تاجداروں
 کی حالت نیم غلام لوگوں کی سی ہے۔ سلطان ابن سعود کی حالت تو کچھ دیر سے غیر مسلموں
 کی ریشہ دوانیوں کے باعث بہت ہی ناقابلِ رشک کر دی گئی ہے۔
 مسلمانوں کی موجودہ نسل کے لیے کیا اضطراب انگیز دور آگیا ہے۔ صیدِ افکنوں
 نے حرمِ کربلا کی توجہ کا مرکز بنالیا ہے۔ عرب ان کی سرگرمیوں کا میدان ہے۔ مسلمانانِ
 عالم میں سے جو بیدار ہیں وہ اپنی مصیبتوں میں مبتلا ہیں اور باقی خواب گراں میں
 دنیا و مافیہا سے بے خبر حالت میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارا حامی و مددگار ہو۔

”افضل حق“

کراچی سے روانگی | انگریز جس انداز سے اقوامِ عرب پر کمندیں پھینک رہا تھا۔ احرار اس سے
 خائف نہیں تھے۔ حوالی حجاز کو برطانوی ہتھکنڈوں سے آگاہ کرنا احرار
 نے اپنا فرض سمجھا۔ چنانچہ احرار کا یہ قدم حکومت کے لیے نیا چیلنج تھا۔ لیکن آئینی طور پر جج کے
 ایسے جانے پر رنڈا ہر روک ٹوک نہیں تھی۔ اس پر بھی کئی چلے بہانوں سے ٹال مٹول ہوتا رہا۔

آخر زاد راہ اور پاسپورٹ کے لیے قریباً ایک ہفتہ کراچی ٹھہرنا پڑا۔ اس طرح احوار کا یہ وفد ۱۸ فروری کو سفینہ اکبر کے ذریعے کراچی سے روانہ ہوا۔

کراچی سے خاں فقیر خاں کو وفد میں شامل کر لیا گیا۔ اب یہ وفد چار افراد پر مشتمل تھا۔ دوستے ارکان میں مولانا ظہور احمد بگویی اور حاجی خاں فقیر خاں ایم۔ ایل۔ ۱۰ سے ۱۹۳۵ء میں مجلس احوار میں شامل ہوئے تھے۔ اول الذکر بھیرہ ضلع سرگودھا کے معروف دینی اور علمی خاندان میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام مولانا عبدالعزیز بگویی تھا۔ خلافت تحریک میں یہ قومی کاموں میں شامل ہوئے۔ قید و بند کے مصائب بھی جھیلے۔ مرزا نیت پر انہیں خاصہ عبور حاصل تھا۔ اپنے علاقہ سے باہر بھی احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے اور ان کا ذکر ضلع بری پور، بنارہ تحصیل مانسہرہ کے قومی کارکن تھے۔ آزادی وطن کے لیے ان کے غلام خیر ملکی حکومت سے ہمیشہ ٹکرائے اور اس جرم کی پاداش میں انہیں اکثر جیل خانوں کے مصائب برداشت کرنا پڑے۔

کبھی کبھار بادِ ہجوم اچھے بھلے موسم کا مزاج بگاڑ دیتی ہے۔ کانٹے اچھول ایک اور وفد اچھوں سے دست و گریبان ہوتے ہیں۔ لالہ گل مولانا ہو جاتے ہیں۔ باغبان لاکھ سرچنے، شبنم آنسوؤں کا دریا بہا دے۔ لیکن موسم کی تو ملمونیاں بہار کا مزہ کر کے کیے بغیر نہیں رہتیں۔

مجلس احوار کا وفد جس بحری جہاز میں حجاز جا رہا تھا، اسی میں ایک اور وفد بھی حجاز جا رہا تھا، جس کی رہنمائی مولوی اسماعیل غزنوی کر رہے تھے۔ یہ وفد احوار کے خلاف موقف لینے ہوئے تھا۔

اسماعیل غزنوی، مولانا سید محمد داؤد غزنوی کا عم زاد بھائی تھا۔ اس کی والدہ مرزا غلام احمد قادیانی کے خلیفہ اول حکیم نور الدین کی حقیقی بیٹی تھی۔ اس رشتہ سے اسماعیل غزنوی، حکیم نور الدین (مرزائی) کے نواسے ٹھہرے۔ شاہ حجاز سے ان کے خاندانی مراسم کیا تھے؟ تاریخ کا اس سے کوئی تعلق نہیں، لیکن نہال کے نانا سے انہیں مجلس احوار سے خاصی صداقت تھی۔ اسی بنا پر تحریک مسجد شہید گنج میں انہی کے مکان پر احوار کے خلاف جعلی چٹھیاں بھی مرتب کی گئیں۔

اسماعیل غزنوی ۱۸۹۰ء کو امرتسر میں مولانا عبد الواحد کے ہاں پیدا ہوئے۔ ۱۳- اور ۱۳- جون ۱۹۶۱ء کو لاہور میں ان کا انتقال ہوا۔

احرار کے خلاف جو لوگ اسماعیل غزنوی کے دقت میں شامل تھے ان میں غلام حسین میر کاشمیری، مولانا عبداللہ روپڑی (المجدیث) صوفی عبدالعزیز تنظیم المجدیث امرتسر، حکیم مولوی محمد اشرف (پتوکی)، مولوی عبدالجبار المجدیث سکندریا، مولوی عبدالخالق (پتوکی) ضلع لاہور قابل ذکر ہیں۔

۲۶- فروری کو سفینہ اکبر جدہ کے ساحل پر ٹکرا نڈا ہوا۔ مولوی اسماعیل اور ان کے ہمراہی سرکاری انتظام کی سپرد داری میں چلے گئے۔ اور احرار وفد عام جھج کی طرح لاری کے ذریعے مکہ مکرمہ روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچنے پر اپنی آمد کی اطلاع سلطان عبدالعزیز بن سعود والی حجاز کو کر دی۔

۱۴- فروری کو سرآقا دہلی پہنچے تو ریلوے اسٹیشن پر ان کا استقبال کرنے والوں میں سر ظفر اللہ شامل تھا۔ مخالفین کے مظاہرے کے خوف سے اسٹیشن کے ارد گرد پولیس کا خاصہ انتظام تھا۔ آپ نے وائسرائے کالج میں قیام کیا۔

سرآقا خاں نے ۱۶- فروری کو مسلم کانفرنس کے اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے کہا: "انیسویں صدی کے پہلے نصف حصے میں ہندوستان کی سیادت مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل کر انگریزوں کے ہاتھ میں چلی گئی۔"

۱۸۵۷ء کے واقعات کی تمام تر ذمہ داری مسلمانوں پر عائد ہوتی ہے اور اس واقعہ نے مسلمانوں کو اس امر کی طرف مائل کیا کہ وہ ہندوستان میں اپنے مستقبل پر غور کریں۔ آخر ۱۹۰۶ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کی بنیاد پڑی۔ پھر کانگریس اور مسلم لیگ کے معاہدے ہوئے۔ اس طرح بیسویں صدی کے پہلے دس سالوں میں مسلمانان ہند نے اپنی پالیسی پر دوبارہ غور کیا۔ اگر اس سال جنگ عظیم شروع نہ ہوتی تو ۱۹۲۰ء کے بعد دوسرے دس سال مزید بہتر ہوتے۔

آخر میں آپ نے کہا،

اگر صوبہ بھارتی آزادی، فرقہ وارانہ سپرٹ پر مبنی رہی تو سی۔ پی، یو پی، بہار، اڑیسہ، مدراس
بمبئی اور آسام میں ہمیں انتہائی بربادی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ بایں ہمہ مسلمان ان بہتر
حالات کی توقع رکھتے ہیں، جن کے مطابق تمام فرقے وطن کی بہبودی کے طلبگار ہوں۔
مسلمانوں کا مطالبہ تھا کہ صوبہ سرحد، پنجاب، سندھ اور بنگال میں ان کی اکثریت
کو تسلیم کیا جائے۔ مسلمانوں پر واضح ہو چکا ہے کہ پنجاب اور بنگال میں ان کی
اکثریت محض برائے نام ہے۔ نیز یہ بھی واضح ہو چکا ہے کہ صوبہ سرحد اپنی جغرافیائی
حیثیت اور اقتصادی پوزیشن کی بناء پر صوبہ بھارتی آزادی سے کما حقہ استفادہ نہ کر سکے گا۔
ان حالات و کوائف سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی حالت میں کوئی نمایاں
تبدیلی نہیں ہوئی۔ ان کا مطالبہ تھا کہ چار صوبوں کی مجالس آئین سازی میں انہیں اکثریت
دی جائے۔ اگرچہ بعض صوبوں میں اکثریت مل گئی ہے مگر بنگال میں انہیں اکثریت
سے محروم کر دیا گیا ہے۔

ان تمام واقعات کے پیش نظر ہندوستان کی تمام قوموں کے فرقہ وارانہ
تعلقات بہتر ہونے چاہیں۔ اور تمام فرقوں کو ملک کی بہبودی کی طرف مائل ہو
کر اپنے اختلاف دور کر دینے چاہیں۔

اس تقریر کے بعد ۱۸ فروری کو نیودہلی میں مسٹر محمد علی جناح اسر آغا خاں سے ملے بعد ہندوستان
کے سیاسی حالات اور مسلم لیگ کی پالیسی پر بحث ہوتی رہی۔

مسٹر جناح لاہور پہنچ گئے | ۲۲ فروری کو قائد اعظم محمد علی جناح لاہور پہنچ کر گورنر پنجاب
سر ہربرٹ ایمرسن سے ملے۔ اس ملاقات کے بعد گورنر پنجاب

نے اعلان کیا:

تصفیہ شہید گنج کے سلسلے کو حل کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اگر کوئی فوری
تصفیہ نہ ہو سکے تو صوبے میں ایسی فضا پیدا کی جائے، جس سے دونوں فرقوں
کے درمیان تصفیہ ہو سکے۔ حکومت پنجاب کئی بار اس امر کی وضاحت کر چکی

فی الحال تنظیم اور مقدمہ کو کامیاب کرنے پر صرف کرنی چاہیے۔ اور دوسری تمام تر جدوجہد ملتوی کر دی جائے۔

اس ڈیفنس کمیٹی کے ذمہ دار ارکان یہ تھے۔

۱۔ خان بہادر مرزا ظفر علی ریٹائرڈ جج ہائیکورٹ۔ صدر ڈیفنس کمیٹی۔ ۲۔ نواب شاہنواز آف ممدوٹ۔ ۳۔ ڈاکٹر عبدالرحیم بی۔ ۴۔ سابق سول سرجن افغانستان۔ ۵۔ سید محسن شاہ بی۔ ۶۔ ایل ییل بی۔ ہائیکورٹ لاہور۔

(روزنامہ "الجمیۃ" دہلی ۳۰ فروری ۱۹۴۶ء)

۲۵ فروری کو آل مسلم پارٹیز کانفرنس کا ایک اجلاس زیر صدارت سر آغا خاں کا مشورہ | سر آغا خاں ہوا جس میں سر آغا خاں نے زور دیا کہ

"ہندوستان، مسلمانوں کا بھی ویسے ہی ملک ہے۔ جیسا ہندوؤں کا۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اور قوموں سے مل کر نئے آئین کو چلائیں۔ اور ڈومنین کا درجہ حاصل کریں یہ جلسہ میاں سرفضل حسین نے بلوایا تھا۔

(نامہ "عمال" حصہ اول مصنفہ سر محمد یامین ص ۶۱)

مستر جناح کی دہلی روانگی | مارچ کو مسٹر محمد علی جناح لاہور سے تحریک شہید گنج اور دوسرے امور سے فارغ ہو کر دہلی روانہ ہوئے۔ انہیں اسٹیشن پر الوداع کہنے والوں میں احوار رہنما چودھری افضل حق اور مولانا مظہر علی کے علاوہ مفتی احمد میکیش فضل الہی قرآن اور روزنامہ "احسان" کے مالک ملک نور الہی بھی شامل تھے۔

مستر جناح نے روانگی سے قبل حسب ذیل حضرات پر مشتمل ایک کمیٹی ترتیب دی جو تحریک شہید گنج کے سلسلے میں کام کو آگے بڑھائے۔

ڈاکٹر سر محمد اقبال۔ مولانا عبدالقادر قصوری۔ میاں عبدالعزیز ایڈووکیٹ۔ میاں احمد باخاں دولتانہ۔ راجہ نریندر ناتھ۔ پنڈت نانک چند۔ سر بہادر بوطا سنگھ۔ سردار اجل سنگھ۔ سردار سپور سنگھ۔

حلبہ اور اٹلی کی جنگ نے یورپین سیاستدانوں کو دوسری جنگ عالمی حالات اور ہٹلر | کے قریب تر کر دیا تھا۔ ہر گھڑی ان کے دل و داغ آنے والے

بھیانک قسم کے واقعات پر سوچنے لگے۔ اس دوران مظلوم اور غلام قوموں کا تصور تک ان کے ذہنوں سے محو ہو چکا تھا۔ البتہ ہندوستان کا رد عمل انہیں پریشان کیے ہوئے تھا۔ یا پھر جنوب مشرقی ایشیا کی سرخ ہوائیں ان کے نقشوں پر مٹی ڈال رہی تھیں۔

فرانس، جرمن کے خوف سے برطانیہ کی پناہ ڈھونڈ رہا تھا۔ روس اپنی ضرورت کے لیے فرانس کی قربتداری چاہتا تھا۔ اٹلی حبشہ پر فتح پانے کے باوجود غیر مطمئن تھا حالانکہ لیگ آف نیشنز (LEAGUE OF NATIONS) اس کی ہمنوا تھیں۔ جرمن اس تماشے میں شامل نہیں تھا۔ لیکن جیسے ہی ۵ مارچ (۱۹۳۹) کو یہ خبر اخبارات میں شائع ہوئی کہ جینوا میں فرانس اور برطانوی باشندوں کی ایک کانفرنس میں فرانسیسی مسودہ منظور کر لیا گیا ہے جس میں حبشہ اور اطالیہ سے پہلے کی گئی ہے کہ دنیا کے امن کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی اپنی ملتی جلتی کر دیں اور باہم مل کر صلح کی گفتگو کریں۔ نیز حبشہ اور اطالیہ کے معاملات کو ۱۳۔۱۴ کان کی ایک کمیٹی کے سپرد کر دیا گیا۔ مندرجہ بالا خبر پر ہٹلر نے ۸ مارچ کو اپنے پروپیگنڈا وزیر کو ہدایت کی کہ وہ پارلیمنٹ کا فوری اجلاس بلائیں جس میں تقریر کرتے ہوئے ہٹلر نے کہا:

”میرے ملک کے لوگ سمجھ گئے ہوں گے کہ یہ اجلاس اہم امور پر مفید کرنے والا ہے۔“

اس وقت عالم میں ایسی کشیدگی پیدا ہو چکی ہے کہ تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ جنگ کے دیوتا نے اپنے جنگی مہتمیادوں کو اپنے ہاتھوں سے ہر چیز کو مسلح کر دیا ہے۔ دنیا ان حرکات کی ذمہ داری جرمن پر عائد نہیں کر سکتی۔ گزشتہ سال کے دوران جرمن کی حالت ایک حکمران قوم کی نہ تھی۔ بلکہ وہ غلام قوموں میں شمار ہوتا تھا۔ معاہدہ دار ساسی اصول پر مرتب نہیں کیا گیا تھا۔ بلکہ اسے منافرت کی فضا میں ترتیب دیا گیا اس معاہدے میں کوئی دفعہ ایسی موجود نہیں جس سے امید کی جاسکے کہ جرمن ممالک کے تعلقات کو دائمی طور پر خوشگوار رکھنے میں کامیاب ہوگا۔ جرمن کا ہرگز یہ مقصد نہیں کہ یورپ کے امن کو خراب کرے۔ لیکن اگر یورپ کے سیاستدانوں نے پھر اور نسلی امور کو نظر انداز

کر کے یورپ کے تصفیہ کی کوشش کی تو اس صورت میں فضا زیادہ خراب ہو جائیگی۔
 اس وقت جرمن پریس بحث کی جا رہی ہے۔ یہ موضوع نہ صرف ہماری طرز حکومت
 سے متعلق ہے۔ بلکہ اس کا تعلق براہ راست چھ کروڑ جرمن باشندوں سے ہے جن
 کی ضرورت دیسی ہی ہے جیسی کہ فرانسیسیوں کی ہے۔ جس کے لیے وہ جدوجہد کرنے
 کا حق رکھتے ہیں۔“

اسی شام کو ہٹلر نے اپنے فوجی مشیروں کو طلب کیا اور رمان لینڈ پر قبضہ کرنے کی تجویز ان
 کے سامنے رکھی۔ مارشل بلومبرگ جو ان دنوں چھٹ آف شاف تھا۔ وہ اپنی فوج کو جنگ کے
 قابل نہ سمجھتا تھا۔ اس نے رمان لینڈ میں اقدام کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ فرانس اور برطانیہ
 سے جنگ ہو جائے گی اور ہم حملہ برآں نہ ہو سکیں گے۔

مگر ہٹلر کے جاسوس اپنا کام کر چکے تھے۔ اور ان کا پروپیگنڈہ بہر طور کامیاب تھا۔ اس
 بنیاد پر ہٹلر نے کہا کہ فوجی کارروائی کی کوئی ضرورت نہ ہوگی، نہ فرانس اور نہ ہی کوئی اور جنگ کرے
 گا۔ ہمیں ایک گولی چلائے بغیر قبضہ مل جائے گا۔

مارشل فرش نے جو سالہ اعظم تھا۔ ہٹلر سے کہا کہ اس وقت ہماری فوج تو تنہا فرانس کی
 فوج کا مقابلہ بھی نہیں کر سکتی۔ میں اس اقدام کی ذمہ داری اپنے سر نہیں لے سکتا۔
 ہٹلر فوجی افسران کی گفتگو سے پریشان تو ہوا لیکن اس کی فطرت اس کو سہارا دے گئی۔
 اس نے کہا کہ

”اگر فرانس کی فوج مقابلہ کرے گی تو میں خودکشی کر لوں گا۔ اور تم میرے مرنے
 کے بعد فوجوں کو واپسی کا حکم دے کر جھگڑے کو ختم کر دینا اور فساد سے بچنے
 کے لیے فوجوں میں کوئی سا ان جنگ تقسیم نہ کرنا۔“

، مارچ صبح کے وقت جرمن سفیر نے پیرس میں فرانس کے وزیر خارجہ کو ایک یادداشت
 جو جرمن زبان میں متی، حوالے کی۔ پیشتر اس کے کہ وزارت اس پر غور کر سکے دس اور ساڑھے
 دس بجے صبح کے درمیان فرانس اور برطانیہ کے سفیروں اور بلجیم کے نمائندے کو جرمن کے وزیر
 نے یکے بعد دیگرے برلن میں ملاقات کر کے ایک یادداشت حوالے کی۔ ان یادداشتوں میں کہا

تھا۔ کہ جرمنی میثاق لوکارنو سے بیزاری کا اعلان کرتا ہے۔ اور رہائن لینڈ پر فوراً قبضہ کر رہا ہے۔
دوپہر کے وقت جرمن فوجیں رہائن لینڈ میں داخل ہوئیں اور سارے علاقہ پر قبضہ کر لیا۔ بعد میں معلوم
ہوا کہ جرمن فوجوں کو کوئی کار توں یا سامان جنگ نہیں دیا گیا تھا۔ اس طرح جرمنی نے ایک گولی
چلائے بغیر معاہدہ وارسائی کی ایک اور پابندی ختم کر دی۔

(۹۰) دنیا کی بساط سیاست "مصنف مولانا منظر علی انظر ص ۹۰-۹۱"

گذشتہ دنوں کی اس خبر کی حبشہ نے تردید کر دی کہ حبشہ اور اٹلی کے درمیان عارضی صلح ہو
چکی ہے۔ حبشہ آخری وقت تک جنگ کرے گا۔ اور اس میدان میں اٹلی نے پانچ ہزار جشیوں
کو روپیہ اور اسلحہ دے کر بغاوت پر آمادہ کرنا چاہا تھا۔ لیکن انہوں نے شہنشاہ حبشہ کے روبرو روپیہ
اور ہتھیار ڈال کر اپنی وفاداری کا حلف اٹھایا۔

۱۶۔ مارچ یہ افواہ گرم تھی کہ جرمن نے لیگ کونسل کی
جمعیت اقوام کو جرمن کا جواب

دعوت کو مشروط طور پر قبول کر لیا ہے۔ یعنی

۲۔ جرمن لیگ کونسل کے اجلاس میں مساوی حیثیت اور خود مختار حکومت کی
حیثیت سے شامل ہوگا۔

۱۱۔ سال ۲۰۔ جنوری کو برطانوی شہنشاہ جارج پنجم کا انتقال ہو گیا تھا۔
جارج پنجم کا سوگ | ان کی جگہ ایڈورڈ فڈسرنے بطور بادشاہ ایڈورڈ ہشتم کے نام سے
اختیارات سنبھال لیے تھے۔ لیکن بین الاقوامی صورت حال کے پیش نظر ہندوستان میں
سرکاری طور پر ان کا سوگ، مارچ کو منایا گیا۔ چنانچہ اس روز مندرجہ اسمبلی کا اجلاس جس میں
وائسرائے ہند خود شامل ہو کر تقریر کرنے والے تھے ملتوی کر دیا گیا۔

سرفضل حسین کی کامیابی | سیاسی میدان میں اگر باپ اور بیٹا آمنے سامنے ہوں تو اس
راہ میں یہ رشتہ بھی ٹوٹ کر رہ جاتا ہے۔ دونوں اقتدار کے
حصول میں ایک دوسرے کے حریف ہوتے ہیں۔ رفاقت کیسی ہی کیوں نہ ہو۔ یہ مقام
اس بوجھ کا متحمل نہیں ہوتا۔

سرفضل حسین، مسکنند حیات خاں اور سرفیروز خاں نون، برطانوی راج کی پائیداری

میں ان سب کا خون ہزار وزن میں شامل رہا۔ اگر ایک نئے اسلامی اصولوں سے بغاوت کرتے ہوئے یونین جیک تمام رکھا تھا تو دوسروں نے افواج فرنگی میں شامل رہ کر بلاد اسلامیہ کو تاخت و تاراج کرنے میں کوئی کمی نہیں کی۔ اس ہم آہنگی اور ہمراہی کے باوجود جیسے انہیں راستے کی ناہمواری پر شبہ ہوا تو اپنے آئگن کے مچول بھی کانٹے نظر آنے لگے۔

سرفضل حسین نئے آئین کے تحت پنجاب کے وزیراعظم بننے کی خواہش میں واکسرا کی ایگزیکٹو کونسل سے مستعفی ہو کر پنجاب پہنچے تو سر سکندر حیات کو اپنے راستے کا دڑا سمجھ کر انہیں ریزرو بینک کا ڈپٹی گورنر بنا کر بھیجوا دیا۔ حالانکہ یونینسٹ پارٹی میں بجائے خود اس وقت تک کوئی جان نہیں تھی اور نہ ہی سکندر حیات پنجاب کی عوامی سیاست میں کوئی شخصیت سمجھے جاتے تھے۔ یہی حال سرفیروز خاں نون کا تھا۔ وہ پنجاب کے وزیر تعلیم ہوتے ہوئے بھی کوئی شخصیت نہیں تھے۔

آنے والے کسی طوفان کا رونا رو کر

ناخدا نے مجھے ساحل پر ڈبونا چاہا

آخر سرفضل حسین نے سرفیروز خاں نون کو اپنے راستے سے کیسے ہٹایا یہ کہانی سر محمد یامین کی زبانی سنئے۔

میں سرفضل حسین کی ایک بڑی سیاسی کامیابی یہ ہوتی کہ فیروز خاں نون کو ہائی کمشنر انگلستان مقرر کر دیا۔

اب تک یہ چلا آتا تھا کہ جو ایگزیکٹو کونسلر ایڈسٹریزولیر کا ہوتا تھا وہ مباد ختم ہونے پر انگلینڈ میں ہندوستان کا ہائی کمشنر ہوتا تھا۔ سر بی این مہترہ کی مباد ختم ہونے پر یہ طے تھا کہ سر جوزف مجور مقرر ہوں گے جو گذشتہ سال ریٹائر ہوئے۔ معاملہ بالکل طے ہو گیا تھا اور اعلان ہونے والا تھا کہ سر ایچ ایمرسن گورنر پنجاب نے میں سرفضل حسین سے کہا آپ پنجاب میں ایگزیکٹو کونسل کے ممبر ہو جائیں۔ انہوں نے کہا میں وزارت پسند کرتا ہوں گورنر نے کہا آپ کے رشتہ دار ملک فیروز خاں نون وزیر ہیں۔ تو ایک ہی

خانہ میں تو سب وزارتیں نہیں ہو سکتیں۔ اس پر میاں سرفضل حسین نے کہا اچھا میں مخالف بنچوں پر بیٹھ جاؤں گا۔ گورنر بولا اگر آپ مخالف بنچوں پر جا بیٹھیں گے تو گورنمنٹ بنچوں پر کون رہ جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ یہ تو آپ سوچیں۔

گورنر نے کہا کہ اچھا میں فیروز خاں نون کو برخاست کر کے آپ کو (وزیر) کیے دیتا ہوں۔ سرفضل حسین نے کہا کہ برخاست کر کے میں آنا نہیں چاہتا لہذا فیروز خاں نون کو ہائی کمشنر بنوادو۔ گورنر نے کہا، وقت فیصلہ ہو چکا ہے۔ سرفضل حسین نے کہا کہ ابھی ٹیلیفون کرو اور وائسرائے سے جا کر ملو۔ اور مسلمانوں کے حق کا سوال پیش کرو۔ گورنر نے ٹیلیفون وائسرائے کو کیا کہ کل جو اعلان ہونے والا ہے، اس کو لندن اور دہلی میں روک دیا جائے۔ میں دہلی کے لیے روانہ ہوتا ہوں۔

گورنر نے دہلی میں وائسرائے سے کہا، میں پنجاب میں حکومت نہیں چلا سکتا اگر فیروز خاں نون کو ہائی کمشنر نہ کیا گیا۔ وائسرائے مشکل سے راضی ہو گیا اور سیکرٹری آف سٹیٹ سے اس کو منظور کرا دیا، کہ فیروز خاں نون ہائی کمشنر ہو جائیں۔

اس میں کئی باتوں کی جیت ہوئی۔ اقل تو یہ کہ مسلمان کو ہائی کمشنر کرا دیا دوم یہ کہ سر جوزف بھور کو جو مسلمانوں سے سخت تعصب رکھتا تھا انچا دکھایا اور ہائی کمشنر کے جو خواب دیکھ رہا تھا وہ ختم کر دیے۔ خود پنجاب کے وزیر اعظم ہو گئے اور سر سکندر حیات کو ریزورنٹ کالونی گورنر بنوا دیا۔ جس کے ہاتھ میں تمام عملہ کا تقرر ہوا۔

(”نامہ اعمال“ ص ۶۲۶-۶۲۷)

مدینہ منورہ میں مزارتوں کو شکست | گورنر نے نظر تاریح اس سے لا تعلق ہے کہ غیر مقلد لوگوں نے نہ نا غلام احمد کے کفر یہ عقائد

ابتدا کیوں کر اپنا تے۔ تاہم یہ حقیقت ہے کہ مرزا غلام احمد اور اس کا خلیفہ اول (حکیم نور الدین) باطل عقاید اختیار کرنے سے پیشتر یہی ذہن اور عقائد رکھتے تھے۔ شاید اسی لیے مولانا ثناء اللہ امرتسری نے اپنی تحریروں اور مناظروں میں مرزائیوں کو منافق ٹوکا لیکن غیر مسلم کہنے سے احتراز کرتے رہے۔

جب غزنوی خاندان کا ایک فرد (مولوی اسماعیل غزنوی) عزیزداری میں مرزائیوں کے قریب تر پہنچا تو اسلام کے واضح اصول بھی مجروح ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ مرزائی غیر مسلم ہونے کی حیثیت سے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں داخل نہیں ہو سکتے تھے۔ لیکن مولوی اسماعیل غزنوی کی چونکہ سعودی حکومت سے قریبی رسم و راہ تھی اس اعتماد پر اسماعیل غزنوی کی وساطت سے مولوی احمد تاجی ایک غیر مقلد نے مدینہ منورہ میں مدرسہ دارالحدیث قائم کر رکھا تھا۔ یہ شخص حکومت حجاز کا وظیفہ خوار بھی تھا۔ اس تعلق کی بناء پر اکثر مرزائی حج کے بہانے حجاز پہنچ کر سادہ لوح مسلمانوں کے ایمان خراب کرتے رہتے۔ حکومت حجاز اس راز سے نا آشنا تھی۔

ویسے بھی ۱۹۳۶ء تک مرزائیت اس قدر واضح نہیں تھی کہ مسلمان اس سے نفرت کرنے لگتے۔ ۲۰۔ مارچ ۱۹۳۶ء کو احرار کا وفد مناسک حج سے فراغت کے بعد مدینہ منورہ پہنچا تو نہ جانے اسے یہ کیسے معلوم ہو گیا کہ مدرسہ دارالحدیث میں ہندی اور مصری حجاج کا اجتماع ہو رہا ہے۔ جس میں مدرسہ ہذا کی مالی امداد کے لیے اپیل کی جاتے گی۔ جب احرار وفد مدرسہ دارالحدیث میں داخل ہوا تو مدرسہ کے مہتمم مولوی احمد نے مختصر الفاظ میں مدرسہ کی روداد سنائی۔ مدرسہ کے مختلف طلباء نے مختلف مضامین پڑھے۔ اس دوران لائپور کے ایک مرزائی نے مدرسہ کی امداد کے لیے ایک سو روپیہ نقد پیش کیا۔ اور سورۃ العصر کی مرزائی تفسیر سن کر انگریزی تعلیم کی ضرورت پر زور دیا۔ تاکہ یورپ میں تبلیغ اسلام کی جائے۔ اس دوران مرزائی نے اپنے فرقے کی خوبیوں کا تذکرہ بھی کیا۔ اس کے بعد ایک اور مرزائی اٹھا، اس نے پادریوں کے انداز میں دعا مانگی۔ حاضرین آمین کہتے رہے۔ مرزائی گرجا کے پادریوں کی طرح ہاتھ اٹھاتے بغیر کہہ رہا تھا۔

اُسے خدا بکفر کا زور ہے۔ کفر دنیا کے کناروں تک پہنچ گیا ہے۔ اسلام بکس اور بے چارہ رہ گیا ہے۔ تو نے اس زمانے میں اپنے لطف و کرم سے کفر کے احتفال کے لیے ایک مقدس وجود ظاہر کیا ہے۔ جس کی طفیل ایک پاک گروہ تیرے دین کی خدمت میں مصروف ہے۔ وہ دنیا کے کناروں تک تیرا نور پھیلا رہا ہے۔ اے اللہ! اس گروہ کو ترقی دے اور اس گروہ کے ہر فرد کو محمد رسول اللہ اور اس کے صحابہ جیسا بنادے۔

اس تقریر سے صاف واضح ہو رہا تھا کہ یہ مرزائی ہے۔ چنانچہ ارکان وند میں سے مولانا طور احمد بگوتی نے فوراً اٹھ کر صدر جلسہ سے تقریر کی اجازت چاہی اور پھر اس مرزائی کی تمام تقریر اور اصلیت عوام پر واضح کی۔ جب لوگوں پر حقیقت واضح ہوئی تو مجمع میں سخت اشتعال پھیل گیا۔ اس موقع پر مولوی احمد نے مرزائیوں کو بچانا چاہا لیکن دارالحدیث کے مصری صدر مدرس نے کہا یہ لوگ (مرزائی) واجب القتل ہیں۔ اس پر کافی ہنگامہ ہوا اور مجلس درہم برہم ہو گئی۔ دوسرے دن پتہ چلا کہ مرزائی جدہ پہنچ کر ہندوستان روانہ ہو گئے ہیں۔

(ماہنامہ شمس الاسلام ختم نبوة نمبر بابت شمارہ مارچ اپریل ۱۹۷۵ء ص ۱۱ تا ۱۵)

سُلطان حجاز سے احرار وند کی ملاقات | تقریبات حج کی سرکاری ذمہ داریوں سے فراغت کے بعد سلطان عبدالعزیز والی حجاز نے ۲۲-۱۰-۱۹۲۶ء کو احرار وند کو شرف ملاقات بخشا۔ اس سے پیشتر مولوی اسماعیل غزنوی بعد اپنے رفقاء کے شاہ حجاز سے ملاقات کر چکا تھا۔ اور احرار کے خلاف اپنے تاثرات سے والی حجاز کے مزاج پر اثر انداز ہو چکا تھا۔ اس بناء پر جیسے ہی احرار وند والی حجاز کے رو برو پیش ہوا۔ شاہ کے تیور بدل گئے۔ اور وہ سب سے زیادہ مولانا داؤد غزنوی پر ناراض ہوئے کہ وہ اس وفد کے ساتھ کیوں آئے ہیں۔ والی حجاز کا یہ بکلام غزنوی خاندان پر چند ذاتی احسانات کی بناء پر تھا۔ اس کے بعد سلطان عبدالعزیز بن سعود نے فرمایا:

”میرا ملک زندہ نہیں۔ ہمیں صرف حاجیوں کی آمدن پر گذر بسر کرنی پڑتی ہے اور حاجیوں کی تعداد ہر سال غیر ملکی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے کم ہوتی رہتی ہے۔“

جس کی بناء پر میرا ملک الی مشکلات میں الجھا ہوا ہے۔ جب مجھے تحقیقات پر معلوم ہوا کہ میرے ملک میں خدا نے تعالیٰ کا دیا ہوا خزانہ موجود ہے تو میں کیوں نہ اس سے استفادہ کروں اور اس طرح میرا ملک الی مشکلات سے نجات حاصل کرتے والی جاز سے اس گفتگو کے علاوہ اور کیا باتیں ہوتیں، اس کی تحقیق نہیں ہو سکی تاہم مولانا منظر علی انکھرنے جاز سے واپسی پر اس قدر بتایا:

”ہم نے شاہ عبدالعزیز بن مسعود سے ملاقات کی اور عرب کے مسائل پر تبادلہ خیال کیا۔ جس سے حالات کا بہترین نقشہ فریقین کے ذہنوں میں آگیا۔ اندر کی باتیں کچھ اس انداز کی ہیں کہ ان کا اظہار مناسب نہیں اور نہ ہی ان کا ڈھنڈورا پیٹنا درست ہوگا۔ لیکن آنے والا وقت بتائے گا کہ ہمارے خدشات درست تھے۔“

۲۲۔ ارج کو ہندوستان کے مفتی اعظم اور مجتہد علمائے ہند کے صدر مولانا مفتی کفایت اللہ نے لاہور کی ایک عدالت میں مسجد شہید گنج

کے مقدمہ میں شہادت دیتے ہوئے کہا:

”مسجد کی شرعی حیثیت واضح ہے۔ اگر ایک دفعہ کسی جگہ پر مسجد تعمیر ہو جائے تو پھر قیامت تک وہ مسجد ہی رہتی ہے۔ اس پر نہ تو کوئی دوسری عمارت تخلیق ہو سکتی ہے اور نہ ہی اس کی ہیئت بدلی جاسکتی ہے۔“

۲۴۔ ارج کو دہلی ہری جن کالونی میں آل انڈیا کانگریس ورکنگ کانگریس نے بحث ختم کر دی | کمیٹی کا اجلاس شروع ہوا جس میں کمیونل ایوارڈز پر بحث تھا۔ لیکن شروع اجلاس میں تمام ممبران نے بغیر کسی گفتگو کے اس پر ہمیشہ کے لیے بحث ختم کرنے کا فیصلہ کیا۔

ہندوستان میں ہٹلر کے خلاف پروپیگنڈہ | جو من قوم کو جس عاجلانہ طریق پر ہٹلر نے زندہ قوموں کی صف میں لاکھڑا کیا تھا۔ اقوام یورپ اور خاص کر برطانیہ اس سے زیادہ پریشان تھا۔ یورپ کے بعد ہندوستان کے اخبارات نے سرکاری سطح پر ہٹلر کے خلاف یہ پروپیگنڈہ شروع کیا کہ اس نے تحریک آزادی ہند اور ہندوستانیوں کے

خلاف زیر اگلا ہے اس پر ٹبلر کے خلاف ہندوستانیوں میں ہوا پھیلنے لگی۔ لیکن سیکرٹری جماعت اسلامیہ جو منسٹر حبیب الرحمن قریشی نے فوراً اس کی سختی سے تردید کر دی اور ساتھ ہی جو من کے ہد پکنڈہ سیکرٹری ڈاکٹر گوہرنے بھی ۲۱-۲۲ مارچ کے ایک بیان کے ذریعے اس کو غلط قرار دیا۔

انتخابات کی سرگرمیاں | اپریل کا مہینہ ہندوستان میں انتخابی ہنگامہ آرائی کا اہم اور سرگرم مہینہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ کانگریس اور مسلم لیگ کے علاوہ دیگر

سیاسی جماعتیں ایک دوسرے سے گفتگو، معاہدات یا گٹھ جوڑ کرنے میں مصروف تھیں۔

۱۹۳۵ء ایکٹ کے ذریعے جو صوبائی خود مختاری ہندوستان کو ملی، ہر فرد کسی نہ کسی طریق پر اس سے فائدہ اٹھانا چاہتا تھا خواہ انفرادی یا اجتماعی۔ ہندوستان کی معروف سیاسی پارٹیاں اپنا اپنا منشور اور مستقبل کے لیے طرز حکومت کا نقشہ لیے پھر رہی تھیں۔

کانگریس، مسلم لیگ، جمعیتہ علمائے ہند اور مجلس احرار ان دنوں عام کے ذہنوں پر قابض تھیں۔ رجعت پسند اور سرکار پرست طبقہ بھی کسی نہ کسی انداز میں ہاتھ پاؤں مار رہا تھا غیہ علی اقتدار اپنے استحکام کی سوچ میں تھا۔ ایسے میں والیان ریاست دہری مشکلات میں تھے۔ اپنی رعایا سے ان کا برتاؤ حاکمانہ غرور پر تھا۔ اور دوسری طرف ان کا برطانوی سہارا دم توڑ رہا تھا۔ ان حالات میں ریاستی نظام کے وارث نواب مسلم لیگ کا تکیہ چاہتے تھے اور مہاراجگان کانگریس کی عباؤ ڈھ پھرتے رہے۔

انتخاب کے دن جیسے قریب آتے گئے۔ دانشوروں کے ذہن اور صلاحیتیں نکھر کر سامنے آتی گئیں۔ یکم اپریل (۱۹۳۶ء) کو سندھ بھی سے ایک صوبہ قرار دے دیا گیا تو بعض سیاستدان بھی پر پرزے بھاڑنے لگے۔ سروا کھوڑا اور محبوب خان ان کے وڈیرے اپنا اپنا پتھارا اٹھائے سندھی حوام کے نقش پا ڈھونڈنے لگے۔ ورنہ یہ لوگ محلاتی سازشوں کے ذریعے اپنے مقدر سنوارنے کے عادی تھے۔

ایکٹ ۱۹۳۵ء اقوام ہند کے ہر طبقے نے نالیند کیا۔ البتہ وجوہ مختلف تھیں۔

۱۔ کانگریس چونکہ ۱۹۲۹ء کے اجلاس لانچر میں آزادی کی قرارداد منظور رکھی تھی۔ اور جو آئین درجہ نوآبادیات تک محدود تھا۔

۲۔ مسلم لیگ اس وقت تک غیر مقبلی جاعت تھی۔ عوام سے اس کا کوئی رابطہ نہیں تھا۔ اور نہ کوئی پروگرام۔ مسلم لیگ وفاق میں ریاستوں کی شمولیت کے خلاف تھی کہ اس طرح مسلمانوں کا تناسب آبادی مزید کم ہو جاتا تھا۔ نیز اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے گورنروں کو دیے گئے خصوصی اختیارات کو کافی تحفظ خیال کرتی تھی، جیسا کہ بعد کے واقعات نے ثابت بھی کر دیا۔ اس کے علاوہ مسلم لیگ کو پنجاب اور بنگال میں مسلمانوں کو اقلیت میں بدل دینے پر بھی اعتراض تھا۔ تاہم مسلم لیگ نے اس سکیم کو حاضمی طور پر تسلیم کر لیا۔

۳۔ وفاقی کونسل میں ریاستی عوام کی بجائے والیان ریاست کو نمائندگی دی گئی تھی۔ کانگریس اور مسلم لیگ اس طرز عمل کے خلاف تھیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دستور نو کا وفاقی حصہ نافذ نہ ہو سکا۔ کانگریس نبطا ہر اپنے کو اقوام ہند کی نمائندہ سمجھتی رہی لیکن مہاسیجائی گروہ اس کی انتظامیہ پر قابض ہوتا جا رہا تھا۔ نیشنلسٹ مسلمانوں کی اکثریت کانگریس کے اندرونی ماحول میں بڑھتی ہو کر بھاگنے لگی۔ مجلس احرار اور جمعیتہ علمائے ہند کا ہے کہ ہے آزادی وطن کے لیے کانگریس کی مہنوا ضرورت تھیں۔ ورنہ ان کا کانگریس سے کوئی سیاسی رشتہ نہیں تھا۔

نئے انتخاب کے موقع پر مسلمانان ہند کا باہم مل بیٹھنا ضروری سمجھا گیا۔ اس کے بغیر انگریز اور ہند کی سیاسی گیم کا میاب ہو رہی تھی۔ لیکن مسلمان تین حصوں میں منقسم تھے۔ مسلم لیگ تن آسان اور ماڈریٹ قسم کے مسلمانوں کو پناہ دیے ہوئے تھی۔ سیاسی دل و داغ کا مسلمان انگریز دشمنی کے باعث ہندوستان بھر میں الگ حیثیت منجھالے ہوئے تھا۔ انگریز سے وابستہ طور پر مسلمان کا دولت مند طبقہ اپنی تقدیر غیر ملکی وقار سے سمجھے ہوا تھا۔ اس انفرادیت سے ہر گروہ کی سیاسی ضد ایسی بڑھ چکی تھی کہ ان کا ایک محور پر جمع ہونا دشوار نظر آ رہا تھا۔ اس مشکل راستے میں ایک موڑ آیا کہ دہلی میں یونٹی بورڈ کی مجلس عاملہ نے ایک اجلاس طلب کیا۔ اس میں مسٹر محمد علی جناح خود شریک تو نہ ہوئے مگر ان کا حسب ذیل پیغام متین چودھری نے پڑھ کر سنایا۔

”بجائے یونٹی بورڈ کے تحت الیکشن رونے کے مسلم لیگ کے نام پر الیکشن لڑا جائے اور اس میں پرانی جماعتوں کو اکٹھا کیا جائے۔“

اس مشورے پر ماؤس کی یہ رائے مٹھری کہ مسٹر جناح کو خود آکر اپنی بات کی وضاحت کرنی

چاہیے۔ چنانچہ دوسرے روز سہ پہر کے اجلاس میں مسٹر جناح کی موجودگی میں مفصل بحث ہوئی۔ اس جلسہ میں یونٹی بورڈ کے علاوہ جمعیۃ علمائے ہند کے ارکان بھی خاص دعوت پر شریک اجلاس تھے۔ اس دوران یہ سوال سامنے آیا کہ

”جو لوگ اپنا مسلک کامل آزادی رکھتے ہیں، وہ مسلم لیگ کے ممبر کیسے بن سکتے ہیں؟“

جواب میں مسٹر محمد علی جناح نے کہا

”جو لوگ آگے ہیں ان کا پیچھے والوں کے ساتھ شامل ہونا کوئی قابلِ اعتراض عمل نہیں۔“

بالآخر طے پایا کہ مسلم لیگ کی بجائے مسلم پارلیمنٹری بورڈ برائیکشن لڑ جائے، جس میں تمام جماعتیں شریک ہوں۔ نیز مولانا احمد سعید ناظم اعلیٰ جمعیۃ علمائے ہند کی تجویز پر قائد اعظم محمد علی جناح کو اختیار دیا گیا کہ وہ پارلیمنٹری بورڈ کے ممبر خود نامزد کریں۔ اجلاس کے خاتمے پر حسبِ ذیل ایکشن مینیسٹو شائع کیا گیا۔

- ۱۔ تمام جاہلانہ قوانین منسوخ کرائے جائیں گے۔
- ۲۔ ملک کی اقتصادی لوط مار کو روکا جائے۔
- ۳۔ ملک کے بھاری اخراجات کو گھٹایا جائے۔
- ۴۔ ملکی صنعت و حرفت کو ترقی دی جائے گی۔
- ۵۔ سکھ و شرح تبادلو کا خیال رکھا جائے گا۔
- ۶۔ غیر ملکی قرضوں کا بوجھ کم کیا جائے گا۔
- ۷۔ ابتدائی تعلیم کو مفت کیا جائے گا۔
- ۸۔ مسلمانوں کے مذہب اور زبان کی حفاظت کی جائے گی۔
- ۹۔ ملک میں راستے عامہ کو بیدار کیا جائے گا۔
- ۱۰۔ اپریل کو بمبئی مسلم لیگ کے اجلاس میں سب مسلم جماعتوں کو شرکت کی دعوت دی جائے۔

کانگریس کی قرارداد | مسلم یونٹی بورڈ کے اجلاس منعقدہ دہلی کے بعد، اپریل کو آل انڈیا کانگریس کی مجلس عاملہ کے آئندہ انتخاب کے لیے اپنی واضح پالیسی کا اعلان کرتے ہوئے حسب ذیل قرارداد منظور کی۔

”کانگریس ورکنگ کمیٹی کا یہ اجلاس اکیٹ ۱۹۳۵ء کے نئے آئین کو غیر نسلی بنش اور ملک کی آزادی کے لیے باعث خطرہ قرار دیتے ہوئے اسے بالکل نامطلوبہ اور مسترد کرنے کی سفارش کرتا ہے، نیز قرارداد پائیک کوئی ایسا آئین جسے کوئی غیر ہندوستانی طاقت وضع کرے اور ہندوستانیوں کے اس حق کو تسلیم کرنے سے انکار کرے، جس سے ہندوستانیوں کو اپنے سیاسی اور اقتصادی مستقبل کی تکمیل کا حق حاصل نہیں، وہ آئین قطعاً ناقابل قبول ہے۔

ہندوستان کے لیے کانسی ٹیوٹ اسمبلی کا تیار کردہ آئین ہی قابل قبول ہو سکتا ہے۔

اس حقیقت کے پیش نظر کہ نئے آئین کے تابع صوبہ جاتی مجالس وضع قوانین کے انتخاب کانگریس کے آئندہ اجلاس سے قبل ہوں گے ایسی صورت میں کانگریس انتخابات میں ایسے امیدوار کھڑے کرے جو کانگریس کی اعلان کردہ پالیسی اور فرمان کے مطابق عمل کرے۔

نئے وائسرائے کی آمد | ۸۔ اپریل کو ہندوستان کے نئے وائسرائے مسٹر لارڈ لینڈنگو نے اپنے عہدے کا چارج سنبھالا تو حالات میں نئی تبدیلی آئی۔ نئے حاکم نے نئی پالیسی وضع کی، جس سے غلام ہندوستان کا احساس غلامی نئے جذبات سے ابھرا اور آئندہ انتخاب میں ہر سیاسی جماعت نے اپنی ذمہ داری کو محسوس کیا۔ نئے وائسرائے کا پہلا وار مسٹر سبھاش چندر بوس پر ہوا کہ وہ یورپ سے واپسی پر ہمارے اترے ہی ریگولیشن ۱۸۱۸ء کی دفعہ ۳ کے تحت گرفتار کر لیے گئے۔

عظیم کی تقریر | یونٹی بورڈ کی گذشتہ روز کی میٹنگ کے بعد جمعیۃ علمائے ہند کے ایک جلسہ عام میں تقریر کرتے ہوئے صدر مسلم لیگ نے کہا:

”حکومت نے یہ آئین تمام پارٹیوں کی مرضی کے خلاف اس ملک پر محض اس وجہ سے
ٹھونس دیا ہے کہ ہندوستانی آپس میں متحد نہ تھے اور اپنے خانگی اختلافات کا تصفیہ
خود کر سکتے تھے۔ تاہم مسلمان آزادی کی جنگ میں بھی ساتھ چلنے کو تیار ہیں۔
مرٹ اپنا تحفظ چاہتے ہیں۔ چونکہ وہ اقلیت میں ہیں۔ یہ کوئی مذہبی سوال نہیں
بلکہ خالص سیاسی مسئلہ ہے۔ میں ہندوؤں سے اپیل کرتا ہوں کہ کمیونل ایوارڈ پر
بحث کا دروازہ بند کریں تاکہ ہم سب مل کر آگے بڑھ سکیں اور ملک کے بڑے
مسئلے کی طرف توجہ دیں۔“

ہندو اور مسلمانوں کو الگ الگ منظم ہونا چاہیے۔ اگر دونوں منظم ہو گئے
تو انہیں تعاون کے رشتے پر چلنے میں دیر نہ لگے گی۔

(مارشل لاء سے مارشل لاء تک ص ۸۱)

علی گڑھ یونیورسٹی کا وائس چانسلر | ملک کی سیاسی جماعتیں انگریز اور غیر مسلم کا جواب دینے
میں مصروف تھیں۔ اس بنیاد پر مسلم لیگ سمیت مسلم

جماعتوں کا باہم اتحاد ہو رہا تھا۔ انہی دنوں کا ذکر ہے کہ

”چودھری سر ظفر اللہ مرزا نے کوئٹہ جیڈا بادرکن کی سفارش پر علی گڑھ یونیورسٹی

کا وائس چانسلر بنایا جا رہا تھا۔“

اگر یہ عہدہ کسی غیر مسلم کے قبضے میں چلا جاتا تو اس اہم تعلیمی ادارے کا کیا حشر ہوتا؟ جہاں
ہزاروں کی تعداد میں مسلمان طلباء تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ ان کے ایمان اور عقیدہ ختم نہ ہو
کس بھی طرح مجروح ہوتے۔ احرار اپنی سیاسی مصروفیت کے باوجود اس نکتے سے غافل نہیں
تھے۔ چنانچہ جیسے ہی یہ اطلاع احرار رہنماؤں تک پہنچی۔ صدر آل انڈیا مجلس احرار مولانا حبیب الرحمن
لدھیانوی نے ایک برقیہ والئی جیڈا بادرکن بھیجا۔

”علی گڑھ یونیورسٹی ایک اسلامی درس گاہ ہے۔ اس کا وائس چانسلر کسی مسلمان

کو تجویز کریں۔“

سب خبر کو بڑی حد تک خفیہ رکھا گیا۔ لیکن جیسے ہی صدر مجلس احرار کے برقیہ کا متن اخبارات

میں شائع ہوا۔ روزنامہ انقلاب کے ایڈیٹر نے اس پر غصے کا اظہار کرتے ہوئے ۴ اپریل کے شمارہ میں ایڈیٹوریل لکھ مارا، جس کے نتیجے پر یہ آگ دوڑ تک پھیل گئی۔ آخر والئی دکن اور حکومت برطانیہ کے دماغوں کی یہ تجویز اپنی موت مر گئی۔

نیا امیر ملت | امیر ملت پر جماعت علی شاہ کے جج پر چلے جانے کے بعد ۱۰ اپریل کو لاہور شاہی مسجد میں ایک اجتماع ہوا جس میں مسٹر عزیز مندی نے جوان دنوں افغانستان سے لاہور آئے تھے، ایک تجویز پیش کی کہ مسلمانوں کو ایک سردار منتخب کرنا چاہیے۔ اس پر مجمع سے ایک آواز آئی کہ پر جماعت علی شاہ کی موجودگی میں دوسرا کوئی سردار منتخب نہیں ہو سکتا۔ اس کے جواب میں کہا گیا کہ پیر صاحب چونکہ کانوں کے کمزور ہیں اور وہ ہر ایک کی بات مان لیتے ہیں، چاہے بات کیسی ہی ہو، لہذا ہمیں نئے امیر ملت کی تجویز پر غور کرنا چاہیے۔ اس پر کافی ہنگامہ ہوا اور اجلاس ہنگامے کی نذر ہو گیا۔

انسانیت پر سب سے بڑا ظلم | طاقت دولت کی ہوا ہتھیاروں کی، انسان جب اس پر اندھے کی لاٹھی بن کر چاروں طرف گھومتا ہے۔ اپنے پرانے اس کی چوٹ سے محفوظ نہیں رہتے۔ حبشہ کی مظلوم آبادی جب اپنے دفاع کے لیے اطالیہ کے سامنے آئی تو طاقت نے مظلوم کی بجائے طاقت کی ہمنوائی کی۔ لیگ آف نیشنز نے ظالم کو سزا دینے کی بجائے مظلوم کی موت کا تماشا کیا۔ اس کی شہ پاکر ۱۳۔ اپریل ۱۹۳۶ء کو اٹلی نے حبشہ پر ایسی زہریلی گیس بھینکی جس سے ہزاروں انسان اندھے اور پاچھ ہو کر رہ گئے۔ رہی سہی کسر بیماری نے پوری کر دی۔ ۱۹۱۳ء کی جنگ عظیم تاریخ کی بڑی بڑی طرانی قرار دی جا رہی ہے۔ لیکن اس قدر ظالم ہتھیار اس طرانی میں بھی استعمال نہ ہوا جو اطالیہ نے اپنے سے کئی درجہ کمزور حبشہ پر استعمال کیا۔ حالانکہ حبشہ اٹلی کے مقابل کوئی بڑی طاقت نہیں تھا۔ لیکن براہو، ہوس ملک گیری کا کہ انسان اس کے لیے انسانیت کی تمام راہیں روندھ ڈالتا ہے۔ زہریلی گیس کے استعمال سے یورپ اور ایشیا کانپ اٹھے۔ برطانیہ، فرانس، امریکہ اور غلام ہندوستان نے بھی اپنے رد عمل کا اظہار کیا۔ اور مولینی کو اس انسانیت سوز حرکت پر اسے لعن طعن کی لیکن اب ہو بھی کیا سکتا تھا۔

دہلی کے فیصلے کی روشنی میں ۱۰ اپریل کو بمبئی میں آل انڈیا مسلم لیگ
مسلم لیگ کا اجلاس کا سالانہ اجلاس سر وزیر حسن کی صدارت میں شروع ہوا جس میں
 صدارتی تقریر کرتے ہوئے سر وزیر حسن نے کہا کہ

”ہر آزمائش میں تاج برطانیہ سے ہماری وفاداری مستحکم ثابت ہوئی ہے۔ یہاں
 تک ہماری وفاداری کو آتشیں آزمائشوں سے گزرنا پڑا۔ ہماری مساجد و میندر مندر
 کر دیے گئے۔ اندھا دھند لاشیاں اور گولیاں چلائی گئیں۔ ہمارے رہنماؤں کو
 مقتلات چلائے بغیر جیل خانوں میں بند کر دیا گیا۔ تحریک آزادی میں ہمارے
 کارکنوں پر بے جا تشدد کیا گیا۔ بغیر کسی ثبوت کے نقل و حرکت پر پابندیاں عائد
 کی گئیں۔ تقریر و تحریر کی آزادی سلب کر لی گئی۔ اس طرح کثیر تعداد میں متشددانہ
 قانون بنائے گئے اور آرڈیننس نافذ کیے گئے۔ میں بلا تردید کہہ سکتا ہوں کہ
 ہندوستان کے ریاض آئین کے حواشی پر تاج برطانیہ نے ہماری وفاداری کا
 ثبوت تحریر کرنے کے لیے کوئی گنجائش نہیں رکھی۔“

(روزنامہ ”انقلاب“ لاہور ۱۴-۱۵ اپریل ۱۹۳۶ء)

اس اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے مسٹر محمد علی جناح نے کہا کہ
 ”اس آئین کے پردے میں ہم سے دھوکہ کیا گیا ہے۔ ہندوستان کے
 مسلمان اس دستور اساسی کے خلاف علم جہاد بلند کریں گے۔ اگر ہندو نے
 اس قومی جنگ میں مسلمان کا ساتھ دیا تو بہتر درجہ مسلمان اکیلا ہی اس راہ پر
 گامزن ہوگا۔“

کانگریس کو دیگر اقوام کی کوئی پرواہ نہیں لیکن مسلمانوں کا تعاون حاصل
 کیے بغیر کانگریس کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی۔ اگر کانگریس اپنی اس پالیسی کے
 پیش نظر چاہتی ہے کہ ملک میں برطانوی حکومت کو دوام حاصل ہو تو اسے
 یہ نظریہ مبارک ہو۔ مسلمان اپنا فرض ادا کریں گے۔“

مسلم لیگ کے اس اجلاس میں مسٹر محمد علی جناح کے دہلی والے اختیارات کی تصدیق

کر دی گئی کہ وہ کم از کم پینتیس آدمیوں کا ایک مسلم پارلیمنٹری بورڈ بنائیں جو ملک بھر میں انتخابات کی تیاریاں کرے۔ اس اجلاس میں ترقی پسند جماعتوں کی آمادہ شمولیت کے باعث کوئی زمیندار اور تعلقہ وار شریک نہیں ہوا۔ اس اجلاس میں تو ابزادہ لیاقت علی خاں کو مسلم لیگ کا جنرل سیکرٹری منتخب کیا گیا۔ اگرچہ اس عہدے کیلئے راجہ خضفر علی بھی امیدوار تھے لیکن مسٹر محمد علی جناح نے انہیں اس ارادے سے باز رکھا۔

دیگر فیصلوں کے علاوہ یہ بھی طے پایا کہ ۲۶ اپریل تک مسٹر جناح تمام صوبوں کے رہنماؤں سے رابطہ پیدا کریں۔

یونینسٹ پارٹی | بمبئی مسلم لیگ کے اجلاس میں جو کچھ کہا گیا اس کے فوراً بعد ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد، سر محمد یعقوب اور سر عبداللہ دارون مسٹر جناح سے الگ ہو گئے۔ یہ اسمبلی میں ان کے ہمنوا تھے۔ سر وزیر حسن اور مسٹر محمد علی جناح نے جو تقریریں کیں، ٹوٹری مسلمان ان کا متحمل نہیں تھا۔ ویسے بھی مسلم لیگ کی تاریخ میں یہ پہلا اجلاس تھا جس میں برطانوی حکومت کو اپنے خلاف باتیں سننا پڑیں۔ ورنہ آج تک یہ جماعت جی حضوریوں کا گروہ چلی آرہی تھی اس اجلاس کے بعد رجعت پسند گروہ نے مسلم لیگ سے الگ ہو کر یونینسٹ پارٹی کی طرز پر اپنے اپنے گروہ منظم کیے۔ مثلاً سر عبدالقیوم نے شمال مغربی سرحدی صوبہ میں فریئر یونائیٹڈ پارٹی بنائی۔ سندھ میں سر عبداللہ دارون نے سندھ یونائیٹڈ فرنٹ قائم کیا اور یوپی میں ایگریکلچر پارٹی بنائی۔ اس کے رہنما نواب چغتاری تھے۔

مشترک اپیل | بمبئی مسلم لیگ کے اجلاس کی صدارتی تقریر کے بعد آل انڈیا کانگریس کے صدر راجندر پرشاد اور مسلم لیگ کے صدر محمد علی جناح کے دستخطوں سے ملک کی مجوزہ سیاسی جماعتوں کے نام ایک اپیل خراج ہوئی، جس میں ہندوستان کی آزادی کے پرامن اور آئینی جدوجہد کرنے پر رائے معلوم کرنی چاہی۔ اس پر کانگریس کے صدر راجندر پرشاد نے صدر مسلم لیگ کو ایک خط لکھا، جس کا متن یونائیٹڈ پریس کے ذریعے چودہ اپریل کے اخبارات میں شائع ہوئی۔

”ڈیر جناح! تمام مختلف فیہ مسائل کا حل سوچنے کے

لیے کانگریس اور مسلم لیگ میں اتحاد ہونا چاہیے۔ خواہ ان مسائل کا تسنق آئین سازی سے ہو یا اس کے ماسواً اس خط میں صدر کانگریس نے فرقہ وارانہ فیصلہ اور مخلوط انتخاب کی پیشکش بھی کی۔

یونائیٹڈ پریس نے دوسری اطلاع دی۔

”سٹر جناح نے راجندر پرشاد کی اس تجویز سے اتفاق کیا ہے کہ تمام مسائل کے حل کے لیے کانگریس سے اتحاد عمل ہونا چاہیے“

(روزنامہ انقلاب ۱۴-۱۵ اپریل ۱۹۳۶ء)

کانگریس کا اجلاس | اسی روز (۱۴-۱۵ اپریل) آل انڈیا کانگریس کی ورکنگ کمیٹی کا اجلاس ہوا۔ (راجندر پرشاد کی بیماری کے باعث) اجلاس کی صدارت پنڈت جواہر لال نہرو نے کی۔ صدر اجلاس نے برطانوی حکومت کو ہندوستان سے فوراً نکل جانے کو کہا۔ نیز ہندوستان کے باہمی اختلاف اور تفرقات پر اظہار افسوس کیا۔

اس اجلاس میں کونسلوں کے داخلے کی حمایت کی گئی۔ لیکن وزارتیں قبول کرنے کی مخالفت کی گئی اور ساتھ ہی کمیونل ایوارڈ کے اصولوں کی مخالفت بھی کی گئی۔

مرفضل حسین کی تقریر | ۱۹-۱۰ اپریل کو یونینسٹ پارٹی کے دفتر کی افتتاحی تقریب جناب شہنواز خاں وائس ممدوٹ کی کوٹھی میں منعقد ہوئی، میں تقریر کرتے ہوئے پارٹی لیڈر مرفضل حسین نے کہا:

”اس کے سوا ہمارے پاس کوئی چارہ کار نہیں کہ ہم آئندہ اصلاحات سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں۔ کچھ عرصہ کے لیے برطانوی حکومت نے ایک آخری فیصلہ دیا ہے۔ ہمیں اس کو بہ طور مان لینا چاہیے۔ اگرچہ کوئی ہندوستانی اس سے مطمئن نہیں تاہم ہماری کوشش درجہ نوآبادیات حاصل کرنے کے لیے جاری رہنی چاہیے“

اس افتتاحی تقریب میں حسب ذیل افراد شریک تھے۔

خان مظفر خاں۔ سرفیروز خاں نون۔ چودھری سرچھو ٹورام۔ بیگم سر شہنواز خاں بہادر احمد یار خاں دو تانہ۔ ڈاکٹر محمد عالم ایڈوکیٹ۔ غلام جیلانی صدر مجلس اتحاد ملت۔ چودھری منگھو رام

صدر دھرم منڈل جالندھر۔ سرسند سنگھ مجیٹہ۔ سردار اجمل سنگھ، راستے بہادر مکند لال پوری۔
 مسٹر مہکت رام پوری پیرسٹر میاں عبدالحئی ایڈووکیٹ لدھیانہ، ملک زمان مہدی خاں۔ میاں
 عبدالحزیز ایڈووکیٹ لاہور۔ راستے بہادر رام جویا مل کپور صدر لاہور ہندو سبھا۔ خواجہ فیروز الدین احمد
 میر مقبول احمد۔ نواب خضر حیات ٹوانہ۔ چودھری سر شہاب الدین، خاں بہادر حبیب اللہ۔
 نوابزادہ خورشید علی خاں۔ مسٹر محمد علی امیر جماعت احمدیہ لاہور۔ مولانا سید حبیب مدیر روزنامہ
 "سیاست" لاہور۔ مولانا عبد المجید سائیک۔ اور مولانا غلام رسول ہریدین روزنامہ انقلاب لاہور۔
 (۲۰۔ اپریل۔ روزنامہ انقلاب لاہور)

دہلی ۲۰۔ اپریل کا اجلاس بمبئی ۱۰۔ اپریل کا اجلاس
 ان کے بعد یوپی، پنجاب، سندھ اور شمال مغربی

احرار اور دیگر رہنماؤں میں بات چیت

صوبہ سرحد میں سرکار پرست افراد کا اتحاد اور مسلم لیگ کی دعوت پر حریت پسندوں کا اجتماع
 حالات کی واضح غمازی کر رہے ہیں کہ نئی اصلاحات کے تحت ہونے والے انتخابات اپنے
 اندر کس قدر اہمیت رکھتے ہیں اور ان حالات میں ہندوستان کس نازک موڑ پر آن پہنچا ہے۔
 شہید گنج تحریک کو جنم دینے والا عناصر کس بری طرح اپنے موقف سے انحراف کر رہا
 ہے۔ جو مجلس احوار ایسی فعال جماعت پر یہ تحریک اپنا اثر ڈالے بغیر نہ رہ سکی۔ اسے وقتی
 طور پر منزل سے دور رکھنے کی کوشش کی گئی، تاہم شہید گنج کا ملکہ انہی لوگوں کے سرسٹری ڈال
 کر رہ گیا، جنہوں نے یہ خاک مجلس احوار کے لیے اڑائی تھی۔

احوار ایک واضح نصب العین لیے ہوئے عارضی رکاوٹوں کو پرکاش کے برابر جان کر اپنا
 سفر جاری کیے ہوئے تھے۔ مسلم لیگ اور جمعیتہ علماء ہند کے رہنماؤں سے احوار کی بات چیت
 اندر خانے چل رہی تھی۔ یونینسٹ پارٹی کی میٹنگ کے بعد احوار رہنما راہ غرضنظر علی اور
 متین چودھری سے دہلی میں ملے۔ اس ملاقات کے بعد ۲۰۔ اپریل کو مسٹر محمد علی جناح نے احوار
 رہنماؤں کو مسلم لیڈوں کے اجلاس میں شمولیت کے لیے ۲۰۔ اپریل کو دہلی آنے کی دعوت دی۔
 اس سے پیشتر ۶۔ فروری کو لاہور میں مسٹر جناح احوار رہنماؤں سے مل چکے تھے۔ مولانا
 حبیب الرحمن، مولانا مظہر علی انصاری اور چودھری افضل حق نے مسلم لیگ کے صدر پر اپنا موقف

واضح کرتے ہوئے کہا:

”ہم آپ سے ہم آہنگ ہیں اور آپ کے ساتھ مل کر رجعت پسند پارٹی کے مقابل ہر طرح کا تعاون کرنے کو تیار ہیں۔ لیکن اس شرط پر کہ آپ مرزائیوں کو مسلم لیگ سے باہر رکھیں۔“

مسٹر محمد علی خلیج نے احوار رہنماؤں کی قدر کرتے ہوئے ان کی یہ شرط مان لی، مگر ساتھ ہی کہا اگر آپ لوگ مسلم لیگ میں شامل ہو گئے تو مرزائی آپ سے آپ بھاگ جائیں گے۔ مندرجہ بالا خبر ایک نامہ نگار کی اطلاع پر ہے جو مراسلے کی صورت میں ۱۲ مئی ۱۹۳۶ء کے سر روزہ ”الجمعیۃ دہلی“ میں شائع ہوا۔

نامہ نگار نے آخر میں لکھا:

”اگر ایسا ہو جائے تو پنجاب میں مسلمانوں کی ایک منظم جماعت مرفضل حسین اور سرسکندر حیات کے مقابل تیار ہو سکتی ہے اور اس کا اثر ہندوستان کے دیگر صوبوں پر بھی پڑ سکتا ہے۔“

ان دنوں مرفضل حسین اور مرزا بشیر الدین محمود کی ملاقات کے عام چرچے تھے۔ جس سے مسلمانوں میں بے چینی پائی جاتی تھی۔

۲۳ اپریل کو مجلس احوار کا وفد شاہ حجاز سلطان عبدالعزیز سے مل کر احرار وفد کی واپسی | کراچی واپس پہنچا۔ بند گاہ پر کثیر حلقہ احباب نے ان کا استقبال کیا۔ نیز دوسرے روز لاہور پہنچنے پر وفد کا شاندار استقبال کیا گیا۔ ان سے ایک ہفتہ بعد احوار کے مقابل وفد کے ارکان بھی کراچی پہنچ گئے۔ ان کے پاس شاہ سعود کے تحفے موجود تھے۔ جن میں گھڑیاں، رومال اور شاہی چوٹے شامل تھے۔ رمال کس قدر تھے اس کا اندازہ نہیں ہو سکا۔ بہر حال یہ لوگ اپنے دنیاوی مقصد میں کامیاب ہوئے۔ جبکہ احوار وفد کے ارکان کو قریباً دو برس لگ گئے کہ وہ اپنا قرض دوستوں کو چکاتے رہے، جو چج کرنے اور جماعتی ذمہ داریاں نبھانے کے لیے حجاز لے کر گئے تھے۔

۲۶- اپریل: تاریخ میں بعض دن مؤرخ کے لیے متابع عزیز ثابت ہوتے ہیں۔ اور یہی

دست پھر آئندہ نسلوں کے لیے عنوان زندگی قرار دی جاتی ہے۔ تو میں اسی سنگ میل کی نشاندہی پر اپنی منزل تلاش کرتی ہیں۔ البتہ کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا ہے کہ بے راہرو انسانوں کے ڈگمگاتے قدم ان لکیروں کو مٹا دیتے ہیں۔ پھر صدیوں بعد شہدار کا خون ان نشانات کو اجاگر کرتا ہے جو قافلہ ہائے زلیست ان راہوں پر چھوڑ گیا تھا۔

۲۶۔ اپریل ۱۹۳۹ء تاریخ برصغیر میں مسلمانان ہند کے لیے نایاب دن تھا۔ جب کانگریس کے مقابل ملت اسلامیہ کا فعال گروہ دہلی میں جمع ہوا۔ اگر عیاد کی نظر اس نوموہود پودے کو کھانہ جاتی اور بہار آتے سے پیشتر اس کی پھول تپیاں بکھیر نہ دی جاتیں تو ممکن ہے یہی پودا تن آور درخت بن کر برصغیر میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا باعث ہوتا۔

ہائے فلک نے تاک کر توڑا اسے
میں نے جس ڈالی کو تار آشیانے کے لیے

مسٹر محمد علی جناح (قائد اعظم) کی دعوت پر ہندوستان کی سیاسی جماعتوں کے قریب بھی رہنا۔ ۲۶۔ اپریل کو امپریل ہوٹل دہلی میں ان سے ملے اور یہ ملاقاتیں ۲۸۔ اپریل تک جاری رہیں۔ جمعیتہ علماء ہند کے رہنما مولانا حسین احمد مدنی، مولانا کفایت اللہ، مولانا احمد مسلم لیگ کے صدر سے ملے۔ اسی شام احوار رہنما مولانا حبیب الرحمن اور چودھری فضل حق نے ان سے ملاقات کی۔ اس وقت سرفیروز خاں نون قائد اعظم کے پاس بیٹھے تھے انہوں نے طنزاً احوار رہنماؤں سے کہا: جناح صاحب کو کامیاب کرائیں! اس پر مسٹر جناح نے مولانا حبیب الرحمن کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر کہا: اگر آپ مسلم لیگ میں آجائیں تو میں ان سرکار پرستوں کو سزا دے سکتا ہوں! مولانا حبیب الرحمن نے فوراً کہا: مسٹر جناح! آپ ہمارے ساتھ شریک نہیں ہوں گے اور جلد ہمارا ساتھ چھوڑ جائیں گے! سیاست میں کسی پر سولہ آنے یقین نہیں کیا جاسکتا ہے۔

اس سے پیشتر دوسری جماعتوں کے رہنما بھی ان سے مل چکے تھے۔ آئندہ ایکشن اور ملت اسلامیہ کی فلاح اس تمام گفتگو کا محور تھا۔

مولانا احمد سعید ناظم جمعیتہ علماء ہند مشروط طور پر مسٹر جناح کے ساتھ متفق ہو گئے۔

لیکن مولانا حبیب الرحمن نے مسلم لیگ کے مشترک محاذ میں شریک ہونے سے انکار کر دیا۔ تاہم لاہور آنے تک بات حتمی فیصلے کے لیے ملتوی کر دی گئی۔

اس کارروائی سے فارغ ہو کر قائد اعظم ۲۹ اپریل کو تیسری مرتبہ لاہور آئے۔ ان دنوں آپ نواب احمد یار خاں دولت نہ کی کوٹھی پر ٹھہرے۔ اب کی بار شہید گتھ کے لیے نہیں بلکہ انتخاب کے سلسلے میں مرفضل حسین اور مجلس احرار سے مذاکرات ان کے پروگرام کا اہم جزو تھا۔ قائد اعظم محمد علی جناح کی احوال رہنماؤں سے اس سے پیشتر بھی یاد آلود تھی۔ اگر منزل ایک ہو تو راستے کے مسافروں کا کسی نہ کسی موڑ پر مل بیٹھنا غیر ممکن نہیں۔ چنانچہ ماسٹر تاج الدین انصاری سابق صدر مجلس احرار اسلام پاکستان اپنی یاداشتوں میں لکھتے ہیں۔

”آج سے تقریباً چالیس برس پہلے کی بات ہے، جب مسلم لیگ کے عظیم رہنما قائد اعظم محمد علی جناح ”ابھی صوف“ محمد علی جینا“ کے نام سے پکارے جاتے تھے۔ ان دنوں کانگریس اور مسلم لیگ میں کٹا چھنی یا چیلنجز کی بہت کم گنجائش تھی۔ غالباً ۱۹۴۸ء کا ذکر ہے کلکتہ میں مسلم لیگ کا اجلاس ہونے والا تھا۔ مسلم لیگ دو متحارب گروہوں میں تقسیم تھی۔ ایک گروپ کی سربراہی مولانا محمد شفیع داؤدی مرحوم کر رہے تھے۔ دوسرا مضبوط گروپ مسٹر جناح کا تھا۔ مولانا محمد شفیع داؤدی مجری شہدہ سے مسٹر جناح کی مخالفت پر کمر بستہ تھے۔ نظر نظر مولانا شفیع داؤدی کا پتہ بھاری نظر آ رہا تھا۔ پراپا گنڈے کے زور پر وہ مسٹر جناح کو شکست دینے کے لیے جگامہ آرائی پر نل چکے تھے۔ کلکتہ کے بعض شوریدہ سر مولانا شفیع داؤدی کی حمایت میں پستولیں لیے پھرتے تھے۔ مسٹر جناح آئین شکنی اور ہنگامہ آرائی سے کوسوں دور بھاگتے تھے۔ اس صورت حال سے وہ کسی قدر گھبرائے ہوئے تھے۔ ہم اس اجلاس میں مسلم لیگ کے کونسلر کی حیثیت سے موجود تھے۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ ہم میں سے بعض اراکین کی فیس بھی آخری وقت میں ادا کی گئی تھی۔ رسید کے طور پر ہمیں بارہ بارہ روپے میں سینے پر آویزاں کرنے کے لیے خوبصورت بیج

دیے گئے تھے۔ یہی بیج کونسلری کی رسید اور گیٹ پاس کا کام دیتے تھے۔
مولانا شفیع داؤدی کا گروپ سرمایہ پرست اور ٹوڈی قسم کے لوگوں پر مشتمل
تھا۔ ہماری ہمدردیاں مسٹر جناح کے ساتھ تھیں۔ مسٹر جناح کانگریس سے باہر
آکر بھی ذہنی کانگریسی تھے۔ بہر حال ہمارا دلی لگاؤ انہی کے ساتھ تھا۔

انتظامات کی ذمہ داری ہندوستان کے سابق وزیر خارجہ بمبئی والے عبدالکریم
چھاگلا کے سپرد تھی۔ مسٹر چھاگلا ان دنوں مسٹر جناح کے دست راست تھے۔
وہ خوبصورت ادبے پتلے اور شرمیلے سے نوجوان تھے۔ مسٹر جناح کو ان پر بڑا
اعتماد تھا۔ اسی اعتماد کے صدقے میں مسٹر چھاگلا پروان چڑھے۔ ہم نے
مسٹر جناح سے درخواست کی کہ وہ مسٹر چھاگلا سے کہہ کر گیٹ کی ذمہ داری ہمارے
آدمیوں کے سپرد کر دیں۔ ہمارے پنجابی ساتھی گیٹ کی پوری ذمہ داری سنبھال
لیں گے، جو ہنگامہ ہونا ہے گیٹ ہی پر ہو جائے گا۔ ہم بہر حال اس سے
بخوبی نیٹ لیں گے اور دو ٹونگ کے وقت ہم آپ کے پاس اندر پہنچ جائیں
گے۔ مسٹر جناح نے ہماری خواہش کے مطابق گیٹ کی پوری ذمہ داری ہمیں
سونپ دی۔ خواجہ عبدالرحیم عاجز، ان کے امرتسری نوجوان ساتھی اور دوسرے
پنجابی نوجوانوں نے بحیثیت رضا کار گیٹ کا انتظام مضبوطی سے سنبھال لیا۔
مسٹر جناح ہمارے انتظام سے بالکل مطمئن ہو گئے۔ دوسرے دن اجلاس
شروع ہونے سے ایک گھنٹہ پیشتر ہی کراہ پر لائے ہوئے فریق مخالف کے
غلاما غلام ٹولیاں بنا کر گیٹ کے گرد گھومنے پھرنے لگے۔ مگر جب ان لوگوں نے
پنجابی نوجوانوں کو گیٹ پر پرا جائے اور چاق و چوبند کھڑے دیکھا تو وہ بے حوصلہ
ہو کر پیچھے ہٹنے لگے اور گیٹ سے دور جا کھڑے ہوئے۔ اجلاس شروع ہونے
سے قبل مسٹر جناح نے صدر جلسہ کی حیثیت سے اعلان کیا کہ جن لوگوں کے
پاس مداخلت کے نشان یعنی بیج نہیں ہیں وہ حضرات باہر تشریف لے جائیں۔
مگر حاضر راہین میں سے کوئی بھی بیج کے بغیر نہیں تھا، اتنے میں مولانا داؤدی

گیٹ میں داخل ہوئے۔ ہم سب گیٹ کو مضبوط اور بہادر ساتھیوں کے حوالے کر کے مولانا داؤدی کے ساتھ ہی اندر پنڈال کی طرف بڑھے! بھی ہم کرسیوں سے دور ہی تھے کہ اندر کے رضا کار ہم سب کو روک کر کھڑے ہو گئے۔ وہ چیک کر کے آگے جانے کی اجازت دیتے تھے۔ یہ ضابطے کی بات تھی، جو نہی مولانا داؤدی آگے بڑھ کر ایک رضا کار کے قریب پہنچے، رضا کار نے انہیں روک لیا اور کہا کہ آپ کا بیج کہاں ہے؟ اگر حبیب میں ہے تو نکال کر سینے پر لگا لیجئے تاکہ چکنیک مین آسانی رہے۔ مولانا موصوف نے چرائی سے اپنے سینے کی جانب نگاہ ڈالی تو بیج غائب تھا۔ ”ارے گیٹ پر آیا ہوں تو بیج میرے سینے پر موجود تھا خدا جلنے گیٹ پر گویا اندر آکر گر گیا“ رضا کار نے مولانا سے ادب کے ساتھ کہا آئیے مولانا! گیٹ پر چل کر معلوم کر لیتے ہیں رضا کار مولانا کو اپنے ہمراہ لے کر پنڈال سے باہر گیٹ پر چلا گیا۔ دس منٹ بعد گیٹ پر ہنگامہ ہوا۔ مولانا اور ان کے باہر والے ساتھی ہمارے رضا کاروں سے الجھ پڑے۔ مگر ضابطے کے مطابق انہیں بیج کے بغیر اندر آنا نصیب نہ ہوا۔ وہ اندر آ بھی جاتے تو ان کے ہم خیال ووٹ ہی کتنے تھے؛ اس طرح سرکاری ٹولی اور ان کے لگے بندھے مسٹر جناح سے شکست کھا گئے۔ چند ووٹ تھے جو مسٹر جناح کے خلاف آئے۔ باقی اراکین کی بہت بڑی اکثریت کے ووٹ مسٹر جناح کے حق میں تھے۔ ہماری اولاد قائد اعظم کی یاد اللہ اس وقت سے تھی جبکہ آج کے اکثر لیگی رہنما اس دنیا میں تشریف بھی نہ لائے تھے۔ مگر — اس حقیقت کو کون جھٹلا سکتا ہے کہ سیاسی میدان میں ہماری اور ان کی راہیں جدا جدا ہو گئیں، اس کے باوجود فریقین نے بار بار کوشش کی کہ بیج کا پردہ ہٹے تو باہمی مشورہ اور اشتراک سے مسلمان قوم کی برتری کے لیے متحدہ محاذ قائم کیا جائے! اس سلسلہ میں متعدد ملاقاتیں ہوئیں مگر بے نتیجہ۔

۳۶ء میں پنجاب کی مسلم لیگ پر محدود سے چند سرکار پرستوں کا قبضہ

تھا۔ آزاد خیال لوگ خال خال نظر آتے تھے۔ ساری کارروائی کاغذی ہوتی تھی۔ مسٹر جناح پنجاب میں ایسی جاندار لیگ بنانا چاہتے تھے جو سرکاری اثرات سے پاک ہو، مگر یہاں کا ٹوڈی طبقہ اوپر کے اشارے پر حبیب چاہتا لیگ میں داخل ہو کر بیان بازی کر لیتا اور حبیب اشارہ ملتا خاموش ہو کر بیٹھ جاتا۔ سر فضل حسین حکومت برطانیہ کے قابل اعتماد، ذہین اور طاقتور مرے تھے۔ ان دنوں سر فضل حسین کا طوطی بولتا تھا۔ پنجاب پر دو طاقتوں کا قبضہ تھا۔ علوم کی نمائندگی میں احرار اور سرکاری نمائندگی میں سر فضل حسین۔ احرار رہنماؤں سے سر فضل حسین کے تعلقات میں بظاہر کوئی کشیدگی نہ تھی۔ فضل حسین بے حد ذہین سیاسی شاطر اور مستقیم مزاج انسان تھے۔ جیسا کہ عرض کیا گیا مسٹر جناح پنجاب مسلم لیگ کو مضبوط بنیادوں پر استوار کرنا چاہتے تھے۔ وہ مکر پرستوں سے چھٹکارا چاہتے تھے۔ مگر انہیں عوام تک رسائی حاصل نہ تھی۔ وہ اس ارادہ سے پنجاب میں تشریف لائے تاکہ آئندہ الیکشن کے لیے میدان درست کیا جائے۔ وہ سر فضل حسین سے بھی مسلم لیگ کے بارے میں مبادلہ خیال کرنا چاہتے تھے۔ ادھر سر فضل حسین بھی مسٹر جناح سے ملاقات کرنے کے لیے بے تاب تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ مسٹر جناح کو پنجاب کے پالیٹکس میں داخل ہونے سے حتیٰ الوسع روکا جائے چنانچہ ان دونوں بڑے آدمیوں نے ملاقات کی۔ اس ملاقات میں سر فضل حسین نے نہایت حیاری سے کام لیتے ہوئے ملاقات کے کمرے میں پردے کے پیچھے دو برطانوی جاسوسوں کو بٹھا دیا تاکہ وہ بھی مسٹر جناح کے خیالات اپنے کانوں سے سن لیں۔ گفتگو کا پنچوڑ یہ تھا کہ مسٹر جناح بہر حال مسلم لیگ کو الیکشن کے میدان میں اتاریں گے خواہ انہیں کانگریس سے کوئی سمجھوتہ ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔ سر فضل حسین نے مسٹر جناح کو بے حوصلہ، دل برداشتہ اور رایوس کرنے کی انتہائی کوشش کی اور آخر میں انہیں کہا کہ ”آپ پنجاب میں جلسہ کرنے کی ہرگز کوشش نہ کریں۔ جلسہ کامیاب نہ

ہو سکے گا۔ یہاں کون آپ کی بات سُننے گا؟ اور کس نے ساتھ دیتا ہے؟

قائد اعظم کی بے بسی | ان حالات میں مسٹر محمد علی جناح کے سیاسی مستقبل کا انحصار صرف آزاد خیال مسلمانوں سے وابستہ تھا۔ لیکن رحمت پسند گروہ اور برطانوی ذرائع نے مسلم عوام میں انہیں ہندو کا زرخیز ظاہر کر کے اس قدر رسوا کر دیا تھا کہ جیسے ہی مسٹر جناح نے جمعیتہ علمائے ہند، مجلس احرار اور دیگر آزادی پسند مسلم جماعتوں سے تعاون کی راہیں ہموار کرنا چاہیں، چاروں طرف سے ٹوڈی مسلمان ان پر ٹوٹ پڑے دوسری طرف نیشنلسٹ مسلمانوں نے کانگریس سے ناراض ہو کر مسٹر جناح سے اپنا ناتا جوڑنا چاہا تو کانگریس سمیت سارا ہندو پرپس ان کے گلے پڑ گیا۔ چنانچہ اس رٹائی میں مسٹر جناح پر سب سے بڑا حملہ مر محمد یامین نے ایک پریس بیان کے ذریعے کیا۔

"۲۶-۲۷ اپریل ۱۹۳۶ء کو مسٹر جناح نے خود غرض لوگوں کی باتوں میں آن کر چونکہ وہ خود سوائے شہر بمبئی کے دوسرے صوبوں کے اندرونی حالات سے واقف نہیں اور کئی سال انگلستان رہ کر ابھی ڈیڑھ سال ہما کر واپس آئے ہیں۔ اس لیے یورپی کے حالات سے قطعی ناواقف ہیں۔ وہ چند سازشی لوگوں کے اس لالچ میں آگئے کہ اگر لیگ کے ٹکٹ پر الیکشن لڑے گئے تو وہ ہندوستان کے سب سے زیادہ زوردار پولیٹیشن ہو جائیں گے۔

درحقیقت یہ وہ لوگ ہیں جن کا مسلمانوں میں کوئی اقتدار باقی نہیں ہے اور ساری پہلک جانتی ہے کہ یہ کانگریس کے چٹو اور کانگریس کے آلاکار ہیں اگرچہ بھڑیے ہیں، لیکن بیڑ کی کھال پہن کر پہلک کو دھوکا دینا چاہتے ہیں اور مسٹر جناح کی شخصیت سے لیگ کے نام سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں اگرچہ سالہا سال سے لیگ کے مخالف رہے ہیں۔

مسٹر جناح نے ان کی باتوں میں آن کر یہ ارادہ طے کر لیا ہے کہ تمام ہندوستان میں ایک ہی اصول پر تمام صوبوں میں لیگت الیکشن لڑے۔ چونکہ میں صوبائی اسمبلی سے تعلق نہیں رکھتا تھا اور گزشتہ سال ہی کانگریس

کو شکست فاش دے چکا تھا۔ اس لیے میں نے زیادہ توجہ نہیں کی۔ مگر اس کو یوپی کے لیے سخت مضر سمجھا کہ اس سے مسلمان زمینداروں کی وزارت ختم ہو جائے گی اور لیگ کی وزارت کبھی نہ بنے گی۔“
 (نامہ اعمال مصنفہ سرپامین ص ۶۳۱-۶۳۲)

سر محمد یعقوب نے بھی پریس بیان میں کہا:
 (دہلی اجلاس کے سلسلے میں سر محمد یعقوب نے خراج پر سخت مکتہ چینی کرتے ہوئے کہا۔)

”خراج ان لوگوں کو ساتھ لے کر نکلنا چاہتے ہیں، جو ان سے رائے میں اتفاق نہیں کرتے۔ مثلاً مسلم لیگ کا نصب العین آئینی طریق پر درجہ نوآبادیات حاصل کرنا ہے۔ جبکہ احوار اور جمعیت مکمل آزادی کی دعویدار ہیں ان حالات میں کون سا اصول میرج مطلوب ہے، جو انہیں اور مسٹر خراج کو متحد کر سکتا ہے۔ مسٹر خراج خواب دیکھ رہے ہیں کہ ان کا پلان کامیاب ہوگا حالانکہ اس خواب کی کوئی تعبیر نہیں ہوگی۔ ہو سکتا ہے کہ قبل از انتخابات ہی یہ عمارت دھڑام سے گر جائے۔“

(سہ روزہ ”الجمعیۃ دہلی“ یکم مئی ۱۹۳۶ء)

راجہ غضنفر علی نے بھی انہی دنوں ایک نئی پارٹی کا اعلان کیا۔
 ان دنوں دہلی اور پنجاب کے سیاسی حلقوں میں ایک افواہ عام تھی کہ راجہ غضنفر علی نے پنجاب میں نئی سیاسی جماعت بنائی ہے، جس کے مقاصد حسب ذیل ہوں گے۔
 ”پنجاب میں محض اقتصادیات کی بنیاد پر حکومت قائم نہیں ہو سکتی، جب تک اسے نیشنل لائمنوں پر نہ چلایا جائے گا، اس کا چلنا ممکن نہیں۔ راجہ صاحب کی رائے میں سکھوں، ہندوؤں اور مسلمانوں کی ایک مشترک پارٹی ہی وقت کی اہم ضرورت ہے۔ اور یہی پارٹی پنجاب میں کامیاب حکومت کر سکتی ہے۔“

(روزنامہ ”انقلاب“ لاہور ۲۸-اپریل ۱۹۳۶ء)

یوپی کے زمیندار اور قلعہ دار قسم کے لوگ بیشتر سے الگ ہو چکے ہیں۔ شمال مغربی سرحدی صوبہ بھی خراج سے ناراض تھا۔ سندھ کے وڈیر سے اپنا ڈیرہ الگ بنائے بیٹھے تھے۔ پنجاب میں سرفضل حسین خراج کے قدم جمنے نہیں دینا چاہتے تھے اس لیے کسی اور بے بسی کے عالم میں مجلس احوار کے رہنماؤں نے قائد اعظم کا پنجاب میں استقبال کیا۔

احرار پر نیا عتاب | انہی دنوں امرتسر میں پنجاب پروڈنشل احوار کانفرنس کا اجلاس ہونے والا تھا۔ صوبائی سطح پر اس کی تیاریاں ہو رہی تھیں کہ سرفضل حسین نے احوار رہنماؤں کو قائد اعظم کو خوش آمدید کہنے کی سزا دینا چاہی۔

۸۔ مئی (۱۹۲۶) کو کانفرنس کے منتخب صدر چودھری افضل حق کا جلوس امرتسر کے بازاروں سے گزر رہا تھا۔ جیسے ہی وہ کٹڑہ گرم سنگھ (قلعہ جھنگیاں) میں پہنچا تو ایک مکان سے اینٹوں اور پتھروں کے علاوہ گرم تار کول چودھری افضل حق پر پھینکا گیا جس سے ان کے چہرے اور آنکھوں پر اثر پڑا۔ چودھری صاحب کو قریب کے ہسپتال پہنچا دیا گیا مگر اہل جلوس پھر سے ہونے شیر کی طرح اس مکان کی طرف پستے جہاں سے تار کول پھینکا گیا تھا قریب تھا کہ احوار رضا کار اس عمارت کو آگ لگا دیتے جس سے محلے کے باقی مکانوں کو بھی نقصان پہنچتا۔ احوار رہنماؤں نے آگے بڑھ کر حالات کو خواب ہونے سے بچا لیا۔

اس سے ایک ہفتہ پیشتر اسی محلہ کے ایک نوجوان محمد رفیق نے احوار رہنما شیخ حسام الدین پر قاتلانہ حملہ کیا تھا۔ شیخ صاحب کی بجائے محمد یسین ایک احوار رضا کار شہید ہو گیا۔

گو اس حادثہ کی وجہ سے اس علاقے کی فضا احوار کے لیے سازگار نہیں تھی مگر اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے

اتنا ہی یہ ابھرے گا جتنا کہ دبا دیں گے

جلوس چار گھنٹے تک محل وقوع پر رکا رہا۔ حملہ آور تماش کے باوجود نمل سکے۔

اہل محلہ نے اس ذمہ داری سے اپنے کو مبرا قرار دیا۔ یہاں تک کہ صاحب مکان بھی

لرزہ براندام تھا۔ اب شام ہو چکی تھی۔ جیسے جیسے چراغوں کی روشنی تیز ہوئی گئی۔ خونِ احوار کی حرارت میں اسی تیزی سے اضافہ ہونے لگا۔

ان دنوں پنجاب جیوشِ احوار کی کمان صاحبزادہ سید فیض الحسن سجادہ نشین آلِ احوار کے سپرد تھی۔ وہ برہنہ تلوار لیے موٹر کار کی چھت پر کھڑے احوار رضا کاروں کو احکام دے رہے تھے۔ سارا علاقہ احوار رضا کاروں کے غصے کی زد میں تھا۔ اگر وہ چاہتے تو مکان اور مکین محفوظ نہیں رہ سکتے تھے۔ اتنے میں اطلاع آئی کہ چودھری افضل حق ہر طرح کے خطرے سے باہر ہیں۔ آنکھوں پر ذرا لفیٹ ہوا ہے اگر اتنا نہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد چودھری صاحب خود چل کر اپنی کار میں آن بیٹھے اور جلوں آگے روانہ ہوا۔

اس حادثہ کے باعث کانفرنس کا پہلا اجلاس ایک گھنٹہ تاخیر سے شروع ہوا۔ اپنی علالت کے باعث چودھری صاحب کی بجائے خطبہ صدارت شیخ حسام الدین نے پڑھا۔ جو حسبِ ذیل تھا۔

”عزیز نوجوانو! اور احوار کارکنو!

احوار آزادی کے علمبردار ہیں، اور عالم اسلام کی ترقی کے خواہاں۔ اس بناء پر مہیاں وطن کے لیے زندگی کی روح اور دشمنانِ دین کی نظروں میں خار کی طرح ہیں۔ احوار جمہوری نظام کے قائل ہیں۔ ہمارے نزدیک باہمی مشاورت، ترقی کی بہترین ضمانت ہے۔ ہم بات بات میں باہم مشورہ کرتے ہیں اور پھر جماعتی فیصلے پر مضبوطی سے قائم رہے ہیں۔ ہم میں برسوں سے برادرانہ روابط قائم ہیں، اس لیے مخالفت کے طوفانوں میں چٹان کی طرح قائم رہے ہیں۔

مجلس احوار غریبوں کی جماعت ہے اور اس کے لیے خدا خود میر سلمان بنے غیر ہمدرد نکتہ چین ہماری حوصلہ مند یوں کا طنز اذکر کرتے ہیں۔ وہ ایسا کرتے وقت یہ بھول جاتے ہیں کہ کرگس، شاہسوار کا پتہ دیتی ہے۔ ہم نے چند سالوں میں ایک مستم بالشان کام کیا ہے۔ خدا کے فضل و کرم سے پوری توقع ہے کہ ملک کی تقدیر میں خوشگوار انقلاب پیدا کرنے میں ہماری قربانی سب سے اہم چیز ثابت

ہوگی۔ دولت دنیا کی کمی ان لوگوں کی ہمتوں کو کہاں تک پست کر سکتی ہے، جو
دل و دماغ کی دولت سے مالا مال ہوں۔

مجلس احوار میں خطیب، ادیب، عالم اور شاعر شامل ہیں۔ اور مسلسل قربانی
ان کا طرہ امتیاز ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ بغیر قربانی کے جذبہ کے علم اور دولت بے جا
سید ہے۔ ملک کو جو کچھ بھی ملا قربانی سے اور جو کچھ ملے گا، وہ بغیر قربانی کے
نہیں ملے گا۔ یامر ہمارے لیے کم اطمینان کا باعث نہیں کہ ملکی قربانیوں کے
سلسلے میں ہمارا حصہ کسی سے کم نہیں، انشا اللہ آئندہ جنگ آزادی میں ہم
بے پناہ طاقت کے ساتھ دوسری حریت پسند جماعتوں کے دوش بدوش چلیں گے۔
کانگریس ملک میں ایثار پیشہ لوگوں کی سب سے بڑی جماعت ہے۔
مجلس احوار کے اکثر کارکنوں نے کانگریس کے ساتھ مل کر آزادی کی جدوجہد کی ہے۔
ہم نساپنے پیٹ فارم سے کانگریس کی مذمت کی کبھی اجازت نہیں دی بلکہ
جہاں تک ہوسکا، کانگریس کے وقار کو صدمہ پہنچانے سے بچایا۔ بحالات موجودہ
ضرورت اس امر کی ہے کہ کوئی ایسا پروگرام وضع کیا جائے جو دونوں جماعتوں
ہندو اور مسلمان کے لیے مفید ہو۔ جس پر کم سے کم اختلاف اور زیادہ سے
زیادہ اتفاق ہو سکے۔

پنجاب میں سوشلسٹ پارٹی علیحدہ گروپ کی حیثیت سے قائم ہے
یامر موجب اطمینان ہے کہ اس نے اب آزاد خیال جماعتوں کے ساتھ انتخاب
میں تعاون کا اعلان کر دیا ہے۔ اس طرح سے مدعیان سرکار کا زور بھی کمزور
ہو جائے گا۔ مجھے کامل امید ہے کہ آئندہ پنجاب میں رجعت پسندوں کا
مضبوط قلعہ نہیں بنے گا بلکہ آزاد خیال لوگوں کا اس پر قبضہ ہو جائے گا۔

اگرچہ مجلس احوار کے عزائم کانگریس کے زیادہ قریب ہیں، لیکن بیگ
کے نصب العین اور احوار کے نصب العین میں نمایاں فرق ہے۔
کے موجودہ طرز عمل سے ہم میں سے بعض زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔

بمئی لیگ کا ریزولیشن کانگریس اور احرار کے قریب ہے۔ کانگریس احرار اور مسلم لیگ کے نزدیک آئین نو کی سکیم بعض لحاظ سے ناقابل عمل ہے۔ یہ اتحاد خیال اور خود سطر جناح کے افکار اس قابل ضرور ہیں کہ مجلس احرار اس پر ٹھنڈے دل سے غور کرے۔ اس طرح ممکن ہے کہ نسل کے کاروبار کے لیے ہم مل کر کوئی متحدہ محاذ قائم کر سکیں اور آئین نو میں حسب منشا ترامیم کرا سکیں تاکہ ملک کی آزادی قریب اور افلاس دور ہو سکے۔

مجلس احرار نے سپیکوٹ کے تاریخی اجلاس میں ترقی پسند جماعتوں کو متحد ہو کر رحبت پسندوں کا مقابلہ کرنے کی دعوت دی تھی۔ اس ریزولیشن کے مطابق مجلس احرار نے عام ترقی پسند دوستوں اور جماعتوں سے خط و کتابت بھی کی۔ ہر طرف سے جوابات موصولہ افزا تھے۔ مجھے خدا کے فضل سے کامل یقین ہے کہ طول و عرض ملک میں آئین نو براہِ آزاد طبقہ کا قبضہ ہو جائے گا۔ میں تمام دوستوں سے جو ملک کی آزادی کے لیے بھی تڑپ رکھتے ہیں، درخواست کرتا ہوں کہ اس زریں موقعہ کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ ان لوگوں کو جو رحبت پسند ہیں موقع نہ دیں کہ وہ ہمارے چھوٹے چھوٹے اختلافات سے ناجائز فائدہ اٹھا کر صوبائی اسمبلیوں میں چلے جائیں اور سرکارِ برطانیہ کے حسب منشا قوانین بنا کر ملک کے مفاد کو تباہ کر دیں۔ ایسے لوگوں کے لیے ایک سیٹ بھی چھوڑنا بہت بڑا قومی گناہ ہوگا۔ ہم پورے سولہ برس سے کونسلوں کو ایسے لوگوں پر چھوڑ کر خود مصیبتوں میں مبتلا رہے ہیں۔ انہی رحبت پسندوں کے ذریعے حکومت نے بدترین قوانین پاس کرائے اور ملک کے آزاد خیال لوگوں کو جیلوں میں ٹھونسنا۔

یہی رحبت پسند عناصر ملک کی ترقی کے راستے میں شدید روڑے بنے رہے۔ آج پھر کیل کانٹے سے لیس ہو کر قربانی کرنے والی جماعتوں کے حاصل کیے ہوئے حقوق پر بغیر شکریے کے قبضہ کرنے کی فکر میں ہیں ان

کی خواہش یہ ہے کہ ماضی کی طرح مستقبل بھی انہی کے ہاتھ میں رہے اور آزادی طلب لوگ بدستور جیلوں میں نیم لسمبل کا تماشہ دکھائیں۔ ان کی رہنمائی قدرت ہی ہے۔ لیکن اب کی بار قدرت کو کچھ اور منظور ہے۔ اسمبلی میں تری پہ مدجاءوں کے داخل ہونے کے عزائم ان کی آرزوں کو خاک میں ملائے گا باعث ہو رہے ہیں۔ اس لیے وہ غریبوں کو ستر باغ دکھانے میں مصروف ہیں غریب پرستی کا وہ ہزار یقین دلائیں لوگ ان کے دعوے کو دھڑلے کی ترغیب ہی سمجھیں گے۔ جھوٹوں میں رہنے والوں کے لیے محلات کے خواب روایتی طور پر خوشگوار ہوتے ہیں، لیکن محلات میں بسنے والوں کے لیے جھوٹوں کا تصور خواب پریشاں کے سوا کچھ اور نہیں۔

یوں تو محنت کو سراہنے سے ہمیشہ اور ہر جگہ شکایت رہی ہے۔ لیکن ہندوستان کی کیفیت اور بھی بدتر ہے۔ یہاں کے اکثر امرا دنیا سے غیر حاضر اور بعض حال مست فقیہ کی طرح اپنے عشق کی دنیا آباد کیے بیٹھے ہیں۔ عوام الناس، غیر بہادر و فتری حکومت کے باعث جہالت اور اذاس کے عمیق گڑھے میں پڑے ہیں۔ حکومت اور امرا دونوں عوام کے مصائب سے بے پرواہ ہیں۔

غلامی بے شک ملک اور قوم کے لیے سب سے بڑی مصیبت ہے غلام ملک میں جہالت جب افلاس کے ساتھ شامل ہو جائے تو بد نصیبی کی انتہا ہو جاتی ہے۔ قوم احساس سے غری اور نفع، نقصان سمجھنے سے معذور ہو جاتی ہے۔ انسان بدتر از حیوان ہو جاتا ہے۔ یاد رکھو! ملک میں معزز اور محترم وہ جماعت ہے جو غلامی کی زنجیروں کو توڑے اور اپنا نئے وطن کو افلاس اور جہالت کے گڑھے سے نکالے۔

بے شک مجلس احرار کے کارکن ملک کے بے باک سپاہی ہیں لیکن آزادی کے نصب العین کو حاصل کرنے کے لیے ابھی بھی جدوجہد کی ضرورت

ہے۔ اس کٹھن کام میں دماغ کے ساتھ دل کی سانچہ ضروری ہے۔ غلام ہو کر آزاد
ہونا، ڈوب کر ابھرنا اور مر کر زندہ ہونا ہے۔ ہتھیار ڈال دینا آسان ہے لیکن
ہتھیار اٹھانا مشکل ہے۔ خدا سے دعا کرو کہ وہ قوم کی مشکلیں ہماری وساطت
سے آسان کرے۔ اپنے اردوں کو قوی رکھو۔ سمیتوں کو لپیٹ نہ ہونے دو۔
کم سمیت اور مرہ دلوں کی باتیں نہ سنو۔ ارباب عزیم کی کہانیاں پڑھو۔ خدا
سمیت میں برکت دے گا۔

قائد اعظم کی احوار و رہاؤں سے ملاقات | سرفضل حسین سے مایوس ہو کر مسٹر محمد علی جناح
احوار رہاؤں سے ملنے آئے یہ ملاقات

ڈاکٹری عبد القوی لقمان کے مکان (۶۰ میکوڈ روڈ) پر ہوئی۔ رہاؤں میں چودھری افضل حق
عبد نقاد ریڈو کیٹ سیالکوٹ اور ڈاکٹر عبد القوی لقمان (جوان دنوں مرکزی
مجلس احوار کے خازن تھے) موجود تھے۔ یہ تمام گفتگو اردو زبان میں ہوئی۔ کہیں کہیں قائد اعظم
انگریزی میں گفتگو کرتے۔ مگر عام طور پر ساری باتیں جو ایک گھنٹہ تک ہوتی رہیں اردو میں
ہوئیں۔ اس ملاقات میں احوار رہاؤں نے مسٹر جناح سے ہمدردی کا اظہار کیا اور انہیں
پنجاب کے مسلم لیگیوں اور سرفضل حسین کی صحیح پوزیشن بتائی۔ نیز انہیں یقین دلایا کہ آپ
جلسہ عام میں ضرور تقریر کریں۔ احوار جلسہ کی پوری ذمہ داری لیتے ہیں۔

چنانچہ جلسہ ہوا۔ مسٹر جناح نے دل کھول کر تقریر کی اور احوار رضا کاروں نے اس موقع
پر بغیر وردی کے اس جلسے کا انتظام کیا۔

باہم گفتگو میں احوار نے قائد اعظم کو مشورہ دیا کہ،

”آپ مسلم لیگ کو ٹوٹیوں اور سرکار پرست رؤسا کے پنجہ سے نکالیں اور
اسے عوامی جاحث بنائیں۔ مسلم لیگ کا موجودہ طبقہ آپ کی بجائے برطانوی
اشاروں پر چلتا ہے۔ جب اشارہ ملتا ہے مسلم لیگ زندہ باد کہنے لگتے ہیں،
تب مسلم لیگ میں جان پڑ جاتی ہے۔ جب دوسرا اشارہ ملتا ہے خاموش ہو
کر بیٹھ جاتے ہیں اور مسلم لیگ کی جان نکل جاتی ہے۔ یہ لوگ مسلم لیگ کے

کے گلے میں چکی کا پاٹ ہیں۔ یہ آپ کو نہیں چلنے دیں گے۔“
جواب میں مسٹر جناح نے کہا:

”اگر احوار میرا ساتھ دیں تو وہ فضل حسین سے ٹکر لینے کو تیار ہیں۔“
احرار۔ ”بشرطیکہ آپ مرزائیوں پر مسلم لیگ کے دروازے بند کر دیں۔ نیز ہندوستان کی مکمل آزادی کو اپنا نصب العین بنائیں۔“
اس پر مسٹر جناح نے کہا کہ اس کا فیصلہ آل انڈیا مسلم لیگ کرے گی۔
میر فضل حسین نے چونکہ ملاقات کے وقت دو انگریز آفیسروں کو پس پردہ چھپا رکھا تھا اور مسٹر محمد علی جناح، میر فضل حسین کی اس حرکت سے سخت برہم تھے۔ وہ واقعی میر فضل حسین کو مزہ چکھانا چاہتے تھے۔

اس گفتگو میں یہ بات طے پا گئی کہ احوار آئندہ انتخاب بین مسلم لیگ کے سمہوا ہوں گے۔ یہ فیصلہ ہوتے ہی قائد اعظم چند دن کے لیے سری نگر چلے گئے۔ مگر میر فضل حسین اور احوار کے امین ایک مستقل یکسر کھینچ گئی۔ اور آگے چل کر احوار کو جناح کی دوستی بڑی ہنسکی پڑی خصوصاً روزنامہ انقلاب لاہور نے جو یونیٹ پارٹی کا آفیشل آرگن تھا، مجلس احوار کے خلاف مسلسل ادارے لکھے۔ نیز قائد اعظم محمد علی جناح کے خلاف ۵ مئی کے آڈیو میں لکھا:

”ہماری تمام اطلاعات کا محض یہ ہے کہ مسٹر جناح نے مسلمانوں کی خواہش اور آرزوں کے مطابق کام نہیں کیا، بلکہ ہر قدم ہندوؤں کی خواہش کے مطابق اٹھایا۔ جس کا اقرار (بقول انقلاب) روزنامہ ٹریبون نے یکم مئی کے مقالہ افتتاحیہ میں کیا ہے۔ یعنی انہوں (مسٹر جناح) نے مسلمانوں کو متحد کرنے کی کوشش نہیں کی بلکہ ان تمام عناصر کو اکٹھا کیا ہے جو اب تک مختلف وجوہ کی بنا پر اتحاد پارٹی سے علیحدہ تھے یا اس کی مخالفت کر رہے تھے۔ یا ان مخالفوں اور بددیانتوں کو تقویت پہنچائی ہے جو ہماری اطلاع کے مطابق اتحاد پارٹی (یونیٹ پارٹی) کو نقصان پہنچانے کے موجب بن سکتے تھے۔ اگر اسی کا نام مسلمانوں کا اتحاد ہے تو نہیں معلوم تفرقہ اور کس کو کہا جاسکتا ہے۔“

اسی شمارے میں ایک خبر ہے کہ راولپنڈی میں اتحاد ملت کے ایک اجتماع میں کہا گیا کہ،
 ”مسلمانو! احرار اور خراج کے اتحاد سے پہلے پہلے اپنی اصلاح کی کوشش کرو۔
 ورنہ مسجد شہید گنج کا کام ادھورا رہ جائے گا“

(روزنامہ ”انقلاب“ لاہور۔ ۵ مئی ۱۹۳۶ء)

انہی دنوں سر محمد اقبال صدر پنجاب مسلم لیگ نے احرار و رہنماؤں سے مسٹر خراج کی ملاقات
 کو پسندیدہ لگا ہوں سے دیکھتے ہوئے، بہت سی اخبارات میں اپنے مختصر بیان میں کہا کہ
 ”مخالفین کی یہ رائے غلط ہے کہ مسٹر خراج کو پنجاب میں زیادہ کامیابی نہیں
 ہوئی۔ اور احرار کے سوا کوئی مسلم جماعت مسٹر خراج کی جماعت میں شامل نہیں
 حالانکہ یہ حقیقتاً نہیں۔ میں مسٹر محمد علی خراج کی پنجاب میں کامیابی کا خیر مقدم
 کرتا ہوں۔“

ڈاکٹر اقبال کے علاوہ اس بیان پر جناب برکت علی، خلیفہ شجاع الدین،
 غلام رسول خاں اور پیر تاج الدین کے دستخط بھی تھے۔“

ڈاکٹر عبد القوی لقمان | دوہرا اور گھٹایا جسم اور میانہ قد، خوبصورت غذا و خال، چہرے کی سفید
 رنگت میں ہلکی سی سیاہی نے ایسا امتزاج پیدا کیا ہے کہ بار بار دیکھنے
 کو جی چاہتا ہے۔ گفتگو میں تغزل کا رنگ، غصے میں ہوں تو چمن میں خزاں کی طرح سارا حول
 بے رونق ہو جاتا ہے، اپنے فن میں اس قدر راہر کہ مریض دیکھتے ہی سارا مرض آپ سے آپ
 بولنے لگتا ہے اور کہیں نظر سنبھال کر دیکھ لیں تو نصف بیماری دور ہو جاتی ہے۔ طبیعت میں
 خاندانی شرافت، رکھ رکھاؤ اس زوال کے دور میں بھی قائم ہیں۔

یہ ہیں ڈاکٹر محمد عبد القوی لقمان۔ آپ ۶۔ نومبر ۱۹۰۱ء میں مولانا ابو محمد احمد کے ہاں لاہور
 میں پیدا ہوئے۔ والد محترم مولانا حبیب اللہ سندھی کی جمیۃ انصار کے ناظم تھے۔ اور اس نسبت
 سے حضرت سندھی کے مرشد پیر جٹا (سندھ) کی خدمت میں ایک مدت گزار کر جب واپس
 آئے تو ڈاکٹر عبد القوی لقمان لاہور میڈیکل کالج سے فارغ ہو چکے تھے۔ انہوں نے تین ماہ
 مدرسہ دیوبند میں حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب کی خدمت میں گزارے اور وہیں سے روحانی

تربیت کے لیے حضرت پیر جہنڈا کی خدمت میں چلے گئے۔

۱۹۳۱ء میں جب مجلس احرار کی بنیاد پڑی تو آپ احرار میں شامل ہو گئے جماعت نے انہیں مقامی جماعت کا خازن مقرر کر دیا۔ ان دنوں ڈاکٹر صاحب کا لاہور پرانی کوتوالی کے چوک میں ذاتی کلینک تھا۔ اور خوب پرکٹش تھی۔ اس پر بھی مجلس احرار کے لیے وقت نکالتے رہے۔ تحریک آزادی کشمیر میں مولانا طہر علی خاں نے یکایکی تحریک سے علیحدگی کا اعلان کرتے ہوئے تمام تر ذمہ داری ڈاکٹر عبدالقوی پر ڈال دی، جسے آپ نے باحسن طریق نبھایا۔

۱۹۳۵ء میں زلزلہ کوئٹہ کے مصیبت زدگان کے لیے جب احرار نے اپنا کیمپ قائم کیا تو آپ اس کے میڈیکل کے انچارج تھے۔

ڈاکٹر عبدالقوی نعمان مولانا عبید اللہ سندھی کے قرابت داروں میں سے ہیں اور حضرت مولانا احمد علی لاہوری کے سمنہی بھی۔ آپ کی نور نظر مولانا عبید اللہ انور کے حرم میں ہے۔ جن دنوں راقم کی ملاقات (۲۹) کو ڈاکٹر صاحب سے ان کی رہائش گاہ گلبرگ لاہور میں ہوئی، ان دنوں وہ عمر کی پچھترویں بہار گزار رہے تھے۔ آپ پر فالج کا حملہ ہو چکا تھا اور علاج کے لیے کینیڈا جانے کی تیاریوں میں تھے۔

ایک نئی انقلابی تحریک | غلاموں کے ذہنوں میں نہ رابطہ ہوتا ہے، نہ مٹھاؤ، ان کے دل و دماغ اپنے کسی فیصلے پر قناعت نہیں کرتے وہ اپنے ارادوں کی آگ سے غلامی کی زنجیروں کو راکھ کر دینے کی تمنا میں وقت کے کسی عاجلانہ فیصلے کو جس میں بغاوت کے آثار نہ ہوں، قبول نہیں کرتے۔

ہندوستان کی سیاسی جماعتیں ستے آئین کو بہر طور پروان چڑھانے پر بضد تھیں۔ ان کے نزدیک ملک کی آزادی ایکٹ ۱۹۳۵ء کے الیکشن میں تھیں۔ کبھی وائسرائے کی ٹرین پر بم مار کر، کبھی کسی انگریز کو قتل کر کے اور کبھی خود پھانسی کے تختے پر لٹاک کر انقلاب زندہ باد کا نعرہ بلند کر کے اس یقین اور ارادے کو پختہ کرنا چاہا، کہ کبھی سیدھی انگلی سے گھی نہیں نکلے گا۔

کانگریس، مسلم لیگ اور دیگر سیاسی جماعتیں انتخاب کے جوڑ توڑ میں مصروف تھیں۔

کہ انہی دنوں پنجاب میں ایک نئی اور انوکھی تحریک نے جنم لیا۔ وہ یہ کہ سرکاری میٹرکبیسوں میں تیزاب ڈال کر تمام خطوط جلاد لیے جاتے تھے۔ یہ سلسلہ سارے پنجاب میں چل نکلا۔ اس تحریک کے رہنما معروف لوگ نہیں تھے بلکہ انجانے نوجوان اس آگ کو ہوادے رہے تھے۔

امر تسریں اس تحریک کا لیڈر ایک کھاتے پیتے گھرالے کا محمد سلیم نامی تھا۔ اسی طرح لاہور میں اوم پرکاش، امی چند اور ایک ہندو لڑکی دافوس میں ہیں اس کا نام معلوم نہیں ہو سکا، اس تحریک کو چلا رہے تھے۔ محمد سلیم گرفتار ہوا مگر اس تحریک کے اکثر کارکن پس منظر میں رہے۔ اگرچہ پولیس اپنی تمام کارگزاری پر نازاں تھی۔ لیکن ہر موڑ پر انہیں نوجوانوں نے شکست دی۔

انہی دنوں ہری کشن نام کا ایک نوجوان رات کو کاریں جلادیا کرتا تھا۔ اس کا رسوز کا طریقہ وارث یوں تھا کہ وہ اوور کوٹ اور مہیٹ پہنے، جیب میں پٹرول کی شیشی اور لائٹر ڈالے سینماؤں کے گرد گھومتا رہتا۔ جہاں کوئی کار کھڑی دیکھی۔ ڈرامائی انداز میں اس کی سیٹ پر پٹرول چھڑک کر لائٹر لگا کر چل دیتا۔ اس کا لباس ایسا تھا کہ پولیس کو ایک مدت اس پر شبہ نہ ہوا۔ حالانکہ وہ جلتی کلا دیکھنے والے ہجوم میں شامل ہوتا۔

عام طور پر لاہور کے سینماؤں میں ہر روز ایک آدھ کار ضرور جل جاتی۔ اس ڈر کے مارے سرمایہ داروں نے اپنی کاریں گیس بجوں میں بند کر دیں۔ بالآخر یہ نوجوان گرفتار ہو گیا اور اسے پندرہ سال کی سزا ہوئی۔

ریل گاڑیاں روک کر ان میں موجود سرکاری خزانہ لوٹ لیا جاتا اور اس سرمائے سے انقلابی پارٹیاں اپنا کام کرتیں۔ چنانچہ دوران سال کے ان واقعات میں ٹپنہ کے قریب ادھو پور ریلوے اسٹیشن اور پنجاب میں جالندھر کے قریب کرتار پور میں ایسے حادثے پیش آئے جس نے حکومت کو نئی الجھنوں میں ڈال دیا۔ اگرچہ اس تحریک سے آئین پسند پارٹیاں متاثر ہوئیں، لیکن نوجوان طبقہ ان تحریکوں سے متاثر ہونے بغیر نہ رہ سکا۔

مجلس اتحادِ ملت | مولانا ظفر علی خاں کی جماعت اتحادِ ملت چونکہ سرفضل حسین کی رہنمائی میں شہید گنج کا ڈرامہ کھیل چکی تھی۔ ہنوز اس ڈرامے کے کچھ پلاٹ باقی تھے اس لیے وہ باوجود تمام کوششوں کے مسٹر محمد علی جناح سے ہم آہنگ نہ ہو سکے۔ اور

حسب ذیل بیان دے کر مسلم پارلیمنٹری بورڈ سے الگ ہو گئے۔

”چونکہ مسٹر جناح مکمل آزادی کے حامی نہیں ہیں اور اتحادِ ملت ہمیں آزادی

کی حامی ہے، بنا بریں ہم مسٹر جناح کا ساتھ نہیں دے سکتے“

حالانکہ یہ بات نہیں تھی.....

اس سے پیشتر، مئی کو سر محمد یامین نے میرٹھ سے ایک پریس بیان میں محمد علی جناح کی موجودہ پالیسی پر اعتراض کرتے ہوئے کہا:

”یہ پالیسی میری سمجھ میں نہیں آئی کہ تمام مسلمان ایک ہی ٹکٹ پر انتخاب لڑیں اور کونسل میں جا کر کسی ہندو پارٹی سے گفت و شنید کر کے نئی اصلاحات میں ترمیم کرائی جائے اور وہاں نیک نیتی سے ملت اور ملک کے مفاد کے لیے کام کیا جائے۔

مسٹر جناح کی یہ پالیسی مجھے پسند نہیں۔ کیونکہ جہاں تک یوپی کا تعلق ہے مجھے اس امر کی اچھی طرح واقفیت ہے کہ یہاں کے مسلمان اور ہندو سینکڑوں سالوں سے ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو بڑے آرام سے زندگی بسر کر رہے ہیں۔ یہ درست ہے کہ بعض دفعہ ان میں کشیدگی ہوتی ہے۔ لیکن جناح کی مردہ سکیم پر عمل کرنے سے وہ ہمیشہ کے لیے ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے ایسے لوگ مسٹر جناح کو گمراہ کر رہے ہیں“

(روزنامہ انقلاب لاہور۔ ۸ مئی ۱۹۴۶ء)

۱۱۔ مئی کو الہ آباد سے سر شفاعت احمد نے کہا:

”مجھے مسٹر جناح کی کامیابی مشکوک نظر آتی ہے اور میں اس امر کا سخت مخالف ہوں کہ مجلس آئین سازی میں فرقہ وارانہ اصول کے تحت پارٹیاں تشکیل کی جائیں۔ اگر مسٹر جناح کی پالیسی ہی کو مان لیا جائے تو یہ امر ملک کے عام فساد اور فرقہ وارانہ امور کے بے حد نقصان دہ ثابت ہوگا۔

صوبہ جاتی آئین سازی میں میرے ذاتی تجربات واضح کر رہے ہیں کہ ایسی پارٹیوں کی تشکیل دوسرے مذاہب کے لیے زبردست ہیجان کا باعث ہو کر رہی ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلم ارکان کے حقوق کے بارے میں اتحاد و اتفاق کا ثبوت ہم پہنچانا چاہیے مگر جس حد تک اقتصادی اور معاشرتی سکیم کا تعلق ہے مسلم ممبروں کو اپنی ہم خیال پارٹیوں میں شامل ہونے سے نہیں روکنا چاہیے۔
مجھے امید نہیں کہ کوئی صوبہ بھی مسٹر جناح کے پروگرام پر عمل پیرا ہونے پر آمادگی ظاہر کرے گا۔

۱۰۔ مئی کو یوپی مجلس احوار کے اجلاس میں جو مولانا سید احمد کاظمی
یوپی مجلس احوار کا اجلاس | ایم۔ ایل۔ اے کی صدارت میں منعقد ہوا۔ علی گڑھ کالج میں مزاریل

کی بڑھتی ہوئی بے دینی حرکات پر سخت پریشانی کا اظہار کیا گیا۔ نیز امرتسر میں احوار کے جلوس پر تارکول پھینکنے کی مذمت کی گئی۔ اس اجلاس میں یوپی مجلس احوار کا آئندہ سال کا انتخاب بھی عمل میں لایا گیا۔ جس میں صدر مولانا محمد احمد کاظمی، نائب صدر مولانا ابو الوفا شاہ جہا پوری اور جنرل سیکرٹری خاں محمود علی خان رئیس کیلاش پور (سہارنپور) منتخب ہوئے۔

امرتسر کے واقعہ پر اظہارِ افسوس | روزنامہ "انقلاب" لاہور نے اپنی ۱۳۔ مئی کی اشاعت میں مجلس احوار کے جلوس پر تارکول پھینکنے کی مذمت کرتے ہوئے لکھا:

”امرتسر میں احوار کا نفرنس کے صدر چودھری افضل حق کے جلوس پر بعض لوگوں نے تارکول ڈال کر اسلامی اخلاق و شرافت کی رسوائی کا سامان مہیا کیا ہے۔ ہمیں احوار سے ہزار اختلاف ہوں، لیکن ہم اس امر کو ہرگز گوارہ نہیں کرتے کہ بعض اختلاف رائے کی بناء پر جہانی حملے کیے جائیں۔ اگر اس قسم کے طرزِ عمل کی حوصلہ افزائی کی گئی تو ہماری پیٹک زندگی ناقابلِ برداشت ہو جائے گی اور کسی قومی کارکن کی عزت محفوظ نہیں رہے گی۔

بعض غیر ذمہ دار جو شیلے نوجوان سیاسی جماعتوں کے اختلاف کی وجہ سے جوش میں آکر ایسی حرکتیں کر بیٹھتے ہیں اور اپنی جماعت کے لیے بدنامی کا باعث ہوتے ہیں۔ ہر سیاسی جماعت کو چاہیے کہ ایسے عناصر کی حوصلہ افزائی نہ کریں۔

مغذہ پن سے آج تک نہ کوئی مقصد پورا ہوا ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔

ہم رہنمایانِ احرار سے اس حادثے پر دلی ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں۔

۱۵۔ مئی کو احرار کے ترجمان روزنامہ ”مجاہد“ کی ایک ہزار روپے کی ضمانت کی ضمانت مانگ لی گئی اور ساتھ ہی نورانی الیکٹرک پریس سے

بھی ایک ہزار روپے کی ضمانت طلب کر لی گئی، جہاں سے یہ روزنامہ شائع ہوتا تھا۔ یہ کارروائی یکم مئی (۱۹۳۶ء) کے ایک مضمون کی بناء پر عمل میں آئی تھی۔ اس مضمون کا عنوان تھا ”ہمارے جاسوس کا کارنامہ۔ شیخ الدین محمود اور سر ظفر اللہ کی خفیہ ملاقات“

نوابزادہ لیاقت علی خاں کی غیبت کی یوپی ایگیکچر پارٹی کا قیام ہونے ہی، ۱۵ مئی کے تمام اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی کہ سر لیاقت علی

خاں جنہیں ۲۶۔ اپریل کو دہلی اجلاس میں مسلم لیگ کا جنرل سیکرٹری مقرر کیا گیا تھا۔ سر محمد علی جناح کی موجودہ پالیسی کے خلاف ان سے الگ ہو کر ایگیکچر پارٹی میں شامل ہو گئے ہیں۔ یہ پارٹی یوپی میں اپنے ہکٹ پر کانگریس کا مقابلہ کرے گی۔ اس جماعت کی شاخیں یوپی میں قائم کی جا رہی ہیں۔

نواب چٹھاری، سر محمد یعقوب، نوابزادہ لیاقت علی خاں، سر شفاعت احمد اور سر محمد یوسف اس جماعت کے خصوصی رہنما ہیں۔

مسلم لیگ کے پارلیمانی بورڈ کا اعلان | سر محمد علی جناح پنجاب کے مختلف رہنماؤں سے گفتگو کے بعد کچھ دن سستانے

کے لیے لاہور سے سرینگر چلے گئے تھے۔ یہاں وہ سرکاری مہمان رہے ماس دوران وہ کشمیری رہنماؤں سے بھی ملے۔ ریاستی انتظامیہ کے بارے میں بھی گفتگو ہوتی۔ اس دوران وہ مولانا میر واعظ محمد یوسف سے بھی ملے۔ جب پنجاب کے پارلیمنٹس کا ذکر آیا۔ تو مجلس احرار کی تحریک کشمیر کی قربانیوں، تذکرہ چل نکلا۔ اس پر بہت دیر باتیں ہوتی رہیں۔

اس کارروائی کی رپورٹ ۱۳ مئی کو یونائیٹڈ پریس نے اخبارات کو بھیجی۔ ۲۱۔ مئی کے اخبارات نے سری نگر سے اطلاع دی کہ سر محمد علی جناح تھے آل انڈیا مسلم لیگ کے پارلیمانی بورڈ کے ارکان کے ناموں کا اعلان کر دیا۔

بنگال: نواب آف ڈھاکہ مسٹر منزل حسین، خان بہادر عبدالرحمن۔ مولانا کریم دین خاں، مسٹر
شہید سہروردی، مسٹر عبدالرحمن صادق، مسٹر ایچ۔ ایم۔ اصفہانی، مسٹر مجیب الرحمن۔

مدراں: سید تفتی حسن، مسٹر عبدالمجید، مسٹر جان محمد، مسٹر بی بوکر۔

یوپی: نواب محمد اسماعیل چھتری، نوابزادہ لیاقت علیخان، ہمارا جہ محمود آباد، مولانا شوکت علی
مسٹر خلیق الزمان، مولانا حسین احمد مدنی، نواب محمد یوسف۔

ہمارے: آنریبل عبدالعزیز، مولانا محمد سجاد، مسٹر اسے۔ حفیظ شاہ، مسعود احمد۔ مولانا مفتی کفایت اللہ
سی۔ پی: ایم روف شاہد، مسٹر شریف۔

سندھ: شیخ عبدالمجید بندھی، حکیم فتح محمد شیرانی، مولوی محمد صادق، مسٹر محمد ہاشم گزدر۔

سرحد: ملک پیر بخش، مولانا اللہ بخش یوسفی، مولانا عبدالرحیم غزنوی، ملک خدا بخش ایم۔ ایل سی

پنجاب: مسٹر محمد اقبال، مولانا ظفر علی خاں، مولانا محمد اسحاق، نسہروی، میاں عبدالعزیز۔ پیر مسٹر

سید زین العابدین، مولانا عبدالقادر قصوری، شیخ حسام الدین، چودھری افضل حق

ایم۔ ایل سی۔ چودھری عبدالعزیز بیگوالیہ، خواجہ غلام حسین ایڈووکیٹ لائل پور

اور راجہ غضنفر علی۔

آسام: مسٹر عبدالستین چودھری۔ ایم۔ اسے۔ خاوی۔

دہلی: مولانا احمد سعید۔

بمبئی: سر سلیمان قاسم، مسٹر آر ایم۔ چنبواسے، ابوبکر بیگ محمد۔ مسٹر چندریگر، ٹھاکر داس

ایم۔ ایل سی خاں بہادر سلیم الدین۔

ہم نہ کہتے تھے؟

تحریک شہید گنج کا نتیجہ | ۲۸۔ جون ۱۹۲۵ء کو جس تحریک کا آغاز سر فضل حسین کے اشارے

اور مرزا بشیر الدین محمود کے ایمان پر ہوا تھا، جس کے نتیجے پر مکہ مزدور سے مسجد شہید کرائی گئی۔

مسلمان نوجوانوں نے گولیاں کھائیں، جیلوں میں گئے، ایک فعال سیاسی جماعت کو مطعون کیا گیا۔

بحیثیت قوم مسلمان رسوا ہوئے، صوبے کا امن خراب ہوا، اقوام پنجاب دست و گریباں

ہوئیں اور کشیدگی بڑھتی رہی۔

۱۹ مئی (۱۹۳۶) کو اس کا نتیجہ نکھر کر سامنے آگیا۔ یعنی مجلس اتحادِ ملت کی عالم نے اپنے ارکان کو اجازت دے دی کہ وہ مسجد شہید گنج کے ٹکٹ پر پنجاب اسمبلی کا انتخاب لڑیں اس اجلاس میں چند نوجوانوں نے اعتراض اٹھایا کہ مقدمہ کے فیصلہ تک کونسلوں کا تذکرہ کرنے سے اتحادِ ملت کے وقار کو نقصان پہنچے گا۔ لیکن اس مختصر آراء کو کوئی اہمیت نہ دی گئی۔ اور اکثریت سے یہ قرارداد منظور ہو گئی۔ اس قرارداد کی حمایت پر ڈاکٹر محمد عالم، مولانا ظفر علی خاں اور مولانا عبد القادر قصوری نے زیادہ زور دیا۔

لاہور کی اکثر انجمنوں نے اس قرارداد کے خلاف مظاہرے کیے اور لاہور کی تمام فضا لیڈروں کے خلاف ہو گئی۔

۲۲ مئی کو لاہور شاہی مسجد میں جلسہ عام ہوا، جس میں اس قرارداد کی سخت مخالفت کی گئی۔

۲۶ مئی کے روزنامہ ”انقلاب“ کا ادارہ | پنجاب میں ان دنوں روزنامہ ”انقلاب“

سائیکس (یونیسیٹ پارٹی کا واحد ترجمان تھا۔ وہ ہر روز مسلم لیگ اور سٹر جناح کے خلاف ادارہ لکھتا۔ چنانچہ ۲۶ مئی کے انقلاب کے ادارہ کے چند اقتباس ملاحظہ ہوں۔

”سٹر جناح جب لیگ پالیٹیمپ می بورڈ کی سکیم لے کر پنجاب آئے، تو ہمارا خیال تھا کہ وہ مسلمانوں کے اہم مقاصد ملی کو ملحوظ رکھتے ہوئے اتحادِ بین المسلمین کا وہ مفہوم سامنے رکھیں گے جو بعض دوسرے احباب بیٹے رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تشریف آوری سے قبل یا ان کے قیامِ لاہور کے درمیان ان کی مساعی کے خلاف ایک حرف بھی نہ لکھا۔ لیکن جب ہمیں معلوم ہو گیا کہ سٹر جناح بھی صرف چند غلام کے اتحاد کو اتحادِ بین المسلمین قرار دے رہے ہیں تو پھر ہمیں رنج و قلق کے ساتھ ان کی مساعی کو تفرقہ انگیز قرار دینا پڑا۔“

”پنجاب کے متعصب سٹر جناح کے تجویز کردہ ارکان بورڈ کی فہرست

سامنے دیکھ کر یقین ہو جاتا ہے کہ یہ اتحاد مسلمان نہیں، بلکہ تفرقہ بین المسلمین کو تقویت پہنچانے اور مضبوط و مستحکم بنانے کی ایک افسوسناک صورت ہے۔“

غرض صاف ظاہر ہے کہ سٹر جناح نے پنجاب میں جو پارٹی بنائی ہے یا بنانے کی سعی فرمائی ہے وہ اتحاد بین المسلمین کی اس اساس پر مبنی نہیں ہے۔
۳۰۔ مئی کے ایڈیٹوریل میں ارکان بورڈ کے ایک ایک ممبر کا نام لے کر ان میں کپڑے نکالے گئے۔

۲۵۔ مئی کو سٹر رسل ڈسٹرکٹ سیشن جج لاہور نے مزار حضرت کاوشاہؒ | **مقدمہ کا فیصلہ** اور شہید گنج کے مقدمات کو زائد المیعاد قرار دے کر خارج کر دیا۔
اس سلسلے میں جن لوگوں کو سزائیں ہوئی تھیں، وہ رہا کر دیے گئے۔ اس فیصلے کے خلاف لاہور کے مسلمانوں نے مظاہرے کیے اور ہڑتال بھی ہوئی۔ اس مقدمے کی پیروی طحا کر محمد عالم کر رہے تھے۔

۲۷۔ مئی کو مفتی کفایت اللہ صدر جمعیتہ علمائے ہند اور مجلس احرار | **حمایت کا اعلان** اسلام ہند کے صدر مولانا حبیب الرحمن اور مسلم یونیٹی بورڈ کے ارکان نے ایک مشترک اعلان میں کہا کہ وہ سٹر محمد علی جناح کے مرتب کردہ مسلم پارلیمنٹری بورڈ کے امیدواروں کی حمایت کریں گے۔

لاہور۔ ۲۸۔ مئی میاں سرفضل حسین نے مسجد شہید گنج اور مزار | **سرفضل حسین کا بیان** کاوشاہ کے فیصلوں کے متعلق بیان دیتے ہوئے کہا:
۱۔ ”مسلمانوں نے عدالت سے رواداری کا مطالبہ کیا تھا۔

۲۔ حکومت نے مقدمات کی سماعت کے لیے ایک سینٹ جج مقرر کیا اور آئینیں بہم پہنچائیں۔

۳۔ تاہم فیصلہ مسلمانوں کے خلاف ہوا۔ مسلمانوں کو جج کی نیت پر شبہ نہ کرنا چاہیے۔
وہ قانون کے خلاف اعتراض کر سکتے ہیں لیکن جج کا بھی فرض ہے کہ جو کچھ

قانون کے اس کی پیروی کرے۔

۴۔ اب کیا کرنا چاہیے۔

۱۔ وکلاء جو مقدمہ کی پیروی کرتے رہے ہیں ان سے مشورہ لینا چاہیے اور اس پر عمل کرنا چاہیے۔

ب۔ مسٹر جناح نے اس مسئلہ کے لیے جو کمیٹی بنائی تھی اس سے بھی مشورہ کرنا چاہیے۔

پنجاب کے مسلمانوں نے یہ معاملہ مسٹر جناح کے سپرد کیا تھا، اب انہیں مسٹر جناح سے مشورہ لینا چاہیے اور جہاں تک ممکن ہو اس پر عمل کرنا چاہیے۔

ان حالات میں میں مسلمانوں سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اپنے ہمہایوں کے خلاف نفرت یا غصہ کے جذبات نہ رکھیں، لیکن اپنے حقوق پر ڈٹے رہیں۔

(روزنامہ "انقلاب" ۳۰ مئی ۱۹۳۶ء)

یہ خاموشی کیوں؟ | ایک ہفتہ گزرنے پر بھی سیشن جج کے فیصلے کے خلاف نہ تو کسی لیڈر نے بیان دیا اور نہ ہی اتحادِ ملت کی طرف سے کوئی جلسہ عام ہوا۔ بلکہ سر فضل حسین کے مشورے پر راولپنڈی میں ہونے والی اتحادِ ملت کانفرنس جس میں اس کے متعلق کوئی مشورہ ہونا تھا، ملتوی کر دی گئی۔

ایک اخباری افواہ | اخبار اسٹیشن مین کے نامہ نگار کا ایک بیان ۳۰ مئی کے روزنامہ "انقلاب" نے نقل کیا۔

”احرار نے قطعی فیصلہ کر لیا ہے کہ وہ مسٹر جناح کی انتخابی مہم میں سیم لیگ کے ساتھ تعاون نہیں کر سکیں گے۔ دوسری طرف مولانا ظفر علی خاں کی اتحادِ ملت کے ساتھ احرار کے اتحاد کے امکانات ختم ہونچکے ہیں۔ جہاں تک مسٹر جناح کی سکیم کا تعلق ہے۔ مسٹر جناح کی سکیم کم از کم اپنی ہیئت

کے اعتبار سے ایک کمیونل پارٹی کی حیثیت رکھتی ہے۔ اسی طرح مولانا ظفر علی خان کی جماعت کا مقصد خدمتِ خلق ہے۔ ان دونوں پارٹیوں کے ساتھ اتحاد سے احوار کا گزیر یہاں یہ معنی رکھتا ہے کہ احوار اپنی پالیسی کے تحت رجو آزادی وطن اور مرزائیوں کے خلاف ہے، الگ رہنا چاہتے ہیں

۲۹- مئی کی صبح یکا کی یہ خبر پنجاب کے اخبارات میں پڑت جو اہر لال نہرو لاہور میں | شائع ہوتی کہ کانگریس کے رہنما پنڈت جو اہر لال نہرو

لاہور پہنچ گئے۔ اپنے قیام کے دوران وہ مجلس احوار کے رہنما چودھری افضل حق اور اتحاد ملت کے رہنما مولانا ظفر علی خاں سے ایک بند کمرے میں قریباً دو گھنٹے گفتگو کرتے رہے۔ یہ بات چیت اس قدر خفیہ رہی کہ کوشش کے باوجود پریس کو بھی پتہ نہ چل سکا کہ دونوں جماعتوں سے پنڈت جی نے کیا باتیں کیں۔ البتہ ۳۱ مئی کے پنڈت جی کے بیان سے اس قدر اندازہ ہو سکا کہ انہیں اپنے مشن میں ناکامی ہوئی ہے۔

(روزنامہ انقلاب ۲- جون ۱۹۳۶ء)

۲۹- مئی کو مہاتما گاندھی کے بڑے بڑے مہاتما گاندھی کا لڑکا مسلمان ہو گیا | میرا لال گاندھی نے بمبئی جامعہ مسجد میں

اسلام قبول کر لیا اور ان کا نام محمد عبداللہ گاندھی رکھا گیا۔ اپنے اعلان میں مسٹر عبداللہ نے کہا،

”میں نے اسلام قبول کیا ہے اس لیے کہ یہ ایسا بہترین مذہب ہے کہ اخوت کی تعلیم دیتا ہے۔ اور تمام مذاہب کا پنچوڑ ہے۔ میں اسلام میں زندہ رہوں گا اور اسی پر مردوں گا۔“

۲- جون - بنگلور سے مہاتما گاندھی نے اپنے بیٹے کے مسلمان ہونے پر حسب ذیل بیان دیا۔

”اخبارات کے بیان سے پتہ چلا ہے کہ میرے بڑے بڑے بھائی کے مسیحی بھائی (عمر تقریباً پچاس سال) نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ اور

اس نے ۲۹ مئی کو جامعہ مسجد بمبئی میں مسلمانوں کے ایک بھرے اجلاس میں اپنے اسلام قبول کرنے کا اعلان بھی کر دیا ہے۔

اگر ہیرا لعل نے بصیرت قلب اسلام قبول کیا ہو اور اس میں دنیاوی امور کا کچھ فعل نہ ہو تو مجھے اس کے مسلمان ہونے پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ میرا یقین ہے کہ اسلام بھی میرے مذہب کی طرح ایک سچا مذہب ہے۔ مگر مجھے شبہ ہے کہ اس کا اسلام قبول کرنا ذاتی اغراض سے متبرک نہیں۔

جو لوگ ہیرا لعل سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ وہ مدت سے شراب پینے کا عادی ہے اور قہوہ خانوں میں جانے کا شیداء ہو چکا ہے۔ اور کچھ عرصہ سے وہ ایسے حجاب کے تعاون سے زندگی بسر کرتا آ رہا ہے، جنہوں نے اس کی بڑی مالی اعانت کی ہے۔ ہیرا لعل چند پٹھانوں کا بھی مقروض ہے اور ان پٹھانوں نے اسے بھاری شرح سود پر روپیہ بطور قرض دے رکھا ہے۔ ابھی چند روز کا ذکر ہے کہ اسے ایک پٹھان سے بھی جان کا خطرہ تھا۔

ہیرا لعل کی بیوی بڑی وفادار تھی اور اس نے ہمیشہ یہی کوشش کی کہ ہیرا لعل کے طریق زندگی کو نظر انداز کیا جائے۔ چنانچہ اس عورت نے اپنے خاوند کے وفادار ہونے میں کبھی ہیلو تہی نہیں کی۔ ہیرا لعل کے تین بچے بھی ہیں، جن میں دو لڑکیاں اور ایک لڑکا۔ مگر اس نے کبھی ان کی پرواہ نہیں کی۔

چند روز پیشتر ہیرا لعل نے اخبارات میں ایک مضمون لکھ کر بند وڈل کو دھمکی دی تھی کہ وہ ہندو مذہب ترک کر کے عیسائی یا مسلمان ہو جائے گا۔ اس کے بعد ناگپور میونسپل کمیٹی کے ایک بندہ وکن نے اسے میونسپل کمیٹی میں ملازمت دلا دی۔ اس کے بعد اس نے اخبار میں ایک اور مضمون شائع کر دیا۔ جس سے پہلے بیان کی تکذیب ہو گئی تھی اور اس نے اپنے آباؤ اجداد کے مذہب پر قائم رہنے کا اظہار کیا تھا۔ مگر یہ خیال تکمیل ہو چکا ہے کہ اس کی

دنیاوی ضرورتوں کی تسکین نہیں ہوئی اور انہی خواہشات کو پورا کرنے کے لیے اس نے اسلام قبول کیا ہے۔

میرے پاس اور بھی بہت سے دلائل ہیں، جو میرے بیان کی تائید کرتے ہیں۔ گذشتہ دنوں مجھے ناگپور جانے کا موقع ملا، تو وہاں میرا عمل میری ملاقات کے لیے آیا۔ اس وقت اس کی والدہ نے مجھے بتایا کہ میرا عمل کتنا ہے کہ بہت سے مذاہب کے لوگ اسے اپنے اپنے مذہب میں لانے کی تبلیغ کر رہے ہیں۔

میں نے اپنے تمام بچوں کو آزادی کی تعلیم دی ہے کہ وہ اپنے مذہب کی طرح دوسرے تمام مذاہب کو بھی محترم خیال کریں۔ اگر میرا عمل کے دل میں اسلام قبول کرنے کا شوق تھا تو اسے مجھ کو مل کر بتا دینا چاہیے تھا۔ اس صورت میں مجھے کوئی اعتراض نہ ہوتا۔ اور میں اس کے ارادے میں برگز مزاہم نہ ہوتا۔ مگر اس نے مجھے یا اپنے بڑے کے جس کی عمر بیس سال ہے اور جو اس وقت میرے پاس ہے۔ اس بارے میں بالکل مطلع نہیں کیا۔ مجھے اس کے اسلام قبول کرنے کا علم اس مجھ کے اعلان میں ہوا۔

میرے خیال میں میرا عمل کو جن لوگوں نے مسلمان کیا ہے، انہوں نے معمولی سی احتیاط بھی نہیں کی، جو ان کے لیے نہایت اہم اور ضروری تھی۔ میرا خیال ہے کہ میرا عمل کا ہندو مذہب سے جانا ہندو مذہب کے لیے موجب خسارہ نہیں ہوگا اور اگر میرا عمل بدستور سابق حرکات پر قائم رہا تو اسلام کو بھی کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔

آخر میں گاندھی جی نے کہا:

”میں اپنے لاتعداد مسلمان احباب کو مشورہ دے گا کہ وہ میرا عمل کو اس کے برے افعال سے روکیں اور اسے نیک بنانے کی کوشش کریں۔ تاکہ وہ شیطانی اور نفسی خواہشات سے بچا رہے۔ میری دلی خواہش ہے کہ وہ

صحیح طور پر اللہ کا بندہ بن جائے۔ مجھے اس سے کوئی واسطہ نہیں کہ لوگ اسے
عبداللہ کہہ کر پکاریں یا میرا عمل کہیں۔

(روزنامہ انقلاب، ۴- جون ۱۹۳۶ء)

۶- جون کو مسٹر محمد علی جناح کشمیر سے واپسی پر لاہور ٹھہرے
مسٹر جناح کی کشمیر سے واپسی | تاکہ مسلم لیگ کا جنرل اجلاس بلایا جاسکے۔ یونینسٹ

پارٹی نے ان کی آمد پر سیدہ جنتیوں سے ان کا استقبال کرنا چاہا۔ لیکن بروقت اس کی اطلاع
ڈاکٹر سراقبال اور ان کے توسط سے احرار کو بھی اس کی خبر مل گئی۔ اس پر احرار رضا کار چورہ پونہ
ہو گئے۔ جس کے باعث یونینسٹ پارٹی کو یہ ارادہ ملتوی کرنا پڑا۔

۸- جون کو مسلم لیگ اور پارلیمنٹری بورڈ کا اجلاس حبیبہ ہال (اسلامیہ کالج) میں کرنے
کا فیصلہ کیا گیا۔ لیکن عین وقت پر انجمن حمایت اسلام لاہور کے صدر نواب مظفر خاں نے اس
کی اجازت نہ دی (نواب مظفر خاں یونینسٹ پارٹی کے سرگرم رکن تھے)۔

آخر مجبوراً یہ اجلاس برکت علی محمدن ہال (بیردن موچی دروازہ لاہور) میں ہوا۔ اس
اجلاس میں پنجاب کی طرف سے انیس ارکان نے شرکت کی۔ جن میں غالب اکثریت یونینسٹ
ممبروں کی تھی۔ دیگر لوگوں میں نواب احمد رضا خاں دو تانہ، سردار حبیب اللہ، مولانا غلام محی الدین
قصوری، نوابزادہ نور شید علی خاں، بیگم شامبھوا ز اور.....

احرار کی جانب سے چودھری افضل حق، شیخ حسام الدین اور چودھری عبدالعزیز بیگوالہ

اور خواجہ غلام حسین ایڈووکیٹ قابل ذکر ہیں۔

اس اجلاس میں مسلم لیگ کا الیکشن نینی فیسٹو منظور کیا گیا۔ اور مولانا ظفر علی خاں اور
ان کے ساتھیوں نے اسی اجلاس میں اپنے مستعفی ہونے کا اعلان کیا۔ مولانا کا یہ فیصلہ
محقاقہ مسلم لیگ کا نصب العین درجہ نوابادیات ہے اس لیے ہم میں اور ان میں تعاون نہیں
ہو سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ ڈاکٹر محمد عالم مولانا پر چھائے ہوئے تھے۔ اور انہوں نے مسجد
شہید گنج کی بازیابی کا دیوانی دعویٰ بھی دائر کر رکھا تھا، لہذا وہ اتحاد و ملت کا علیحدہ پارلیمانی
بورڈ قائم کر کے شہید گنج کے نام پر الیکشن لڑنا چاہتے تھے۔ بدیں وجہ ڈاکٹر عالم نے نہایت

ہوشیاری سے اتحاد ملت، روزنامہ زمیندار، مولانا ظفر علی خاں اور شہید گنج کو سراہنے الیکشن کے لیے استحصال کیا۔ مسلم لیگ کے اس اجلاس میں جمعیتہ علمائے ہند کے صدر مفتی کفایت اللہ اور مولانا حسین احمد مدنی نے مسٹر جناح کی حمایت کرتے ہوئے کہا:

”ہم مسٹر جناح کی حمایت کرتے ہوئے، اس بات کا خیر مقدم کرتے ہیں کہ انہوں نے مسلم لیگ کو زندہ اور فعال جماعت بنا کر میدان عمل میں داخل کر دیا ہے۔“

مرزا ابوالحسن اصفہانی نے اپنی کتاب ”مسلم لیگ“ میں پارلیمنٹری بورڈ کے اس اجلاس کا حال بیان کرتے ہوئے ایک دلچسپ واقعہ لکھا ہے۔ جس سے ایک طرف ہماری قومی جدوجہد کی ابتدائی بے سروسامانی اور دوسری طرف ہمارے علمائے کرام کی سنگدلی پر غفلت بدنی ڈالی ہے۔ اصفہانی صاحب فرماتے ہیں۔

”پارلیمنٹری بورڈ کے اس اجلاس میں بہت سی تقریریں ہوئیں۔ یہ تقریریں کرنے کی عادت اب ایک طرح روایت اور کمزوری بن گئی ہے۔ پہلے روز مفتی کفایت اللہ اور مولانا حسین احمد مدنی نے اپنی تقریروں میں مسٹر جناح کی حمایت کرتے ہوئے اس بات کا خیر مقدم کیا کہ انہوں نے مسلم لیگ کو زندہ اور فعال سیاست کے میدان میں داخل کر دیا ہے۔ لیکن آخری روز انہی علمائے کرام میں سے ایک نے تجویز پیش کی کہ چونکہ انتخاب میں مسلم لیگ کو کامیاب کرانے کے لیے پروپیگنڈے کی ہم کا بڑی سرگرمی اور خوش اسلوبی سے چلانا بہت ضروری ہے، لہذا ہمارا خیال ہے کہ دیوبند کو اس پروپیگنڈے کا مرکز بنایا جائے، بشرطیکہ اس ہم کا تمام خرچ مسلم لیگ برداشت کرے۔ اس کے بعد انہوں نے فرمایا کہ پروپیگنڈے کی اس ہم کا آغاز کرنے کے لیے پچاس ہزار روپوں کی ضرورت ہوگی۔“

لیگ کے پاس اس وقت پچاس پیسے بھی نہ تھے۔ صدراور بیکر ٹری دونوں بغیر تنخواہ کے مفت کام کر رہے تھے اور دفتر بھی گویا ان کے ہینڈ لیگ

ہی میں تھا۔ ان علمائے کرام کو ہم سے کہیں زیادہ مسلم لیگ کی اس کمزوری کا علم تھا۔ بظاہر انہیں معلوم ہونا چاہیے تھا کہ ان کی اس تجویز کا جواب سوائے انکار اور معذوری کے اور کیا ہو سکتا تھا۔ چنانچہ مسٹر جناح نے انہیں بتایا کہ مسلم لیگ کے پاس کوئی سرمایہ نہیں اور مستقبل قریب میں بھی کسی چندے کی توقع نہیں رکھنی چاہیے۔ ہم سب گول لگا کر خلوص سے کام کرنا چاہیے۔ یہ سن کر علمائے کرام سخت مایوس ہوئے اور آہستہ آہستہ ہندو کانگریس کی طرف کھسکنے لگے۔ بالآخر انہوں نے اپنے آپ کو کانگریس کے پراپیگنڈے کے لیے وقف کر دیا۔“

”اقبال کے آخری دو سال“ مصنفہ عاشق حسین ٹالوی ص ۳۲۸-۳۲۹
اسی طرح کے ایک دوسرے اجلاس کی کارروائی جس کا تعلق یوپی کے انتخاب سے ہے ایک دوسرا مصنف مولانا عزیز الرحمن جاہی اپنی کتاب ”رہنمیں الا حرار“ کے ص ۱۹۴-۱۹۵ یوں رقمطراز ہے۔

”سلیم پور ہاؤس لکھنؤ میں کانگریس، مسلم لیگ کے اتحاد کا مشورہ زیر بحث تھا۔ رمضان المبارک میں مولانا ابوالکلام آزاد الیکشن کی تیاریوں کے سلسلے میں لکھنؤ تشریف لائے۔ سلیم پور ہاؤس میں قیام کیا۔ چودھری خلیق الزماں کے ذریعے یو۔ پی کے مسلم لیگیوں سے کانگریس، لیگ مشترک محاذ کی گفتگو شروع ہوئی۔ یو۔ پی میں جمعیتہ علمائے ہند کا بے پناہ اثر تھا۔ اس لیے یوپی کا الیکشن بلا جمعیتہ علمائے ہند کی امداد کے جیتنا نہیں جاسکتا تھا۔ چنانچہ جمعیتہ علمائے ہند کے رہنما بھی اس گفتگو میں شامل تھے۔ مولانا حبیب الرحمن صدر مجلس احوار سلیم پور ہاؤس میں مولانا آزاد کے ساتھ ٹھہرے۔ چودہ روز تک قیام کیا۔ اس دوران مولانا حبیب الرحمن کی چودھری خلیق الزماں سے بار بار گفتگو ہوئی۔ آخر یوپی میں کانگریس، مسلم لیگ اور جمعیتہ علمائے ہند کا اتحاد ہو گیا۔“

سوال یہ تھا کہ الیکشن میں مسلم لیگ کے امیدواروں پر روپیہ کون خرچ

کرے؛ اس بارے میں پتہ جی اور خلیق الزمان میں بات چیت طے ہو گئی، کہ کانگریس مسلم لیگ کے امیدواروں کی ہر طرح مدد کرے گی۔ الیکشن پر کوئی پچاس ہزار کے خرچ کا تخمینہ تھا۔ مسلم لیگ الیکشن کے نگران چودھری خلیق الزمان بنائے گئے۔ چودھری صاحب اس وقت تک کانگریسی تھے۔ انہیں صرف کانگریس نے الیکشن کی کامیابی کے لیے مسلم لیگ بنوایا تھا۔

سید حبیب کا استعفیٰ | مولانا سید حبیب مالک روزنامہ "میاست" لاہور نے ۸ جون کو مجلس اتحاد ملت سے استعفیٰ دے دیا۔

استعفیٰ کی وجوہ بیان کرتے ہوئے انہوں نے کہا:
 "اس وقت اتحاد ملت کے پروگرام میں مجلس احوار کی مخالفت یا کونسلوں میں جانے کے سوا کوئی پروگرام نہیں جسے میں پسند نہیں کرتا میں خلوص نیتی سے حصول مسجد کے لیے اتحاد ملت میں شامل ہوا تھا۔ لیکن یہ جماعت اپنے موقف سے منحرف ہو چکی ہے۔"

روزنامہ انقلاب کی رائے | ۸ جون کے مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ لاہور پر تبصرہ کرتے ہوئے ۱۱ جون کے روزنامہ "انقلاب" نے بغیر کسی نام کے ایک مراسلہ شائع کیا، جس میں مسٹر جناح اور مسلم لیگ کی ایک نئے انداز سے مخالفت کی گئی اور یہ تجویز پیش کی کہ:

"مسلم لیگ کا سنٹرل پارلیمنٹری بورڈ توڑ دیا جائے۔ اور صوبائی لیڈروں کو اپنے اپنے صوبوں میں کام کرنے کی اجازت دی جائے۔ اس ضمن میں یہ بھی کہا گیا کہ پنجاب میں پارلیمانی بورڈ کی کامیابی کی کوئی گنجائش نہیں۔"

احرار یونٹی بورڈ اور جمعیتہ علمائے ہند کا اجلاس | ۱۰ جون کو لاہور مرکزی مجلس احوار کے دفتر میں جمعیتہ علمائے ہند،

یونٹی بورڈ اور مجلس احوار کا مشترک اجلاس ہوا، جس میں دیگر جماعتوں کے نمائندے بھی شریک تھے۔ یعنی مولانا مفتی کفایت اللہ، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا محمد اسماعیل دیوپی، چودھری فضل حق

چودھری خلیق الزمان، مولانا سید محمد احمد کاظمی ایم۔ ایل اے، عبدالمتین چودھری، خواجہ عبدالرحمن خان، ایم سجاد، شیخ عبدالحمید سندھی، ایم مسعود، مولانا داؤد غزنوی، خواجہ غلام حسین ایڈووکیٹ لاہور، مولانا شوکت علی، شیخ حسام الدین، مولانا منظر علی اظہر قابل ذکر ہیں۔
اس اجلاس میں انتخابی بورڈ کے متعلق بعض اہم فیصلوں پر بحث کی گئی۔ چونکہ پریس کو اجلاس میں شرکت کی اجازت نہیں تھی، لہذا کوئی فیصلہ سامنے نہ آ سکا۔

(یونائیٹڈ پریس، روزنامہ انقلاب لاہور ۱۱ جون ۱۹۳۶ء)

ایک خبر | رائے بہادر چھوٹو رام پوینسٹ پارٹی کے رہنماؤں میں شامل تھے۔ ان کی روٹیک سے بھیجی ہوئی ایک خبر ۱۱ جون ۱۹۳۶ء کے روزنامہ انقلاب میں شائع ہوئی، جو حسب ذیل ہے۔

۲۔ روٹیک ۳۔ جون کو عید میلاد النبی کا جلوس نکالا گیا۔ مسلمانان روٹیک نے اس تہوار کو بڑی شان و شوکت سے منایا۔ سب سے بڑی مسرت اس بات پر ہے کہ عید میلاد النبی ہندو، مسلمانوں کی باہمی اخوت و محبت کا موجب ثابت ہوا ہے۔ مقامی مسلمانوں نے پیشتر اپنے سالانہ جلوس کو اس لیے ملتوی کر رکھا تھا کہ مقامی حکام نے اس پر پابندی لگا رکھی تھی۔ آخر بڑی مشکل سے حکومت نے اس جلوس کی اجازت دی تو شہر کے مسلمانوں نے جلوس کے لیے شربت پان اور دوسرے لوازمات کا انتظام کیا تھا۔

یہ فروری یا مارچ کی بات ہے۔

۳۔ جون کو حبیب مسلمانوں نے سرور کائنات کا یوم پیدائش منایا اور جلوس نکالا تو ہندوؤں نے راستے میں پانی کی بلیں لگائیں، جس میں شربت اور پان وغیرہ سے جلوس کی تواضع کی گئی۔ اس موقع پر دونوں قوموں کے درمیان مسرت اور خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

مولانا منظر علی کا بیان | مسلم لیگ کی جنرل کونسل سے استعفیٰ ہونے پر مولانا منظر علی خاں نے جو بیان دیا اس کے جواب میں مولانا منظر علی جنرل سیکرٹری

مجلس احرار اسلام ہند نے مندرجہ ذیل بیان پریس کو دیا۔
 گزشتہ سال مسجد شہید گنج کی آڑ میں مجلس احرار کو نیست و نابود کرنے کی ہر ممکن
 کوشش کرنے کے بعد کل مولانا ظفر علی خاں نے مسلم لیگ کے پارلیمانی بورڈ
 میں ایک سنسنی پیدا کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے بیان شائع کیا ہے کہ
 ”وہ مسلم لیگ پارلیمانی بورڈ سے تعاون نہیں کر سکتے۔ کیونکہ لیگ
 کا سیاسی عقیدہ درجہ تو ابدیات کا حصول ہے۔“

اگر ان کا اختلاف محض اس بناء پر ہوتا کہ ان کا عقیدہ مکمل آزادی حاصل
 کرنے کا ہے تو نہایت خوشی کی بات تھی۔ لیکن جب ہم دیکھتے ہیں کہ مولانا
 ظفر علی خاں مسلم لیگ سے ایک بچے کی طرح روٹھ گئے ہیں تو معلوم ہوتا ہے
 یہ لیگ پارلیمانی بورڈ سے علیحدگی کا ایک بہانہ ہے اور اندر خانہ کچھ اور وجہ ہو سکتی
 ہے۔ خاص کر سٹر خاج نے جب ان سے کہہ دیا ہے کہ ان کے علاوہ اور
 اشخاص بھی ایسے ہیں، جو مکمل آزادی چاہتے ہیں، لیکن وہ مسلم لیگ پارلیمانی
 بورڈ سے تعاون کر رہے ہیں۔ کیونکہ پارلیمانی بورڈ ان سے یہ نہیں کہتا کہ وہ
 اپنا عقیدہ ترک کر دیں یا اس کے حصول کی کوشش نہ کریں۔

پارلیمانی بورڈ کی منشا صرف یہ ہے کہ آزاد خیال لوگوں کا تعاون حاصل
 کیا جائے اور اس طرح رحبت پسند طاقتوں کا مقابلہ کیا جائے۔ بہت سے
 مسلمان مجلس احرار سے کہہ رہے تھے کہ مولانا ظفر علی خاں اور اتحاد ملت میں
 مخالفت اور تعاون کریں۔ سٹر خاج کے پارلیمانی بورڈ نے اس کے لیے
 بہت اچھا موقع پیدا کر دیا تھا۔ مگر مولانا ظفر علی خاں نے اس سے فائدہ
 اٹھانے سے انکار کر دیا۔ آج وہ جن سہاروں پر بڑی بڑی امیدیں باندھے
 ہوئے ہیں، انہیں جلد بچھپنا پڑے گا کہ یہ سہارے ریت کے سہارے
 نہیں۔“

(روزنامہ انقلاب لاہور۔ ۱۳۔ جون ۱۹۳۶ء)

سر سکندر اور فضل حسین کے درمیان کشمکش | سیاست میں رشتے ناٹے اور دوستانہ تعلقات پر راجح سحری معلوم ہوتے ہیں۔

یہ اس کی عمر اس پھول کی سی ہوتی ہے جو بادِ سموم کے ایک ہی جھونکے سے مرجھا جاتا ہے۔

سر فضل حسین پنجاب کی وزارتِ عظمیٰ کے شوق میں دائرے کی کونسل سے مستعفی ہو کر پنجاب آئے تو سر سکندر حیات انہیں اپنے راستے کی دیوار نظر آئے۔ چنانچہ انہوں نے بظاہر سر سکندر حیات پر یہ احسان کیا کہ انہیں ریزرو بینک کا ڈپٹی گورنر بنا کر کلکتہ بھیج دیا۔ سر سکندر حیات حاتم طائی کی اس خیرات کو بخوبی سمجھتے تھے، تاہم وہ بادلِ خواستہ صوبہ سے باہر چلے گئے۔ لیکن اندر خانہ اس بساط پر اپنی چال سوچتے رہے۔ گو ۱۹۲۹ء اپریل سے بظاہر سر سکندر حیات اور سر فضل حسین کے باہم صلح ہو چکی تھی اور انہوں نے وعدہ کیا تھا کہ وہ بہت جلد بینک کی گورنری سے مستعفی ہو کر پنجاب میں یونینسٹ پارٹی کی تنظیم نو میں مصروف ہو جائیں گے، لیکن یہ بھی ایک سیاسی چال تھی۔ وہ اس میں کہاں تک کامیاب ہوئے، اس کہانی کو ایک دوسرے مصنف کی زبانی سنئے۔

عین جس وقت آل انڈیا مسلم لیگ، ہندوستان کے مسلمانوں میں نکر و عمل کی وحدت پیدا کرنے کے لیے پروگرام مرتب کر رہی تھی، سر سکندر حیات خاں پنجاب کی ریونیو نمبر می و پانچ سالہ میعاد ختم کر کے ہندوستان کے ریزرو بینک کے ڈپٹی گورنر بن چکے تھے، جہاں وہ ساڑھے پانچ ہزار روپیہ مشاہرہ لیتے تھے۔ ان کی جگہ نواب مظفر خاں پنجاب کے ریونیو نمبر بن گئے تھے۔ میاں فضل حسین کو معلوم تھا کہ یونینسٹ پارٹی کا ایک طاقتور حنفیانہ کے خلاف ہے اور سر سکندر اس باغی فریق کے لیڈر ہیں۔ تاہم وہ اس پارٹی کے منتشر عناصر کو یکجا کرنے کی فکر میں شب و روز کام کر رہے تھے۔ پنجاب میں نواب مظفر خاں، میاں احمد یار خاں دوستانہ اور میر مقبول، سکندر کے بہت بڑے حامیوں میں شمار ہوتے تھے۔

سر سکندر کو معلوم تھا کہ میاں فضل حسین سے نبرد آزما ہونا کوئی آسان کام نہ تھا۔ یہ بھی صحیح ہے کہ فضل حسین بیمار تھے اور کام کی شدت جس قسم کی جسمانی طاقت و توانائی اور صحت کی طلب گار تھی، وہ انہیں حاصل نہ تھی۔ لیکن فضل حسین کی غیر معمولی قوتِ ارادی اور ذہانت

ایک ایسا حربہ تھا جس کا لوہا ان کے حریف بھی مانتے تھے اور سرسکندر کو یقین تھا کہ اگر ان کے اور میاں فضل حسین کے درمیان مقابلے کی نوبت آئی تو انجام کار یونینسٹ پارٹی فضل حسین ہی کو اپنا لیڈر منتخب کرنے کی۔ اس صورت میں سرسکندر کے سامنے دو راستے کھلے تھے۔ اول یہ کہ میاں فضل حسین کے تحت ایک وزیر کی حیثیت سے کام کرنا قبول کر لیں۔ دوم یہ کہ یونینسٹ پارٹی سے اپنا رشتہ منقطع کر کے کسی نئی پارٹی کی داغ بیل ڈالیں۔ سرسکندر ایک وقت ان دونوں راستوں پر گامزن تھے۔

ادھر وقتاً فوقتاً میاں فضل حسین کو اپنے خلوص اور نیاز مندی کا یقین دلاتے رہتے تھے۔ ادھر فضل حسین کے خلاف ایک نئی پارٹی کی طرح ڈالنے کی دوڑ دھوپ بھی کرتے رہتے۔ سرسکندر خود تو بنک کی ملازمت کی وجہ سے کلکتہ اور بمبئی میں مقیم تھے۔ لیکن میاں احمد یار خاں دو تہا نہ اور میر مقبول ان کے نائب سالار کی حیثیت سے برابر لاہور میں کام کر رہے تھے۔ جونہی سرسکندر کو معلوم ہوا کہ مسلم لیگ آئندہ انتخابات میں حصہ لینے کا عزم رکھتی ہے انہیں فوراً یہ ڈھارس بندھی کہ شاید لیگ ہی ان کی پریشانیوں کا مداوا بن سکے۔ اور وہ مسلم لیگ ہی کے توسط سے میاں فضل حسین کے خلاف اپنی پارٹی مضبوط کر سکیں۔ چنانچہ انہوں نے احمد یار خاں دو تہا نہ کو لیگ کے اجلاس میں شرکت کے لیے بمبئی بھیجا اور ۱۲۔ اپریل کو مذکورہ بالا قرار داد میاں احمد یار خاں دو تہا نہ کی موجودگی میں اور ان کی رضامندی سے منظور ہوئی۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ جس وقت مسٹر جناح اس تہذیب میں تھے کہ مسلم لیگ کے ٹکٹ پر انتخاب کی جنگ لڑی جائے یا نہ لڑی جائے تو سرسکندر نے مسٹر جناح سے وعدہ کیا تھا کہ وہ پنجاب میں مسلم لیگ کے نام پر اپنی جماعت منظم کریں گے اور مسلم لیگ کے ٹکٹ پر میاں فضل حسین کا مقابلہ کر کے انہیں شکست دیں گے۔

سرسکندر کے راجہ نریندر ناتھ سے بھی بہت خوشگوار تعلقات تھے اور راجہ صاحب بر اس شخص کی مدد کرنے کو تیار تھے جو میاں فضل حسین کے خلاف خم مٹھو بنک کر کھڑا ہو سکے۔ چنانچہ سرسکندر جب لاہور آئے تو راجہ نریندر ناتھ سے ضرور ملتے۔ ان کا اندازہ تھا کہ یونینسٹ پارٹی کا وہ عنصر جو ان کا حامی تھا، اگر راجہ نریندر ناتھ کی پارٹی سے تعاون کرے تو اس طرح

غالباً ان کی جماعت کے ارکان کی تعداد میاں فضل حسین کے حامیوں سے بڑھ جائے گی۔
 میاں فضل حسین، سرسکندر کی ان سازشوں سے سخت پریشان تھے اور محسوس کرتے
 تھے کہ حالات و واقعات پر ان کی گرفت پہلے کی طرح مضبوط نہیں رہی۔ ایک خط میں چودھری
 شہاب الدین کو لکھتے ہیں :

”دوست، عزیز اور رشتے دار اس قدر خود غرض، حامد اور ناشکرے ہو گئے ہیں
 کہ ان کی کمینہ حرکات دیکھ کر دل پاش پاش ہو جاتا ہے لیکن کیا کیا جائے۔ صبر و شکر
 کرنے اور خدرا ریوں کو برداشت کرنے کے سوا کیا چارہ ہے۔ اب تو زندگی کا
 صرف یہی مقصد رہ گیا ہے کہ جو کام شروع کیا تھا اسے بالآخر انجام تک پہنچایا جائے۔“
 میاں فضل حسین اس بات پر بھی آمان ہو گئے تھے کہ اگر سرسکندر ان کی قیادت میں کام
 کرنا چاہتے تو وہ بخوشی سیاسیات سے کنارہ کش ہونے اور لیڈری کا منصب سکندر کے
 حوالے کرنے کو تیار رہے۔ چنانچہ ایک خط میں سرسکندر کو لکھتے ہیں۔

”اگر آپ کو مجھ پر اعتماد نہیں تو میں صرف پارٹی کی قیادت ہی سے نہیں بلکہ سبک
 زندگی اور سیاسی کاموں سے کلیتہاً دستبردار ہونے کو تیار ہوں۔ آپ ملک سے
 فوراً مستعفی ہو کر یہاں آجائیے اور پارٹی کی زمام قیادت سنبھال لیجئے۔ میں چونکہ
 سیاسیات سے بالکل کنارہ کش ہو رہا ہوں، اس لیے آپ کو غالباً اس بات پر
 چنداں اعتراض نہیں ہوگا کہ میں ایک بیان شائع کر کے عوام کو ان حالات و کوائف
 سے مطلع کر دوں جن کے تحت مجھے یہ فیصلہ کرنا پڑا ہے۔ میری تمنا ہے کہ آپ
 اور آپ کے دوست اور آپ کی پارٹی کو ہر قسم کی کامیابی نصیب ہو۔“

جب کشیدگی یہاں تک پہنچ گئی تو سرسکندر نے بطور مصححت خود ہوا کر میاں فضل حسین
 سے معذرت کی اور اپنی وفاداری کا یقین دلا کر جلد خدشات رفع کرنے کی کوشش کی۔ احمد یار خاں
 نے بھی منت سماجت کر کے فضل حسین کو خوش کرنا چاہا۔

آخر میاں فضل حسین اس قسم کی نیاز مندانه گذارشات سے مطمئن ہو کر بظاہر بھیر کام کی طرف
 متوجہ ہو گئے۔ لیکن اس مصالحت پر ابھی چند ہی روز گزرے تھے کہ ایک اور شگونی کھلا۔

میڈیکل کالج لاہور کے پرنسپل کرنل ہارپرنسن، فضل حسین کے معالج تھے اور نواب مظفر خاں چکے چکے ہارپرنسن کے پاس جا کر پوچھتے تھے کہ فضل حسین کی زندگی کے کتنے دن باقی ہیں۔ ہارپرنسن نے ایک ذمہ دار معالج کی حیثیت سے نواب مظفر خاں کو تو کچھ بتانے سے انکار کر دیا۔ لیکن انہوں نے میاں فضل حسین کو فوراً آگاہ کر دیا کہ ان کے حریف اب ان کی زندگی کی گھڑیاں شمار کر رہے ہیں۔ فضل حسین کو نواب مظفر خاں کی اس حرکت سے اس قدر صدمہ پہنچا کہ انہوں نے رنج و الم کی شدت میں خودکشی کا ارادہ کر لیا اور آخر ایک کرب انگیز ذہنی کشمکش کے بعد اس مذموم ارادے سے باز آئے۔

”اقبال کے آخری دو سال“ مصنف عاشق حسین ٹہالوی ص ۲۹۲ تا ۲۹۸

پنجاب | اقتدار کی ان اندرونی سازشوں نے پنجاب کو مختلف دھڑوں میں منقسم کر دیا۔ میاں سرفضل حسین اپنے مستقبل کے لیے یونینسٹ پارٹی کو منظم کر رہے تھے۔ سرسکندر حیات پس منظر میں بیٹھے اپنے اقتدار کی تلاش میں تھے۔ ان کی دورانی پالیسی باغبان سے بھی یارانہ گانٹھے ہونے لگی تھی۔ اور ضیاء کی مزاج پر سی بھی کر رہی تھی اتحاد ملت کا علم اٹھائے مولانا ظفر علی خاں کا دل و دماغ فضل حسین کی منڈھیر پر تھا۔ اور ڈاکٹر محمد عالم انہیں آئندہ الیکشن کے لیے اپنی مرضی کے تابع رکھنا چاہتے تھے۔ دونوں مل کر شہید گنج کی اینٹیں مجلس احرار کی طرف پھینک رہے تھے۔ مجلس احرار ان صبر آزمائیاں سے گزر کر بھی توانا تھی تاہم شہید گنج کے زخم ہنوز تازہ تھے۔ اس پر بھی احرار رہنماؤں نے مسٹر محمد علی جناح کی آواز پر لبیک کہا۔ اور پنجاب میں ان کا سہارا بنے۔ ورنہ رحبت پسند گروہ قدم قدم پر ان کا راستہ روکے ہوئے تھا۔

یوپی | پنجاب جیسے حالات یوپی میں بھی پیدا کر دیے گئے تھے۔ چنانچہ انہی دنوں سرفضل حسین، نواب چغتاری کو ایک خط کے ذریعے مشورہ دیتے ہیں۔

”مسلم لیگ کے ٹکٹ پر انتخاب رٹ کر مسلمان گورنمنٹ میں شریک نہیں ہو سکتے اس لیے زمیندارہ یا ایگریکلچر سیٹ پارٹی بنا کر الیکشن رٹے جائیں، تاکہ ایسی پارٹی

میں سب ہی گورنمنٹ میں آجائیں گے۔“

(”نامہ اعمال“ حصہ اول ص ۶۳)

سر محمد یامین خاں ایم۔ ایل۔ اے سے جب مسلم لیگ کے مینی فیسٹو کی بابت، جو پارلیمنٹری بورڈ نے شائع کیا ہے، رائے دریافت کی گئی تو انہوں نے کہا، مینی فیسٹو سے صاف ظاہر ہے کہ بورڈ مسلمانوں کے ایک طبقہ سے خاص کر زمینداروں سے تعاون کرنا نہیں چاہتا اور ان پر الزام لگایا ہے کہ انہوں نے گورنمنٹ پر قبضہ کر رکھا ہے۔

اور ممبران بورڈ حکومت پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں، اپنا اقتدار بڑھانا چاہتے ہیں۔ مسلمانوں کے لیے اس سے زیادہ تکلیف دہ بات کون سی ہو سکتی ہے کہ مسٹر جناح مسلمانوں کو متحد کرنے میں قطعی ناکام ہو گئے ہیں۔ بلکہ متحد کرنے کی بجائے ان کے درمیان ایک بڑی خلیج بلا وجہ زمینداروں پر مینی فیسٹو میں حملہ کر کے پیدا کر دی۔ مینی فیسٹو سے ان لوگوں کی ذہنیت اور خواہش جاہ صاف عیاں ہے، جنہوں نے یہ مینی فیسٹو بنایا ہے۔

مسلمان پیپک کو مذہب اور اتحاد کے نام پر یہ چالاک لوگ عرصہ سے دھوکہ دے کر اپنے لیے اپنی خواہشات کو پورا کرنے اور اقتدار و شہرت حاصل کرنے کے واسطے استعمال کرنے رہے ہیں۔

اب پھر اعلیٰ الفاظ استعمال کر کے اپنا مقصد پورا کرنا چاہتے ہیں۔ تمام ایماندار اور قوم کے سچے بھی خواہوں کو اس کا افسوس ہے۔ مسٹر جناح اور مسلم لیگ کا نام استعمال کر کے وہ لوگ ذاتی فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں، جن کی غلط پالیسی نے گزشتہ بیس سال کے عرصہ میں مسلمانوں کو تباہی کے گڑبے میں ڈالنے کے سوا کوئی کسی قسم کا فائدہ نہیں پہنچایا۔ اب اس طرح اپنا کھویا ہوا اقتدار اپنی ذاتی وجاہت کے لیے مسلمانوں کو بیوقوف بنا کر حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

اس دن کے پرچے ۲۲ جون میں چودھری ضیق الزماں جو کہ سازشیوں کے سرگروہ ہیں اور جواب تک کانگریسی رہے ہیں اور انتخاب جداگانہ کے جو مسلمانوں نے بڑی مشکل درگوشی سے حاصل کیا ہے اسخت مخالف رہے ہیں۔ اور اب بھی ہیں۔ اور اس حق کو چھیننا چاہتے

ہیں۔ اور اب کانگریس کے جاسوس کی حیثیت سے مسلم لیگ میں شامل ہو کر اندر سے خلفشار پیدا کرنا چاہتے ہیں، ان کا حسب ذیل بیان چھپا۔

”چودھری خلیق الزمان نے نواب چٹھاری اور نواب سر محمد یوسف کے مسلم لیگ پارلیمینٹری بورڈ سے استعفیٰ دینے پر جاری کیا اور کہا کہ مجھ کو ان کے استعفیٰ پر کوئی تعجب نہیں ہوا۔ یہ تو دیر سے یا جلد ہونے ہی والا تھا۔ جو وجوہ بیان کی گئی ہیں یہ تو صرف پرانی اور قدیمت پسندیت کو چھپانے کے لیے دی گئی ہیں۔“

خلیق الزمان کے بیان میں مزید کہا گیا ہے کہ:

نیشنل ایگریکچرلسٹ پارٹی مسلمانوں اور ہندوؤں کو مشترک طور پر نیشنل کاموں کا مقور ہے گی لیکن نواب چٹھاری یہ بھول گئے ہیں کہ انہوں نے ۲۶ اپریل کو مسلم لیگ کے ممبروں کو باور کرایا تھا کہ نیشنل ایگریکچرلسٹ پارٹی کے آئین میں ایک دفعہ ہے جس کی رو سے ہندو اور مسلمان ممبروں کو یہ حق حاصل ہے کہ فرقہ دارانہ رائے دینے پر آزاد ہیں، چاہے بدھ رائے دیں۔

ایسی پارٹی جو اپنے ممبروں کو یہ سہولت دے، اس کو نیشنلسٹ ہرگز نہیں کہا جاسکتا۔ اس پارٹی کا اصل منشا یہ ہے کہ مل کر کانگریس کی مخالفت کریں اور ترقی پسند مسلمانوں کی مخالفت کریں، چاہے کتنا ہی پوشیدہ رکھ کر یہ کیا جائے رائے دہندگان سے یہ بات چھپ نہ سکے گی کہ مشترک پارٹیاں اشتراک عمل کے لیے جب ہی کامیاب ہو سکتی ہیں، جب انتخاب بھی مشترک ہو۔

مسلمان وہ دن نہیں بھولے ہیں کہ جب نیشنلسٹ مسلمان انتخاب مشترک کے واسطے کوشاں تھے۔ اور ان کی سخت مخالفت کی جاتی تھی۔ اور نواب سر محمد یوسف ٹرین بھر کر اپنے ساتھیوں کو مسلم لیگ میں انتخاب مشترک کی مخالفت کرنے کے لیے لے جاتے تھے۔ اب جبکہ انتخاب جداگانہ کی بنیاد پر الیکشن ہونے والے ہیں، تو نواب صاحب مشترک پارٹی بنانے کے حامی نہیں اگر بالیکس میں کوئی ایمان داری ہے تو ان صاحبان کو چاہیے کہ مکان کی چھت

سے آواز بلند اعلان کریں کہ وہ انتخاب مشترک کے حامی نہیں یا ایگر پیکچر سٹ پارٹی کے آئین سے یہ دفعہ نکال دیں کہ فرقہ وارانہ معاملات میں ہندو اور مسلمان نمبر آزاد ہوں گے یا جس طرح چاہیں رائے دیں۔“

خلیق الزمان کا یہ بیان صاف ظاہر کرتا ہے کہ بھیڑ کی کھال پہن کر بھیڑیاء بن رہا ہے اس سے صاف عیاں ہے کہ کانگریس کا جاسوس، مسلم لیگ میں داخل ہو کر مسلمانوں کو تباہ کرنا چاہتے ہیں۔

”نامہ اعمال“ حصہ اول ص ۶۳۶ تا ۶۳۹

یہی حالات ہندوستان کے دوسرے صوبوں کے مسلمانوں کے تھے۔ وہ انتشار اور پریشانی حالات سے گذر رہے تھے۔

آپ ڈھموزی کیوں گئے تھے؟ | ۱۰۔ جون کو لاہور میں ایک جلسہ عام کے موقع پر، جو بیرون موچیدروازہ میں ہوا۔ اس میں مولانا ظفر علی

تقریر کے لیے کھڑے ہوئے تو چاروں طرف سے آوازیں آنے لگیں۔

”آپ ڈھموزی کیوں گئے تھے؟ آپ وہاں سرفضل حسین اور مرزا بشیر الدین محمود سے کیوں ملے تھے؟“

(ان سوالات کے جواب میں مولانا ظفر علی نے کہا)

ان کا جواب مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری، چودھری افضل حق یا مولانا منظر علی انظر دے سکتے ہیں۔

میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ سرفضل حسین، مولانا منظر علی انظر سے ہزار درجہ بہتر ہیں۔ میں مسلمانوں کو سول نافرمانی کا مشورہ نہیں دے سکتا۔ میرا فضل حسین کے پاس جانا، مسجد شہید گنج کے سلسلہ میں تھا مجھے اس سلسلے میں چھوٹا رام یا گورنر پنجاب سے بھی ملنا پڑے تو ملوں گا۔

(روزنامہ انقلاب لاہور - ۱۲۔ جون ۱۹۳۶ء)

اس جلسے میں دس ہزار کے قریب مسلمان جمع تھے، مگر جلسہ بنگانے کی نظر ہو گیا۔

جناح کی لاہور سے روانگی | جون کو مسٹر محمد علی جناح نے پارلیمنٹری بورڈ کا جو اعلان کیا تھا، اس کی وضاحت کرتے ہوئے پریس بیان میں کہا۔

”میں نہایت مخلصانہ طریق پر مسلمانان ہند سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ مسلم لیگ میں شامل ہو کر لیگ کے امیدواروں کے علاوہ کسی کو ووٹ نہ دیں۔ کیونکہ مسلم لیگ کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کو اتحاد و اتفاق کی دولت سے مالا مال کرے اور انہیں صوبجاتی ساز باز کرنے والی جماعتوں میں منقسم نہ ہونے دیں۔“

مسلم لیگ کے مقاصد بیان کرتے ہوئے مسٹر جناح نے کہا

۱۔ مسلمانان ہندوستان کے مذہبی اور سیاسی اور دوسرے حقوق کی حفاظت کے لیے کوشش کرے

۲۔ ہندوستانی مسلمانوں اور ہندوستان کی دوسری اقوام میں دوستانہ روابط کا قیام۔

۳۔ ہندوستانی مسلمانوں اور دنیا کے ممالک کے مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق کا قیام اور ان کے باہمی تعلقات کے استحکام کی کوشش۔

مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ کے مندوبین کونسلوں میں جا کر دستور اسامی سے وسیع استفادہ کرنے کی کوشش کریں گے تاکہ جس طرح ہو سکے قومی زندگی کی حالت کو سدھارنے اور عوام الناس کی ترقی کے لیے کوشش کی جائے۔

مسلم لیگ پارٹی کو جداگانہ انتخاب کے اصول پر قائم ہونا چاہیے۔ مگر یہ پارٹی کونسلوں میں جا کر ایسی پارٹی سے تعاون کر سکے گی، جس کے اغراض و مقاصد لیگ پارلیمنٹری بورڈ کے مفاد سے مشابہت رکھتے ہوں۔

لہذا مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ مسلمانوں سے ملتمس ہے کہ اقتصادی اور دوسرے اہم معاملات کے بارے میں دوسروں کا راستہ نہ روکیں۔ اتحاد و اتفاق کے اصول پر کاربند رہیں۔“

مسٹر محمد علی جناح کے اس اعلان کے خلاف روزنامہ ”انقلاب“ نے ۱۳-۱۴ اور ۱۹ جون کے شماروں میں پارلیمنٹری بورڈ کے خلاف مسلسل ادارے لکھے اور ۳۰ جون کے ادارے میں لکھا کہ

”مسٹر خراج اور اس کا پارلیمنٹری بورڈ منہد و اور مسلمانوں کی پوزیشن کمزور کرنے کی خواہش رکھتا ہے۔“

بنگالی پارٹی لیگ بورڈ سے الگ ہو گئی | گزشتہ دنوں یونائیٹڈ مسلم پارٹی نے مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ سے اتحاد کر

یا تھا۔ لیکن ۱۵۔ جون کو اس پارٹی کی اکثریت نے الگ ہو کر بورڈ مسٹر فضل الحق و خان بہادر عبدالمومن خاں نے پر جا پارٹی کے قیام کا اعلان کر دیا۔

نیمئی تال کی ایک اطلاع کے مطابق کہ نواب چٹاری لور سر محمد یوسف نے مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ سے اپنا استعفیٰ دے دیا۔ ۱۸۔ جون کو پٹنہ سے ایک مراسلہ اخبارات میں شائع ہوا کہ مسٹر حسین ام بھی پارلیمنٹری بورڈ سے الگ ہو گئے۔

لال ڈھنڈورا | جیسے کہ زیر نظر کتاب کے گزشتہ اوراق میں یہ بات آچکی ہے کہ انقلاب پسند نوجوان ملک کی سیاسی جماعتوں سے الگ تھنک اپنی ڈگر پر رواں دون تھے۔ لیٹر بکسوں میں تیزاب ڈالنے کی تحریک پنجاب سے نکل کر ہندوستان کے دوسرے صوبوں میں پھیل چکی تھی۔ انہی دنوں ایک اشتہار نے حکومت اور عوام کے ساتھ پولیٹیکل جماعتوں کو بھی ہراساں کر دیا۔ اشتہار کا عنوان تھا ”لال ڈھنڈورا“ اس میں درج ہوتا تھا کہ یہی وقت ہے انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنے کا۔

یہ اشتہار ریڈیو سے اسٹیشنوں اور لائبریریوں پر خاص طور سے چسپاں کیے جانے لگے اشتہار کے نیچے نام درج تھا ”رشید حیدر“ دراصل اس کا مصنف دے گا داس نامی ایک نوجوان تھا، جو ان دنوں لاہور ہسپتال روڈ پر مقیم تھا۔

گمان یہ ہے کہ ”لال ڈھنڈورا“ اس انداز سے تقسیم اور چسپاں کیا جاتا کہ پاپس کے تمام انتظامات کے باوجود کوئی گرفتاری عمل میں نہیں آئی۔

کار سوزی کا سلسلہ منہور جاری تھا۔ حالانکہ اس کا ایک مجرم منہرا پاچکا تھا۔

سندھ بھی گیا | ۱۶۔ جون کو حاجی سیٹھ عبداللہ ہارون کی کوشش سے سندھ یونائیٹڈ فرنٹ قائم کر دیا گیا۔ اور اس کے اغراض و مقاصد وہی تھے جو پنجاب میں یونینسٹ پارٹی

کے تھے۔

سید گیلانی کا استعفیٰ | راولپنڈی میں اتحاد ملت کے سرگرم کارکن سید سرور شاہ گیلانی نے اتحاد ملت سے استعفیٰ دیتے ہوئے اپنے استعفیٰ میں کہا

”اتحاد ملت کے نزدیک اب حصول مسجد نہیں بلکہ کونسلوں کی ممبری زیادہ عزیز ہے۔ ان حالات میں میں اس جماعت سے الگ ہوتا ہوں“

حکومت پنجاب کا اعلان | جون کے دم توڑتے دنوں حکومت پنجاب نے اعلان کیا کہ

”۱۵ جولائی کو مسجد شاہ چراغ مسلمانوں کے حوالے کر دی جائے گی“

ایکٹ ۱۹۳۵ء کی منظوری | ۳ جولائی ۱۹۳۶ء کو لندن سے ملک معظم نے جدید آئین کی منظوری دیتے ہوئے اعلان کیا

”نیا آئین (۱۹۳۵ء) آئندہ یکم اپریل ۱۹۳۷ء سے نافذ کر دیا جائے گا“

سکھ لیڈر کا اعلان | ۸ جولائی سکھ لیڈر رامپرا سنگھ نے اعلان کیا کہ ”جب تک کانگریس شہید گنج کے متعلق سکھوں کی حمایت کا فیصلہ نہیں کرتی میں ہر اس سیٹ پر سکھ امیدواروں کی مخالفت کروں گا، جو کانگریس ٹکٹ پر الیکشن میں حصہ لے گا“

رفضل حسین کا انتقال | ۷ جولائی کی صبح روزنامہ انقلاب نے چوکھ میں یہ خبر صفحہ اقل پر شائع کی کہ

”وزیر تعلیم پنجاب کی سابقہ بیماری پھر سے عود کر آئی ہے۔ قارئین ان کی صحت کے لیے دعا کریں“

لیکن ۹ جولائی رات ساڑھے دس بجے پنجاب کے وزیر تعلیم اور یونیورسٹی پارٹی کے

سے۔ یاد رہے تحریک مسجد شہید گنج کے ابتدائی دنوں میں حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے لاہور شاہی مسجد میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ لاہور میں ایک اور مسجد بھی ہے جس پر حکومت کا قبضہ ہے وہ مسجد شاہ چراغ ہے۔ وہ بھی آزاد کرانی ہے۔“

رہنا اپنی طویل بیماری (دور) کے باعث انتقال کر گئے۔ اتنا بڑا اہل راہبوں۔
 انسان نیند میں ہو کہ بیداری کے عالم میں اپنے مستقبل کے کئی محل استوار کرتا ہے۔
 میاں سرفضل حسین مرحوم بڑے زیرک سیاستدان تھے۔ اپنے حریف کو شکست دینے
 کے لیے بساط پر اس انداز سے ہرے چیتے کہ شکست خوردہ نہ تو ہاتھ کی شناخت کر سکتا
 تھا اور نہ ہی فاتح کو مورد الزام دے سکتا تھا۔

میاں سرفضل حسین بٹالہ ضلع گورداسپور کے رہنے والے تھے۔ ابتدائی زندگی میں
 غیر ملکی حکمرانوں کے مخالف رہے اور ۱۹۱۹ء کی مارشل لا کے دنوں میں مجرم بھی ٹھہرائے
 گئے تھے۔ مگر اپنی دانشمندی سے اس راہ سے ایسے فرار ہوئے کہ پھر انہیں انگریز کی
 چوکھٹ پر ہی دیکھا گیا۔ وہ موت تک اسی تک دوڑ میں رہے کہ فرنگی راج کو کس طرح دھم
 حاصل ہو۔ ایکٹ ۱۹۴۵ء کے تحت ہندوستان کو صوبائی خود مختاری ملنے لگی تو ان دنوں آپ
 وائسرائے ہند کی ایگزیکٹو کونسل کے ممبر تھے۔ مگر وزارت عظمیٰ کی خواہش لے کر پنجاب آن پہنچے اور
 اپنے راستے کی تمام دیواریں ایک ایک کر کے گراتے چلے گئے۔ اس طرح انہیں یقین ہو گیا
 تھا کہ ”اب میں ہی ہوں اور کوئی نہیں“۔ لیکن موت کا ایک دن متعین ہے۔

فطرت انسانی حرکات پر مسکراتی ہے، کہ باوجود آشنا ہو کر دیوانوں کی طرح صحراؤں میں
 ریت کے محل تعمیر کر رہا ہے یہ جانتے ہوئے کہ تند و تیز ہوائیں آنکھ جھپکنے میں ان ریت
 کے ڈالت کو اڑا لے جائیں گی۔ پھر بھی اپنے ہیویے کے سائے کو پائیدار خیال کرتا ہے۔
 اور جب اس دیوار میں دراڑ آنے لگتی ہے تو پھر سہارے ڈھونڈتا ہے۔ مگر تاجکے؟
 سرفضل حسین کی موت سے ایوان حکومت میں صعب ماتم کچھ گئی۔ حکومت ہند کے
 دفاتر بند کر دیے گئے۔ بہ دن حکومت نے ہائی دن کے طور پر منایا۔ روزنامہ ”الغلاب“ نے
 نماز جنازہ کی روک دیا میں لکھا۔

” بٹالہ کے نواحی دیہات کے مسلمان بھی اپنے قائد اعظم اور اپنے جلیل القدر
 ہموطن کی آخری عقیدت کے اظہار کے لیے آئے ہوئے تھے۔“

(ضمیمہ روزنامہ ”الغلاب“ لاہور ۱۲ جولائی ۱۹۴۶ء)

یونینسٹ پارٹی کا نیا لیڈر | ۱۰ جولائی کو یونینسٹ پارٹی نے اپنے تخریبی اجلاس میں سرفضل حسین کی جگہ رائے بہادر چودھری چھوڑام

کو یونینسٹ پارٹی کا عارضی لیڈر منتخب کر لیا۔ نیز سر سکندر حیات کو پنجاب واپس آنے کی درخواست کر دی۔

اس اجلاس کے ساتھ ہی یونینسٹ پارٹی کے اندر خانہ جنگی اقتدار شروع ہو گئی۔ نواب مظفر خاں اور سر سکندر حیات میں کشمکش تھی کہ پارٹی لیڈر کون بنے؟ سرفضل حسین مرحوم چونکہ وزیر تعلیم تھے، اس پر بھی ٹکراؤ تھا کہ یہ عہدہ کون لے؟ نواب احمد یار خاں دولتانہ وزارت تعلیم کے امیدوار تھے۔

مدیران "انقلاب" کو اپنا غم کھائے جا رہا تھا کہ وزارت تعلیم کا قلمدان اگر کسی غیر یونینسٹ کے ہاتھ چلا گیا تو ان کا کیا بنے گا؟ چنانچہ انہوں نے ۱۴ جولائی کی اشاعت میں اس پر ڈیرہ لکھ مارا کہ یہ عہدہ یونینسٹ پارٹی کے ممبر کو ہی ملنا چاہیے۔

مسلمانوں کا قبرستان | مجلس احوار کے نزدیک مرزائی چونکہ غیر مسلم تھے۔ اس اعتبار سے ان کا ہر قسم کا مقابلہ جہاں اور ضروری تھا۔ قومی اور ملکی

مسائل کے علاوہ موت و حیات کے سلسلے میں بھی احوار کا موقف تھا کہ مرزائی کی لاش مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہیں ہونی چاہیے۔ آخر ۱۹ جولائی کو امرتسر میں بلا کا سنگھ کے قبرستان میں ایک مرزائی کو دفن کرنے پر منگامہ ہو گیا۔ پولیس نے اس موقع پر مداخلت کی۔ احوار رضا کاروں پر لامٹی چارج ہوا۔ گرفتاریاں ہوئیں، لیکن آخر کو مرزائی کی لاش ایک دوسرے قبرستان میں دفن کی گئی جس میں امتیاز مذہب کے بغیر بچوں کو دفن کیا جاتا تھا۔

اس سے پیشتر ۵ جولائی کو پٹانکوٹ میں مدیر انقلاب مولانا عبد المجید ساکت کے والد منشی غلام قادر کا انتقال ہوا تو مقامی احوار کارکنوں نے اس پر قدغن لگا دی کہ وہ انہیں مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہیں ہونے دیں گے۔ منشی غلام قادر پٹانکوٹ میونسپل کمیٹی کے سیکرٹری رہ چکے تھے، لہذا میونسپل کمیٹی نے انہیں اپنی تحویل میں لے کر قبرستان سے باہر ٹرک کے کنارے دفن کیا۔

احرار اور یونیٹس کے مابین اختلاف کی لمبی کیرتھی۔ اس ضمن میں روزنامہ انقلاب یونیٹ پارٹی کا آفیشل آرگن تھا۔ وہ احرار کی ہر بات میں کیرے نکالنے کا عادی ہو چکا تھا۔

۵۔ جولائی کے حادثے کو مدیر انقلاب نے ہوا دینا مناسب نہ سمجھا۔ لیکن امرتسر کے واقعہ کی اثر میں اپنے دل کا غبار نکالا، گو اس کا روئے سخن دوسرا تھا۔ یعنی احرار کی عسکری قوت جیسا کہ زیر نظر کتاب کے گذشتہ اوراق میں آچکا ہے کہ احرار نے اپنے دفاع کے لیے رضا کاروں کی تنظیم کو شدت سے محسوس کیا اور اپنا عسکری نظام قائم کیا۔ جب تک احرار رہنماؤں کی گڑیاں اچلتی رہیں یہ خوش رہے۔ مگر جیسے ہی احرار رضا کاروں نے سنبھالا لیا۔ اور اپنے سیاسی جرنیوں کی گوشمالی شروع کی، تو مدیر انقلاب پیچھے ہٹے۔

۱۹۔ جولائی کے روزنامہ انقلاب نے احرار کے خلاف احرار کی عسکری تنظیم کے عنوان سے ادارہ لکھ دیا۔

۱۵۔ جولائی کو حکومت پنجاب کے ایما پر مقامی پولیس نے لاہور **سودیشی نی کی تلاش** مجلس احرار کے صدر حکیم نور الدین کے مکان پر چھاپہ مارا، انہیں "سودیشی نی" نامی ایک پمفلٹ کی تلاش تھی، جو مرزا غلام احمد کے خلاف لکھا گیا تھا۔ مگر یہاں سے انہیں اس پمفلٹ کی کوئی کاپی دستیاب نہ ہوئی۔

۱۶۔ جولائی کے اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی کہ حکومت **مسجد شاہ چراغ کی واپسی** پنجاب نے مسجد شاہ چراغ خالی کر دی ہے۔ لیکن ابھی تک انجمن اسلامیہ نے اسے اپنے قبضے میں نہیں لیا۔ کیونکہ حکومت پنجاب نے مسجد کے مسئلے میں جو شرائط عائد کی ہیں وہ ایسی ہیں کہ انجمن کو منظور نہیں۔ شرط یہ ہے کہ اس مسجد میں کوئی مذہبی یا سیاسی جلسہ یا کوئی دوسری کارروائی نہیں ہو سکتی۔

۱۸۔ جولائی کو شملہ سے اطلاع آئی کہ سیٹھ عبداللہ مارون **عبداللہ مارون کا استعفیٰ** نے جو اسمبلی میں سٹر جناح کے انڈینڈنٹ لیڈر تھے۔ سٹر جناح کی موجودہ پالیسی سے اختلاف کرتے ہوئے مستعفی ہو گئے ہیں۔

امرتسر کے علماء کا فتویٰ | ۱۹ جولائی کو مرزائی کی لاش پر قبرستان میں جو ہنگامہ ہوا تھا اس میں احوار کی تائید میں امرتسر کے علماء نے حضرت مولانا مفتی محمد حسین

کی معیت میں اس فتویٰ پر دستخط کیے کہ مرزائی چونکہ غیر مسلم ہیں، انہیں مسلمانوں کے قبرستانوں میں دفن نہیں کیا جاسکتا۔ علماء کا یہ فتویٰ ۲۰ جولائی کے جلسہ عام میں پڑھ کر سنایا گیا، جس کی صدارت مولانا عبد الغفار غزنوی کر رہے تھے۔ اس جلسہ میں ۱۹ تاریخ کو قبرستان میں پولیس کے لاٹھی چارج اور رضا کاروں کی گرفتاری پر احتجاج کیا گیا۔

تحریک مدح صحابہ | متحدہ ہندوستان کے یہ دن سیاسی رہنماؤں کی مصروفیت کے اہم ترین دن شمار ہوتے ہیں۔ کانگریس اپنی انفرادی پالیسی کے

تحت دوڑ دھوپ میں تھی۔ مسٹر محمد علی جناح مسلم لیگ کے قلب میں نئی روح پھونک رہے تھے۔ جمعیتہ علماء ہند مسلم لیگ سے تعاون کو اپنے بہتر مستقبل کی میٹھی سمجھے ہوئے تھے۔ مجلس احوار ہند تحریک مسجد شہید گنج سے زخم خوردہ ہونے کے باوجود خواب میں قائد اعظم کا سہارا تھی۔ یونینسٹ پارٹی اپنی بیچ پر رحبت پسند اور سرمایہ داروں کی نمائندگی کر رہی تھی۔ ہندوستان کے مختلف صوبوں میں مختلف عنوانات سے ٹوٹی مسلمان غیر ملکی حکومت کی شہر پراکیشن کے ڈنٹر پیل رہے تھے۔ انہی دنوں یوپی کے شہر لکھنؤ میں تیسرا ایچی ٹیشن کے مردے کو قبر سے نکال کر اس میں جان ڈالنے کی کوشش کی گئی۔ اس ضمن میں مولانا مظہر علی انظر اپنی کتاب تحریک مدح صحابہ کے صفحہ ۵۷ تا ۶۰ پر لکھتے ہیں۔

”لکھنؤ کے شیعہ حضرات بھی جانتے تھے کہ مدح صحابہ کی تحریک کو تقویت دینے والی قوت شیعیان یوپی کی باہمی کشمکش بھی تھی۔“

لاہور سے بعض شیعہ احباب تحریک تیسرا کے سلسلہ میں کام کرتے ہوئے لکھنؤ گئے اور لاہور واپس آکر انہوں نے مجھ سے اور دیگر احباب سے دوران گفتگو اس حقیقت کا اظہار کیا کہ اب تو لکھنؤ کے شیعہ حضرات فرماتے ہیں کہ مدح صحابہ کے معاملے میں ہمارا چہ محمود آباد اور سرور حسن کے خاندان کی باہمی رنجش کا بھی دخل ہے۔

موجودہ مہاراجہ محمود آباد کے ایک بھائی ہیں، جو وزیر حسن کے خاندان سے
 قرابتداری کے تعلق رکھتے ہیں۔ جب سابق مہاراجہ محمود آباد وفات پا گئے تو دونوں
 بھائیوں میں قطعہ کی وراثت کا قصہ چلا، جس کے سبب سے دونوں بھائیوں
 اور ان کے طرفداروں میں رقابت ہو گئی۔ موجودہ راجہ صاحب کو، جو مسلم لیگ
 کے رکن رکن تھے اور ہیں، کامیابی ہوئی اور اس طرح ان میں اور سر وزیر حسن
 کے خاندان میں ناچاقی ہو گئی۔ ہر دو فریق کے تعلقات سنی احباب سے تھے
 جیسے کہ ہر مقام پر صاحب اثر اور صاحب جائیداد لوگوں کے ہوتے ہیں۔
 راجہ محمود آباد نہیں چاہتے تھے کہ وزیر حسن کے فرزند مسٹر علی ظہیر لکھنؤ سے اسمبلی
 کے ممبر منتخب ہو سکیں۔ اس لیے انہوں نے اپنے دوست چودھری خلیق الزمان
 کو، جو خود مسلم لیگ کے مقتدر لیڈر تھے، اور یو پی اسمبلی میں مسلم لیگ پارٹی
 کے لیڈر ہیں، سید علی ظہیر کے مقابلے پر کھڑا کیا۔

لکھنؤ کے سنی مدت کی باہمی کشمکش کے باوجود سید علی ظہیر کو اپنا نمائندہ
 چننے رہے۔ لیکن اب ان کی شکست کے لیے سنیوں کو ان سے برگشتہ کرنے
 کی ضرورت تھی۔ اس لیے شیعوں کی باہمی رنجش نے ایک فریق کو اس بات پر
 آمادہ کیا کہ وہ شیعہ سنی کشمکش کو بڑھا کر اپنے حریف کو شکست دیں اور اس
 بات کا انتظام ہو جائے کہ سنی علی ظہیر کو ووٹ نہ دیں، بلکہ چودھری خلیق الزمان
 کے لیے امداد کریں۔

حالانکہ صدیوں پرانی اس تحریک کا اب کوئی جواز نہیں تھا۔ لیکن عقل عیار ہے سو
 بھیس بٹالیتی ہے۔ شیعہ عقیدہ رکھنے والوں نے لکھنؤ میں اپنی اکثریت کے مان پر خاندانی
 رقابت کو استعمال کرنا ضروری سمجھا۔ اہل سنت نے اپنی جگہ اسلام کے بنیادی عقیدہ کی
 محافظت میں خلفائے راشدین کا تحفظ جزو ایمان سمجھا۔ اس کشمکش میں جو ہاتھ پس منظر میں
 کام کر رہا تھا اسے کسی نے نہ دیکھا۔ مدح صحابہ کی تحریک کیونکر وجود میں آئی اس سلسلہ میں
 چودھری خلیق الزمان اپنی کتاب "شاہراہ پاکستان" کے ص ۶۱۵ تا ۶۱۷ پر لکھتے ہیں کہ

”بدقسمتی سے ایک صاحب مقبول احمد نامی رام پور سے ۱۹۰۲ء میں لکھنؤ آئے۔ اور انہوں نے نئے انداز سے شیعوں کو مخاطب کرنا شروع کیا۔ میونسپل اور دیگر انتخابات میں شیعہ سنی سوال کھڑا ہو جاتا تھا، جس سے شیعہ امیدواروں کو ناکامیابی ہوتی تھی۔ اس لیے قدرتی طور پر مقبول احمد صاحب کو اپنے مواعظ میں دلبے ہوئے جذبات کو ابھارنے کا اچھا موقع مل گیا تھا۔ اور یہ انہی کے مواعظ کا نتیجہ تھا کہ شیعوں کو اعتراض ہوا کہ سنی اپنے تعزینے تال کٹورے شیعہ کر بلا میں نہ لے جاتیں، کیونکہ سنی تعزینوں کے ساتھ عشرہ کے دن کچھ ایسے اعمال بھی کرتے ہیں جو محرم جیسے دن کے لیے نہایت قبیح ہیں۔ سنیوں نے اپنی کر بلا پھول کٹورا کے نام سے لکھنؤ سے تین میل دور کاکوری روڈ پر ۱۹۰۳ء میں بنالی۔

اس تفریق سے لکھنؤ کے محرم کا رنگ جسے دیکھنے کے لیے ہندوستان بھر سے لوگ آیا کرتے تھے، نسبتاً بہت پھیکا ہو گیا۔

شیعہ کر بلا کچھ دیر ان سی ہو گئی اور سنی کر بلا آہ و بکا کے مظاہرے کی بجائے محض تماشا گاہ بن کر رہ گئی۔ مناقشات میں شدت اور تیز ہوئی تو شادی بیاہ بھی شیعہ اور سنیوں میں بند ہو گئے۔ طنے جلنے میں بھی آپس میں خلیج حائل ہونے لگی۔ یہاں تک کہ بڑھتے بڑھتے ۱۹۰۸ء میں ایک شیعہ سنی بلوا بھی ہو گیا۔ اور یہ اس شہر میں ہوا، جہاں اس وقت تک کوئی ہندو مسلم فساد بھی نہیں ہوا تھا۔

اس واقعہ کو مولانا مظہر علی اظہر اپنی کتاب تحریک مدح صحابہ کے ص ۲۳ تا ۲۹ میں یوں رقمطراز ہیں

” ۱۹۰۵ء سے قبل لکھنؤ میں شیعہ سنی اور ہندو اکٹھے مراسم تعزیر داری ادا

کرتے تھے اور مجالس اور جلوسوں میں شریک ہوتے تھے۔ اس زمانے میں

لکھنؤ میں باہر سے واعظ آئے، جن میں سے ایک شیعہ عالم کے متعلق سنیوں

کو ہمیشہ شکایت رہی کہ انہوں نے اختلاف کی بنیاد ڈالی۔

بہر حال ابتداء لکھنؤ کے شیعہ اور سنی باہمی کشمکش کے در پر نہ تھے بلکہ جو

کچھ ہوا بیرونی اثرات کے تحت ہوا۔ وہ اثرات آمدہ تھے یا آوردہ اس کا اندازہ

مجھ سے بہتر لکھنؤ کے حالات جاننے والے لگا سکتے ہیں۔

۱۹۰۴ء تک شیعہ سنی اور ہندو تعزیر کے جلوس میں شامل ہو کر تال کٹورا

کی کر بلا میں جاتے تھے۔ اس وقت تک کمی پشت سے یہ دستور چلا آتا تھا کہ کچھ لوگ ننگے سر اور ننگے پاؤں جلوس میں شامل ہوتے اور کچھ لوگ سر پر ٹوپی اور پاؤں میں جوتا پہن کر جلوس کے ہمراہ ہوتے تھے۔ اور کر بلا تال کٹورا میں جاتے تھے۔

۱۹۰۵ء میں محرم کے موقع پر بظاہر شیعوں کے ایمار پر یہ حکم دیا گیا کہ کوئی

شخص جو پابرمہ اور سر بر مہ نہ ہو وہ کر بلا تال کٹورا میں داخل نہ ہو سکے گا۔ اس حکم کے ساتھ اور پابندیاں بھی تھیں۔

سنی حضرات نے ان احکام پر الگ ہونے کا فیصلہ کیا۔ یہ بھی تین برس

سے زیادہ مدت کی ایک غلط فہمی ہے کہ سنی حضرات نے ان امور پر الگ ہونے

کا فیصلہ کیا۔ بلکہ ۱۹۰۵ء میں جب یہ احکام نافذ ہوئے تو سنیوں نے علیحدگی

کا کوئی مطالبہ نہیں کیا بلکہ ۱۹۰۵ء کا محرم جیسے بھی ہوا۔ خواہ سنیوں اور ہندوؤں

نے احکام کو پسند کیا یا نہ کیا ۱۱ من سے گزر گیا۔

۰۔ جس چیز پر سنیوں کو اعتراض تھا وہ یہ تھی کہ کر بلا میں ننگے سر

جانا چاہیے۔

۰۔ فاتے کی سی صورت سب کے لیے بنانا ضروری ہے۔

۰۔ جلوس میں سوائے ماتم کے اور کچھ نہیں ہونا چاہیے۔

غرضیکہ ایسی چیزیں جن سے جلوس میں خالص شیعہ طریق رسم کا غلبہ ہو

ان پر سنی رضا مند نہ تھے۔ چنانچہ سنیوں کا ایک وفد ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ لکھنؤ

کے پاس ان پابندیوں کے خلاف احتجاج کرنے کے لیے گیا ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ

نے ان پابندیوں کے بارے میں معذوری کا اظہار کیا اور ان سے کہا کہ اگر وہ

بھی اپنی علیحدہ کر بلا کا انتظام کر لیں تو جداگانہ جلوس کا انتظام کر دیا جائے

گا۔ چنانچہ سنیوں نے لکھنؤ سے قریب آٹھ میل کے فاصلے پر ایک اراضی کا

بطورِ کر بلا کے انتظام کیا اور اس کی اطلاع ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کو دے دی اور وہاں پر تحریر وغیرہ لے جانے کا ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے انتظام کر دیا۔

سابقہ کر بلا کا نام تال کٹورا تھا اور نئی کر بلا کا نام پھول کٹورا رکھا گیا۔ شیعوں اور شیعہوں کے دونوں جلسوں کے لیے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے مختلف راستے اور مختلف اوقات مقرر کر دیے۔ تاکہ باہم تصادم نہ ہو سکے۔ چنانچہ ۱۹۰۶ء میں ہر دو جلسوں علیحدہ علیحدہ نکالے گئے۔

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ شیعوں کی شیعہوں سے علیحدگی اور شیعوں کے تعزیموں کے لیے نئے راستوں کا تعین اور ان کے لیے نئی کر بلا کا تقرر ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ لکھنؤ کے ارشادِ گرامی کا رہن منت ہے۔

یہاں پر صاحبِ فہم یہ دریافت کرے گا کہ کوئی ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ ایسا اہم قدم اپنی ذمہ داری پر اٹھا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ ایسی تجویز کے لیے صوبہ کی حکومت کی منظوری شرطِ اول ہے اور کوئی ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ صاحب اختیار ہونے کے باوجود حالات موجودہ میں اس قدر اہم تغیر اپنے افسرانِ اعلیٰ کے مشورہ اور ان کی رضامندی کے بغیر نہیں کر سکتا۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ اور یو پی کی حکومت نے ایسا کیوں کیا؟۔ یہ وہی بتا سکتے ہیں۔

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد انگریزوں نے ہندوستان کی دو غالب قوموں کے درمیان خلیجِ حائل کرنے اور انہیں باہم متصادم کرانے کی حکمتِ عملی سے فارغ ہو کر مسلمانوں کو متحارب گروہوں میں تقسیم کرنا بھی اپنی تبار کے لیے ضروری سمجھا۔ چنانچہ قادیانیوں کی تخلیق اور ان کے نئے مذہب کی بنیاد، اس کے ساتھ ساتھ شیعہ سنی اختلاف اور اہل حدیث کو لفظِ دہانی میں تبدیل کر کے قریباً ڈیڑھ سو سال جو تماشہ انگریزوں نے متحدہ ہندوستان میں کیا اس کی مثال تاریخِ عالم میں شاید ہی کہیں مل سکے۔

۲۰۔ اکتوبر ۱۹۰۸ء کو حکومتِ یو پی نے شیعہ سنی اختلاف کو ختم کرنے کے لیے ایک کمیشن مقرر کیا۔ مسٹر گپٹ اس کمیشن کے صدر تھے۔ اس بنا پر تاریخ میں یہ گپٹ کمیشن کے نام سے

معروف ہے۔ اس نے، جنوری ۱۹۰۹ء کو اپنی رپورٹ حکومت کے سامنے پیش کی۔ جس میں
کہا گیا کہ

۱۔ آئندہ تعزیر کے جلوس کو شیعہ رستی جلوس کی بجائے صرف تعزیر کا جلوس
کہا جائے۔

۲۔ پھول کٹورا اور تال کٹورا جانے والے تعزیرے ایک ہی راستے پر چلیں اور
آگے جا کر اپنی اپنی کر بلا کو چلے جائیں۔

۳۔ عشرہ محرم، چلم اور ۲۱۔ رمضان کے دنوں مدح صحابہ پر پابندی عائد کر دی
اس کی وضاحت میں کہا گیا کہ ان تین دنوں میں کوئی شخص ایسے اشعار
یا نظمیں نہ پڑھے، جن میں (حضرت) ابو بکر، (حضرت) عمر اور (حضرت) عثمان
کی تعریف یا مدح کی گئی ہو۔ یہاں تک کہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی نہیں کہہ سکتا۔
۴۔ اشعار یا نظمیں تعزیوں یا کسی اور اسلامی جلوس کے راستے میں نہ پڑھے
جائیں۔ اور کسی ایسی جگہ بھی نہ پڑھے جائیں، جہاں سے جلوس تک ان اشعار
کی آواز نہ پہنچ سکے۔

۵۔ کسی مجمع یا پبلک مقام پر ایسے مدحیہ اشعار نہ پڑھے جائیں۔
۶۔ اگر کسی شخص نے مذکورہ بالا احکام کی خلاف ورزی کی تو اسے فوراً گرفتار
کر لیا جائے گا۔ اور اس پر دفعہ ۲۹۸ یا کسی اور مناسب دفعہ تعزیرات ہند کے
تحت مقدمہ چلایا جائے گا۔

گپٹ کمیشن کی تائید میں حکومت یوپی نے حسب ذیل بیان جاری کیا۔
”مہبت پر جوش رستی کے لیے بھی اس امر پر استدلال کرنا ممکن نہیں کہ مکھنوں
میں ان کے ہم مذہبوں کو یہ اختیار حاصل ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ
کی شہادت کی یادگار میں جو جلوس مکھنوں کی سڑکوں پر نکالے جاتے ہیں اور جن
میں شرکت کی اس کو اجازت دی گئی ہے، ان جلوسوں کو بے وقوف اور بلا اختیار
حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان کی مدح سرائی کے جلوس میں تبدیل کر دے

کیشن کی اکثریت کی رائے جس سے لفٹیننٹ گورنر کو کئی اتفاق ہے، یہ ہے کہ اس خوابی کو اس حد تک دور کیا جائے، جہاں تک اس سے کوئی غیر ضروری مداخلت سُنیان لکھنؤ کے اس حق میں نہ ہو، جو ان کو ہر جیسی کی رعایا ہونے کی حیثیت سے تمام دیگر رعایا کے ساتھ حاصل ہے کہ وہ مناسب مقامات کے اوپر اپنے عقائد کے خصوصی اصولوں کا اعلان کریں۔ اگر سنی گواہان، جن کی شہادت کینیڈا کے سامنے ہوئی ہے ان کا ہر لفظ بھی مان لیا جائے پھر بھی یہ سوال باقی رہے گا کہ جس کی وجہ سے لکھنؤ کے محرم کا طریق کلیتہً بدلنے کا اندیشہ ہے۔ وہ کسی ایسی کارروائی سے رنج ہو سکتی ہے کہ جو تجویز متذکرۃ الصدر سے کم ہو۔

پیرا گراف ۱۲: مذکورہ بالا بحث سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ گپٹ کیشن اور حکومت یوپی نے محض تین ایام یعنی عشرہ محرم، چہلم اور ۲۱۔ رمضان کو مدح صحابہ پر پابندی عائد کی ہے۔“

(تحریک مدح صحابہ ص ۲۵ تا ۲۵)

اس کے برعکس شیعیان لکھنؤ کا مطالبہ تھا کہ ۲۸۔ ذوالحجہ سے ۸۔ ربیع الاول تک جب تک وہ (شیعہ) مراسم عزہ دارنی ادا کرنے میں مصروف ہوں مدح صحابہ بالکل بند کر دی جائے۔ مذکورہ بالا ملاقات نے ۱۹۳۶ء کے انتخابات میں ایسی شکل اختیار کی کہ ذمہ دار شیعہ حضرات محض ایکشن جیتنے کے لیے کھلم کھلا حالات کے بگاڑ پر اتار آئے۔ اس پر یوپی مجلس احوار نے مداخلت مناسب سمجھی۔ کیونکہ لکھنؤ کے بازاروں میں صحابہ کرام کی توہین ہونے لگ پڑی تھی۔

مرکزی مجلس احوار نے یوپی مجلس احوار کی رپورٹ پر اس قضیے پر غور شروع کیا تو اس دوران حالات مزید خراب ہوتے چلے گئے۔ کیونکہ اس کے پس منظر میں شیعہ امراء اور حکومت کی سیاسی ضرورت کارفرما تھی۔ یہ حالات یہاں تک بڑھ گئے کہ اگر کوئی شخص گھر میں یا چار دیواری میں صحابہ کرام کو رضی اللہ عنہ بھی کہے تو اسے بھی گرفتار کر لیا جاتا تھا۔ اکثر احوار کارکن اس سلسلہ میں گرفتار ہوئے۔ لیکن اجتماعی سول نافرمانی یا مدح صحابہ کی تحریک کا کسی کو گمان تک نہیں تھا۔ حکام کو بھی یقین تھا کہ احوار نے شہید گنج میں

سول نافرمانی نہیں کی لہذا وہ اس تحریک میں بھی عملی طور پر آگے نہیں آئے گی۔ لیکن یوپی مجلس احوار نے مرکز کے مشورے پر تحریک سول نافرمانی شروع کر دی اور ۱۰ جولائی ۱۹۳۶ء کو ذمہ دار احوار کارکن مدح صحابہ پڑھ کر گرفتار ہونا شروع ہو گئے۔ احوار رضا کار حسب ذیل شعر پڑھتے اور انہیں گرفتار کر لیا جاتا۔

جن کا ڈنکا بج رہا ہے چار سو لیل و نہار

وہ ابوبکر و عمر و عثمان و حیدر چار یار

اس سے پیشتر یہ تحریک جمعیتہ علمائے ہند کی تحویل میں آئینی انداز میں چل رہی تھی۔ یوپی میں جمعیتہ علمائے ہند کا بھی خاص اثر تھا اور وہ آئندہ الیکشن میں مسلم لیگ سے اتحاد کر رہی تھی۔ لہذا اس نے اپنی طاقت کو منتشر کرنا مناسب نہ سمجھ کر یہ تحریک صوبائی مجلس احوار کے سپرد کر دی۔

سکندر حیات کی آمد | جی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا۔ سرفضل حسین کی موت کیا ہوئی کہ
سکندر حیات کے لیے میدان صاف ہو گیا۔ اور وہ جھٹ سے

لاہور پہنچ گئے۔ ۲۳ جولائی کو یونینسٹ پارٹی کا اجلاس سر سکندر حیات کی صدارت میں منعقد ہوا جس میں ایک سو پچاس ارکان نے شرکت کی اور تیس کے قریب پنجاب کونسل کے ممبر بھی آئے ہوئے تھے۔ اس اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے سر سکندر حیات نے کہا۔

”سر سید احمد کے بعد، سرفضل حسین دوسرے آدمی تھے۔ اب ان کی موت کے بعد

مسلمانوں میں کوئی لیڈر ایسا نظر نہیں آتا، جو ملت کی رہنمائی کر سکے“

اس اجلاس میں سر سکندر حیات کو یونینسٹ پارٹی کا مستقل لیڈر منتخب کر لیا گیا۔ اس ایک روز پیشتر آپ نے گورنر پنجاب سے ملاقات کر کے یونینسٹ پارٹی سے متعلق مشورہ کیا۔ اور ۲۴ جولائی کو سرفضل حسین کی جگہ سر شہاب الدین کو وزیر تعلیم مقرر کر دیا گیا۔ سرکاری طور پر یہ اعلان ۲۶ جولائی کے اخبارات میں آیا۔

۲۶ جولائی کے روزنامہ ”انقلاب“ لاہور نے سر سکندر حیات کو پارٹی کا لیڈر نامزد ہونے پر سر سکندر کو قائد اعظم کا خطاب دیا۔ یاد رہے یہی خطاب سرفضل حسین کو دیا گیا تھا۔

متحدہ محاذ ۲۷ جولائی کو لاہور برکت علی ہل میں اجلاس اور مسلم لیگ کا پنجاب کے لیے متحدہ محاذ قائم کر دیا گیا۔ اس فیصلے میں دونوں جماعتوں کے پارلیمانی ممبر

شریک ہوئے۔ صدارت میاں عبدالعزیز ایڈووکیٹ نے کی۔ بورڈ نے سترہ آدمی مزید پارلیمانی بورڈ کے لیے نامزد کیے۔ اس اجتماع میں چندہ فراہم کرنے کے لیے کمیٹیاں بھی بنائی گئیں اور فیصلہ کیا گیا کہ مسلمانوں کی بہر نشست پر محاذ اپنے آدمی کھڑے کریگا۔

کانگریس اور ہندو مہا سمجھ ٹائمز آف انڈیا نے شملہ سے اطلاع دی کہ سرگوبھا چندا رنگ صدر ہندو

کانگریس اور ہندو مہا سمجھ کے مابین کی رائے ہے کہ وہ براہ راست کانگریس سے مقابلہ نہ کرے بلکہ یونینسٹ پارٹی کے امیدواروں کی کانگریس کے مقابلہ کرے۔ اس کے برعکس سندھ کے ہندوؤں نے فیصلہ کیا کہ وہ کانگریس کی سخت مخالفت کریں گے۔ اس کے لیے بھائی پرمانند ڈاکٹر مونیچے اور دیگر ہندو بھائی لیڈروں کو سندھ آنے کی دعوت دی گئی ہے۔ کانگریس نے سندھ میں ہندو بھائی کا مقابلہ کرنے کے لیے ڈاکٹر خاں صاحب، بابو راجندر پرشاد اور بھولا بھائی ڈیسیائی کو سندھ بھیجنے کا فیصلہ کیا۔

مولانا ظفر علی خاں کی تقریر مجلس اتحاد ملت کے صدر مولانا ظفر علی خاں نے ۳۰ جولائی کو

پٹنہ میں اخباری نمائندوں سے ملاقات کے دوران کہا، "ممکن ہے اتحاد ملت کے طرز عمل سے کانگریس کو کوئی غلط فہمی پیدا ہو گئی ہو۔ میں اس غلط فہمی کو واضح الفاظ میں رفع کر دینا چاہتا ہوں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اتحاد ملت ایسی جماعت پیدا کرنا چاہتی ہے۔ جو ہندوستان کے لیے ممکن آزادی کی طرف اشارہ ہو۔ مگر اس قسم کی مجلس کا قیام کانگریس کے راستے میں روڑے نہیں اٹھا سکتا۔ کیونکہ کانگریس بھی ملک کو آزاد کرانے کے اصولوں پر کاربند ہے اور ہم آخری سمجھوتے کے لیے میدان صاف کر رہے ہیں۔"

(روزنامہ انقلاب، یکم اگست ۱۹۳۶ء)

یونائیٹڈ پریس کی اطلاع جیسے کہ یہ اطلاع آچکی ہے کہ ۱۰ جولائی کو مجلس اجلاس یونائیٹڈ پریس نے مدح صحابہ پر پابندی کے خلاف سول تافرائی شروع کر رکھی ہے

۳۱۔ جولائی کو لکھنؤ کے مسلمانوں نے دفعہ ۴ کی خلاف ورزی میں ایک جلوس نکالا۔ یہ دفعہ مدح صحابہ کو نئے والوں پر لگائی گئی ہے۔ کیونکہ اس سے شیعہ فرقہ کے جذبات مجروح ہوتے ہیں۔ لیکن مجلس احوار نے اس دفعہ کو قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

جلوس کے دوران ایک گولہ پھٹا، جس سے کئی ہستی مسلمان زخمی ہوئے۔ آج کا جلوس چالیس ہزار افراد پر مشتمل تھا۔ ان میں سے اکثر کو گرفتار کر لیا گیا۔ شہر میں مسلسل گرفتاریوں کے خلاف بطور احتجاج کے کئی روز سے ہڑتال ہے اور کسی قسم کا کوئی کاروبار نہیں ہو رہا۔

۳۲۔ اگست کو مسٹر ستیہ مورتی نے اسمبلی کے اجلاس میں ایک تحریک **اسمبلی میں تحریک التوا** | التوا کا نوٹس دیا، کہ

» حکومت نے دیدہ دانستہ ریزورنبک کے ایک ڈپٹی گورنر (سر سکندر حیات) کو

پنجاب میں اپنی پارٹی کے لیے سیاسی پروپیگنڈا کرنے کی کیوں اجازت دی؟

۴۔ اگست کے اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی کہ آل انڈیا مجلس احوار کے صدر مولانا حبیب الرحمن کو گرفتار کر لیا جائے گا۔ جبکہ صاحبزادہ فیض الحسن سجاد نشین آلودہ کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔

۱۰۔ اگست کے روزنامہ انقلاب لاہور نے یہ خبر شائع کی کہ اس قسم کی افواہ عام ہے کہ یونینسٹ پارٹی کو مزید مضبوط کرنے کے لیے سر سکندر حیات اور منبہ و مہاسجا کے رہنما سر گوگل چند نارنگ کے درمیان کوئی سیاسی سمجھوتہ ہونے والا ہے۔

قبل از مرگ وادیل | حکومت پنجاب نے انتخاب کے سلسلے میں ابھی سے تیاریاں شروع کر دی ہیں۔ خصوصاً یونینسٹ پارٹی کے مخالفین کے لیے ایک سرکل

تمام مجسٹریٹوں کو بھیج دیا گیا کہ وہ الیکشن پروپیگنڈہ کے نیچے پوری طرح تیار رہیں۔ اور اس سلسلے میں اگر انہیں بجاوت کا امکان ہو یا فرقہ وارانہ حالات پیدا ہونے کا ڈر ہو تو انہیں دبانے کے لیے دفعہ ۱۲۴ الف، ۱۵۱، ۱۰۷، ۱۰۸ ضابطہ فوجداری سے ریزرٹ کیا جائے۔

۳۳۔ اگست کو لکھنؤ میں چودھری خلیق الزمان نے علیحدہ مام فی سدارت کرتے **تحریک رواں** | ہوئے حکومت کے اس فعل کی مذمت کی کہ وہ مسلمانوں کو صحابہ کی مدح کرنے

سے روک رہی ہے۔ جلسے کے اختتام پر میں احوال کارکنوں نے صحابہ کی مدح میں یہ شعر پڑھا۔

ہیں کرنیں ایک ہی مشعل کی جو بکرو عمر عثمان علی

ہم مرتبہ ہیں یاران نبی کوئی فرق نہیں ان چاروں میں
اس پر انہیں گرفتار کر لیا گیا۔

۴۔ اگست کو لکھنؤ میں مسلم لیگ پارلیمانی بورڈ کا اجلاس
یوپی پارلیمانی بورڈ کا اجلاس

راجہ سلیم پور کی صدارت میں سلیم پور ماؤس میں ہوا۔ جس
میں راجہ محمود آباد مولانا شوکت علی، نواب اسماعیل خاں اور نواز زادہ لیاقت علی خاں نے خاص طور
پر شمولیت کی۔ اجلاس کے شروع میں نواز زادہ لیاقت علی خاں رکن نیشنل ایگریکلچر پارٹی، اجلاس
سے واک آؤٹ کر گئے۔

یہ مظاہرہ امنوں نے مسٹر جناح کی موجودہ پالیسی کے خلاف بطور احتجاج کیا۔ کیونکہ اس
اجلاس میں فیصلہ ہونے والا تھا کہ ۱۵-۱۶ اگست کو صوبہ بھر کے مسلمانوں کا ایک نمائندہ اجلاس
بلا یا جائے اور اس اجلاس کے افتتاح کے لیے مسٹر محمد علی جناح کو دعوت دی جائے۔
بورڈ میں اس فیصلے پر سخت اختلاف پایا گیا۔ اس اجلاس میں یہ افواہ بھی گشت کر رہی تھی
کہ راجہ سلیم پور اور راجہ محمود آباد نے نیشنل ایگریکلچر پارٹی سے مستعفی ہونے کا فیصلہ کر لیا ہے۔

(یونائیٹڈ پریس ۵۔ اگست ۱۹۴۶ء)

بنگال کے ہندوؤں کو جواب

بنگال کے ہندوؤں نے گذشتہ کئی ماہ سے کمیونل ایوارڈ
کے خلاف تحریک شروع کی ہوئی ہے کہ انہیں اس
قانون سے سخت نقصان پہنچنے کا احتمال ہے، لہذا اسے فوراً بدل دیا جائے۔ اس کے لیے
ہندوؤں کا ایک وفد بھی انگلستان گیا کہ وزیر ہند سے مل کر یہ درخواست کریں۔ لیکن ۴ اگست
کو بنگال کے گورنر کی طرف سے اس کا جواب وصول ہوا۔

» وزیر ہند نے کہا ہے کہ ملک معظم کی گورنمنٹ کمیونل ایوارڈ میں کوئی تبدیلی
نہیں کرے گی۔ اور وہ اپنی پالیسی پر قائم ہے۔

مدارس کے مسلمان | مدارس کے مسلم اکابر کی ایک کانفرنس ۷۔ اگست کو منعقد ہوئی! اس میں ایک ممبر کی یہ تجویز دیر تک زیر بحث رہی کہ اس جماعت کے رکن کسی غیر مسلم پارٹی کے ساتھ اتحاد نہ کریں۔ مگر اس تجویز کی سخت مخالفت کی گئی اور کہا گیا کہ مسلمانوں کا فائدہ اسی میں ہے کہ وہ اپنے سیاسی فائدے کے لیے مشترک پارٹیوں میں شریک ہوں۔ مذہب یا فرقہ کی بنیاد پر پارٹی بنانا سراسر نامناسب ہوگا۔ (روزنامہ انقلاب ۹۔ اگست ۱۹۳۶ء)

نوابزادہ لیاقت علی خاں کا استعفیٰ | ۷۔ اگست کو نوابزادہ لیاقت علی خاں نے حسب ذیل بیان کے ذریعے مسلم لیگ کے منتخب پارلیمینٹری بورڈ سے استعفیٰ ہونے کا اعلان کر دیا۔

”مشرخ خاں نے پارلیمینٹری بورڈ میں صرف ایک خیال کے لوگوں کو کثرت سے بھر دیا ہے، جن کا کوئی وقار قوم میں نہیں ہے اور ان لوگوں کو نظر انداز کر دیا ہے جو مسلمانوں کے اصل لیڈر ہیں۔ اور انتخاب میں الیکشن کے ذریعے آئے ہیں۔ میرا ایسے بورڈ میں ہونا فضول ہے، جس میں اکثریت اس ایک پارٹی کے ممبران کی ہو، جو عرصہ دراز سے مسلمانوں سے دور ہیں۔ اور اپنے اپنے پھوڑوں کو لیگ کا ٹکٹ دلو کر مسلمانوں میں رخنہ ڈالنا چاہتے ہیں۔ یہ لوگ آپس میں مل کر کے ایک ساتھ ووٹ دیتے ہیں۔ اس لیے میرا اس بورڈ کا ممبر ہونا بیکار ہے۔ میں اس میں شریک نہیں رہ سکتا۔ اور اس کو ملک و ملت کے خلاف سمجھتا ہوں۔ لہذا میں استعفیٰ دیتا ہوں۔“ (”نامہ اعمال“ حصہ اول ص ۶۸۳-۶۸۴)

بے بنیاد افواہیں | انتخابات کے دنوں اور زمانہ جنگ میں عوام پر اثر انداز ہونے کے لیے افسانے اور جھوٹ کی عمارت استوار کرنا کوئی مشکل کام نہیں۔ یہ ایک ایسا فن ہے، جس میں دلائل سے زیادہ عقل کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر جھوٹ بولنے والا دانشور ہو تو افتراء کے تمام قلعے حقیقت معلوم ہونے لگتے ہیں۔ سراب دور سے سمندر دکھائی دینے لگتا ہے لیکن قریب پہنچ کر ریت کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

ہنوز انتخابات میں چھ ماہ کا عرصہ پڑا تھا، مگر یار لوگوں نے افواہوں کی ایسی آندھیاں اٹھائیں

کہ سچائی بیٹھ کر رہ گئی۔ کاغذ کے پھولوں پر ایسا جھڑکا کہ لالہ دگل شرم محسوس کرنے لگ پڑے۔
انسانے پر حقیقت کا ایسا رنگ چایا کہ وہ حقیقت معلوم ہونے لگا۔

اس ضمن میں اگست کے وسط کی دو خبریں ملاحظہ ہوں۔

۱۔ ”نئی دہلی کی اطلاع۔“ دہلی کے مقتدر لیڈروں (نام کسی کا نہیں بتایا گیا) دیگر مسلم زعماء کے نام ایک خط لکھا کہ ہر بانی نس سر آفا خاں کی زیر صدارت ایک اور آل انڈیا مسلم کانفرنس کے انعقاد کی تجویز کی گئی ہے۔ اس ضمن میں کہا گیا ہے کہ سر آفا خاں نے یہ جواب دیا ہے: ”میں مسلم قوم کی خدمت کے لیے ہر وقت تیار ہوں مگر میں مسلمانوں کو ایسی کانفرنس طلب کرنے کی دعوت کو حق بجانب قرار نہیں دیتا۔ اگر سر سکندر حبیباً مقتدر لیڈر اور دوسرے بارسوخ پنجابی، سندھی، بنگالی اور سرحدی مسلمان قائدین جنہیں انتخابات کے بعد اکثریت کا یقین ہو۔ اگر ایسی کانفرنس کے انعقاد کی دعوت دیں تو میں یقیناً کانفرنس میں شریک ہوؤں گا۔“

۲۔ لاہور۔ ۱۲ اگست پنجاب مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ خطرات سے دوچار ہے۔ سر محمد اقبال نے جو بورڈ کے صدر ہیں، اپنا استعفیٰ پیش کر دیا ہے۔ بورڈ کا ایک اجلاس پنج شنبہ کے دن طلب کیا گیا ہے تاکہ صورت حال پر غور کیا جاسکے۔

اندازہ کیا جا رہا ہے کہ اس صورت حال کے پیچیدہ ہونے کی اصل وجہ یہ ہے کہ مسلم لیگ اور احوار کے ارکان میں اس قدر اختلاف رائے پیدا ہو گیا ہے۔ احوار کی رائے ہے کہ جس حلقہ انتخاب میں کامیابی کی امید ہو وہاں بورڈ کے ٹکٹ پر احوار اپنا نمائندہ کھڑا کرے۔ احوار کی اس تجویز سے شبہ ہو رہا ہے کہ مسلم لیگ کو لاہور کے صرف دو حلقوں تک محدود رہنا پڑے گا۔ باقی شہری حلقے احوار اپنے پاس رکھے گی اور اس بارے میں بورڈ کے ٹکٹ سے فائدہ اٹھائیں گے۔“

(روزنامہ انقلاب، ۱۲-۱۳ اگست ۱۹۳۶ء)

مندرجہ بالا دونوں خبروں سے اندازہ کرنا کوئی مشکل نہیں کہ رحبت پسند طبقہ اور ان کی صحافت ان دنوں برطانوی استعمار کے مستقبل کی ضمانت کس طرح فراہم کر رہے تھے۔ حالانکہ

تاریخ کے کسی گوشے میں سرخاغاں کا مندرجہ بالا خط یا اس کا کوئی منہ نہیں تھا اور نہ ہی اس وقت تک احرار کے ذہن میں ایسی کوئی تجویز تھی۔ لیکن جھوٹ بنانے والوں کے قربان جانیے کہ محض اپنے دانے دنگے کے لیے خفایاں پانی کو کس طرح گدلا کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

حکومت حجاز کو تشویش | از عمائد احرار نے حکومت حجاز کے برطانوی کمپنیوں سے کان کنی کے معاہدے پر جس تشویش کا اظہار کیا تھا اور انہیں جس طرح کے خدشات تھے۔ حسب ذیل خبریں اس کی تائید کرتی ہیں۔

○ ”حکومت برطانیہ جزیرہ بحرین کے شیوخ کو متحد کرنے اور انہیں ایک نظم منسلک کرنے میں لگی ہوئی ہے۔ حکومت حجاز کو برطانیہ کے اس اقدام سے سخت تشویش پیدا ہو گئی ہے۔ سلطان ابن سعود نے اس جدید صورت حال پر غور کرنے کیلئے اپنی سلطنت کے امراء کی مجلس مشورت طلب کی ہے۔ اس میں شیوخ کے اس اتحاد کے نتائج پر سرحدی مسائل کی روشنی میں غور کیا جائے گا۔“

○ ”امیر بحرین شیخ اسمٰعیل بن عیسیٰ انگلستان کا ایک وسیع سفر کر کے واپس بحرین پہنچ گئے ہیں۔ اگرچہ امیر بحرین کا یہ سفر بریٹش جیت رکھتا ہے لیکن معلوم ہوا کہ اس سفر میں امیر بحرین کے اور برطانیہ کے مفقود رہنماؤں کے ساتھ مل کر کو زیادہ پر رونق بنانے کے امکان پر بحث کی گئی ہے۔“

مزید برآں یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ امیر کے ایک بندہ حوصلہ رتہ دار نے ایک مہارتی وسیع بیانیے پر پریس لگائے اور ایک روز نامہ شائع کرنے کا ارشاد کیا ہے۔ جس کے لیے مشر سے خاص طور پر ایک اخبار نویس کو مقرر کیا گیا ہے۔ تاکہ پروپگنڈہ کا کام شروع کر دیا جائے۔“ (روزنامہ انقلاب - ۲۰ - ۱۹۵۲ء)

پنجاب پارلیمنٹری بورڈ کا اجلاس | لاہور ۱۲ اگست کو برکت علی محطین ہال میں پرنسپل مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ کا اجلاس ملک برکت علی کی صدارت میں ہوا جس میں قریباً چالیس افراد نے شرکت کی جن میں سے کچھ نام یہ ہیں۔

۱۔ ان دنوں مصر بنگلہ دیش کا اثر تھا۔ ۲۔ ابھی دیکھتے اور کیا ہوتا ہے مصنف

غلام رسول خاں ایڈووکیٹ، سید عطاء اللہ شاہ بیرسٹر جاندھر، ملک محمد بن ایڈووکیٹ
خان بہادر ملک زمان مہدی خاں، میاں عبدالعزیز ایڈووکیٹ، میاں عبدالحمید بیرسٹر، ڈاکٹر خلیفہ
شجاع الدین بیرسٹر، شیخ غلام حیدر ایڈووکیٹ، شیخ اکبر علی ایڈووکیٹ، چودھری افضل حق ایم ایل
داوار، شیخ حسام الدین بی۔ اے (دوار) میر عبدالقیوم پیٹریا (دوار) صاحبزادہ فیض الحسن سجاولہ
آلوہار (دوار) چودھری عبدالعزیز بگیو والیہ (دوار) خواجہ غلام حسین ایڈووکیٹ لاہور (دوار)
مولانا منظر علی انظر ایڈووکیٹ (دوار)۔

اجلاس کے ابتداء میں ڈاکٹر اقبال کی ایک چٹھی پیش کی گئی، جس میں ان کے استعفیٰ کا کوئی
ذکر تک نہیں تھا۔ بلکہ اخبار انقلاب کی خبر کو غلط قرار دیا گیا تھا۔ اجلاس میں ایک سب کمیٹی ترتیب
دی گئی۔ جس کے ذمہ تھا کہ وہ امیدوارین اسمبلی کے حلف نامے کا مسودہ تیار کرے۔ اس کمیٹی میں
ڈاکٹر اقبال، ملک زمان مہدی، غلام رسول، چودھری افضل حق اور مولانا منظر علی انظر شامل تھے۔
لیکن بعد میں چار مزید ممبران کا اضافہ کیا گیا، جن میں مولانا حبیب الرحمن، میاں عبدالحمید، ملک
برکت علی اور عاشق حسین شامل ہوئے تھے۔
(مسلم نیوز سروس)

مولانا ابوالکلام آزاد کا جواب | تحریک مسجد شہید گنج کے سلسلے میں منتخب امیر پیر جماعت علی شاہ
کے حج پر چلے جانے کے بعد ماہ رواں کے پہلے ہفتے شاہی مسجد

لاہور میں ایک جلسے کے دوران مسٹر عزیز ہندی نے امیر ملت کے لیے مولانا ابوالکلام آزاد کا نام
تجویز کیا تھا۔ اس کے جواب میں مولانا آزاد نے عزیز ہندی کے نام حسب ذیل مراسلہ ارسال کیا۔

”لاہور کے اخبارات سے معلوم ہوا کہ بعض حضرات نے ایک جلسہ میں یہ تجویز پیش
کی ہے کہ کوئی امیر منتخب کرنا چاہیے۔ اور اس کے لیے میرا نام پیش کیا گیا ہے۔

میں ان صاحبوں کا شکریہ گزار ہوں لیکن بتانا چاہتا ہوں کہ اس طرح مسائل حل
نہیں کیے جاسکتے۔ البتہ ایک بات ضرور کی جاسکتی ہے، یعنی ان کی ہنسی اڑائی
جاسکتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان حضرات کو اس کا خواہش مند نہیں ہونا چاہیے۔

ان صاحبوں کو شاید معلوم نہیں کہ میں اب سے پندرہ برس پہلے نہ صرف

اس پر غور و فکر کر چکا ہوں، بلکہ بطور ایک انتہائی تجربے کے ایک صوبے میں

اسے قائم بھی کر چکا ہوں۔ بائیس ہجری ۱۹۱۳ء میں مجھے یہی رائے قائم کرنا پڑی کہ موجودہ حالات میں اس طرح کے کسی نظام کی مزید سہی سودمند نہ ہوگی۔

بہر حال اگر میری رائے سے انہیں اتفاق نہ ہو تو ایک بات انہیں یاد رکھنی چاہیے۔ وہ یہ کہ اس سلسلے میں میرا نام نہ تجویز کیا جائے۔

(ابوالکلام آزاد کلکتہ - ۱۳۔ اگست ۱۹۳۶ء)

حلف نامہ | مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ کی طرف سے اسمبلی میں جانے والے ممبران یا الیکشن میں بطور امیدوار کے حصہ لینے والوں کے لیے حسب ذیل حلف نامہ تیار کیا گیا۔

و۔ بخد مت آنریری سیکرٹری پرڈنشل مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ لاہور میں اپنے کو آئندہ اسمبلی کے انتخابات کے لیے حلقہ کے لیے پیش کرتا ہوں۔

ب۔ میں مبلغ پچاس روپے بذریعہ منی آرڈر یا چیک یا نقد اس درخواست کے ساتھ بھیجتا ہوں۔

ج۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ پنجاب پرڈنشل مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ کے فیصلے کا اپنی نامزدگی کے متعلق پابند رہوں گا۔

د۔ میں حلف اقرار کرتا ہوں کہ میں آل انڈیا مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ کے پروگرام کو منظور کرتا ہوں اور ہر ممکن طریقے سے اس پروگرام کو کامیاب بنانے کی کوشش کروں گا۔

س۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ پنجاب پرڈنشل مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ نے مجھے آئندہ کے لیے اپنا امیدوار نامزد نہ کیا تو میں کسی اور پارٹی کے ٹکٹ پر یا اپنے طور پر اسمبلی کے انتخاب کا خواہاں نہیں ہوؤں گا۔

و۔ میں اقرار صالح کرتا ہوں کہ میں اپنی حیثیت میں اسلامی اوقاف کی حفاظت حسب شرعیہ کروں گا۔

ز۔ میں اقرار صالح کرتا ہوں کہ میں ہر ممکن طریق سے مسجد شہید گنج کی واگذاری کے لیے کوشاں رہوں گا۔

جب تمام حلف نامہ پڑھ کر سنایا گیا تو مولانا حبیب الرحمن نے اعتراض اٹھایا کہ اس میں ایک اور شق بڑھا دیجئے کہ:

”مسلم لیگی امیدوار کو اقرار صراح کرنا چاہیے کہ وہ اسمبلی میں جا کر مرزائیوں کو مسلمانوں سے خارج کرا کے ایک علیحدہ اقلیت قرار دیے جانے کی پوری کوشش کرے گا۔“

اس موقع پر مسلم لیگی پارلیمینٹری اجلاس میں کیا ہوا اس کی روداد عاشق حسین ٹالوی اپنی کتاب اقبال کے آخری دو سال کے صفحہ ۳۳۸-۳۳۹ پر لکھتے ہیں۔

”سچی بات یہ ہے کہ مولانا حبیب الرحمن نے نئی شق پیش کر کے ہمیں حیران ہی نہیں پریشان کر دیا تھا۔ ہم میں سے کوئی شخص مرزائیت یا غیر مرزائیت کے جھگڑے میں نہیں پڑنا چاہتا تھا۔ یوں بھی مسلم لیگ جیسی قومی اور سیاسی جماعت سے توقع رکھنا کہ مرزائیت کے بارے میں اپنے عقیدے کا اعلان کرے، ایک لائق بات تھی۔ اس اجلاس کی صدارت نزاں مہدی خان کر رہے تھے۔ انہوں نے مولانا حبیب الرحمن

سے کہا کہ بے سود جھگڑا نہ کیجئے۔ یہ نئی شق پیش کرنے کا یہاں کیا موقع محل ہے؟ اس پر مولانا حبیب الرحمن نے کہا، جس طرح مسجد شہید گنج کی بازیابی آج پنجاب کے تمام مسلمانوں کا متفقہ مطالبہ ہے، اسی طرح یہ بھی متفقہ مطالبہ ہے کہ مرزائیوں کو مسلمانوں سے خارج کر کے ایک علیحدہ اقلیت قرار دیا جائے۔ اگر آپ کو میری بات پر یقین نہیں، تو چلیے اسی وقت ہم موجود روزہ کے باغ میں ایک جلسہ عام کر کے مسلمانوں سے استصواب کرا لیتے ہیں۔“

مولانا کی یہ رائے درست تھی۔ احوار نے سالہا سال کے پروپیگنڈے سے عام مسلمانوں میں مرزائیت کے خلاف سخت نفرت پیدا کر دی تھی۔ اگر اس امر سے متعلق کسی جلسہ عام میں استصواب کیا جاتا تو مسلمان یقیناً مرزائیت کے خلاف رائے دیتے۔ چنانچہ مجبوراً غلام رسول خاں کو حلف نامہ میں ایک نئی شق کا اضافہ کرنا پڑا۔ یعنی

”میں اقرار صالح کرتا ہوں کہ اگر میں آئندہ پنجاب اسمبلی میں نامزد ہو کر کامیاب ہو گیا تو اسلام اور ہندوستان کے مفاد کی خاطر مرزائیوں کو دیگر مسلمانوں سے ایک علیحدہ اقلیت قرار دیے جانے کی انتہائی کوشش کروں گا۔“
یہ ۲۲- اگست کے اجلاس کی کارروائی ہے۔

دوسرے روز غلام رسول خاں حلف نامہ کا مسودہ لے کر علامہ اقبال کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہیں سارا واقعہ کہ سنایا تو ڈاکٹر صاحب نے مرزائیت کے متعلق نئی شق بڑھانے جلنے پر کسی تعجب کا اظہار نہ فرمایا اور نہ ہی کوئی اعتراض کیا۔

۲۵- اگست کو مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ کے اجلاس میں گذشتہ پارلیمنٹری بورڈ کی نئی شرائط

اجلاس کی کارروائی کی تصدیق کرتے ہوئے امیدواروں کو نئی شرائط پیش کر دی گئیں کہ جو شخص پارلیمنٹری بورڈ کے ممبر کے لیے کھڑا ہونا چاہے وہ اپنی درخواست کے ساتھ ایک سو پچاس روپے پیش کرے۔ اگر اس کی درخواست منظور نہ ہو تو یہ رقم اسے واپس نہیں کی جائے گی۔ نیز جس کی درخواست منظور ہو جائے اس سے ایک مہینے کے اندر اندر پانصد روپیہ نقد کے طور پر وصول کیا جائے گا۔

مسلم لیگ بورڈ کے اس نئے فیصلے پر احرار ممبران نے ترمیم کرتے ہوئے ایک سو پچاس کی بجائے ایک سو روپیہ وصول کرنے کی تجویز پیش کی۔ جسے اجلاس کی اکثریت نے نامنظور کر دیا۔ چودھری افضل حق؛ یہ پانصد روپے کس مقصد کے لیے جمع کرائے جائیں؛

غلام رسول؛ بورڈ کے تمام امیدواروں کے الیکشن کے سلسلے میں مختلف قسم کے اشتہارات اور پمفلٹ شائع کرنے ہوں گے۔ مسلم لیگ کے امیدواروں کی حمایت کے لیے مسلم لیگ کے لیڈروں کو ان کے انتخابی حلقوں میں دورہ کرنا ہوگا۔ تمام کاموں کے لیے روپیہ کہاں سے آئے گا۔

چودھری افضل حق؛ پانصد روپیہ صرف اشتہاروں اور پمفلٹوں کے لیے اور الیکشن کے لیے رقم الگ ہوگی؛ مگر پانصد روپیہ میں تمام الیکشن رٹسکت ہوں۔ گذشتہ انتخاب میں میں نے اپنے حلقے میں کام کرنے والے کارکنوں کو دو صد روپیہ دیا تھا۔ انہوں نے آخر میں مجھے تیس روپے

واپس کر دیے تھے۔

اس اجلاس کے اختتام پر چودھری افضل حق نے ایک پریس بیان میں کہا۔
 ”بورڈ کی نئی شرائط نے احوار کو الجھن میں ڈال دیا ہے۔ احوار تخلص اور درمیانے طبقے
 کی نمائندہ جماعت ہے۔ مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ نے جس قدر روپے کا مطالبہ کیا
 ہے احوار اس کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ بہر حال جماعت بورڈ کی نئی شرائط پر غور کرے گی“

احوار کی پارلیمنٹری بورڈ سے علیحدگی | تقسیم کائنات میں فطرت نے جن اصولوں کو نمایاں طور پر
 اپنایا ہے ان میں _____ تو ناڈوں اور ناتوانوں کے درمیان

ایسی حد فاصل قائم کر دی گئی ہے کہ ان حدود کو توڑنا یا انہیں بچاندنے کی کوشش کرنا نظامِ خداوندی
 میں مداخلت کے مترادف سمجھا جائے گا۔ نہ تو غریب کا دل امیر سے مطابقت رکھتا ہے اور نہ
 ہی دولت مند کا ضمیر غریب سے قرابت داری پسند کرتا ہے۔ جس طرح دریا آبِ بھو میں نہیں سما
 سکتا یا سمندر، دریا کی روانی کو خاطر میں نہیں لاتا، عین اسی طرح غریب اور امیر کے خانے جدا جدا
 مٹی سے تعمیر کیے ہیں۔ زندگی کے سفر میں کہیں اگر ان اصولوں میں ملاپ ہو جاتے تو اس کی عمر اتنی
 مختصر ہوتی ہے، جتنی کہ شبنم کی پھول کی پتی پر۔ جیسے ہی سورج کی پہلی کرن آنکھ کھولتی ہے یہ آگینے
 پانی پانی ہو کر بہہ جاتا ہے۔

لوہا اور لکڑی ایک ساتھ سطحِ آب پر نہیں تیر سکتے۔ دونوں چند لمحے ایک ساتھ چلتے ہیں،
 لیکن آخر کو یہ ساتھ ٹوٹ جاتا ہے۔

ایمان اور دولت جب ایک جگہ جمع ہو جائیں تو دونوں میں سے ایک کی موت لازمی ہے۔
 ورنہ زمانے کی نظروں میں دونوں مشکوک ہو جائیں گے۔ دونوں کا چلن روایات کے خلاف بغاوت
 سمجھا جائے گا۔ اگر ان میں نیجا ہو سکتا تو داعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم، زکوٰۃ کے ضابطے پر سختی
 سے پابند رہنے کی تاکید نہ کرتے اور نہ ہی زکوٰۃ کو اسلام کے ارکان میں شامل کیا جاتا۔ یہی دلیل
 کافی ہے کہ امیر اور غریب دو الگ الگ دھڑے ہیں۔

سرمایہ دار کے اصولوں میں غریب کے لیے کوئی لچک نہیں۔ مساوات تو دور کی بات ٹھہری
 مزاج کا باہمی رنگ بھی نہیں ملتا۔ ذاتی اغراض ہوں تو سرمایہ دار مومنی سواؤں کی طرح ملک کی گریب

میں اتر جاتا۔ لیکن ضرورت نہ ہو تو فرعون کے سنگھاسن پر بیٹھ کر خدائی دعوے کرنے لگتا ہے۔
 مجلس احوار نے مسلم لیگ کو پنجاب میں اس وقت سہارا دیا، جب یونینسٹ پارٹی اس کے
 وجود سے بھی انکاری تھی۔ لاہور میں مسٹر محمد علی جناح کا ہر میزبان منافقانہ چال چل رہا تھا۔ ان کے
 دل قائد اعظم کے ساتھ نہیں تھے۔ ان کا ایک قدم مسلم لیگ اور دوسرا یونینسٹ پارٹی کے دفتر
 میں ہوتا۔ سروں اور خان بہادروں کا یہ ٹولہ سرفضل حسین اور انگریز کے اشارے پر قائد اعظم کا
 سیاسی حریف تھا۔ یہاں تک کہ انہیں لاہور میں جلسہ کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ ایسے وقت میں
 احوار رضا کاروں نے قائد اعظم کا حوصلہ بڑھایا، ان کے راستے کے تمام کانٹے صاف کیے۔
 جب زمین ہموار ہو گئی تو کرگس شہباز کا لبادہ اوڑھے پرواز کرنے لگے۔

احوار کا خلوص انہیں راس نہ آیا۔ مجلس گمراہ پیشہ لوگوں کا تعاون رجعت پسند امراء کے
 لیے وبال جان بن گیا اور ہر گھڑی انہیں اپنی محفل سے اٹھانے کی تدبیریں سوچنے لگے۔ مولانا
 حبیب الرحمن کا یہ اعتراض کہ حلف نامہ میں مرزائیت کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی شق کا
 اضافہ کیا جائے، اس گروہ کے لیے پہلا بہانہ تھا۔ نمبر دو یہ کہ درخواست کے ساتھ سوچاں روپے
 پھر ایک سو سوچاں روپے اور پھر امیدوار کے لیے مزید پانصد روپے فنڈ میں جمع کرانے کی نئی
 تجویز صاف ظاہر کرتی ہے کہ یہ بہانہ تھا کہ احوار کے پاس نہ اس قدر سرمایہ ہو گا، نہ ہمارے ساتھ
 چل سکیں گے۔ لا محالہ وہ پارلیمنٹری بورڈ سے الگ ہو جائیں گے۔

امراء کی اس سازش سے احوار نے دل برداشتہ ہو کر چار ماہ مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ میں رہنے
 کے بعد ۳۰ اگست ۱۹۴۷ء کو بورڈ سے علیحدگی اختیار کر لی۔ آل انڈیا احوار ورکنگ کمیٹی نے
 اس علیحدگی کی وضاحت میں حسب ذیل بیان پریس کو دیا۔

گزشتہ ماہ مئی میں احوار ورکنگ کمیٹی نے مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ سے تعاون کرنے
 کا فیصلہ کیا تھا۔ اس وقت سے احوار نے مسلم لیگ بورڈ سے پورا پورا تعاون کیا۔
 بورڈ کے دوسرے گرد و پیش کی اس حرکت کی مخالفت بھی نہ کی کہ وہ بورڈ میں اپنا پرنسپل
 فائس پرنسپل اور سیکرٹری بھی اپنا بنانا چاہتے تھے۔ لیکن تہذیبی چند دوستوں
 نے ایسی صورتحال پیدا کر دی، جس نے احوار کو تمام مسائل پر از سر نو غور کرنے پر

مجبور کر دیا۔ آغاز میں بھی ہمارے لیگ کے دوستوں نے پروٹشل بورڈ کی بہت سی نشستیں لاہور کے لیے ہی مخصوص کر دیں تھیں۔ جب کہ بورڈ میں لاہور کی نمائندگی پہلے ہی زیادہ ہے۔ لیکن بورڈ میں مزید ایک یا دو احرار ممبر کے لیے انکار کر دیا گیا۔ تمام حلقوں سے ایک یا دو ممبر لینے کی تجویز کی گئی تھی۔ احرار ممبروں نے اس سکیم پر بھی رضامندی ظاہر کر دی۔ حتیٰ کہ ڈیرہ غازی خان، مظفر گڑھ، راولپنڈی اور دوسرے دور افتادہ اضلاع سے اشخاص کے نام تجویز کیے۔ یہ تجویز سراسر زیادتی سمجھی گئی۔ حالانکہ پہلے ہی دوسرے گروپ کی غالب اکثریت تھی۔

احرار کارکن ہر مقام پر لیگ کے ٹکٹ پر اپنے امیدوار کھڑا کرنا چاہتے تھے اور انہوں نے پنجاب کے ہر حصے میں پروپیگنڈہ کیا لیکن دوسرے گروپ کے ارکان نے لیگ بورڈ میں ایسا عناصر داخل کر لیا۔ جس نے مجلس احوار کے خلاف کھلم کھلا پروپیگنڈہ کرنا شروع کر دیا اور بورڈ سے احوار کے اخراج کا مطالبہ ہونے لگا۔ ۱۳ اگست کو مختلف امور پر غور کے لیے بورڈ کی میٹنگ بلائی گئی۔ تمام نئے ممبروں کی نامزدگی کا سوال ایجنڈے کے آخر میں تھا تاہم جن اشخاص کو بورڈ میں لیا جانا تھا، ان کی فہرست جو صدر کی طرف بھیجی گئی پہلے اس پر غور کیا گیا۔ حالانکہ وہ ایجنڈے کی آخری شق تھی۔ اور یہ فہرست پاس کر دی گئی! احرار ممبران اس وقت موجود نہ تھے، وہ ذرا دیر سے آئے۔ کیونکہ میٹنگ کا وقت پانچ بجے تھا۔ لیکن یہ حضرات سارے چار بجے ہی فیصلہ کر چکے تھے! اس جگہ پر مقابل ذکر ہے کہ گذشتہ میٹنگ میں احرار ممبران نے دوسرے ممبروں کے لیے اکتالیس منٹ انتظار کیا تھا۔

صدر عالی فہرست میں امٹاؤن ممبر تھے، جن میں اکتالیس صرف لاہور کے تھے حالانکہ بورڈ میں لاہور کے ممبران کی پہلے ہی اکثریت تھی۔

بورڈ میں اس پر بھی مزید اضافہ کیا گیا کہ بورڈ ممبری کی فیس ۵۰ روپے درخواست دینے والے سے اور امیدوار سے ایک سو پچاس روپے اور نامزد دار کے لیے

پانصد روپے مقرر کر دیے گئے۔

احرار نے اس کمیٹی کی میٹنگ میں، پھر بورڈ کی میٹنگ میں صاف طور پر کہہ دیا کہ احرار ممبران یا امیدوار اس بوجھ کو برداشت کرنے کے ناقابل ہیں۔ مگر دوسرے گروپ کے ارکان نے اعلان کر دیا کہ جو اتنی رقم ادا نہیں کر سکتے، ان کو اسمبلی کی ممبری کے لیے کھڑے ہونے کا کوئی حق نہیں۔ بدیں حالات احرار درکنگ کمیٹی کا قیام غور کے بعد اس نتیجے پر پہنچی ہے۔

۱۔ گزشتہ چار مہینے عملی طور پر ضائع کیے گئے ہیں۔ اس وقت بھی اگر بورڈ سے قطع تعلق نہ کیا گیا تو اس سے قوم کے نقصان کے علاوہ مزید وقت ضائع ہونے کا احتمال ہے۔

۲۔ یہ کہ چند اشخاص جو کہ غالباً الیکشن کے لیے کھڑے نہیں ہوں گے صرف اس لیے میدان میں لائے گئے ہیں کہ ترقی خواہ جماعتوں کو پاؤں پر کھڑا نہ ہونے دیں۔

۳۔ ان حالات میں احرار مجبور ہیں کہ پنجاب اسمبلی کے انتخاب میں شامل ہونے کے لیے احرار کی طرف سے ایک جداگانہ انتخابی بورڈ قائم کیا جائے۔

احرار پارلیمنٹری بورڈ | احرار درکنگ کمیٹی نے مندرجہ ذیل ارکان کو پارلیمنٹری بورڈ کی حیثیت سے منتخب کیا اور انہیں مزید ارکان کے منتخب کرنے کا اختیار بھی دیا گیا۔

چودھری افضل حق ایم ایل سی، مولانا مظہر علی اظہار ایم ایل سی، مولانا محمد داؤد غزنوی، خواجہ غلام حسین ایڈووکیٹ لاکپور، میر عبدالقیوم پیٹری لاکپور، شیخ غلام حیدر پیٹری فیروزپور، سردار محمد شفیع رئیس عثمان والا ضلع لاہور، میاں قمر الدین رئیس اچھرہ لاہور، سردار احمد خان پٹانی جامپور (ڈیرہ غازیخان)، شیخ حسام الدین میونسپل کمشنر امرتسر، چودھری عبدالغفر بیکھو والیہ لاکپور ضلع، سردار گل محمد خاں ڈیرہ غازیخان، مولانا عبدالرحمن ضلع جالندھر، مر شوق محمد باگڑ سرگاندہ ضلع، مولانا ظہور احمد گوبی ضلع سرگودھا۔

اس طرح کل پندرہ ارکان ہوئے اس کے ساتھ ہی بورڈ کو ہدایت کی گئی کہ وہ درخواستیں طلب

کرے اور ۱۵ ستمبر تک پہلے قافلے کو نامزد کر دے۔ نامزد امیدواروں کے پہلے گروپ پر غور کرنے کے لیے اجلاس پارلیمنٹری بورڈ کا اجلاس ۱۳ ستمبر کو لاہور اجلاس میں منعقد کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اس واضح حقیقت کے باوجود روزنامہ انقلاب نے ۵ ستمبر کی اشاعت میں لکھا۔

عنوان تھا: ان تلوں میں تیل نظر نہ آیا

مچونکہ مسلم لیگ اجلاس کی خواہش کے مطابق انہیں کوئی روپیہ نہ دے سکتے تھے۔
لہذا وہ بہانہ تراش کر الگ ہو گئے۔

روزنامہ انقلاب کی یہ رائے اس قدر دغرائش نہیں کیونکہ یہ پیشہ ور لوگ تھے! فوسس علیق حسین بٹالوی پر ہے کہ وہ تمام کارروائی میں برابر کے شریک چلے آ رہے تھے۔ اجلاس کو پارلیمنٹری بورڈ سے الگ کرنے کی سازش ان کا آنکھوں دیکھا حال ہے۔ اس پر بھی وہ لکھتے ہیں:

”یوں تو اجلاس مسلم لیگ کے پارلیمنٹری بورڈ میں شریک ہو گئے تھے۔ لیکن کچھ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اس بورڈ سے جو توقعات انہوں نے قائم کر رکھی تھیں وہ بظاہر پوری نہیں ہوئیں۔ انہیں سب سے بڑی غلط فہمی یہ تھی کہ خراج نے بمبئی کے تاجروں اور اوردہ کے تعلقہ داروں سے کئی لاکھ روپے جمع کیے ہیں، ہوائیکیشن میں یگی امیدواروں کے کام آئیں گے۔ اس معاملے میں متبلا ہو کر چودھری افضل حق پور مولانا حبیب الرحمن وغیرہ یہ سمجھے بیٹھے تھے کہ اس فنڈ سے کم از کم ایک لاکھ روپیہ پنجاب کے حصے میں ضرور آئے گا اور یہ رقم جلسے، جلسوں کے علاوہ خبری پریسنگ پر خرچ ہوگی۔“

اجلاس کا یہ بھی خیال تھا کہ ملک برکت علی، غلام رسول خاں، خلیفہ شجاع الدین وغیرہ مصروف آدمی ہیں، انہیں ہائیکورٹ کی پریکٹس سے فرصت ہی کہاں ہے کہ وہ پنجاب کا دورہ کریں اور شہر بہ شہر دعویٰ جلسے منعقد کر کے دھواں دھار تقریروں کا جادو بکھیریں۔ ادھر اجلاس فن میں یدِ طولی رکھتے تھے اور سالہا سال سے ان کی زندگیاں انہی ہنگاموں کے لیے وقف ہو چکی تھیں۔ اس لیے ان کا اندازہ تھا کہ خراج کے فنڈ میں سے پنجاب کو جو ایک لاکھ روپیہ ملے گا، اس کا بیشتر

حصہ انہی کی مرضی اور خواہدید سے خارج ہوگا۔

(اقبال کے آخری دو سال ص ۲۲۲)

عاشق حسین ثبیلوی نے سارا کچھ جانتے ہوئے سیاسی ضرورت کے تحت ایک تو اپنی شخصیت کو گدلا کیا، دوسرا تاریخ سے نا انصافی کی جس سے آئندہ نسلوں کے گمراہ ہونے کا ڈر ہے اور ساتھ ہی انہوں نے جھوٹ بول کر اپنی عاقبت بھی خراب کی۔

پول کا ڈاکٹر قتل کر دیا گیا | ہندو سماج کی سوچی سمجھی سکیم تھی کہ ہندوستان میں پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کی توہین کی جائے۔ ۱۹۲۹ء میں اس سازش کے تحت لاہور میں راجپال نے پہل کی، جسے غازی علم الدین نے قتل کر دیا۔ قصور کے پالارام کا قتل، کراچی میں نھورام کا قتل اور دہلی میں شرودھانند کا قتل اسی زنجیر کی کڑیاں ہیں۔

گزشتہ سال روہتک ضلع حصار کے موضع پول کا ڈاکٹر رام گوپال نے حیوانات کے ہسپتال میں ایک گدھے کا نام احمد (نحوذ باللہ) رکھا، اس پر ہنگامہ ہوا اور چودھری افضل حق ایم۔ ایل سی نے حکومت پنجاب کو اس پر متوجہ کیا۔ اس پر ڈاکٹر مذکور نے یہ کہا کہ میں نے گدھے کا نام احمد رکھا ہے اور ساتھ ہی مسلمانوں سے معذرت کر لی اور بظاہر یہ بات ٹل گئی۔ لیکن مجرم جرم سے باز نہ آیا۔ آخر انیس سال کے ایک مسلمان نوجوان مرید حسین نے موقع پا کر ڈاکٹر رام گوپال کو قتل کر دیا۔

منشی احمد دین کی گرفتاری | پنجاب کے معروف سوشلسٹ لیڈر منشی احمد دین کو حکومت پنجاب نے راولپنڈی سے لاہور آتے ہوئے جہلم کے پل پر دفعہ ۱۲۲

کے تحت گرفتار کر لیا۔ انہوں نے اپنی تقریر میں مسجد شہید گنج کے انہدام کی تمام تر ذمہ داری حکومت پنجاب پر عائد کی تھی۔ یہ ۳۱ اگست کا واقعہ ہے۔

لکھنؤ میں گرفتاریاں | ۱۰ ستمبر کو پولیس نے یوپی مجلس احوار کے مرکزی دفتر پر چھاپہ مار کر مدح

مستر ریاض الدین کو گرفتار کر لیا۔ اس سے پیشتر بہت سے اجراء کارکنوں کو زیر دفعہ گرفتار کیا جا چکا تھا۔

اتحاد ملت کا پارلیمنٹری بورڈ | لاہور ۱۶ ستمبر کو شیخ صادق حسن امرتسری کی صدارت میں مجلس اتحاد ملت کا ایک اجلاس ہوا، جس میں ایک پارلیمنٹری بورڈ قائم کیا گیا۔ جس کے ارکان حسب ذیل ہیں۔

مولانا ظفر علی خاں، مولانا عبدالقادر قصوری، ڈاکٹر محمد عالم، مولانا محمد اسحق (دانسہرہ)، سید زین العابدین (ملتان)، شیخ صادق حسین (امرتسر)، چودھری غلام حسن، ڈاکٹر محمد نواز، ملک علی بہادر صدر میونسپل کمیٹی حافظ آباد، ملک لال خاں میونسپل کمشنر گوجرانوالہ، ملک لال دین قیصر (لاہور)، میاں فیروز الدین احمد، ظہیر الدین ایڈووکیٹ (انبالہ)، سید عظمت علی وارثی ایڈووکیٹ (کرناٹ)، سید دیوان علی شاہ ایڈووکیٹ لاہور، مولانا غلام محی الدین احمد بی۔ اے، راجہ عبدالرحمن ایڈووکیٹ (راولپنڈی)، شیخ عبدالرحمن (ترنٹارن)، ضلع امرتسر، پرونیس ملک عنایت اللہ، خان محمد نواز میونسپل کمشنر فیروز پور، پیر زادہ عبدالحمید ایڈووکیٹ (جاندھر)، ملک نصر اللہ خاں عزیز مدیر زمیندار، کامریڈ یعقوب الحسن۔ کل میں ارکان۔

مسجد شاہ چراغ کا قبضہ دیدیا گیا | ۱۶ ستمبر کو مسجد شاہ چراغ کا قبضہ انجمن اسلامیہ کو دے دیا گیا۔ جہاں اسی وقت نماز ظہر ادا کی گئی۔ یہ مسجد اسی سال کے بعد مسلمانوں کے قبضہ میں آئی۔

مجلس احرار کامرزی اجلاس | ۲۵ ستمبر کو مولانا مظہر علی اظہر کی صدارت میں مجلس احرار کامرزی اجلاس ہوا، جس میں دیگر امور کے علاوہ آئندہ اکتوبر میں آل انڈیا احرار پبلیک کانفرنس لاہور میں کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

جمعیتہ علماء ہند کا اجلاس | نیو دہلی ۲۴ ستمبر کو مرکزی جمعیتہ العلماء ہند کا ایک اجلاس ہوا۔ جس میں برادران وطن کے اس رویے کے خلاف اظہارِ ناراضگی کیا گیا کہ انہوں نے کیمپوٹل ایوارڈ کے خلاف بلاوجہ پروپیگنڈہ شروع کر رکھا ہے، جن سے ملک میں مزید فرقہ وارانہ اختلاف کو آگے بڑھنے کا موقع ملے گا۔

پنجاب تقسیم ہو گیا | اپنی ثقافتی زندگی میں پنجاب مخصوص بانیع و بہار کا ملک ہے۔ اس کے بیل و نہار میں آبشاروں کا ترغم، کوہ و بیاباں کی رونقیں، نہروں اور دریاؤں

کے ہنگامے، سرسبز اور لمبھاتی کھیتیاں، جواؤں میں موسیقی، جوان دوشیزاؤں کی طرح جوانی کے ابھار پر دکھائی دیتی ہے۔ پنجاب کے گھبر و بسنت بہار کی طرح اپنے چہروں پر جوان موسم کا رنگ چھانے جب راوی اور چناب کے کناروں پر عجول گشت ہوتے ہیں تو فضاؤں میں ہزاروں لہریں اور سونبیاں ان کی بلائیں لیتی ہیں۔ ان کے قدم ڈھول اور چمپے کی لے پر تھرکتے ہیں تو سارا پنجاب ناچنے لگتا ہے۔ مگر آہ یہ پنجاب مرچکا۔ اس کی بہاریں چرائی گئیں۔ اس کے دریاؤں کا پانی دکھی آنکھوں سے آنسو بن کر بہ گیا۔ اس کے جوان جوانرگ ہو گئے اور اس کی لمبھاتی کھیتوں میں خاک اڑنے لگی۔ اس کے تمدن پر منوں ریت ڈال دی گئی۔ تاکہ اس کے گل بوٹے جوانرگی کا شکار ہو جائیں۔

کوئی راجل ارشد ہے جو گم کردہ بہاروں کو ڈھونڈ لائے؛ کوئی ان راہوں کی نشاندہی کر سکتا ہے، جن راہوں سے پنوں کے بھائی سسی کا ساگ لوٹ کرے گئے ہیں؛ اگر نہیں تو ان قبروں کے نشان تلاش کرو۔ جن میں پنجاب کی ثقافت دفن کر دی گئی۔ شمشان بھومیوں کی راکھ ڈھونڈو! شاید کوئی چنگاری سلگتی ہو۔ لیکن نہیں۔ سنگلاخ وادیوں کی ہر چیز بے آب و گیاہ زمین کی طرح خشک ہو چکی ہے۔

اتحاد پنجاب کی آخری پونجی تھا۔ لیکن تن آسان لوگوں کا ٹولہ اسے بھی اپنی خواہش کی بھینٹ چڑھا چکا۔ اب یہ شاخ ٹوٹ کر گر چکی ہے۔ سال ۱۹۴۶ء اس کے برگ و باد بھی سمیٹ کر لے گیا۔ اگر پنجاب کے رحبت پسند ذرا حوصلے سے کام لیتے تو پنجاب کا اتحاد برصغیر کا نقشہ جدید انداز سے کھینچتا۔ مگر سیاسی طالع آزماؤں نے بھانوی سامراج کے کئے میں آن کر ایسے واقعات کو جنم دیا کہ اس صوبے کے مسلمان چار ٹکڑوں میں تقسیم ہو کر رہ گئے۔ مجلس احرار یا مسلم لیگ، اتحاد ملت اور یونینسٹ پارٹی کے مسلم ارکان جدا جدا راہوں پر سفر کر رہے گئے۔ حالانکہ یہ سب صراطِ مستقیم کے مسافر تھے۔ مگر ان کی موج اور مکر نے انہیں اپنی اغراض کے لیے اس کر سیدی راہ پر ڈال دیا کہ انہیں منزل کا نشان نہ مل سکے۔

مسلم لیگ اور مجلس احرار اگر اکیٹ ۱۹۴۵ء کے الیکشن ایک ساتھ رہ کر اڑتے تو پنجاب کی وزارت یہ ترتیب دیتے۔ اس طرح نہ یونینسٹ کو اقتدار ملتا، نہ پنجاب تقسیم ہوتا۔ مگر آہ یہ لوگوں کو مارا جگر کے شہروں نے۔ جگر کو بتراسب نے مارا۔

تیزاب ڈالنے کی تحریک کا خاتمہ | کوئی بھی تحریک ہو۔ جب تک اس کے رہنماؤں میں
عزم اور باہمی اعتماد نہ ہوگا۔ کامیابی نہیں ہوگی۔

سال رواں کے شروع میں امرتسر میں ایک نیم دہشت پسند تحریک کا آغاز ہوا۔ پٹرکسوں
میں تیزاب ڈالنا اس تحریک کے کارکنوں کا مقصد تھا۔ رات کے اندھیرے میں چھپ کر یہ لوگ
شہر کے مختلف سرکاری پٹرکسوں کو جلا دیتے، جس سے حکومت کی پریشانی میں اس قدر اضافہ
ہوا کہ اس کی شہری انتظامیہ معطل ہو کے رہ گئی۔ اس تحریک کے کسی مجرم کا گرفتار نہ ہونا حکومت
کے لیے اور بھی حیرانی کی بات تھی۔ صرف ایک کارکن شیخ سلیم احمد گرفتار ہوا۔ یہ نوجوان امرتسر کا
باشندہ تھا۔ اس کے والد شیخ حبیب اللہ الایڈبنک امرتسر کے خزانچی تھے۔

۲۹۔ ستمبر کو اس تحریک کا ایک اور نوجوان خواجہ منظور احمد امرتسر سے گرفتار کر لیا گیا۔ یہ
کانگریس کے مشہور لیڈر خواجہ عبدالرحمن کا بیٹا تھا۔ خواجہ منظور احمد ۱۹۲۲ء کو امرتسر میں مولوی
محبوب احمد المعروف خیر شاہ کے ہاں کٹڑہ بگھیاں میں پیدا ہوا۔

گرفتاری کے بعد منظور احمد نے پولیس کے روبرو بیان دیتے ہوئے کہا کہ ہم ایم۔ بی۔ ہائی
سکول کے چند طالب علم تھے جنہیں سرور صہبکت سنگھ کے کاموں نے متاثر کیا تھا۔ چنانچہ ہم نے
شیخ سلیم احمد کو اس گروپ کے لوگوں سے ملاقات کے لیے لاہور بھیجا کہ وہ ہمیں اپنی پارٹی میں
شامل کر لیں۔ مگر انہوں نے آزمائش کے طور پر ہمارے پیروی کا کام کیا۔ ابھی ہم ابتدائی منزلوں میں تھے
کہ ہمارے ایک ساتھی کامرپنڈ پٹالال نے مخبری کر دی اور ہم سب گرفتار کر لیے گئے۔

رہائی کے بعد خواجہ منظور احمد کا کہنا ہے کہ میرے بیان کے بعد جب مقدمہ عدالت میں
لے جایا گیا تو میں اپنے ابتدائی بیانات سے معرت ہو گیا۔ لیکن پٹالال بدستور سلطانی گواہ بنارہا۔
میں نے عدالت میں کہا کہ میرا سابقہ بیان پولیس کے بے جانشد کی وجہ سے ہے ورنہ کامرپنڈ
پٹالال اس کام کے کرنے والوں میں صفت اول کا آدمی ہے۔ چونکہ ہمارے مقدمہ میں کوئی
عینی شاہد نہیں تھا، لہذا عدالت نے مجھے اور دوسرے ساتھیوں کو ایک ایک سال قید کی سزا
دی۔ لیکن اپیل میں سب بری کر دیے گئے۔ پٹالال بطور سرکاری گواہ کو بھی ابتدائی مراحل میں ہی
بری کر دیا گیا۔ رہائی کے بعد میں مجلس اہل حق میں شامل ہو گیا۔ اور اس طرح امرتسر میں یہ تحریک ختم ہو گئی۔

رواں تحریک | پنجاب اور ہندوستان کے دیگر صوبوں میں تشدد اور انکیشن کی تحریکیں زور پکڑ رہی تھیں۔ ہمیشہ پسند کردہ نہ تو کانگریس کی تحریک کو پسند کرتا تھا، نہ مسلم لیگ کی پالیسی اس کے نزدیک آزادی کے لیے کارآمد تھی۔ آخر اندک روزوں جا عتیں ایکٹ ۱۹۳۵ء کے آئین کو اپنے روشن مستقبل کا ذریعہ سمجھے ہوئے تھے۔ جبکہ کمیونسٹ پارٹی کا فیصلہ تھا کہ کھلوتے دے کر بہلا یا گیا ہوں

احراران دنوں لکھنؤ کی سول نافرمانی میں مصروف تھے۔ پنجاب سے شیعہ حضرات کے قافلے لکھنؤ پہنچ کر قریح صحابہ کرتے ہوئے گرفتار ہو رہے تھے۔ چنانچہ مسلم لیگ کے شیخ کرامت علی نارووال سے ایک جتھے لے کر لکھنؤ گئے۔ ان کے مقابل مولانا منظر علی اظہر کے فرزند اکبر مصطفیٰ ایڈووکیٹ لاہور سے مدح صحابہ کرنے لکھنؤ گئے۔ ان کے علاوہ ہندو زابل سنت کی طرف سے کوئی قافلہ پنجاب نہیں گیا تھا۔ اس تحریک کو ابھی تک بھوپلی مجلس احرار ہی سنبھالے ہوئے تھے۔ لکھنؤ میں دفعہ ۱۴ کے تحت گرفتاریاں جاری تھیں۔ ۳۰ اکتوبر کو حسب دستور مسجد ٹیلا پر ایک ہزار مسلمانوں کا اجتماع ہوا۔ جنہوں نے ۱۴ اکتوبر کی تحریک کی حمایت میں تقریریں کیں۔ آخر میں احرار سرخوشوں کے دو قافلے کیے گئے۔ ایک مدح صحابہ کرتے ہوئے اگلے، دوسرے گرفتار کر لیا گیا۔

انہی دنوں شیعہ حضرات نے ایک قرار دے کے ذریعے مجلس احرار سے مدح صحابہ کرنے پر نفرت کا اظہار کیا اور حکم دیا کہ انہیں سخت سے سخت سزا دی جائے۔

تحریک مدح صحابہ کے سلسلے میں مسٹر جی کاشی نے سلاطین اسہلی میں تحریک کا آغاز کیا۔ تحریک اب اتوا پیش کرنی چاہی۔ لیکن گورنر جنرل نے اسے غیر ضروری قرار دیتے ہوئے اس کا رد کیا۔ حکومت سے متعلق ہے۔

احرار پر نیشنل کانفرنس | ۱۷ سے ۲۰ اکتوبر تک ایسٹ آباد ضلع ہزارہ میں پر نیشنل احرار کانفرنس کا اجلاس ہوا۔ مولانا عبدالقیوم پوپلزی مفتی سرحد اس اجلاس کے صدر تھے۔ کانفرنس کے آخری دن (۲۰ اکتوبر) حکومت سرحد نے دفعہ ۱۴ کے تحت کانفرنس کے باقی

اجلاس خلافت قانون قرار دے دیے۔ نیز حضرت امیر شریعت میر عطاء اللہ شاہ بخاری، مرزا غلام نبی جانپناز اور مولانا لال حسین اختر کو ضلع ہزارہ سے فوراً نکل جانے کا حکم دیا۔ اس کے ساتھ ہی دو ماہ کے لیے ضلع ہزارہ کے احوال کارکنوں کی تقریروں پر پابندی عائد کر دی گئی۔

اس سے پیشتر کانفرنس کے اجلاس میں سرحدی قبائل پر بمباری، مسجد شہید گنج میں حکومت پنجاب کی جانبدارانہ پالیسی اور مکتوز میں مدح صحابہ پر پابندی کے خلاف حکومت یوپی کی مذمت میں قراردادیں منظور کی گئیں۔

مالیر کوٹلہ کے مہاجرین | ریاستوں کے رئیس خواہ کسی حقیقہ یا مذہب سے ہوں۔ اپنی حیاشی کے سوا، رعایا کے حقوق سے انہیں ہمیشہ غافل اور بے تعلق پایا گیا۔ محلات کی اونچی دیواروں کی اوٹ میں جس قدر گھناؤنے جرائم کے یہ لوگ مرتکب ہوئے ہیں، اگر کمیں انہیں انسانیت کی کسی عدالت میں پیش کیا جائے تو ان کی فرد جرم سے ابن آدم کو شرم آنے لگے۔ لیکن برطانوی سلراج کے سیاسی اغراض نے ایک صدی تک ان کی پردہ پوشی کی، لیکن راجاؤں اور نوابوں کے گناہوں کی سزائیں غریب رعایا کو ہی مجرم قرار دیا گیا۔

ریاست مالیر کوٹلہ کی مسلم رعایا اپنے نواب احمد علی خان بہلور سے ہمیشہ نالاں رہی۔ اس پر غیر مسلم اس قدر سر چڑھے کہ آئے دن مسلمانوں کی مذہبی اور معاشرتی زندگی پریشان ہو کے رہ گئی۔ مسجدوں میں حرام کے گوشت پھینکے جاتے۔ جدیدین کی نمازوں پر قدغن لگائی گئی۔ ذرا ذرا سے جھگڑے کو فرقہ وارانہ قرار دے کر مسلمانوں کو مجرم قرار دیا جانے لگا۔ اگر مسلمان احتجاج کرتے تو دادرسی کی بجائے ان پر مقدمات قائم کیے جاتے۔

مجلس احوار نے ان واقعات کا کئی دفعہ نوٹس لیا اور نواب آف مالیر کوٹلہ سے درخواست کی کہ وہ مسلمانوں کے جائز حقوق کی پاسداری کریں اور انہیں ہندوؤں اور سکھوں کے تشدد سے آزادی دلائیں۔ لیکن نواب نواب ہوتے ہیں۔ ان کے کان سونے اور جواہرات کے آویزوں سے اس قدر بوجھل ہو گئے ہوتے ہیں کہ رعایا کی آواز کا دل تک رسائی کرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔

آخر یکم اکتوبر ۱۹۳۹ء کو مالیر کوٹلہ کے مسلمان ریاست سے ہجرت کر کے لاہور پہنچ گئے۔ لاہور کے مسلمانوں نے اپنی روایات کا ثبوت دیا۔ ۳۰ اکتوبر کو حضرت مولانا احمد علی لاہوری کی صدارت میں

مجلس احوار اور اتحاد ملت کا مشترک اجلاس ہوا، جس میں ایک کمیٹی مرتب کی گئی۔ جس کے صدر میاں عبدالعزیز ایڈووکیٹ قرار پائے۔ باقی ارکان میں چودھری افضل حق، مولانا داؤد غزنوی، فیروز الدین احمد اور شیخ عنایت اللہ شامل تھے۔ روزنامہ مریاست کے ایڈیٹر مولانا سید حبیب نے نواب صاحب کے ایما پر مہاجرین کے خلاف لکھا۔ جس پر لاہور کے علاوہ تمام پنجاب میں ان کے خلاف سخت تنقید ہوئی۔ اس اجلاس میں اخبار مذکور کے خلاف سخت نفرت کا اظہار کیا گیا اور نواب صاحب اور مہاجرین کے درمیان سمجھوتہ کرایا جانا بھی طے پایا۔

سرسکندر حیات کی واپسی | میاں سرفضل حسین کی موت کے بعد یونینسٹ پارٹی کی میڈر شپ کافی دیر متنازعہ رہی۔ آخر ۲۰۲۰ اکتوبر کو سکندر حیات شکوں کی ڈپٹی گورنری سے مستعفی ہو کر لاہور پہنچ گئے۔ ۲۰۲۰ اکتوبر کو نواب آف مدوٹ کی قیامگاہ پر یونینسٹ پارٹی کا اجلاس منعقد ہوا۔ جس کی صدارت سکندر حیات نے کی۔ سب سے پہلے اس اجلاس میں سکندر حیات کا شکریہ ادا کیا گیا کہ انہوں نے بھاری تنخواہ کو لات مار کر پارٹی کی عنان اقتدار سنبھالی۔ اس قرارداد کی تائید میں خان بہادر حبیب اللہ، ملک فتح خاں، خان بہادر مشتاق احمد گورانی، چودھری ریاست علی اور رائے بہادر چھوٹو رام نے تقریریں کیں۔

انتخاب کا آغاز | ۱۱۔ اکتوبر کو مسلم لیگ کے صدر مٹر محمد علی جناح نے اپنی جماعت کی طرف سے الیکشن پروپیگنڈے کا آغاز کرتے ہوئے کہا۔

- ۱۔ ہم کونسلوں اور اسمبلیوں کے اندر غیر فرقہ وارانہ پارٹیاں بنانے کے لیے تیار ہیں۔
- ۲۔ پنجاب کا پریس دیدہ دانستہ بورڈ کے مقاصد کو غلط طریق پر پیش کر رہا ہے کہ لیگ فرقہ وارانہ پارٹی ہے۔ میں پوچھتا ہوں، یونینسٹ پارٹی میں کئی ہندو ممبر ہیں۔ کیا وہ غیر فرقہ وارانہ پارٹی ہے؟

۳۔ پنجاب کا حال تو یہ ہے کہ یہاں وزارت پہلے ہی سے بن چکی ہے۔ میں اس وزارت کو توڑنا چاہتا ہوں۔

۴۔ پنجاب میں مسلمانوں کو اکثریت حاصل ہے۔ پھر میں انہیں اس بات کی اجازت نہیں دے سکتا کہ وہ دوسرے فرقوں سے نا انصافی کریں۔

۵۔ اگر سرسکندر حیات غیر ذمہ دار نہ پا رہی بنانا چاہتے تھے تو کیوں انہوں نے آج سے پہلے ریزرو بینک کی نمبری سے استعفیٰ نہ دیا؟

۶۔ میں ایسا آئین تیار کرانا چاہتا ہوں جو آزادی ملک کے لیے ہندوؤں سے تعاون کرے۔
(روزنامہ انقلاب ۱۵۔ اکتوبر ۱۹۳۶ء)

روزنامہ انقلاب لاہور کے ادارے کا قیام کے مندرجہ بالا چھ نکات پر روزنامہ انقلاب نے لکھا:

• بیگ بورڈ اور مسٹر خاج کے ارشادات مسلمانوں کی تنظیم کی بجائے تفرقہ انگیز ہیں۔

(۱۶۔ اکتوبر ۱۹۳۶ء)

مسٹر خاج کی لاہور والی تقریر کے متعلق جو ہم اپنی گذشتہ اشاعتوں میں عرض کر چکے ہیں اور تفریقین ملاحظہ فرما چکے ہوں گے۔

”انہوں (مسٹر خاج) نے صوبے کے ہندوؤں، مسلمانوں اور سکھوں میں سے ترقی خواہ عناصر کو متنبہ کیا ہے کہ پنجاب میں ایک ایسی وزارت بن چکی ہے جو گورنر کی تجویز پر بنائی گئی ہے۔ سب کو چاہیے کہ اس کے مقابل اپنی مرضی کی وزارت قائم کریں۔ نیز کہا کہ اتحاد اسی سکیم کا پہلا مرحلہ ہے۔“
(۱۸۔ اکتوبر ۱۹۳۶ء)

نواب آف ملیر کوٹلہ کا اعلان ۱۵ اکتوبر کو مقرر کردہ وفد نے نواب آف ملیر کوٹلہ سے ملاقات کی اور ان کی مظلوم رعایا پر ان کی ریاست میں جو کچھ گزر چکا ہے اس کے متعلق پیش کیا، جو کہ نواب صاحب نے نہایت توجہ سے سنا اور وعدہ فرمایا کہ کوئی ایسی بات

نہیں جس پر غور نہ کیا جاسکتا ہو۔ میں بہت جلد ایسے لوگوں کو ان کے گھروں میں واپس بلاؤں گا۔ اس وعدہ کے چار روز بعد ۱۹ اکتوبر کو نواب احمد علی صاحب بہادر والئی ملیر کوٹلہ نے اعلان کر دیا کہ

ریاستی مہاجرین کے تمام مطالبات منظور کر لیے گئے ہیں۔ ہجرت کرنے والے اپنے اپنے گھروں کو واپس آجائیں۔ اس ضمن میں تمام قیدی رہا کر دیے جائیں گے اور واپس آنے والوں سے کسی قسم کی باز پرس نہیں کی جائے گی۔ تعلقہ پولیس افسروں کو ان کی ذمہ داریوں سے علیحدہ کر دیا جائے گا۔ اسی طرح نواب صاحب

نے کہا، مجھے امید ہے کہ رہایا بھی ریاست کے وقار کا خیال رکھے گی۔

(نوٹ)۔ نواب صاحب سے گفتگو کے لیے جو وفد گیا۔ اس میں چودھری افضل حق کی جگہ شیخ حسام الدین شامل کر لیے گئے تھے۔

۲۰۔ اکتوبر کے اخبارات میں حکومت پنجاب نے اعلان کیا کہ خان بہادر مظفر خان نئے ریونیو ممبر | ریونیو ممبر ۲۰ اکتوبر سے چار ماہ کی رخصت پر جا رہے ہیں۔ ان کی جگہ سرسکندہ کو عارضی طور پر پنجاب کا ریونیو ممبر مقرر کیا گیا ہے۔

نواب مظفر خاں سے پیشتر اس عہدے پر سر فضل حسین (مرحوم) متعین تھے۔ حکومت نے سرسکندہ ریات کو پنجاب میں ریونیو ممبر کا عہدہ سونپ کر یونینسٹ پارٹی کو آئندہ الیکشن میں کامیاب کرانے کی ایک تجویز سوچی جو بالآخر کامیاب رہی۔

بعض نام نہاد مسلم لیگیوں اور یونینسٹ پارٹی کے | آل انڈیا احرار پولیٹیکل کانفرنس لاہور | اغراض پسندوں کی سازش سے جب مجلس احرار

اور مسلم لیگ کے راستے جدا ہو گئے تو مجلس احرار نے من حیث الجماعت اپنے وجود کی بقا کے لیے اپنی انگ راہ تلاش کی۔ گوان دنوں احرار کے راستے میں یونینسٹ پارٹی حکومت سمیت پنجاب مسلم لیگ یونینسٹ کی نہمڑی میں اور اتحاد ملت، پہاڑ کی طرح حائل تھیں۔ مگر کاروان حریت ان سب کو روندتا اور رکاوٹوں سے ماورمی چلتا جا رہا تھا۔ اور چلتا رہا، تا آئندہ تمام رکاوٹیں ریت کے گھروندے ثابت ہوئیں۔

۲۲-۲۳ اور ۲۴ اکتوبر ۱۹۳۶ء کو آل انڈیا احرار پولیٹیکل کانفرنس کے عظیم اجلاس لاہور میں ہوئے۔ ۲۲- اکتوبر کو کانفرنس کے منتخب صدر سید محمد احمد کاظمی ایم ایل اے کے جلوس دن کے دو بجے دہلی دروازہ احرارنگر سے روانہ ہوا۔ جلوس کی پذیرائی کرنے والوں میں انجمن خدام المسبین لاہور چھاؤنی، جیش مجلس احرار اسلام ہری پور ہزارہ، جیش مجلس احرار اسلام مزنگ لاہور، جیش مجلس احرار اسلام امرتسر، جیش مجلس احرار اسلام انبالہ، جیش مجلس احرار اسلام کھیالی، ضلع گوجرانولہ، جیش مجلس احرار اسلام گجرات، غازی جیش امرتسر، جیش مجلس احرار اسلام فیروز پور۔ جیش مجلس احرار اسلام ہنگ، غازی کور لاکپور، مجاہد کور گوجرہ، ضلع لاکپور، جیش مجلس احرار اسلام

جا کے (ضلع سیالکوٹ) پیش مجلس احوار اسلام عثمان والا و ضلع میانوالی، پیش مجلس احوار اسلام گورداسپور۔

ان جیوش کے بعد گھوڑ سوار تھے اور ان کے بعد سیالکوٹ مجلس احوار کا بنیڈ اپنے جیوش کے ساتھ اور خالد کور جو برہمنہ تلواریں لینے ہوئے تھے۔ ان کے درمیان صاحب صدر کی کار تھی، جن کے ساتھ مولانا منظر علی انظر اور صاحبزادہ فیض الحسن بیٹھے تھے۔

یہ عظیم جلوس اندرون دہلی دروازہ سے شہر میں داخل ہوا۔ اور شام ۷ بجے کے قریب بھاٹی دروازہ سے ہوتا ہوا احوار نگریں ختم ہوا۔ راستے میں اکثر مقام پر چھوٹوں کی بارش کی گئی موسم کے مطابق چائے اور پانی سے جلوس کی تواضع کی گئی۔ جلوس کا انتظام احوار گوریوں کے سپرد تھا۔ بھاٹی دروازہ سے باہر چند غیر ذمہ دار لوگوں نے تلخی پیدا کرنی چاہی، جنہیں جوازوں نے درست کر دیا۔

کانفرنس میں پنجاب، یوپی، بمبئی اور بہار کے ڈیپٹی کمشنروں کی ایک بھاری تعداد موجود تھی۔ ان کے علاوہ پشاور، راولپنڈی اور صوبہ سندھ سے کافی ڈیپٹی کمشنروں نے بھی شرکت کی۔

۲۲- تاریخ بعد نماز عشا مولانا محمد احمد کاظمی کی صدارت میں پہلا اجلاس قرآن کریم کی تلاوت سے شروع ہوا۔ شعراء کی دو انگیز نظموں کے بعد منتخب صدر نے فرمایا۔

”مسلمانان ہندوستان اس وقت ایسے مقام پر کھڑے ہیں، جہاں سے دو راہیں نکلتی ہیں۔ ایک اتحاد و اتفاق اور وحدت و تنظیم کی ہے اور دوسری اختلافات و تفریق کی اور فساد کی راہ ہے۔ ایک عزت اور کامرانی کی راہنمائی کرتی ہے اور دوسری ناکامی کی طرف۔“

مسلمانوں کی فطرت تمام انسانوں کی طرح جبر و اختیار کے درمیان ہے۔ نہ وہ اتنے مجبور ہیں کہ سیدھی راہ اختیار نہ کر سکیں اور نہ اتنے مختار و مطلق ہیں کہ حالات کی مجبوریوں کی وسیع خلیج کو کم کر سکیں۔ اصل چیز ان کی قوت فیصلہ ہے۔ اگر یہ قوت فیصلہ موجود ہے اور پوری طاقت کے ساتھ موجود ہے تو ان کا فیصلہ بہترین فیصلہ ہوگا اور بہترین طاقت پر مبنی ہوگا۔

دوستو! اب ہمارے سامنے ملک کی آزادی کا ایک اعلیٰ مقصد ہے۔ اور اس کی تکمیل کے لیے ایک پروگرام ہے۔ ہمیں اپنے پروگرام کی رہنمائی حاصل ہے، جو پچھلی صدی کے علماء کی طرح اپنی ذات کے لیے نہیں۔ بلکہ وہ دوسروں کے لیے قربانی کرتے رہے ہیں۔ ہر دست جو پروگرام ہمارے سامنے ہے، وہ کونسلوں اور صوبائی اسمبلی کے نمائندگان کا انتخاب کا ہے۔ جس کے لیے ہر قسم کی کشمکش ہو رہی ہے۔ مختلف سیاسی جماعتوں کے جھگڑوں کے درمیان کچھ بدگمانیاں ہیں۔ لیکن میرے نزدیک ان بدگمانیوں کی وجہ سے کشمکش زیادہ تر اس جرم پر ہے کہ اسمبلی کی ممبریوں کو زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔ اور کہا جا رہا ہے کہ مسلمان سیاسیات میں پیچھے ہیں۔ حتیٰ کہ پچھلی گول میز کانفرنس کے انعقاد کے وقت ہمارے برادران وطن کا خیال یہ ہو گیا کہ مسلمان ان کے دوش بدوش نہیں چل سکتے۔ اس لیے انہوں نے کانفرنس مذکور میں شرکت کرتے ہوئے انگلستان جاتے وقت یہ بھی سمجھ لیا کہ وہ تنہا بلا شرکت مسلمانوں کے سوراخ سے آئیں گے۔ اس لیے انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ معاملات طے نہیں کیے۔

مگر حضرات! یہ درست نہیں کہ مسلمان سیاسیات سے دور ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ عرصہ ۱۴ سال کا گزرا ہے کہ ہندوستان میں اشاعت اسلام کے مضمون پر ایک انگریز نے ایک رسالہ لکھا تھا جس میں یہ درج ہے کہ مسلمان کی سیاسی تعلیم محض کتابی اور ذہنی ہے۔ لیکن ہماری تعلیم کا سلسلہ ساڑھے تیرہ سو برس پہلے سے ۱۸۵۰ء تک جاری رہا ہے۔ بے شک ہم دھوکے میں رہے۔ مگر اب مسلمان سیاسیات میں سرگرمی سے حصہ لے رہے ہیں؟

آخر میں صدر کانفرنس نے مسلمانوں کی مذہبی معلومات اسٹڈنٹس فلسطین اور مدح صحابہ پر مفصل تبصہ کیا۔ نیز مجلس استقبالیہ کے محرزین کا حکریہ ادا کیا۔

صدر کانفرنس سے پہلے صدر استقبالیہ مولانا منظر علی ظہر نے اپنے خطبہ استقبالیہ میں کہا کہ ”ہندوستان کی غلامی قوموں کی باہمی نفرت کا نتیجہ ہے۔ ملک کی اقتصادی بحالی“

بے کاری، مسئلہ فلسطین، تحریک مدح صحابہ پر میر حاصل تبصرہ کیا۔ آخر میں تحریک مسجد شہید گنج کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے کہا:

گزشتہ سال بعض خود غرض افراد نے سکھوں اور حکومت کی مخالفت کی بجائے مجلس احرار کو فنا کرنے کی کوشش کی۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ یہ جماعت آج پھر اپنی شاندار روایات کے ساتھ زندہ ہے۔ اور ایسی ہزاروں سازشوں کے باوجود زندہ رہے گی۔

آپ نے آئندہ الیکشن کا تذکرہ کرتے ہوئے عوام الناس کو مشورہ دیا کہ وہ رجعت پسندوں کی امداد نہ کریں، بلکہ ان بے خوف اور ایماندار لوگوں کو دھڑکے کا میاب کرائیں، جو حکومت اور حکومت کے گماشتوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر سکیں، جنہیں ملک اور مذہب کی پاسداری کا خیال ہو۔

رسم پرچم کشائی | ۲۲۔ اکتوبر صبح نو بجے احرار کا سرخ پرچم جس پر سفید چاند تارہ بنا ہوا تھا صدر کانفرنس نے احرار پارک میں لہرایا۔ اس موقع پر مولانا انور صابری، خواجہ عبدالرحیم عاجز اور جانباز مرزا نے اپنی جوشیلی اور جذباتی نظموں سے پرچم کی اہمیت واضح کی۔ دس ہزار سے زائد سرخ پوش رضا کاروں نے بینڈ کی فوجی دھنوں کے ساتھ پرچم کو سلامی دی۔

۲۲۔ تاریخ کو رات دو بجے کانفرنس کی کارروائی ختم ہوئی، جس میں حسب ذیل قراردادیں منظور کی گئیں۔

قراردادیں | ۱۔ آل انڈیا احرار پولیٹیکل کانفرنس لاہور کا یہ اجلاس اس حقیقت کا اعادہ کرتا ہے کہ ہندوستان کی اخلاقی، سیاسی اور معاشرتی مشکلات کا ماحصل آزادی ہے اور مسلمانان ہند سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ حصول آزادی کے لیے ہر ممکن کوشش کریں مزید برآں یہ اجلاس اس حقیقت کا بھی اعلان کرتا ہے کہ اسلامی اور الیشیائی مقبوحات کی نجات بھی ہندوستان کی آزادی سے وابستہ ہے۔

۲۔ آل انڈیا احرار پولیٹیکل کانفرنس لاہور کا یہ اجلاس حکومت ہند اور صوبائی حکومتوں کی ہندوستان کے بے کاموں کے متعلق غفلت شکاری پر اظہار مذمت کرتا ہے اور اس

جرمانہ عقلت کو اصول حکومت کی طرح خلاف عدلی تصور کرتے ہوئے مطالبہ کرتا ہے کہ
ذمت بلاتا خیر مزید تمام ہندوستان میں تعلیم و غیر تعلیم یافتہ، ہر اور غیر اہلے کاروں کی
فہرستیں تیار کر دے اور ان کو کام پر لگانے کے لیے مناسب تدابیر اختیار کرے۔

۳۔ آل انڈیا احوار پولیٹیکل کانفرنس لاہور کا یہ اجلاس حکومت کی اس متشددانہ پالیسی
پر جس کے ماتحت مولوی غنایت اللہ امیر جماعت احرار قادیان اور دیگر کارکنوں کو
مختلف سزائیں دی گئیں ہیں، اظہارِ مذمت کرتا ہے اور صریح مداخلت فی الدین
تصور کرتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ مسلمان، قادیانی فتنہ کو کسی صورت میں برداشت
نہیں کر سکتے۔ نیز صوبہ سرحد میں جو غیر معمولی تدابیر قادیانیوں کی حفاظت کے لیے
حکومت کی طرف سے اختیار کی جا رہی ہیں، ان پر اظہارِ نفرت کرتا ہے۔

۴۔ آل انڈیا پولیٹیکل کانفرنس لاہور کا یہ اجلاس فلسطین کے مسلمانوں کے ساتھ موجود
مہاتب میں پوری ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے حکومت برطانیہ کی استعمار پرستی اور
یہود نوازی کی سخت مذمت کرتا ہے اور تحقیقاتی کمیشن کے تقرر کو یورپ میں اقوام
کی مخصوص چال تصور کرتا ہے، جس سے کسی صورت میں بھی انصاف کی توقع نہیں
ہو سکتی۔

۵۔ آل انڈیا احوار پولیٹیکل لاہور کا یہ اجلاس اس وقت جیسا کہ ملک میں سول نا فرائی
اور بے چینی کی بجائے بالکل امن و سکون ہے۔ سرخپوشان سرحد پر پابندیوں کو
سراسر خلاف انصاف تصور کرتا ہے۔ اور حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ ان پابندیوں
کو جلد از جلد دور کر دے۔

نیز یہ اجلاس فخرناغہ خاں عبدالغفار خاں صاحب کے صوبہ سرحد میں داخلہ پر
پابندی کے خلاف اظہارِ مذمت کرتا ہے اور حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ اس
پابندی کو فوراً دور کر دیا جائے۔

۶۔ آل انڈیا احوار پولیٹیکل کانفرنس لاہور کا یہ اجلاس حکومت ہند اور حکومت برطانیہ
کو تنبیہ کرتا ہے کہ انہوں نے ہندوستان کے تمام اسلامی اداروں اور عامۃ المسلمین

کے زیر دست احتجاج کے باوجود ظفر اللہ خاں مرزائی کو جس کی جماعت ناپسنے نے مذہب کی رو سے چند ہزار مرزائیوں کے اسواد دنیا کے متکرر و مسلمانوں کو کافر سمجھتے ہوئے ان کا مذہبی اور سوشل بائیکاٹ کر رکھا ہے۔ گورنر جنرل کی مجلس مشطرہ کارکن منتخب کر کے مسلمانان ہند کو گورنر جنرل کی کابینہ میں نمائندگی سے محروم کر دیا ہے۔ انگریزی حکومت کے لیے اب بھی وقت ہے کہ وہ اپنی اس غلطی کا فوری انسداد کرے ورنہ مسلمانان ہند یہ سمجھنے پر مجبور ہوں گے کہ حکومت مسلمانوں کے دینی اور دنیاوی مخالف کو ان کی گردن پر مسلط کر کے مرزائے قادیان کی نبوت کو فروغ دینے کی خواہاں ہے۔

نیز یہ اجلاس حکومت کی بے اعتنائی اور جمیع مسلمانان ہند کے متفقہ مطالبہ سے بے توجہی کے پیش نظر تجویز کرتا ہے کہ ایک انٹی ظفر اللہ ڈے تمام ملک میں ہٹایا جائے، جس میں اس مطالبہ کا اعادہ کیا جائے۔

۴۔ آل انڈیا احوار پبلیکیشنز کانفرنس کا یہ اجلاس کسانوں اور زمینداروں کی مخلوق کی کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس امر کا پر زور مطالبہ کرتی ہے کہ گورنمنٹ شرح معاملہ راضی کو کم از کم پچاس فیصدی کم کر دے اور آئندہ کے لیے اس اصول کو جو انکم ٹیکس گزاروں پر عائد ہے کہ دو ہزار آمدنی سے کم والے اشخاص مستثنیٰ ہیں۔ اسی طرح زمین سے جب تک زمیندار کو دو ہزار کی سالانہ آمدنی نہ ہو اس پر معاملہ اور لگان بھی منسوخ کیا جائے۔

سیکرٹری استقبالیہ | آل انڈیا احوار پبلیکیشنز کانفرنس کے سیکرٹری استقبالیہ شیخ بشیر احمد رضوی تھے۔ امرتسر کے یہ مشہور قومی رہنما جن کی بیشتر زندگی آزادی وطن کی راہ میں مصائب جھیلے گزری۔ آپ ہوشیار پور کے رہنے والے ہیں لیکن زندگی کا بیشتر حصہ امرتسر میں گزارا۔ ذاتی کاروبار کے علاوہ آپ مقامی کانگریس کے جنرل سیکرٹری اور پنجاب کانگریس کی ورکنگ کمیٹی کے ممبر تھے۔ ۱۹۳۱ء میں قیام مجلس احوار کے بعد آپ مجلس میں شامل ہو گئے۔ آپ مخلص ترین اور محنتی لوگوں میں شمار ہوتے رہے۔ تادم تحریر آپ ادکاٹھ میں مقیم ہیں۔

ان کے زیر اہتمام آل انڈیا احوار کانفرنس نہایت کامیاب اور باحسن طریق سے ختم ہوئی تاریخ

میں شیخ بشیر احمد رضوانی کا کردار ہمیشہ زندہ رہے گا۔

اچھوت تبلیغ کانفرنس آل انڈیا احرار پولیٹیکل کانفرنس کے پنڈال میں ۲۳ اکتوبر کو دن کے

اگیا رہے جسے حضرت امیر شریعت کی صدارت میں تبلیغ کانفرنس شروع ہوئی۔ خطبہ مسنونہ کے بعد شاہ جی نے اچھوتوں میں تبلیغ اسلام کے موضوع پر اڑھائی گھنٹے تقریر کی:

”اس وقت ہمارے سامنے تین مسئلے سب سے زیادہ اہم اور غور طلب ہیں۔ پہلا مسئلہ انتخاب کا ہے جس کا ظاہر اتنا دفریب ہے کہ بڑے سے بڑا تارک الدنیا گرو نشی بھی اس کے حسن فریب کی تاب نہ لاسکا اور بے چین ہو کر میدان عمل میں نکل آیا۔ نہ کوئی ہندو بچا، نہ سکھ، نہ عیسائی۔ مسلمان بھی اس سے بے نیاز نہیں۔ کوئی بھی جماعت ایسی نہیں جو مسئلہ انتخاب میں دلچسپی نہ لگاتی ہو۔

دوسرا مسئلہ ختم نبوت کا ہے۔ چونکہ مسلمان سیاسی جمہنیوں میں بٹ گئے ہیں اس لیے انہوں نے اس طرف توجہ نہیں کی اور ہندوستان کو ابدی غلامی میں جکڑے رکھنے کے لیے قادیانی بنوۃ اپنا جال پھیلا رہی ہے۔ مسلمانوں کو اس دائمی لعنت سے بچنے کے لیے کوئی راہ سوچنی ضروری ہے۔

تیسرا مسئلہ جو اہم ہے اچھوت کا مسئلہ ہے، اور اس وقت تمام ہندوستان کی توجہ بڑا کڑا مہید کار کے اعلانات کی طرف مرکوز ہے۔ وہ پولیٹیکل اچھوت ہے۔ وہ ہندوؤں سے بخوبی واقف ہے اور وہ جانتا ہے کہ ہندوؤں کو دبانے سے کچھ نہ کچھ مل جائے گا۔ اب وہ ٹاٹ پر بیٹھنا نہیں چاہتا۔ لیکن ہندوستان کے آٹھ کروڑ اچھوت جو ہزاروں سال سے حیوانوں کی سی زندگی بسر کر رہے ہیں اور اگر ان کا کوئی پرسان حال نہیں۔ اگر ان کو مساوات و انسانیت کا درجہ کسی مذہب میں حاصل ہو سکتا ہے تو وہ مذہب اسلام ہے۔ اسلام کے سوا دنیا کا کوئی مذہب اچھوت کو اپنے میں جذب نہیں کر سکتا۔

کائنات میں سب سے بڑا غلام اچھوت ہے۔ غلام کا جسم اور اس کی کمائی اپنی نہیں ہوتی، بلکہ مالک کی ہوتی ہے۔ لیکن اسلام نے اگر دنیا میں غلام کا درجہ

بلند کر دیا اور اچھوت پر سب سے بڑا احسان کرنے والے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، جنہوں نے اپنی پھوپھی زاد ہمیشہ زید سے منسوب کر دی، جو غلام تھا۔

مذہب اسلام نے مذہب کے معاملہ میں جبر واکراہ سے کام نہیں، بلکہ اپنے عمل سے اسلام کی تقنین کی کہ ایسے لوگوں سے کیا سلوک کیا جائے جو مسلمان نہیں۔ ”نشہ پلا کے گرانہ تو سب کو آتا ہے“ لیکن بغیر نشے کے کسی کو پچھاڑنا کام رکھتا ہے ہمارا فرض ہے کہ اپنے عمل سے اور اپنے مذہب کی خوبیوں کے ذریعہ اچھوتوں کے ساتھ ایسا سلوک کریں کہ وہ اسلام قبول کرنے پر مجبور ہو جائیں اور سوائے مذہب اسلام قبول کرنے کے ان کے لیے کوئی چارہ نہ رہے گا۔

کردٹ بدلو اور پکڑ لو ان گرے ہوئے اچھوتوں کو اور اپنے سینے سے لگاؤ۔ ہم روپیہ دے کر کبھی بھی ان کی اصلاح نہیں کر سکتے۔ اسلام، اسلام ہے۔ تشنگی بجانے کے لیے دریا کسی کے گھر نہیں جاتے۔ پیاسے ہی دریا پر جاتے ہیں۔ اگر دریا کسی کے گھر جاتے ہیں تو راوی بن کر جاتے ہیں۔ کوئی تلوار کا گر نہیں ہوتی۔ اخلاق کی تلوار انسان کو ہمیشہ کے لیے رام کر لیتی ہے۔ اس لیے اچھوتوں کو ساتھ ملانے اور دینا اسلام میں داخل کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ تم اس خلق عظیم کو اختیار کرو جو اسلام نے بخشا ہے۔“

مجلس احرار کا انتخابی منشور | امرتسر پائونشل احرار پولیٹیکل کانفرنس کے موقع پر مفکر احرار چودھری افضل حق نے جو تقریر بطور صدر کی۔ احرار کی ورکنگ کمیٹی نے اسی تقریر کو آئندہ انتخابات کا انتخابی منشور قرار دے دیا جو حسب ذیل ہے۔

”جماعت احرار اگر اپنا انتخابی پروگرام مرتب کر لے گی مجھے اجازت دے تو میں لفظوں میں مطلب کو نہ چھپاؤں۔ بلکہ صاف صاف اعلان کروں کہ غریب ہی غریب کی مصیبت کو سمجھ سکتا ہے۔ غریب جاہلوں کے بھیجے ہوئے نمائندے ہی ملک کی ۹۵ فی صدی غریب آبادی کی حالت کو بہتر بنانے کا سچا دکھ درد رکھ کر کام کر سکتے ہیں۔ ہندوستان دنیا کا بہترین زیرِ غفلت علاقہ ہے۔ لیکن ملک کی دولت اور تمام کمائی غیر ملکی سرمایہ دار مختلف حیلوں اور بہانوں سے لوٹ کر لے گیا ہے۔ اب بھی اگر چہ لوٹ کھسوٹ

کو بند کرنے کی کوشش کی جائے تو اپیل ملک فاونڈ اقبال ہو سکتے ہیں۔ اندر میں حالات مجلس احوار منہد کے نمائندے ہی ایسے ہو سکتے ہیں، جو انگلستان کے مفاد کے مقابلہ میں کبھی ہندوستانی مفاد کو قربان نہیں کریں گے۔

اگر ہمارا انتخابی حریف یہ اعتراض کرے کہ اقتصادی آزادی سیاسی آزادی حاصل کیے بغیر ممکن نہیں تو میں جواب دوں گا کہ یہ بات تو دراصل ہمارے ہی حق میں ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ملک کے محاصل پر ہمارا پورا قبضہ ہو۔ فوجی اخراجات اور غیر مالک سے معاہدات ہمارے حسب منشاء ہوں درآمد اور برآمد پر ہم حسب منشاء محصول لگا سکیں۔ مجلس احوار سے بڑھ کر سیاسی آزادی کے لیے قربانی کرنے کا کس کو دعویٰ ہے۔ مجلس احوار خلائی کی زنجیریں کاٹنے کے لیے لوگوں کو بلاتی ہے۔ اگر معترض یہ کہے کہ تمہارا پروگرام گورنر اپنے منشاء کے خلاف پا کر چلنے نہ دے گا تو میں جواب دوں گا کہ کیا ہمارے حریف گورنر کے حسب منشاء کام کرنے کے لیے جارہے ہیں؟ اگر یہ بات ہے تو انہیں بھیجا ہی کیوں جائے؟ ہمارا تو دوسری جماعتوں پر اعتراض ہی یہ ہے کہ حکومت کی مرضی کے مطابق کام کریں گی۔ ان کی ذات کو فائدہ ہوگا۔ لوگوں کو نقصان ہوگا۔

اگر آئندہ اسمبلی میں اکثریت ہمارے ہم خیال لوگوں کی ہو۔ اور گورنر کو وزارت کی ترتیب کیلئے بنا پڑے تو سب سے پہلے ہماری پارٹی کا لیڈر بھی کہے گا۔ تیوڑا کیلینسی، جیل اور اسمبلی سے جیسے برابر ہیں۔ نہ جیل کا خوف نہ وزارت میں کوئی کشش ہے، مجھے تو اپنے اہل وطن کی خدمت مطلوب ہے۔ میں خدمت کا جذبہ لے کر یہاں آیا ہوں۔ اگر مجھ پر کوئی ذاتی احسان کرنا چاہتے ہو۔ تو آپ کا شکریہ۔ کسی اور کو وزارت کے لیے آادہ کرو اور مجھے رخصت دو۔ ترتیب کے بعد وہ ان سے کہے گا کہ خدا نے تمہیں خدمت خلق کا موقع دیا ہے اسے غنیمت سمجھو اور لوگوں کی بھلائی میں لگ جاؤ۔ اہل وطن مصیبت میں مبتلا ہیں۔ ان کو تکلیف میں سے نکالو۔ ہمارے وزراء کا اصول سیاست یہ ہوگا۔ کہ وہ برطانوی حکومت کی ناراضگی بھی برداشت کریں گے۔ لیکن وطن اور اہل وطن کے ساتھ عذاری نہیں کریں گے۔ سب سے اول وہ اپنی توجہات افلاس، جہالت کو دور کرنے اور انصاف اور حفظان صحت کی طرف منعطف کریں گے۔ معاملہ سرکار وصول کرنے میں یہ اثر ملحوظ رکھیں گے کہ زمیندار کا پیٹ کاٹ کر تو معاملہ خزانہ میں داخل نہیں کیا جاتا اور تبدیلی اس پیداوار کو معاملہ کے قابل سمجھا جائے گا۔ جو

زمیندار کے خاندان کی پرورش کے بعد بچہ رہے۔ قیم سے معاملہ وصول کرنا بغیر اس امر کی تحقیق کے کہ اس کی پرورش کا کیا انتظام ہے یا بیوہ سے معاملہ وصول کرنا بغیر یہ دریافت کرنے کے کہ اس کا گزارہ ہے یا نہیں قطعاً ناقابلِ فہم ہے۔ ہم ایکٹ انتقال اراضی کے متعلق ضلع دار تحقیق کریں گے کہ کہیں کوئی عمارت اور فرقہ اپنی سرخانہ عمارت کی وجہ سے اراضیات کو غیر معمولی سرعت سے فروخت تو نہیں کر رہا۔ اور اس کے انسداد کا بندوبست کیا جائے گا۔ مبادا وہ فرقہ یا قوم اور چند سالوں میں گزارے سے محروم ہو کر حکومت کی پریشانی کا باعث بن جائے۔ محکمہ امدادِ باہمی کے متعلق ہم اپنی کونسل میں پیش کردہ تصریحات پر قائم رہیں گے۔ یعنی سود پر قرض دینے والی سوسائٹیوں کو تبدیلی کچل کر کے ان کی بجائے قرضہ حسنہ کا طریقہ رائج کیا جائے گا۔ ورنہ سود پر روپیہ دینے والی انجمنوں کی وجہ سے قرض اور قرضہ دونوں تباہ ہو جائیں گے۔

معرض کو میں جواب دوں گا کہ سود کے عام طور پر یہ معنی ہیں کہ ایک ایسے بجائی کی مصیبت سے جو مشکلات میں مبتلا ہے تاہا نئے فائدہ اٹھایا جائے۔

غلے کی منڈیوں میں ایسے سرکاری ایکٹ مقرر کیے جائیں گے، جو سادہ لوح زمینداروں کو چالاکی خریداروں کے ہر پیر اور لوٹ کھسوٹ سے بچائیں۔ اجناس کو منڈیوں میں صولت ہم پہنچانا ہماری حکومت کا فرض ہوگا۔ کہیں کہلانے والی قوموں کے ساتھ زمینداروں کے منصفانہ معاملہ پر اصرار کیا جائے گا تمام سرکاری محکموں میں ایسی مصنوعات کے استعمال پر زور دیا جائے گا۔ جو چیزیں ملک میں نہ بن سکیں ان کی ساخت کے فوری ذرائع سوچے جائیں گے۔ ان سرمایہ داروں کو معزز و محترم سمجھا جائے گا۔ جو غیر ملکی مصنوعات کا مقابلہ کرنے کے لیے حوصلہ مندی کا ثبوت دیں اور ہماری حکومت انہیں ہر قسم کی سہولتیں ہم پہنچائے گی۔

انگلستان جیسے صنعتی ملک نے زراعت کی حوصلہ افزائی شروع کر دی ہے۔ ہندوستان جیسے زراعتی ملک کے لیے ضروری ہے کہ زراعت کو اعلیٰ پیمانے پر پہنچانے کی سعی کے ساتھ ساتھ صنعتی طور سے دنیا کا مقابلہ کرے تاکہ خام اجناس کی کھپت بھی اس ملک میں ہو سکے۔ ہمارے بچے بھی کام پر لگے رہیں۔ اور ہمارا ملک کسی دوسرے ملک کا محتاج بھی نہ رہے۔ پھلوں کی پیداوار کا خاص اہتمام اور سرکاری طور پر اس کی حوصلہ افزائی کی جائے گی۔ لیکن صنعتی مرکز قائم کرنے کے ساتھ ساتھ ہماری حکومت

کی سب سے زیادہ توجہ مزدوروں کی بہتری پر مرکوز ہوگی۔ اور ان کے مفاد کو مد نظر رکھتے ہوئے ان کے اوقات اور اجرت کا تعین کیا جائے گا۔

تفصیل پروگرام

- ۱۔ ہمارے وزیر تعلیم ترین تنخواہ پر گزارہ کریں گے۔ تاکہ قومی اخلاق کا بہترین معیار پیش کیا جاسکے۔
- ۲۔ کم تنخواہ والے ملازمین کی تنخواہ کے اضافہ کا خاص خیال رہے گا۔ تاکہ جائز کمائی سے پیٹ پال سکیں۔
- ۳۔ گھریلو صنعتوں کے رواج میں بچہ امکان کو کوشش کی جائے گی۔
- ۴۔ باندھوں (جولاہوں) کو موجودہ تباہ حالی سے بچانے کی کوشش کی جائے گی۔
- ۵۔ گداگری کا انسداد اس ہمدردانہ طریق پر کیا جائے گا کہ ہر ایک گداگر ایک بہتر کاریگر اور شریف شہری بن جائے۔ علاوہ ازیں عمر رسیدہ، پامال اور لاوارث افراد کے لیے محتاج خانوں کا انتظام کیا جائے گا۔

۶۔ دریا کے کنارے پر بسنے والے لوگوں کو طغیانی سے جو نقصان پہنچتا ہے۔ ان کو فوری امداد بم پنہانے کا بندوبست کیا جائے گا۔

۷۔ ان تجارت کو پائیدار بنانے میں مدد دی جائے گی، جن کے ذریعہ رطوبت سے پیدا شدہ دلدلوں کا انسداد ہو سکے۔ اور ایسے علاقوں کی ہر گز امداد کی جائے گی۔

۸۔ غیر مزدور رقبہ جات کو زیر کاشت لانے کے اسباب مہیا کیے جائیں گے۔

۹۔ کاشت کے جدید اور سائنسی طریقوں کی ترویج اور ایسے اسباب مہیا کرنا کہ زرعی پیداوار میں ترقی ہو۔

ب۔ محکمہ جنگلات کو کاروباری طریقہ پر چلانے کا بندوبست کیا جائے گا۔ علاوہ ازیں جنگلات کے

قریب بسنے والی آبادی کی مشکلات کو رفع کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

۹۔ موجودہ طریقہ تعلیم چونکہ ہماری ضروریات پوری نہیں کرتا۔ بلکہ ملک میں بیکاری کی مصیبت پیدا

کرنے کی وجہ میں سے ایک ہے۔ لہذا ہماری حکومت اس میں ضروری تبدیلیاں کرے گی اور ایسا

نصاب تجویز کرے گی جو آزادی و حب الوطنی کا جذبہ پیدا کرے اور بیکاری کا خطرہ بھی ہمیشہ کے لیے

دور ہو جائے۔

۱۰۔ جدید طریقہ تعلیم کے مطابق علم کو ملک میں فروغ دیا جائے گا۔ اور ہماری حکومت کی کامیابی اور

ناکامی تعلیم کے اسی فروغ پر موقوف ہوگی۔

(ب) جدید طریقہ تعلیم کی ایک خصوصیت یہ ہوگی کہ اس پر اخراجات کم از کم ہوں گے اور طلباء کو سہولتیں بہم پہنچانا ہماری حکومت کا فرض ہوگا۔

(ج) اس بات کا خاص طور پر اہتمام کیا جائے گا کہ بچے گوارہ نہ پھریں اور کوئی بچہ بغیر تعلیم کے نہ رہے۔

(د) علمی تحقیقات کے سلسلہ میں کام کرنے والوں کے لیے خاص سہولتیں بہم پہنچائی جائیں گی اور ان کیلئے خاص وظائف مقرر کیے جائیں گے جو کسی علمی تحقیق کے لیے اپنی زندگی وقف کر دیں۔

مخفیان صحت

۱۰۔ صفائی کے افسرانِ تقدان کی طرف بذریعہ تقریر و تحریر لوگوں کو متوجہ کیا جائے گا اور حکومت کی طرف سے صفائی کے لیے ہر ممکن سہولت بہم پہنچائے گی۔

۱۱۔ تمام دیسی کھیلوں کی سرکاری طور پر حوصلہ افزائی کی جائے گی۔

۱۲۔ تمام دیہاتی مراکز میں ڈسپنسریاں قائم کی جائیں گی۔

۱۳۔ طب یونانی اور جدید طریقہ ہائے علاج اور ہومیو پیتھک وغیرہ کی حوصلہ افزائی کی جائے گی۔

ہیوانات

۱۴۔ مویشیوں کے علاج کے لیے زیادہ سے زیادہ وٹیرنری ڈسپنسریاں قائم کی جائیں گی۔

۱۵۔ گائے بھینس گھوڑے وغیرہ مویشیوں کی نسل افزائش کیلئے زیادہ سے زیادہ مرکز قائم کیے جائیں گے۔

محکمہ انصاف

۱۶۔ پنجاب کونسل کے ریزولوشن ۱۹۲۱ء کی بناء پر جوڈیشل اور ایگزیکٹو اختیارات کو علیحدہ رکھا جائے گا تاکہ

انشطامی افسرانِ مرضی پر انصاف کو قربان نہ کر سکیں۔

۱۷۔ موجودہ پنچایت سسٹم پر نظر ثانی کی جائے گی۔ اور ایسے پنچایت افسر مقرر کیے جائیں گے جنہیں صحیح معنوں

میں اہل ملک کی تربیت کا خیال ہو۔

انسداد رشوت ستانی

کنگ کمیٹی اور لیڈن کمیٹی کی تحقیقات کی بناء پر ایسے آزاد بورڈ کا قیام جس میں سرکاری اور غیر سرکاری نمبر

شامل ہوں جو حکومت کے تمام محکمات کا جائزہ میں اور رشوت ستان افسروں کا سرخ لگائیں اور انہیں

حکمانہ یا عدالتی سزائیں دوائیں علاوہ انہیں ہماری گورنمنٹ بذریعہ اعلان تمام ملازمین پر یہ امر واضح کرے گی کہ رشوت رعایا کے ساتھ بدسلوکی ناقابل عفو و جرم ہے۔ البتہ جھوٹے الزامات کی صورت میں حکومت کی طرف سے ملازمین کو امداد کا یقین دلایا جائے گا۔

لوکل سیلف گورنمنٹ

تمام ڈسٹرکٹ بورڈوں، میونسپل کمیٹیوں اور سال ٹاؤن کمیٹیوں میں نامزد عنصر کو ختم کر دیا جائے گا۔ تمام ڈسٹرکٹ بورڈوں کے صدر منتخب اراکین میں سے بذریعہ انتخاب بنائے جائیں گے۔ ایگزیکٹو افسروں کی بجائے پبلک سرڈس کا تقرر عمل میں لایا جائے گا۔ جو وقتاً فوقتاً بذریعہ تقریر و تحریر لوگوں کو بہتر شہری بننے کی ترغیب دیں۔

محکمہ پولیس

پولیس ٹریننگ سکول میں اخلاقی تعلیم کا انتظام کیا جائے گا۔ اور تین سال کی ملازمت تین ماہ کا ایک کورس مقرر کیا جائے گا۔ جس میں بلا تشدد سرائے رسانی کی تعلیم دی جائے گی۔ تاکہ تفتیش جرائم میں لاتوں اور ہاتھوں کی بجائے دماغ سے کام لیا جائے۔

پولیس حوالات کی اصلاح کی جائے گی۔ اور پولیس رولز پر نظر ثانی کی جائے گی۔

محکمہ جیل

۱۹۳۱ء کے امپیریل کمیشن اور ۱۹۲۰ء کی یوپی تحقیقاتی کمیٹی اور پنجاب کی جیل انکوائری رپورٹ کی سفارشات کو جامہ عمل پہنایا جائے گا۔ اور خصوصیت کے ساتھ جیل کا انتظام ان بنیادوں پر قائم کیا جائے گا جو اس رپورٹ کے اختلافی نوٹ کے حسب منشاء ہوں۔

بورڈل انسٹی ٹیوشن

بورڈل انسٹی ٹیوشن کو انگلستان کے بورڈل انسٹی ٹیوشن کے نمونہ پر بنایا جائے گا۔ تاکہ یہ جیل صحیح معنوں میں بچوں کی تربیت گاہ بن سکے۔

سرکار کا حامی پکاراٹھے گا کہ یہ تودہ پروگرام ہے جس کی بنیاد ۱۹۳۰ء کی اس گفت و شنید پر رکھی گئی ہے جو ہما تہ گاندھی انڈیا موٹی لال اور پنڈت جواہر لال اور لارڈ اردن کے درمیان ہوئی تھی۔ سرکاری قرضوں کی چھان بین، درآمد و برآمد پر حسب منشاء پابندی اور قومی بجٹ میں حسب منشاء ترمیم، فوج کے بجٹ میں

مناسب ترمیم اور غیر مالک سے حسب منشاء معاہدات یہ تو ایسی چیزیں ہیں جس پر حکومت بظاہر بحالت موجودہ متفق نہیں ہو سکتی۔ گویا مجلس احرار کے پروگرام کے دوسرے معنی یہ ہوئے۔ کہ یہ مجلس آئین نو کو قبول کرنا پسند نہیں کرتی۔ ہمارا نکتہ چیں اس پروگرام کے متعلق خواہ کچھ کہے۔ مگر امر واقعہ یہی ہے کہ متذکرہ صدر چیزوں کے بغیر جو آئین ہو گا وہ مفلس کسانوں، غریب زمینداروں اور بے کس مزدوروں کی امداد کرنے سے قاصر رہے گا۔ اور جب ملک کی ۹۹ فیصدی آبادی کی بھوک کا کوئی علاج نہ ہو تو آئین نو کو کون پسند کرتا ہے۔ ایک آدھ سکول اور دو چار ہسپتال کھول دینے سے ملک کی اقتصادی مشکلات میں کوئی کمی نہیں ہو سکتی۔ اور فاقہ مست لوگوں کی یہ کوئی صحیح امداد نہیں۔

مخاطب لوگ مجلس احرار کو شاید احتیاط کا مشورہ دیں کہ اس دور رس پروگرام کی حقیقت کو کہیں اٹے معنی دے کر عوام ان اس کو مخافیہن گمراہ کرنے کی کوشش نہ کریں۔ اور کہیں کہ یہ جماعت تو حمد سے قبول کرنے کے حق میں نہیں ہے اور جو وزارت قبول نہ کرے وہ عوام کا کیا کام کرے گی۔ اس کے متعلق ہمارا صاف جواب یہ ہونا چاہیے کہ جب تک یہ مبادیات طے نہ ہو جائیں، تب تک آئین نو کو کامیاب بنانے کا سوال اس لیے پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس میں ہندوستان کی عام آبادی کا کوئی بھلا نہیں۔ کوئی دیانتدار جماعت بھی آئین نو کو قبول کر کے ہندوستان کی کثیر التعداد نیم فاقہ کش آبادی کے درد کا مداوا نہیں کر سکتی۔

البتہ ملکی سیاست کے طور پر وزارتوں پر قابض ہو کر مزید اصلاحات کے لیے حکومت کو آئینی طور پر مجبور کرنے کی پالیسی کو اختیار کرنا اور بات ہے۔ یقیناً مجلس احرار کو آئندہ اسمبلی میں اکثریت حاصل کرنے کی کوشش کرنا چاہیے۔ تاکہ گورنمنٹ کو مجبور کیا جائے کہ وہ آئین نو میں متذکرہ ترمیمیں کر کے تبدیلی کرے اور اگر خدا نخواستہ کسی وجہ سے اکثریت کا حاصل ہونا ممکن نہ ہو۔ تو دوسری ترقی پسند جماعتوں سے اتحاد کرنے سے انکار نہیں کرنا چاہئے تاکہ رجعت پسند عناصر کو ملکی سیاست سے نکال دیا جائے۔ رجعت پسند عناصر کو برسر اقتدار آنے کا موقع نہیں دینا چاہیے۔ اور ۱۹۲۶ء کی طرح آئین کا بائیکاٹ نہ ہونا چاہیے۔

تاویاتی جماعت اور احرار

یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ حکومت قدرتی طور سے ان لوگوں کو برسر اقتدار دیکھنا چاہتی

ہے جو اس کے اغراض و مقاصد میں مدد و معاون ہوں۔ مگر ملکی مفاد کا تقاضا یہ ہے کہ سرکار پرست لوگوں کی قوت کو کم کیا جائے۔

غیر ملکی حکومت اپنے استحکام و دوام کے لیے صرف خود غرض افراد کے سیاسی گرد ہوں ہی سے فائدہ نہیں اٹھاتی۔ بلکہ لوگوں کے مذہبی رجحانات سے بھی فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتی ہے۔ قادیانی فرقہ بھائیہ کے زیر سایہ نشوونما پاتا رہا ہے۔ یہ کیوں؟ اس لیے کہ اس فرقے کا بانی انگریز کی غلامی پر قانع اور چاہلوی کا عادی تھا۔ آزادی کی ترغیب شرافت کی قومی دلیل ہے۔ اس معلم اخلاق کے بارے میں کیا کہا جائے جو غیر ملکی حکومت کی وفاداری اپنے مذہب کی ضروری شرط قرار دے۔ کیا وہ نبی مذہبی اور سیاسی طور پر قابل پیروی ہے۔ جس کے الہامات اور وحی ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے حکم سے رک جائیں اور جو خود اپنی جماعت کو حکومت کا خود کاشنہ پورا کرے۔

ہیں اس جماعت سے صرف یہی شکایت نہیں کہ وہ اسلام کے شیرازے کو بھیڑنا چاہتی ہے۔ بلکہ یہ شکایت بھی ہے کہ وہ ان قوتوں سے ساز باز رکھتی ہے جو ملک کو دائمی طور پر غلام رکھنا پسند کرتی ہیں۔ یہ جماعت کبھی ترقی پسند لوگوں کے ساتھ مل کر نہیں کرسکتی۔ اس سے آزادی کی جنگ میں شرکت کی کبھی توقع نہیں کی جاسکتی۔ اس لیے ہر محبت وطن کا فرض ہے کہ ملک کے اس دشمن کے منصوبوں سے ہم گاہ رہے۔ میں ملک کی سیاسی جماعتوں کے علاوہ اسلامی جماعتوں سے بھی متوقع ہوں کہ عالم اسلام کے مخالف اس قادیانی گروہ کی نقل و حرکت پر نگاہ رکھیں۔ یہ دوست بن کر مسلمانوں کی دشمنی کرتے ہیں۔ ہر اسلامی سلطنت ان کی جاسوسی سے خبردار رہنے کی کوشش کرتی ہے۔ حکومت کی کھلی حوصلہ افزائی کے باعث یہ مسلمان شمار ہو کر مسلمانوں کے حقوق پر مجددہ قبضہ ہو رہے ہیں۔ مسلمانوں کو ماکر ایسے حالات پیدا کر دینے چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کے نام پر قادیانی فائدہ نہ اٹھا سکیں۔ الحمد للہ احرار اور دوسرے مقتدر مسلمانوں کی مساعی سے حاکم المسلمین ان کی فتنہ انگیزیوں سے باخبر ہو رہے ہیں۔ اور چونکہ احرار منتظم ہیں۔ اس لیے مرزا محمود کا ساز و غمد احرار کے خلاف ہے اور اس مقولہ کی بنیاد پر کہ جنگ میں ہر ہتھیار کا استعمال کرنا مناسب ہے۔ وہ غیر دیانت دارانہ مخالفت سے بھی نہیں چوکتا۔ قادیانی گروہ باوجودیکہ مسجد شہید گنج کے معاملہ میں حسب معمول سول نافرمانی کے مخالف تھا تاہم احرار کو بدنام کرنے کے لیے بعد میں خفیہ طریقہ پر بے دریغ رد یہ صرت کرتا رہا۔ آخر اسے صاف طور پر اعلان کرنا پڑا کہ بے شک مرزا کی احرار کے

خلافت پوسٹر نکالتے رہے ہیں۔ اب بھی وہ ہماری مخالفت میں کوتاہی نہیں کر رہے۔ ہمیں ان سے گلہ نہ ہونا چاہیے۔ البتہ مسلمانوں کو بتانے کی ضرورت ہے کہ احوار کی مخالفت میں مرزائی خطیر رتم فوج کر رہے ہیں۔ وہ مسلمان بن کر اہل ایمان کے سامنے آتے ہیں اور ان کو مجلس احوار کے خلاف درخلاتے ہیں۔

بادبود اس کے کہ مٹر جناح کی مساعی سے مسجد شہید گنج کے معاملہ میں عام مسلمانوں کا نقطہ نگاہ ایک ہو گیا ہے۔ اور ساری قوم نے اسی خیال کو قبول فرمانا پسند کیا ہے۔ جو مجلس احوار نے ابتدا میں ظاہر کیا تھا۔ تاہم قادیانی گروہ بدستور فتنہ انگیزی میں مصروف ہے۔ انہیں مسلمانوں کی اتحاد خیالی بھی پسند نہیں۔ وہ اب بھی چاہتا ہے کہ کوئی گروہ اسٹے اور کسے کہ احوار کا زاویہ نگاہ غلط ہے۔ سول نافرمانی کے ذریعہ ہی مسجد مل سکتی ہے۔ الحمد للہ کہ ڈاکٹر محمد عالم نے قادیانیوں کی توقع پر عدالت میں یہ کہہ کر پانی پھیر دیا کہ مدعیان اور تمام مسلمانوں کو جن کے وہ نمائندہ ہیں۔ اس آپ کے انصاف پر کامل اعتماد ہے۔ مجھے امید ہے کہ فیصلہ خواہ کچھ ہو۔ اس فیصلے کے بعد مسلمان کوئی غیر آئینی کارروائی نہیں کریں گے۔

یہ امر اور بھی موجب مسرت ہے کہ مولانا ظفر علی خاں صاحب اور دوسرے نظر بندوں نے سکوت سے ڈاکٹر عالم کی تائید کی۔ ڈاکٹر موصوف کی تصریحات کے خلاف کوئی پروٹسٹ نہیں کیا۔ حالانکہ وہ اخبارات کے مالک ہیں۔

اب قادیانیوں کی لے دے کے امید یہ رہ گئی ہے کہ وہ ہمارے بعض دوستوں کی ذاتی رقابتوں سے فائدہ اٹھائیں۔ اس کا ہم نے یہ انتظام کیا ہے کہ ایسے دوستوں کی اشتعال انگیز تقریروں اور تحریروں کے بادبود ہم تحمل سے کام لیتے ہیں۔ وہ سب دشتم کر کے خود ہی تھک جائیں گے۔ ہمارے اخلاق کی شاندار فتح ہوگی۔

تعجب ہے کہ بعض بزرگ مرزائیوں کے پھندے میں پھنس کر مرزا بشیر الدین محمود کے بل بوتے پر احوار کا مقابلہ کرنا چاہتے ہیں۔ وہ لوگ جو دولت دین اظہار مرزائیوں کے ساتھ اس لیے شامل ہیں کہ انہیں دنیا میں کچھ فائدہ پہنچے گا۔ وہ کان کھول کر سنیں کہ مسلمانوں کے نزدیک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے بعد ہر رنگ میں نبوت کا دعویٰ اگر گروہ شیرازہ اسلامی کو پراگندہ کرنے والا سمجھا جاتا ہے۔ ایسے گروہ کی امداد پر جو دنیا میں سرفرازی چاہے گا۔ انشاء اللہ نیچا دیکھے گا۔ مرزائیوں کی اتحادی پارٹی کے خلاف مجلس احوار ہر جگہ اپنے امیدوار کھڑے کرے گی۔ مسلمانوں سے کامل توقع ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن قادیانیوں اور ان کے ساتھیوں کی آرزوؤں کو خاک میں ملا دیں گے۔

منٹو چفسفورڈ ریفارم سکیم

شہری اور دیہاتی کا سوال کھڑا کر کے ہشیار لوگوں نے خوب اوسیدھا کیا اور ملکی مناصب پر قبضہ جائے رکھا۔ مجلس احرار کے نزدیک شہر اور دیہات کی تمیز حیدر مفید نہیں۔ پس ماندہ لوگ خواہ کسی حصہ ملک میں آباد ہوں ہماری یکساں توجہ کے محتاج ہیں مصیبت زدہ شہر میں ہو یا دیہات میں حکومت کی امداد کا مستحق ہے۔ مصیبت زدہ اور پس ماندہ لوگوں میں تمیز کرنا عدل و انصاف کے منافی ہے مجلس احرار میں شہری اور دیہاتی دونوں عنصر کامل اتحاد و اتفاق سے کام کر رہے ہیں۔ آئندہ بھی امید ہے کہ شہر اور دیہات کی فلاح و بہبود کے لیے وہ بدستور سابق منہمک رہیں گے۔

اسی طرح لائق شہری کے مقابلے میں دیہات کے نالائق آدمیوں کو منصب پیش کرنا بدترین پالیسی ہے۔ البتہ دیہاتی کے حقوق کو نظر انداز کر دینا بھی افسوس کا نتائج پیدا کرنے کا باعث ہوگا۔ ایسے آئندہ آئین میں خرم و احتیاط کے ساتھ کام کرنا پڑے گا۔ مبادا کسی خرق کو جائز شکایت پیدا ہو جائے۔

مسلمان اور ملازمتیں

مسلمان ملازمتوں میں مناسب حصہ لینے کے آرزو مند ہیں۔ اگرچہ مجلس احرار کے خلاف ہندو نوابی کا الزام ہے، تاہم میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ مجلس احرار کے نمائندوں نے کم سے کم ملازمتوں میں مناسب حصہ کے لیے اتنی کوشش کی ہے کہ اور مسلمان ممبر ایسا دعویٰ نہیں کر سکتے۔ مسلمانوں کے ملازمت کے حصہ میں میرے اپنے سوالات باقی تمام ممبران سے زیادہ ہیں۔ میرے ذاتی تاثرات یہ ہیں کہ حکومت وقت نے اس بارے میں معنی خیز تساہل سے کام لیا۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کونسل میں ہندو اور مسلمان کی ۱۹ برس کی تو۔ تو۔ میں۔ میں کے باوجود مسلمانوں کو کچھ نام نہ نہ پہنچا، بلکہ بعض حالات میں اٹل نقصان پہنچا۔ مجھے امید ہے کہ مجلس احرار کے نمائندے اپنی اولین فرصت میں ملازمتوں میں مبنی بر انصاف حصہ حاصل کرنے کے قابل ہو جائیں گے۔

ملازمتوں میں اپنی مساعی کے ساتھ ساتھ میں مسلمان ملازموں کی توجہ بیرون ہند کی سیاسیات کی طرف مبذول کرنا بھی مناسب سمجھتا ہوں۔ بدقسمتی سے حکومت ہند جب کبھی ملازمتوں میں مسلمانوں کے ساتھ انصاف کرنے کا اعلان کرتی ہے، تو متصل ہی کسی نہ کسی اسلامی ملک پر اغیار کے جارحانہ اقدام کی خبر

آجاتی ہے، اور مسلمانان ہند ملازمتوں کے سبب رنج و کینہتے ہیں۔ لیکن بیرون ہند کے مسلمان خاک و خون میں لٹا دیے جاتے ہیں اور ہندوستان کی ۹۰ کروڑ مسلمان آبادی سے صدائے احتجاج تک بلند نہیں ہوتی۔ ہمیں ملازمتوں کے اس منگے سود سے پر غاص نظر رکھنی چاہیے۔ سب باتوں پر آزادی ہند کو ترجیح دینی چاہیے تاکہ ہمسایہ قوم کے ساتھ خوشگوار تعلقات پیدا کر کے ہندوستان میں اپنی پوزیشن مضبوط کر لیں اور خود آزاد ہو کر اسلام اور محاکم اسلامی کو غیروں کی غلامی سے آزاد کر سکیں۔ میں پھر بھی مجلس احوار کے دعویٰ کا اعادہ کرتا ہوں کہ ہندوستان کی آزادی پر ہی عالم اسلام کی آزادی منحصر ہے، ہر مسلمان نوجوان سے مجلس احوار کو یہی توقع ہے کہ وہ آزادی ہند کے بلند مقصد کو نظر سے کبھی اوجھل نہیں ہونے دے گا۔

خدمتِ اہل وطن

نئے انتخابات کا شور و غلبہ آئندہ سال تک ختم ہو جائے گا۔ لیکن ملک کے سیاسی اخلاق کو بلند کرنے کی سعی ہر وقت اور ہر حال میں جاری رہنی چاہیے۔ سیاست ملکی کا زیریں اصول اور مذہب کی جان یہ ہے کہ اپنی جان جو کھوں میں ڈال کر اہل وطن اور مخلوق خدا کی خدمت کی جائے جس قوم کے افراد میں قربانی کی روح زیادہ ہوگی، وہی معزز اور محترم ہوگی۔ نوجوان سیاسی میدان میں آنے سے پہلے یہ سوچ لیں کہ وہ قوم کے سیاسی اخلاق کو بلند کرنے کی کہاں تک قابلیت رکھتے ہیں۔ اس قابلیت کا معیار محض علم اور سرمایہ نہیں۔ بلکہ سارا دار و مدار قربانی اور مخلوق کی خدمت کے سچے جذبے پر ہے۔ خدمت میں عظمت ہے۔ اگر ایسا کر دو گے تو اطمینان کی دولت حاصل کر لو گے۔ یہ ایک ایسی چیز ہے جو سیم و زر کے انبار سے زیادہ تسلی دیتی ہے۔ وطن کی محبت کو عشق کے درجے تک پہنچاؤ۔ عشق میں سوداگری نہیں ہو سکتی۔ وہاں لینے کی توقع چھوڑ کر سب کچھ دنیا ہی بڑھتا ہے۔ اس لیے اہل وطن کی خدمت میں بہترین آرزوں کو قربان کرنے کا ارادہ کر کے اٹھو۔ دعا کرو کہ خدا ہمیں دین اور اسلام کی خدمت کا موقع دے۔ آمین۔

(چودھری) افضل حق

عبداللہ گاندھی کی مخالفت | ۱۵ اکتوبر کو مولانا شوکت علی نے ایک بیان میں جو ہفت روزہ دہلی میں شائع ہوا۔ کہا کہ

”میرے دوستوں نے مجھ سے سوال کیا کہ میں کانپور تبلیغ کانفرنس میں کیوں شامل نہیں ہوا، جس کی صدارت عبداللہ گاندھی کر رہے تھے۔ اگر میرے دوست یہ بات سمجھنا

چاہتے ہیں تو میں کہتا ہوں کہ میں اس شرانگیز تحریک میں شامل ہونے کے لیے تیار نہیں ہوں، جس کا مقصد صرف یہ ہو کہ ہیرالال گاندھی کے مسلمان ہونے کی تشہیر کی جائے، جو مسلمانوں کو لوٹنے کے لیے حلقہ اسلام میں آیا ہے۔

مسٹر فضل الحق کا جواب | ۲۵۔ اکتوبر کو مسٹر محمد علی جناح نے، مسٹر فضل الحق سے جو کلکتہ کارپوریشن کے میئر اور بنگال کے مزارعوں کے صدر بھی تھے، ایک خط کے ذریعے یہ دریافت کیا ہے کہ انہوں نے مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ سے غداری کیوں کی؟ اس کے جواب میں فضل الحق نے کہا کہ

”مسٹر جناح مزارعین کے حامی اور سرمایہ داروں کے شدید مخالف تھے، مگر جس وقت سے آپ نے گورنمنٹ ہاؤس میں وزیروں کی پارٹی سے ملاقات کی ہے آپ کے حالات میں دفعتاً انقلاب پیدا ہو گیا ہے۔ یہی انقلاب ہے، جو مزارعین کے مفاد کو زخمی کرتا ہے۔“

آگے چل کر مسٹر فضل الحق نے مسٹر جناح کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

”آپ کا اپنا طریق کار مسلمانوں کا اعتماد کھو چکا ہے۔ بلکہ معلوم ہوتا ہے، مسلمانوں کی خواہشات کو آپ مسخ کر رہے ہیں۔ لیگ پارلیمنٹری بورڈ آپ کی ہوس کا تیار کردہ ہے۔ اور وہ مسلم طبقات میں گہری خلیج حائل کر رہا ہے۔ آپ کی پرائیویٹ گفت و شنید سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ مسلمانوں کے اتحاد کے سب سے بڑے عہدہ دار ہیں۔ اور مسلمانوں کے مفاد کے لیے بہت زیادہ مصروف عمل ہیں۔ مگر جس وقت آپ سبک دھڑ فارم پر کھڑے ہوتے ہیں، آپ اپنے آپ کو ہندوستانی وطن پرستی کے سخت پیروکار ظاہر کرتے ہیں۔ جیسے ہندو مسلم اتحاد کی سیاست کے سوا کچھ بھی سمجھنا معلوم نہیں ہوتا۔“

(روزنامہ انقلاب، ۳۱۔ اکتوبر ۱۹۴۶ء)

قائد اعظم اور روزنامہ انقلاب | بعض دفعہ انسان ذاتی منفعت کے لیے انسانیت ضائع کر دیتا ہے۔ حالانکہ یہی وہ زیور ہے، جس سے آراستہ ہو کر انسان انسان

کہلاتا ہے۔ ورنہ خالق کی مخلوق بھروسہ میں اس قدر پھیلی ہوئی ہے کہ اس کا شمار دشوار ہو رہا ہے۔

آسمان کے ستاروں سے زمین کے ذرات، حیوانات سے نباتات اور جاندار سے غیر مری مخلوق میں سے پروردگار نے انسان کو اشرف یا احسن مخلوق کہہ کر پکارا۔ صرف اس لیے نہیں کہ مالک الملک کو اپنی عبادت یا بندگی مقصود تھی۔ بلکہ اس لیے اور صرف اس لیے کہ کائنات میں عقل و شعور رکھتے ہوئے برے بھلے کی نشاندہی کر سکے۔ اور اپنی دانشمندی سے بھولے بھٹکوں کو سیدھی راہ پر چلنے کی ترغیب دے لیکن یہی نا خدا جب انسانیت کے پتوڑ توڑ کر طوفان میں الجھ جائے تو ساحل پر پہنچنے والے مہنگوں کی خوراک بن جاتے ہیں۔

اک زمانہ تھا جب پنجاب کی صحافت اس قدر بلند مقام پر فائز تھی کہ ہندوستان کے دوسرے صوبے اس کے نقش پا ڈھونڈتے۔ مگر اب ۵

ایوانِ آمریت میں قلم نیسلاں ہوتا ہے
چھوڑے آگئے جب سے صحافت چھوڑ دی ہم نے (جانبا زمرزا)
ہزار سیاسی اختلاف کے باوجود مسٹر محمد علی جناح متحدہ ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے قابلِ احترام شخصیت تھے۔ جن افراد یا جماعتوں نے ان کی رائے سے اختلاف کیا وہ اپنی جگہ درست ہوں یا غلط، لیکن یہ حقیقت ہے کہ یونینسٹ پارٹی کے آرگن روزنامہ انقلاب کے مدیران نے "علم اور ضمیر کا جس ستے مجاز سرکاری سودا کیا اس کی مثال اس دور میں پنجاب کی صحافت میں کم دکھائی دیتی ہے اس ضمن میں ۴ نومبر ۱۹۳۶ء کے اخبار انقلاب کے ایک طویل مضمون "جناح اور سیاست سے چند اقتباس درج ذیل ہیں۔

"بہتی مسٹر جناح کا وطن ہے بحال ہی میں جو فرقہ وارانہ فسادات (بہی) وہاں رونما ہوئے وہ مسٹر جناح کی عام حیثیت کو بے نقاب کرنے کے لیے کافی ہیں۔ جن کے پروان چڑھانے کے لیے وہ چند ماہ سے کوشاں ہیں۔ فرقہ وارانہ فسادات روز بروز زیادہ ہو رہے ہیں اور نہایت خرمناک صورت اختیار کرتے جا رہے ہیں۔ مسٹر جناح کو ان سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔ ان کا سیاسی پروچار ہندوستان کے مختلف فرقوں کے درمیان حائلِ خلیج کو روز بروز وسیع تر کیے جا رہا ہے۔ اس بھیانک صورت حالات پر قابو پانے کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ مختلف صوبوں کی غیر فرقہ وارانہ پارٹیوں کو مضبوط بنایا جائے۔"

”اپنے نام نہاد پارلیمنٹری بورڈ کو منظم کرنے کی غرض سے گزشتہ چند ماہ میں مسٹر جناح کی دفعہ پنجاب آئے۔ مگر ان کی کوششیں ناکام رہی ہیں۔ اپنے مشن کو کامیاب بنانے میں انہوں نے کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا۔ لیکن ان کا وہ عطا صداب صحرا ثابت ہوا ہے۔ مگر میں یہ کہوں کہ ہندوستان میں کسی جگہ بھی مسٹر جناح کو کامیابی نہیں ہوئی تو میرے اس بیان میں ذقہ برابر بھی مبالغہ نہ ہوگا“

”یہ کہہ کر مسلمانوں کی آنکھوں میں خاک ڈالنے سے کچھ فائدہ نہیں کہ مسلمانوں کو منظم کیا جا رہا ہے۔ اس کے برعکس جناح کو جب بھی موقع ملا ہے، انہوں نے مخالف فرقوں میں تفرقہ ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ کیا انہیں یاد نہیں کہ ۱۹۲۷ء میں انہوں نے آل انڈیا مسلم لیگ کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ اس وقت باوجودیکہ تمام ہندوستان کے مسلمان جداگانہ طریق انتخاب کے حامی تھے۔ مگر مسٹر جناح مخلوط انتخاب کے علمبردار تھے۔ مسلمانوں کے جذبات کا احترام نہ کرتے ہوئے انہوں نے مسلم لیگ کا اجلاس منعقد کیا۔ لیکن خوش قسمتی سے وہ اجلاس کامیاب نہ ہوا اور ان کی سکیم کو تقویت نہ پہنچ سکی۔ کیا انہیں یاد نہیں کہ ۱۹۲۷ء میں انہوں نے لیجسلیٹو اسمبلی میں سنٹرل مسلم پارٹی بنانے جانے کے راستے میں کتنے روڑے اٹکائے تھے۔ اس کے خلاف مسٹر جناح کی دلیل یہ تھی کہ میری اپنی پارٹی انڈینڈنٹ غیر فرقہ وارانہ جماعت ہے اور یہ کہ مجالس آئین ساز میں فرقہ وارانہ پارٹیاں نہیں بنانی چاہئیں“

”مسٹر جناح کو یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ مدت ہوتی ان کا مشن پنجاب میں ناکام ہو چکا ہے۔ اس حقیقت کا ثبوت یہ ہے کہ حال ہی میں مسٹر جناح نے لاہور میں ایک تقریر کی تھی۔ جس میں انہوں نے اتحاد پارٹی کے لیڈر کو بہت بُری طرح کو سنا۔ مسٹر جناح جیسی پوزیشن اور تجربہ رکھنے والے کے لیے یہ بات شایان شان نہ تھی۔ لیکن یہ ایک مشہور ضرب المثل ہے کہ سیاستدان کی آخری جائے پناہ بدزبانی ہوتی ہے“

(نوٹ)۔ اس مضمون کے مصنف تو ابنزادہ خورشید علی خاں سیکرٹری اتحاد پارٹی تھے۔ بعد میں یہ مسلم لیگ میں شامل ہو کر بڑے لیڈروں میں شمار ہونے لگے تھے۔

ایک خبر اور اس کا عنوان | مسلم لیگ کا ڈکٹیٹر۔ مسٹر فضل الحق کو سزا۔ غداری اور سرکشی کا الزام۔

”بی بی۔ ۲۔“ نومبر آل انڈیا مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ کے صدر مسٹر جناح نے مسٹر فضل الحق کو بورڈ کی ممبری سے خارج کر دیا۔ اس کا سبب بیان کرتے ہوئے کہا کہ انہوں نے سنٹرل بورڈ کے اصولوں کی خلاف ورزی، غداری اور سرکشی کی ہے۔“ (روزنامہ ”انقلاب“۔ ۵۔ نومبر ۱۹۳۶ء)

سندھ میں نئی پارٹی | ۵۔ نومبر ۱۹۳۶ء کو کراچی کے اخبارات میں ایک نئی سیاسی جماعت کے متعلق خبر شائع ہوئی۔ یہ نئی سندھ مسلم یونیٹ پارٹی۔ یہ جماعت سندھ یونائیٹڈ فرنٹ کے خلاف ایک نیا محاذ تھی۔ اس کے رموز میں میں سر غلام حسین ہدایت اللہ خان بہادر محمد ایوب کھوڑو اور سردار علی بخش تالپور نمایاں تھے۔

جرمن اور جاپان میں سمجھوتہ | ۶۔ نومبر ۱۹۳۶ء کو جرمن اور جاپان میں باہمی معاہدہ ہو گیا۔ اس طرح برلن، ٹوکیو محور قائم ہو گیا۔ جاپان، جرمن اور اطالیہ کی یک جہتی سے بحرالکاہل، بحیرہ روم، بحیرہ احمر اور بحر اوقیانوس میں یہ محور نئے انداز سے اپنا رنگ دکھانے لگا۔ فرانس اور برطانیہ یورپ میں روسی اثر پھلتا دیکھ کر ناک منہ چڑھا رہے تھے۔ لیکن ہٹلر اور موسولینی کے ارادوں سے تصادم بھی انہیں گوارہ نہیں تھا۔ یورپ کے ان سامراجی ملکوں کی رائے یہ تھی کہ کسی طرح جرمن اور اطالیہ، روس سے دست درگریاں ہوں۔ یہی وجہ تھی کہ فرانس اور برطانیہ جیشہ کی جنگ میں شریک تھے بھی اور نہیں بھی۔ ان کی یہ دورخی پالیسی محض اس لیے کہ کسی طرح جرمن جیشہ کے خلاف اٹلی کی امداد کو آگے بڑھے اور جرمن کی موجودہ طاقت ضائع ہو جائے۔ مگر ہٹلر دور کھڑا یہ تماشہ دیکھتا رہا۔

جاپان اور جرمن کے باہم معاہدہ پر ۱۷۔ نومبر کو برطانیہ کے وزیر خارجہ مسٹر ایڈن سے دارالعلوم میں ایک سوال کیا گیا، جس کے جواب میں مسٹر ایڈن نے کہا کہ حکومت جرمن نے معاہدہ دارسانی پر ایک طرفہ کارروائی کی ہے۔ اگرچہ گذشتہ ۲۱۔ مئی کو ہٹلر نے اعلان کیا تھا کہ بعض بین الاقوامی دریاؤں کے متعلق گفتگو کی جائے۔ چنانچہ کچھ بات چیت طے بھی ہو گئی تھی۔ لیکن بعض ممالک کے اس پر دستخط نہ

ہونے کے باعث اس پر عمل نہ ہو سکا۔

سٹراٹن کے اس بیان سے ایک روز پیشتر ۱۶۔ نومبر کو ہٹلر نے معاہدہ وارسائی کی آخری شق جس کے ذریعے یورپ کے دریاؤں کو جرمن کے بغیر بین الاقوامی محوری طاقتوں کو ہی استعمال کا حق دیا گیا تھا اپنے کو جرمن اس شق سے آزاد کر لیا۔

ہٹلر کے اس اعلان سے چیکو سلواکیہ اور ہالینڈ کو جہاز رانی کے لیے اب جرمن کا تابع ہونا پڑے گا۔ ان حالات سے سب سے زیادہ مشکلات برطانیہ کے لیے تھیں۔ چنانچہ وہ ہٹلر سے ترکی اور برطانیہ معاہدہ کی طرح پر کوئی معاہدہ کرنا چاہتا تھا۔

اگرچہ ہٹلر نے ۱۶۔ مارچ ۱۹۳۵ء کو ہی معاہدہ وارسائی کی تمام پابندیوں سے اپنے کو آزاد کر لیا تھا۔ لیکن فرانس اور برطانیہ نے ہٹلر کے اس اعلان کا خاص اثر نہ لیا۔ لیکن جیسے ہی ۱۶۔ نومبر کو معاہدہ وارسائی سے اپنے کو کلیتہً آزاد کر لیا تو محوری طاقتیں سوچ میں پڑ گئیں۔

انہی دنوں ۱۶۔ نومبر کو یہ خبر بھی شائع ہو گئی کہ جرمن اور جاپان کے درمیان جنگی معاہدہ طے پا گیا۔ جس کی رو سے سویٹ روس کے طرز عمل کے خلاف اور اس کی روک تھام کے لیے کوشش کی جانے۔ نیز اگر کسی ملک پر حملہ کیا گیا تو دوسری جنگ عظیم کی ذمہ داری سویٹ روس پر ہوگی۔ یہ فیصلہ بھی کیا گیا کہ حبشہ کو بھی اس معاہدے میں شامل کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

ایوں تو برطانوی حکومت کا بروعدہ مٹی کے کھلونے کی طرح ٹوٹ پھوٹ جاتا ہے، لیکن مسجد شاہ چراغ کا وعدہ تو ایسا نہیں تھا، جسے وہ روایتی وعدوں کی

طرح توڑ دیتا۔ جولائی ۱۹۳۵ء سے حکومت پنجاب مسلمانوں کو جن وعدوں پر طام رہی تھی۔ ۲۰ نومبر ۱۹۳۶ء کو پنجاب کونسل میں چودھری انضام حق نے ایک سوال کے دوران پنجاب کے وزیر خزانہ سے یہ پوچھ لیا۔

”کیا یہ حقیقت ہے کہ مسجد شاہ چراغ کی واپسی کے لیے حکومت نے کوئی شرط عائد کی ہے؟“
جواب میں وزیر خزانہ نے کہا کہ شرط واپس لے لی گئی ہے۔

یوپی کونسل میں تحریک مدح صحابہ
گذشتہ کئی ماہ سے لکھنؤ میں تحریک مدح صحابہ کے باعث یوپی اور پنجاب کے شیعوں اور سنیوں کے دل منافرت

کی میل سے اس قدر داخل ہو چکے تھے کہ ہر فرقہ ایک دوسرے کے خون کا تمنائی تھا۔ جیسا کہ زیر نظر کتاب کے گذشتہ اوراق میں اس تحریک کا سیاسی اور خاندانی پس منظر بیان ہو چکا ہے۔ مگر اس ڈرامہ کے شیعہ کرداروں اور ان کے ہدایت کاروں نے سارا ڈرامہ اس انداز سے کھیلا کہ ساری برائی میں شیعہ قوم ملوث ہو کے رہ گئی۔

انتخاب کے دنوں گڑے مڑے کیوں اکھاڑے؟ اس کے لیے ۱۰ نومبر ۱۹۳۶ء کا دن تاریخ کے لیے بڑا اہم اور قابل ذکر دن ہے کہ اس روز مسلم لیگ کے سابق جنرل سیکرٹری اور یوپی کونسل کے ممبر نوابزادہ لیاقت علی خاں نے بیس سوالات پر مشتمل تحریک التوا ریوپی کونسل میں پیش کی تاکہ لکھنؤ میں مدح صحابہ کی بندش کے سلسلہ میں تمام بیاق و اسباب سامنے آسکیں اور اس پر بحث کی اجازت چاہی۔

۱۔ کیا یہ واقعہ ہے کہ حکومت نے، جنوری ۱۹۰۹ء کو ایسے احکام (جی ماؤنٹ ۱۱۵ ۵۹۱) نافذ کیے جن کی رو سے لکھنؤ میں عشرہ، چہلم اور اکیس رمضان کو اسلام کے پہلے میں خلفاء کی علی اعلان تعریف ممنوع قرار دی گئی؟

۲۔ کیا یہ واقعہ ہے کہ حکومت نے متذکرہ بالا حکم نامے میں مذکور ہر کر دیا تھا کہ سال کے متذکرہ صدر تین دنوں کے علاوہ اور کسی روز خلفائے ثلاثہ کی علی الاعلان تعریف کرنا ممنوع قرار نہیں دے سکتی اور اس کے مقابلہ کو معمولی قانون کے تحت چھوڑ دیا؟

۳۔ کیا یہ واقعہ ہے کہ سنی مسلمانوں نے، ان پابندیوں پر جو حکومت کے اس حکم نامے کے ذریعے سے عائد کی گئی تھیں، سخت اظہارِ ناراضگی کیا۔ اور ان میں کسی کثیر تعداد نے اس حکم نامے کو نفاذ پذیر کرانے کے لیے حکام مقامی سے جو احکامات نافذ کیے گئے تھے، ان کی خلاف ورزی کے سلسلے میں اپنے آپ کو گرفتار کرایا اور قید ہوئے؟

۴۔ کیا یہ واقعہ ہے کہ مسٹر ریڈیسی نے، جو اس وقت لکھنؤ کے ڈپٹی کمشنر تھے، شہر میں ایک اعلان مورخہ ۲۶-۱-۱۹۰۹ء کو شائع کیا، جس میں اس چیز کی تشریح کی گئی تھی کہ خلفائے ثلاثہ یا رسول اللہ کے دیگر اصحاب کی علی الاعلان تعریف یعنی مدح صحابہ بالکل ممنوع قرار نہیں دی گئی ہے بلکہ صرف ان دنوں یعنی عشرہ، چہلم اور اکیس رمضان کے روز۔ پبلک سڑکوں، پبلک گلیوں اور پبلک مقامات پر مدح صحابہ پر کچھ پابندی عائد کر دی گئی ہے۔ اور یہ کہ بقیہ دنوں میں پولیس کمپلٹ کے

تحت لائسنس حاصل کر کے اسے شارع عام پر پبلک گلیوں اور سپیک مقامات پر بھی پڑھا جا سکتا ہے۔

۵۔ (د) کیا یہ واقعہ ہے کہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ لکھنؤ نے یکم جون ۱۹۳۶ء کو زیر دفعہ ۱۴۴ ضابطہ فوجداری ایک حکم نافذ کیا، جس کی رو سے ۲۔ جون ۱۹۳۶ء کو جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے موقع پر ان کے اعزاز میں شہر کے اندر ایک جلوس نکالنے والا تھا، مدح صحابہ پڑھنا ممنوع قرار دے دیا گیا۔

(ب) اگر یہ واقعہ ہے تو اس قسم کے حکم نافذ کرنے کے کیا وجوہات تھیں؟
۶۔ کیا یہ واقعہ ہے کہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے اس حکم کے خلاف بطور احتجاج وہ جلوس نہیں نکالا گیا؟

۷۔ کیا یہ واقعہ ہے کہ ۳۔ جون ۱۹۳۶ء کے فوراً بعد سنی مسلمانان لکھنؤ کا ایک وفد لکھنؤ کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے پاس ان سے یہ کہنے کے لیے حاضر ہوا کہ سنیوں کا ایک جلوس رسول اللہ کے اعزاز میں شہر کی عام سڑکوں پر ۱۲۔ جون کو نکالا جانے والا ہے۔ جس میں خود رسول اللہ کی شان میں نظمیں پڑھی جائیں گی۔ اور ان کے اصحاب کی دبشمول ان کے چاروں جانشین یعنی خلفاء، شان میں بھی۔

۸۔ کیا یہ واقعہ ہے کہ اس قسم کا جلوس نکالنے کے لیے زیر دفعہ ۱۴۴ پولیس ایکٹ شہر کے پانچ مختلف محلوں کی پانچ مقامی سنی انجمنوں کی طرف سے سپرنٹنڈنٹ پولیس لکھنؤ کو ایک باضابطہ درخواست دی گئی۔

۹۔ (د) کیا یہ واقعہ ہے کہ ۹۔ جون کو سپرنٹنڈنٹ پولیس نے جلوس کے متعلق اپنے احکامات سے اطلاع دی، جس میں یہ بتایا گیا تھا کہ جلوس کے راستے یا اس کی سماعت میں کسی شخص یا کسی جماعت کی طرف سے شارع عام پر کسی قسم کی ایسی نظم یا اشعار یا ایسے الفاظ نہ نکالے جائیں، جس سے خفاء، ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ کی تحریف مقصود ہو۔؟

(ب) اگر یہ واقعہ ہے تو ان پابندیوں کو عائد کرنے کے کیا وجوہات تھیں؟
(ج) کیا یہ واقعہ ہے کہ ان پابندیوں کے عائد کرنے کے خلاف بطور احتجاج جلوس میں نکالا گیا۔

۱۰۔ کیا یہ واقعہ ہے کہ بعض سنی مسلمانوں نے زیر دفعہ ۳۰ پولیس ایکٹ سپرٹنڈنٹ پولیس کو ایک دوسری درخواست اس امر کی دی کہ انہیں ۲۸ جون ۱۹۳۶ء کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہلے جانشین ابوبکر صدیقؓ کے اعزاز میں شہر میں ایک جلوس نکالنے کا لائسنس دیا جائے، جس میں خلیفہ مذکور اور دوسرے خلفاء کی مدح میں نظمیں بھی پڑھی جاسکیں۔

۱۱۔ کیا یہ واقعہ ہے کہ سپرٹنڈنٹ پولیس نے یہ عرضداشت لکھنؤ کے سٹی مجسٹریٹ کے پاس اس سفارش کے ساتھ بھیجی کہ جلوس کی اجازت نہ دی جائے۔

۱۲۔ (ا) کیا یہ واقعہ ہے کہ سٹی مجسٹریٹ نے جلوس نکالنے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔

(ب) اگر ایسا ہوا تو اجازت نہ دینے کے وجوہات کیا تھے؟

۱۳۔ کیا یہ واقعہ ہے کہ مقامی حکام کی طرف سے شارع عام پر یا پبلک مقام پر علی الاعلان مدح صحابہ پڑھنا ممنوع ہے۔

۱۴۔ کیا یہ واقعہ ہے کہ گذشتہ جون سے حکام لکھنؤ کی طرف سے ایک حکم زیر دفعہ ۱۴۴ ضابطہ فوجداری اس امر کی ممانعت میں دیا جاتا ہے کہ مسجد ٹیلا لکھنؤ کے نصف میل کے رقبہ کے اندر پانچ آدمیوں سے زائد نہ جمع ہوں۔

۱۵۔ (ا) کیا یہ واقعہ ہے کہ کئی آدمیوں پر جن کو حکومت لکھنؤ کے احکامات کے خلاف مظاہرین سے منسلک بتایا جاتا ہے زیر دفعہ ۱۰۰ فوجداری مقدمہ چلایا گیا۔ اور ان کی سرسری سماعت ہوئی؟

(ب) کیا یہ واقعہ ہے کہ ان لوگوں سے زیر دفعہ ۱۰۰ ضابطہ فوجداری بڑی بڑی ضمانت کی رقمیں طلب کی گئیں۔ ورنہ بصورت عدم ادائیگی طویل مدت کی سزائیں مقرر کی گئیں۔

۱۶۔ کیا یہ واقعہ ہے کہ لکھنؤ میں ہیت سے مسلمانوں پر مدح صحابہ کے مسئلے پر زیر دفعہ ۱۸۸ مقدمہ چلایا گیا اور انہیں قید کی سزا دی گئی۔

(ب) اگر ایسا ہوا تو ان کی تعداد کیا ہے۔

۱۷۔ کیا حکومت کو معلوم ہے کہ مسلمانوں کے ایک کثیرہ طبقہ میں لکھنؤ کے مقامی حکام کے احکام کے خلاف جن کے ذریعے سے مدح صحابہ ایک غیر محضت رسالہ مذہبی فعل کی مسلسل ممانعت کی جا رہی ہے، سخت ناراضگی پھیل گئی ہے۔

۱۸۔ کیا حکومت اس امر سے واقف ہے کہ مدح صحابہ کے علی الاعلان پڑھنے پر پابندی مسلمانوں کے ایک کثیر طبقہ کے نزدیک ان کے شہری اور مذہبی حقوق میں مداخلت ہے۔

۱۹۔ کیا حکومت لکھنؤ حکام کو مدح صحابہ کے علی الاعلان پڑھنے پر مزید احکام نافذ کرنے سے منع کرنے کو تیار ہے۔

۲۰۔ کیا حکومت اس کے لیے تیار ہے کہ ان تمام لوگوں کو جو مدح صحابہ کے سلسلہ میں قید ہیں یا زیر حراست ہیں، رہا کر دے اور حکومت نے اس سلسلہ میں جو جرمانے وصول کیے ہیں، ان کی رقمیں واپس کر دے۔

ہوم ممبر کے جواب | نوابزادہ بیات علی خاں کے جواب میں ہوم ممبر لوپی نے جو تقریر کی اس کا اردو ترجمہ حسب ذیل ہے۔

۱۔ ہاں۔

۲۔ ہاں۔

۳۔ ہاں۔

۴۔ ہاں اس قسم کا نوٹس سٹر ریڈیسی نے شہر لکھنؤ میں تقسیم کیا تھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعض سنیوں کی طرف سے ایک درخواست وصول ہوئی کہ جلوس نکالنے کی اجازت دی جائے جس میں مدح صحابہ علی الاعلان پڑھی جائے گی۔ اس درخواست کے مقابلہ میں بعض دوسرے آدمیوں کی تعریف علی الاعلان پڑھنے کی درخواست کی تھی چونکہ نقص امن کا اندیشہ تھا اس لیے نامنظور ہوئی۔

۵۔ (ا) ہاں۔

(ب) وجوہات یہ تھیں کہ پیغمبر اسلام کی پیدائش کے موقع پر یہ جلوس حال ہی میں سکھ شہر میں ہوا تھا۔ چند برس ہوئے جب یہ جلوس پہلی مرتبہ نکالا گیا تو وہ ایک مشترک شیعہ سنی جلوس تھا جس میں علی الاعلان مدح صحابہ پڑھنے کا کوئی سوال نہ تھا۔ گزشتہ دو سال سے دونوں فرقوں کے تعلقات کشیدہ ہونے کی وجہ سے چند شیعہ جلوس میں حصہ لیتے ہیں۔ مگر اس جلوس کی مخلوط صورت نہیں بدلی اور اس سال بھی شیعوں نے جلوس میں پھر اسی شرکت کا اعلان کیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سنیوں کا شدید اندیشہ پیدا ہو گیا۔ علاوہ اس کے مقامی حکام نے عام پالیسی کے مطابق یہ فیصلہ کیا کہ وہ

ان دنوں میں جب کہ گزشتہ زمانہ میں اس قسم کا کوئی جلوس نہ نکلا ہو۔ کوئی ایسا جلوس جس میں علی الاعلان مدح صحابہ پڑھی جائے نکالنے کی اجازت نہیں دے سکتے۔ سنیوں کو بھی مطلع کر دیا گیا تھا کہ اگر وہ علی الاعلان مدح صحابہ پڑھنے کے حق کے عام سوال کا پچیس برس کی خاموشی کے بعد احیاء کرنا چاہتے ہیں تو انہیں چاہیے کہ وہ آئینی طریقہ سے حکومت کے پاس اپنی معروضات پیش کریں اور یہ کہ اس وقت تک کسی نئے جلوس کی اجازت نہیں دی جاسکتی جب تک پالیسی کا عام سوال نہ طے ہو جائے۔

۶۔ ہاں۔

۷۔ ہاں۔ ڈپٹی کمشنر کے پاس سُستی مسلمانوں کا ایک وفد گیا تھا۔ ان سے یہ کہا گیا کہ اس نئی چیز کی اجازت ان وجوہات کی بنا پر نہیں دی جاسکتی، جو کہ سوال نمبر ۵ کے آخر حصہ میں لکھی گئی ہیں۔

۸۔ ہاں۔

۹ (د) ہاں۔

(ج) سوال ۵ ب کے جواب کے آخر میں وجوہات لکھے گئے ہیں۔
(ج)۔ نہیں ۱۲۔ چون کہ ایک جلوس نکالا گیا تھا۔

۱۰۔ ہاں۔

۱۱۔ ہاں۔

۱۲ (د) ہاں۔

(ج) سوال نمبر ۵ ب کے جواب کے آخری حصے میں وجوہات بتا دیے گئے ہیں۔
۱۳۔ ہاں۔ لکھنؤ میں مقامی حکام نے علی الاعلان مدح صحابہ پڑھنے کی ممانعت کر دی ہے۔
۱۴۔ ہاں اس قسم کے حکم کے نفاذ کی اس لیے ضرورت محسوس کی گئی کہ حجہ کے دن ایک غیر آئین پسند مجمع ٹیلا کی مسجد کے گرد جمع ہو جایا کرتا تھا۔

۱۵۔ (د) ہاں زیر دفعہ ۱۰۷ ضابطہ فوجداری بہت سے آدمیوں پر مقدمہ چلا ہے۔ ان کی ممانعت سرسری طور سے نہیں ہوئی ہے۔

(ج) دفعہ ۱۰۷ ضابطہ فوجداری کے ماتحت لوگ پکڑے گئے۔ ان سے غیر معمولی ضمانت

نہیں طلب کی گئیں۔ عدم ادائیگی کی صورت میں ان لوگوں کو ایک برس قید محض کی سزا دی گئی۔

۱۷۔ (و) ماں زیر دفعہ میں تعزیرات ہند ایک سو ساٹھ آدمیوں کے مقدمات عدالت میں پیش ہوئے ہیں۔ ایک سو پچاس آدمیوں کو سزا دی گئی۔ نو آدمیوں کو معافی مانگ لینے پر چھوڑ دیا گیا۔ ایک کا مقدمہ زیر سماعت ہے۔

۱۸۔ حکومت کو معلوم ہے کہ لکھنؤ کے مقامی حکام کے احکام کے خلاف سنیوں میں سخت بے اطمینانی پھیلی ہوئی ہے۔

۱۹۔ گورنمنٹ کو یہ معلوم ہے کہ مدح صحابہ کے علی الاعلان پڑھنے کی ممانعت اکثر سنیوں کے نزدیک ان کے مذہب میں مداخلت ہے۔

۲۰۔ حکومت اس کے لیے تیار ہے۔ اور ہمیشہ تیار تھی کہ ایک ایسی طریقہ سے لکھنؤ کے سنیوں کا ایک وفد اس سے ملے۔ اس قسم کی درخواست حال ہی میں وصول ہوئی ہے۔ اور ہر ایسی نفسی گورنر نے ۱۴۔ نومبر کو اس وفد سے ملنا منظور کیا ہے جو ان کے سامنے اپنے معروضات پیش کریگا۔ حکومت اس درخواست پر غور کرے گی۔

ان سوالات اور جوابات کے بعد نوابزادہ یاقوت علی خاں اور دوسرے مسلمان ممبران نے اس پر تقریریں کیں۔

تشدد کی نئی تحریک کاریں جلانے اور بیڑ بکسوں میں تیزاب ڈالنے کی تحریکات بالآخر ظاہری طور پر ختم ہو گئیں۔ کچھ دن لوگوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ امراء کی کاریں سرعام کھڑی ہونے لگیں۔ حوام کی ڈاک متعلقین تک پہنچنے لگی۔ پولیس اور محکمہ انتظامیہ نے سکھ کا سانس لیا نہ ہر کوئی آرام کی نیند سونے لگا۔ لیکن سکون کے ان دنوں کی عمر بہت کم نکلی۔

۱۸۔ نومبر کو لاہور میں ہفتہ آفیسر کی کار جلادی گئی۔ اس سے اگلے روز ریوے روڈ پر ایک دستی پوسٹر چسپاں پایا گیا کہ سینما کے باہر اپنی کاریں کھڑی نہ کریں۔ اگر ایسا ہوا تو اس کی ذمہ داری آپ پر ہوگی۔ ابھی لوگ کاریں سنبھال ہی رہے تھے کہ شہر کے امراء کی کوٹھیاں جلنا شروع ہو گئیں۔ آج ایک محلہ کی کوٹھی کو آگ لگی، کل دوسرے کا مکان جلا۔ کبھی شہر سے باہر کسی امیر کی رہائش گاہ کو آگ لگا دی گئی۔ پولیس موقوفہ وارڈا پر پہنچتی تو وہاں سے انہیں دستی کھسے ہوئے سرخ پوسٹر ملتے۔ انہیں اندازہ نہ تھا کہ پولیس

نے مختلف مقامات پر چھاپے مار کر سابق بدنام سیاسی کارکنوں کے گھروں پر رات کے وقت شکنجے مارے اور چند نوجوانوں کو گرفتار کر لیا۔ ان میں رومی دت، ودیا ساگر، اوم پرکاش اور اے سنگھ شامل تھے۔

ہندو مسلم قسار | الیکشن سے قریب تر غیر ملکی حکمرانوں نے غلامی کی زنجیروں میں مزید کڑیاں جوڑنے کے لیے کئی بہانے سوچے۔ لیکن جب خزاں کے دن آجائیں تو پہاڑوں کے سبز زاروں کا چہرہ بھی زرد پڑ جاتا ہے۔ دریاؤں کے پانی خشک ہو جاتے ہیں۔ آبِ حوریت کے ڈھیر کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتی۔ درختوں کے آوارہ پتے اپنی رونق کھو بیٹھتے ہیں۔ ہرے بھرے باغ ویران صحرا کی طرح بہار کے دن یاد کر کے روتے ہیں۔ شبنم کے آنسو بھی پھولوں کی دلجوئی نہیں کر سکتے۔ باغبان انہی دنوں بہار کے انتظار میں وقت گزار دیتا ہے۔

اسی طرح زوالِ سلطنت کے دن آتے ہیں تو تقدیر اور تدبیر آمنے سامنے ایک دوسرے کے خلاف آگ اگلا شروع کر دیتی ہیں۔ شاہی قلعے سے غریب کی جھونپڑی تک آگ کی ایک لمبی لکیر پھیل جاتی ہے، جس کا دھواں ایوانِ سلطنت کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔

ان دنوں جب سارا ہندوستان اکیٹ ۱۹۳۵ء کے آئین پر آزادی وطن کی راہ سے گزر رہا تھا۔ ہندو، مسلمان اور سکھ اپنے اپنے ذہن اور اطوار سے غلامی کی زنجیریں توڑنے میں مصروف تھے کسی قوم کے دل و دماغ میں اس کے سوا کوئی پروگرام نہیں تھا۔ عین اسی موسم میں فرنگی شاطروں نے پرانی بساط پر نئے سرے پہنے۔ یعنی ہندو مسلم فساد کی آگ کو از سر نو ہوا دی۔ چنانچہ ۱۱ نومبر کو بمبئی میں ہندو مسلم فساد ہوا۔ اور اس کے بعد اورنگ آباد، پٹنہ میں ایک مسجد کو شہید کر دیا گیا۔ کئی نمازی زخمی ہوئے۔ اس کے جواب میں پونا میں ایک مندر کو آگ لگا دی گئی۔ اس کے برابر مسجد تھی اسے گرا دیا گیا۔ راولپنڈی میں سکھ اور مسلمان کے درمیان فساد ہوا۔ الہ آباد میں بھی فرقہ وارانہ جھگڑا اس قدر بڑھا کہ کئی دن شہر کا کاروبار معطل رہا۔ اس طرح مختلف شہروں سے اطلاعات آئیں۔ ان فسادات پر رہنمایان ملک نے دوڑ دھوپ کے بعد جلد قابو پایا۔ مگر انہوں نے کوئی کمی نہ کی جو کچھ بھی ان سے ہو سکا کیا گیا۔

آل انڈیا شہید گنج کانفرنس | ۱۲۔ نومبر کو لاہور میں مولانا شوکت علی کی زیر صدارت آل انڈیا شہید گنج کانفرنس منعقد ہوئی۔ چونکہ انتخابات قریب آ رہے

تھے اور اس ڈرامے کا پردہ بھی اٹھ چکا تھا۔ لہذا مولانا شوکت علی کے علاوہ پنجاب سے باہر کا کوئی معروف اور قابل ذکر رہنما کانفرنس میں شریک نہیں تھا۔ پنجاب کے وہ نوجوان جنہوں نے گزشتہ تحریک میں جانفشانی سے حصہ لیا تھا اس کا ردوائی سے نہ صرف الگ رہے بلکہ دوران اجلاس انہوں نے ہنگامہ بھی کیا۔ جس پر کافی دیر اجلاس کی کارروائی معطل رہی۔ کانفرنس کے آخری اجلاس میں مولانا ظفر علی خاں کی طرف سے حسب ذیل قرارداد پیش ہوئی۔

”مسجد شہید گنج کانفرنس کا یہ اجلاس تمام اسلامی دوستوں سے اسلام کی عزت کے نام پر اپیل کرتا ہے کہ وہ دوستانہ تعلقات کی بنا پر جو ان کے دولت برطانیہ کے ساتھ ہیں۔ مسجد شہید گنج کے متعلق مسلمانان ہند کے جذبات کا احترام کرنے پر آمادہ کریں۔ اگر اس کوشش میں انہیں کامیابی نہ ہو تو وہ اسلامی عزت کی خاطر انجمن اقوام سے علیحدہ ہو جائیں۔ اور یورپ کی دوسری اقوام پر ثابت کریں کہ اسلامی اخوت اب بھی ایک زندہ حقیقت ہے“

اس قرارداد کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کا محرک تو تھا لیکن مؤید کوئی نہیں تھا اس طرح دونوں فرانس مولانا ظفر علی خاں نے ادا کئے۔

پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا | مسلمان من حیث اقوام حقیقت سے بیگانہ ہو کر جب سے انسانوں کے رنگ و روغن میں گھوٹا گیا ہے اس

کا دامن جذبات اور ہنگاموں کی خانہ زرجبازیوں میں الجھ کر رہ گیا ہے۔ ہر چمکہ رچیز سونا نہیں ہوتی اور جنہوں نے ایسا سمجھا وہ گرہ کٹوں سے ایسے لٹے کہ پھر خالی جھولی لے کر گھر لوٹے۔

مہاتما گاندھی کا بیٹا ہیرالال گاندھی مسلمان ہوا تو مسلمانوں نے اسے سرائیکھوں پر جگہ دی اس پر ان کے والد نے ایک پریس بیان میں کہا۔

”اگر ہیرالال اسلام کو سمجھ کر مسلمان ہوتا تو مجھے خوشی ہوتی لیکن وہ اپنی ذاتی اور بری عادتوں کے تحت مسلمان ہوا ہے“

مولانا شوکت علی نے حال ہی میں کہا کہ

”میں ہیرالال گاندھی کی تشہیر کے لیے تیار نہیں، جو مسلمانوں کو ٹوٹنے کے لیے اسلام کے حلقے میں آیا ہے۔“

مولانا شوکت علی کا یہ بیان مسلمان پریس نے شائع نہیں کیا اور نہ مناسب سمجھا بلکہ ایک کمیونسٹ اخبار ہفت روزہ دہلی نے اسے شائع کیا۔ ہنوز اس بیان کی سیاہی خشک نہیں ہوئی تھی کہ نومبر کے آخری دنوں پریس میں یہ خبر شائع ہوئی کہ:

”مہاتما گاندھی کا بیٹا ہیرالال گاندھی پھر سے ہندو دھرم میں واپس چلا گیا۔“

اخبارات کی اطلاع کے مطابق بمبئی کے بعض سیمٹوں نے اسے ایک لاکھ تیس ہزار روپیہ دیا کہ وہ اسلام چھوڑ کر دوبارہ ہندو ہو جائے۔ چنانچہ اس نے اپنے ایک بیان میں کہا کہ ہندو دھرم میں وہ سارا کچھ موجود ہے جو اسلام میں ہے۔“

تحریک مدح صحابہ ملتوی کر دی گئی | سال ۱۰ جولائی کو حالات سے مجبور ہو کر لکھنؤ میں صحابہ کرام کی حریت و احترام کے لیے جو سول نافرمانی شروع کی تھی نومبر کے وسط تک یوپی کی جیلوں میں ایک ہزار سے زائد رضا کار جا چکے تھے۔ رہنما ان کے علاوہ بھی جو تحریک کی رہنمائی کرتے رہے، جیل حکام نے ان پر جو سختی روا رکھی اس کی تفصیل الگ ہے۔ رضا کاروں کی قربانی اور کونسل کی کارروائی پر جس انداز سے بحث ہوئی۔ ۱۲ نومبر ۱۹۳۶ء کو گورنر یوپی نے صحابہ کمیٹی کا ایک وفد حالات کے لیے بلا بھیجا۔ کافی دیر گفتگو کے بعد گورنر نے ارکان وفد کو یقین دلایا کہ اہل سنت کی شکایت پر وہ غور کریں گے بشرطیکہ سول نافرمانی کی تحریک بند کر دی جائے۔

گورنر سے ملاقات کے بعد لکھنؤ کے مسلم اکابر نے احوال رہنماؤں سے درخواست کی کہ آپ ہماری گزارشات مان کر اپنی تحریک عارضی طور پر ملتوی کر دیں۔ چنانچہ ۱۹ نومبر کو احوال رہنماؤں نے سول نافرمانی کی تحریک کچھ دنوں کے لیے ملتوی کر دی۔

۲۰ نومبر کو یوپی مجلس احوال نے مسٹر محمد احمد کاظمی کی صدارت میں اس فیصلے کی توثیق

کر دی۔

کارسوز کی گرفتاری | دہشت پسندوں کی ہر روز کی کارروائیوں نے لاہوریوں کو کافی بے چینی اور خوفزدہ کر دیا۔ سرمایہ دار طبقہ اپنی زندگی تک سے مایوس نظر آنے لگا۔ گو پولیس اور دوسری انتظامیہ خافل نہیں تھی اس پر بھی آئے دن کہیں نہ کہیں حادثہ کی اطلاع ملتی رہی۔ کاروں اور کوٹھیوں کو آگ لگنے کی کارروائی باز سیکھ، اطفال بن کر رہ گئی۔ اس پر ۲۲ نومبر کو پنجاب پولیس نے اعلان کیا کہ اگر کہیں کسی قسم کی کوئی کارروائی ہو تو ۲۴ پر فون کریں اس وقت تک لاہور میں ایس کاریں اندر آتش ہو چکی تھیں۔ ۲۳ نومبر کو گورنمنٹ کالج لاہور کے پرنسپل کی کار بھی جلا دی گئی۔

اسی دوران لاہور میں آتش زنی کے بڑھتے ہوئے واقعات پر روزنامہ "انقلاب" نے ایک ادارتی نوٹ لکھا، جس میں اس نے اس تحریک کی مذمت کی۔ اس پر ۲۳ نومبر کو مدیران انقلاب کے نام ایک بیزنگ لفافہ آیا، جس کی عبارت تھی، کہ

• اخبار انقلاب مورخہ ۲۱ نومبر میں کارسوزی کی دباؤ کے عنوان سے جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے پڑھ کر بہت تعجب ہوا۔ آپ جیسے حضرات نے بھی ہماری مخالفت کی مٹان لی ہے۔ کیا غریبوں اور بے کاروں کی حمایت یہی ہے؟ جو لوگ خودکشی کرنے اور بھوکے مرنے سے ایسے اقدام کو بہتر سمجھتے ہیں گورنمنٹ کو ہمارا کھلا چیلنج ہے کہ اگر وہ بیکاری کا انسداد نہ کرے گی تو نتیجہ غدر کے سوا کچھ نہ ہوگا۔ ہم لوگ سرمایہ داروں کی کاریں جلا کر ان سے ایک بل پاس کروانا چاہتے ہیں، جس سے بے روزگاروں کو الاؤنس دلانے کا انتظام کیا جائے۔ کارسوزی کے بند کرانے کا بہتر طریقہ یہی ہے کہ بے کاروں کے لیے الاؤنس مقرر کیا جائے (خط کے آخر میں لکھا تھا۔)

آپ کا بھاگ سنگھ

بھاگ سٹریٹ، نسبت روڈ، لاہور۔ راولپنڈی

آخر بڑی دھڑ دھوپ کے بعد ۲۵ نومبر کو رات نو بجے فیروز پور روڈ لاہور میں ایک بیرسٹر کی کوٹھی کے قریب سے ایک نوجوان کو گرفتار کیا گیا۔ اس کے قبضے سے بوتل پٹرول، چند انقلابی اشتہار ایک لبا چاقو اور دیا سلائی کی ڈبی برآمد ہو گئی۔ گرفتاری کے وقت اس شخص نے سوٹ،

بوٹ اور ہیٹ پہنا ہوا تھا۔ وہ کسی سرکاری دفتر میں ملازم تھا۔ اس کا نام بھی سابق کارسوز کی طرح ہیرالال ہے۔ گرفتاری کے وقت اس نے بتایا کہ اس کے ساتھ اس کام میں کوئی دوسرا آدمی شریک نہیں وہ اکیلا ہی تمام کارروائی کا ذمہ دار ہے۔ اس سے پیشتر کے گرفتار شدگان کو رہا کر دیا گیا۔

انتخاب کی تیاریاں | ۲۳۔ نومبر کے اخبارات میں پنجاب کی ۱۵ نشستوں کے لیے یونیٹ پارٹی نے ایک سو گیارہ امیدواروں کا اعلان کر دیا۔ اسی روز مجلس اہوار نے صرف پنجاب کے لیے چوبیس امیدواروں کا اعلان کیا۔ لیکن فی الحال دونوں پارٹیوں نے اپنے اپنے امیدواروں کے نام ظاہر نہیں کیے۔

پنجاب شیعہ پولیٹیکل کانفرنس کی قرارداد | لاہور ۲۹۔ نومبر کو پنجاب شیعہ کانفرنس کا اجلاس میر باقر حسین رئیس غیر کٹلمہ کی صدارت میں ہوا۔ ابتدائی اس انجمن کے اغراض و مقاصد بیان کیے گئے۔

۱۔ پنجاب شیعہ پولیٹیکل کانفرنس کا نصب العین آزادی وطن قرار دیا گیا۔
۲۔ تمام اسلامی فرقوں سے رابطہ اتحاد قائم کرنے کو نصب العین قرار دیا گیا۔
آل انڈیا شیعہ پولیٹیکل کانفرنس کے نمائندے نامزد کیے گئے اور آخر میں حسب ذیل قرارداد منظور ہوئی۔

”پنجاب شیعہ پولیٹیکل کانفرنس کا یہ اجلاس گورنمنٹ یوپی کی توجہ اس تحریک (مدح صحیح) کی طرف دلانا ہے جو پولیٹیکل اغراض کی بنا پر فساد برپا کرنے کے لیے جاری کی گئی ہے۔ حکومت، اس تحریک کے متعلق فیصلہ کرتے وقت شیعیان ہند کے جذبات کا خیال رکھے تاکہ مسلمانوں میں اس سے افتراق پیدا نہ ہو۔ اور مسلمان باہم فساد سے محفوظ رہیں“

یہ قرارداد ۳۔ دسمبر ۱۹۳۶ء کے روزنامہ انقلاب میں شائع ہوئی۔

برطانیہ کے شاہی خاندان میں انقلاب | محبت کی نہیں جاتی ہو جاتی ہے۔ دودلوں کا یہ طوفان جب ساحل سے ٹکرا کر آپے سے باہر ہو جائے تو دیوار چین بھی اس کا راستہ نہیں روک سکتی۔ بہالہ اپنی پوری بلیدی اور ہندو اپنی ساری

گہرائی اگر دائرہ پر لگا کر کسی دل و نظر کے سینے کا راستہ بدلنا چاہیں تو خس و خاشاک کی طرح بہہ جاتیں گے۔ یہ آگ سگتے سگتے جب شعلہ جوالہ بن جاتی ہے تو شہنشاہوں کے محل اور غریب کی جھونپڑی ایک ساتھ جلتے دکھائی دیتے ہیں۔

عشق کی دنیا دوسری ہے۔ یہاں مندر و مسجد کے لیے کوئی مقام نہیں۔ یہ صرف انسانوں کا جہاں ہوتا ہے۔ یہاں کا مذہب محبت ہے اور بس۔ اس الزام کے مجرم کبھی آرے سے پیرے جلتے ہیں، تو کبھی سولی ان کی آخری آرام گاہ ہوتی ہے۔ وہ لوگ صحراؤں میں اپنا جہان آپ آباد کرتے ہیں۔ قیس ہوا فراد ہوا، واقع ہوا، رد میو ہوا، مہینوال ہو کہ رانجھایا کرمان کا شہزادہ بنوں۔ ان سب نے رسم زمانہ سے بغاوت کر کے اپنے لیے ایسی راہ تجویز کی، جو انسان کی زندگی کی سب سے عزیز متاع ہے اور اسے محبت کے پھولوں سے سجایا۔ ان کے باعث جب انسان کانٹوں پر لٹتا ہے تو ابلیس اسے مجنون کہہ کر پکارتا ہے۔

بلخ بخارے کا شہزادہ عزت بیگ مہینوال آملتا ہے۔ چوچک چوہدری کا بیٹا رھیدو سیال خاندان کا چرواہا بن جاتا ہے۔ چناب کا پانی، بالوریت کے ٹیلے اور ایران کے بیٹے ایران کے سلطان خسرو کی طرح گواہ ہیں کہ محبت کے باسی انسان اس جنس سے نہیں کسی اور جنس کے لوگ ہوتے ہیں۔ آگ میں جل جاتے ہیں، پہاڑ کاٹتے ہیں، صحراؤں میں پڑے پڑے سوکھ جاتے ہیں، دریا کے طوفانوں میں کچے گھرے پر تیرتے ہیں، چاہے موت ہی کیوں نہ آجائے، لیکن قول و قرار سے نہیں ہارتے۔

گواہ یہ جنس ناپید ہو چکی ہے، تاہم ۱۹۲۶ء کے آخری پرے میں برطانوی سلطنت کے شاہی خاندان کے شہزادہ ایڈورڈ ہشتم نے ایک عوامی عورت کی محبت میں ایک ایسی سلطنت کو ٹھوکر مار دی جس کی شاہی میں سورج مغروب نہیں ہوتا تھا۔

شاہ جارج پنجم کی موت کے بعد ان کا بیٹا ایڈورڈ ہشتم کے نام سے تخت کا وارث تھا لیکن ساتھ ہی اپنے خاندان سے باہر کی ایک عورت منسپھمن سے انہیں محبت ہو گئی۔ دونوں ازدواجی زندگی گذرنا چاہتے تھے، لیکن برطانیہ کا شاہی خاندان اور برطانوی پارلیمنٹ ان دونوں کے راستے کی دیوار بن گئی۔ اس پر مشربالٹن وزیر اعظم سے اختلاف شروع ہوا۔ اول تو آئین جارج ہشپ کنٹربری نے گرجا میں ایک مطلقہ عورت کی شادی کرنے سے انکار کیا۔ دوسرے ملکہ میری نے جو بادشاہ کی والدہ ہیں اور نہایت

پرانے خیالات کی۔ انہوں نے ایسی شادی کو منظور کرنے سے اور ایسی عورت کو ملکہ ماننے سے انکار کر دیا جو پیشتر سے ایک شوہر سے طلاق لے چکی ہے اور عوامی خاندان کی ہے۔ یہ نہ کسی شاہی خاندان سے تعلق رکھتی ہے اور نہ کسی ڈیوک یا لارڈ کی بیٹی ہے۔ اس کو ملکہ میری، جو خود پچیس سال ملکہ رہ چکی ہیں، کس طرح نذر پیش کر سکتی ہیں اور اب اس سے نیچے درجے پر مادر ملکہ کی حیثیت لے بیٹھیں۔

مسٹر بالڈون نے کہا کہ بادشاہ کے نیچے بہت سے ہندوستانی دایان ملک ہیں۔ وہ اس کو کس طرح ملکہ مانیں گے۔ اس پر کچھ دن خفیہ گفتگو اور خط و کتابت ہوتی رہی۔ جب ایڈورڈ اس پر مصر ہوا کہ اس کی خوشی کا دار و مدار اس پر ہے کو منتر سپین سے شادی کرے، تو یہ تجویز ہوئی کہ وہ رجسٹریشن کے ذریعے شادی کر لے لیکن اس کو ملکہ کا اعزاز حاصل نہ ہوگا اور نہ وہ شاہی خاندان کے گروہ میں شمار ہوگی، نہ شاہی خاندان کے اجتماع میں شریک کی جائے گی۔ نہ اس کی اولاد آئندہ بادشاہت کی حقدار ہوگی۔ ایڈورڈ نے کہا کہ یہ باتیں اس عورت کو ذلیل کرنے کے لیے کہی گئی ہیں، جس سے میں محبت کرتا ہوں اور میں یہ ذلت گوارہ نہیں کر سکتا اور اس کو چھوڑ بھی نہیں سکتا، لیکن سلطنت سے استعفیٰ دے سکتا ہوں جو میرے اور میری محبوبہ کے درمیان حائل ہے۔ چنانچہ قصر ولدسٹر میں مسٹر جرجل کے مشورے سے اعلان بنا، جو وزیر اعظم کو دکھا کر منظور کر لیا گیا اور ۱۲ دسمبر ۱۹۳۶ء کو ریڈیو پر اعلان ہو گیا اور اسی دن پارلیمنٹ کی منظوری سے استعفیٰ منظور ہوا اور شاہ چارج ششم کو بادشاہ مقرر کر دیا گیا۔

آل انڈیا کانگریس کی قرارداد | ہر صاحب شعور جانتا ہے کہ یورپ کے افق پر بادلوں کے آوارہ ٹکڑے محو گشت ہیں۔ بہت جلد یہ مہیب گھٹاؤں کی صورت اختیار کر سکتے ہیں۔ انہی حالات کو دیکھتے اور سمجھتے ہوئے ۲۲ دسمبر کو داروہا میں آل انڈیا کانگریس کی ورکنگ کمیٹی نے دوسری جنگ عظیم کے متعلق حسب ذیل قرارداد منظور کی۔

”کانگریس خود کو ہندوستان کی آزادی حاصل کرنے کی عزمیت کے کنٹرول کو ملک سے خارج کرنے اور اہل ہند سے ناجائز نفع اٹھانے دینے کا پابند بنا چکی ہے اور کئی سال سے اس پالیسی پر عامل ہے اور اس سلسلے میں ہندوستان کی تقریب

تاج پوشی میں شریک نہیں ہوگی۔ اس کے ساتھ ہی اعلان کیا گیا کہ اگر اقوام یورپ میں کوئی بڑی لڑائی ہوئی، جس کا امکان بڑھتا جا رہا ہے تو کانگریس کا کوئی کارکن اس جنگ میں برطانیہ کے ساتھ شریک نہیں ہوگا۔

مجلسِ حرار نے اپنے امیدواروں کا اعلان کر دیا | اتر سر سے شیخ حسام الدین، گڑھ شکر خلیج ہوشیارپور سے چودھری افضل حق

سیکوٹ سے مولانا منظر علی اظہر، راجوں ضلع ہوشیارپور سے چودھری عبدالرحمن، خواجہ غلام حسین ایڈوکیٹ، لاکپور اور جھنگ سے چودھری غلام حیدر فیروز پور اور جالندھر سے۔ چوہدری غلام رسول سترہ ڈسکہ سے، سردار محمد شفیع پونیاں تحصیل قصور سے، خان منظر نواز لیٹان سے۔ خواجہ محمد یوسف لدھیانہ سے۔

حید حبیب کو براہ راست ٹکٹ نہیں دیا گیا تھا۔ بلکہ اس کی حمایت کا اعلان کر دیا گیا۔
جدید دستور کو مسترد کر دیا | آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے اپنے پچاسویں سالانہ اجلاس منعقدہ مئی پور میں ۳۰ دسمبر کو جدید دستور کو مسترد کرتے ہوئے ہندوستان کے لیے از سر نو دستور کا مطالبہ کر دیا۔

پنجاب اہل حدیث کا فیصلہ | ۳۰ دسمبر کو لاہور میں پنجاب اہل حدیث حضرات نے فیصلہ کیا کہ

”اہل حدیث کسی ایسے امیدوار کو ووٹ نہ دیں جو کمیونل ایوارڈ کے خلاف رائے رکھتا ہو۔ نیز اہل حدیث حضرات کو تاکید کی گئی کہ وہ کسی ایسے امیدوار کو ووٹ نہ دیں، جو یونینسٹ پارٹی کا ہمدرد یا اس کے ٹکٹ پر الیکشن لڑ رہا ہو کیونکہ وہ حکومت کی جماعت ہے۔“

ہندو مسلم اتحاد | کراچی۔ ۳۰ دسمبر سندھ یونائیٹڈ پارٹی کے لیڈر سیٹھ عبداللہ مارون ایم۔ ایل۔ اے نے پریس بیان میں کہا کہ

”ماضی میں ہم سے کئی فروگزاشتیں ہو چکی ہیں۔ لیکن اب کے بارندھ یونائیٹڈ پارٹی کے ہر رکن نے اپنے کو صوبے کی خدمت کے لیے وقف کر دیا ہے۔ یہ امید

رکھنا دراصل ایک قسم کی زیادتی ہوگی کہ سندھ اسمبلی کے ایک سو ساٹھ ارکان جو چھ لاکھ رائے دہندگان کے نمائندے ہوں گے۔ اپنے صوبے کی بڑھتی ہوئی غربت اور تعلیم یافتہ نوجوانوں کی بے کاری کا کوئی حل ان کے پاس نہیں ہوگا۔ اس کے علاوہ کوئی دیہاتی یا شہری سندھ اس وقت تک حل نہیں ہو سکتا، جب تک ہندو مسلمان کونسل یا اسمبلیوں کے اندر یا باہر باہم اتفاق نہیں کر لیں گے۔

تحریک مدح صحابہ شیعوں کے خلاف ہے | لکھنؤ-۲۹۔ دسمبر پانچویں شیعوں پر ٹشیکل کانفرنس نے جس کی صدارت اودھ کے آخری بادشاہ

کے فرزند شہزادہ اکرام حسین نے کی، اپنے سالانہ اجلاس میں ایک قرارداد کے ذریعے حکومت اور سنیوں کو متنبہ کیا گیا کہ وہ شیعوں کے جذبات اور حقوق کا خیال رکھیں کیونکہ ہماری حیثیت کو عمداً نظر انداز کیا جا رہا ہے اور تحریک مدح صحابہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، جو شیعوں کے خلاف ہے اور اس طرح ان کی سیاسی حیثیت کو ختم کرنے کے لیے چلائی گئی ہے۔

صدر مجلس احرار کا جواب | مندرجہ بالا قرارداد کے جواب میں مولانا حبیب الرحمن صدر آل انڈیا مجلس احرار نے ۳۱ دسمبر کو ردھیانہ سے پریس بیان میں کہا:

”یہ قطعاً غلط ہے کہ تحریک مدح صحابہ کی سیاسی حیثیت کو ختم کرنے یا انہیں آئندہ الیکشن میں نقصان پہنچانے کے لیے شروع کی گئی ہے۔ اس قسم کی الزام تراشی خود شیعوں امیدواروں کے حق میں مفید نہیں ہوگی۔ بلکہ اس سے ان کے مفاد کو زیادہ نقصان پہنچے گا۔ پنجاب دیوبند میں احرار خود شیعوں امیدواروں کی حمایت کر رہے ہیں اور احرار کا جنرل سیکرٹری مولانا ظفر علی اٹل، جو ہمیشہ بلا مقابلہ منتخب ہو رہے ہیں، حالانکہ جس حلقے سے وہ انتخاب لڑتے ہیں وہ تمام کا تمام سنیوں کا ہے اور ان کا مقابلہ سنی تھا۔ مجلس احرار نے کبھی کسی شیعوں یا سنی کا خیال کیے بغیر ہمیشہ حق کی لڑائی لڑی ہے۔ اس طرح تحریک مدح صحابہ کا مقصد یہ بھی ہے کہ ایک ناجائز قانون کا خاتمہ کیا جاسکے۔ کیونکہ اس قانون کے تحت سنی اور شیعوں کے درمیان ہمیشہ فساد رہتا ہے۔“ مولانا نے آخر میں کہا: ”انصاف پسند شیعوں حضرات علیحدہ نیابت کا خیال اپنے ذہنوں سے نکال دیں اور مدح صحابہ پر غیر ضروری پابندیوں کے خلاف ہمارا ساتھ دیں۔“

۱۹۳۶ء کے دامن پر گزشتہ سالوں کی نسبت غلام ہندوستان کے خون کا کوئی چھینٹا نہیں۔ ڈوبتے سورج کی آخری کرنیں، اس سال کو مغرب کی تہراتیوں میں جب اوداع کہہ رہی تھیں تو ان کے چہرے پر بھرتی ہوئی شرمیلی ڈھن کی مانگ کے مندور کی طرح چمک رہی تھی۔ اس پر شفق کی لالہ گوں بہاروں نے جب اپنا آنچل ڈالا تو آسمان کے ستارے اپنی تمندلیں روشن کرنے لگ پڑے کہ اندھیروں کے سائے میں ۱۹۳۷ء اپنا راستہ نہ کھو جائے۔

نئی اصلاحات کی آمد اور اس کے نفاذ کی تیاریوں میں دانشور اور سیاستدان غیر ملکی حکمرانوں سے کوئی الجھاؤ پسند نہیں کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ سال ۱۹۳۶ء میں نہ تو کانگریس نے حکومت سے بگاڑ مناسب سمجھا اور نہ ہی غلام باہم دست و گریباں ہوئے۔ اگر کہیں اس کی نوبت آئی تو وہ بہت جلد دم توڑ کر رہ گئی۔ البتہ مجلس احوار کو اس سال ایسی سنگلاخ وادیوں سے گزرنا پڑا، جہاں تدبیر اور ایشیا رمنہ تکتے رہ گئے۔ مسلمان کے جذبات میں ایسا زہر گھول دیا گیا کہ کوئی ترشی بھی اس نشہ کو تار نہ سکی۔ جب اس کا اثر زائل ہوا تو دشمن اپنی منزل کے قریب پہنچ چکا تھا۔

مسجد شہید گنج کے سوداگروں نے اپنے ضمیر کے بھاؤ اس قدر بکے رکھے کہ خریدار نے کوئی وقت محسوس نہ کی۔ لیکن اس پکڑ بٹڑی پر لٹنے والا قافلہ حریت آسمان کے سوا اپنی ساری پونجی کھو چکا تھا۔ ہنوز اس خارزار وادی کے سبب ان کے تلووں سے خون بہہ رہا تھا کہ لکھنؤ میں یارن ریل (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ناموس پر کچھڑا پھیلنے لگا۔ احوار ایمان کی رہی سہی دولت لے کر وہاں جا پہنچے۔ یہ قضیہ ابھی طے نہیں ہوا تھا کہ ۱۹۳۶ء رخصت ہو گیا۔

نیا سال اپنے ساتھ کس قدر نیکیوں اور برائیوں کا پھتارا اٹھائے چلا آ رہا ہے۔ یہ دیکھنا مستقبل کے سپرد ہے۔ مگر جہاں تک تاریخ کا تعلق ہے وہ بہتے پانی کی طرح صاف واقعات

کے تمام خدوخال کو سمیٹتے جا رہی ہے بشرطیکہ دل و دماغ میں کوئی خلل نہ ہو۔ ورنہ سیدھی لکیریں بھی طیڑھی نظر آنے لگتی ہیں۔

صدر کانگریس کا خط | الیکشن کے دنوں ہندوستان کی سیاسی جماعتیں غلامی کے خلاف ذہن رکھتے ہوئے بھی انفرادی فکر سے باز نہیں تھیں۔ کانگریس ایسی پوٹیکل پارٹی کے دل و دماغ بھی الٹی سیدھی موج میں تھے۔ انہی دنوں مولانا حبیب الرحمن صدر آل انڈیا مجلس احوار اور کانگریس پریذیڈنٹ پنڈت جواہر لال نہرو کے مابین خط و کتابت ہوئی جس سے کانگریس کی اندرونی پالیسی واضح ہو کر سامنے آگئی۔

”مولانا حبیب الرحمن صاحب صدر مجلس احوار اسلام آباد لاہور
کرمی! آپ کا خط مجھے بمبئی سے واپسی پر کل ملا۔ اس کا جواب انگریزی میں
بھیجتا ہوں۔ لیکن آپ کی آسانی کے لیے یہ مختصر اردو ترجمہ بھی ساتھ ہے۔
میں نے اپنے پہلے خط میں آپ کی توجہ چند سوالوں کی طرف دلائی تھی۔
ان سوالوں کا ذکر آپ نے اپنے جواب میں نہیں کیا۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ
اس پر غور کریں اور مجھے مشورہ دیں۔ مجھے اس بات سے مطلب نہیں کہ ہندو
ماسجیا یا سوشلسٹ پارٹی کی اس مسئلہ میں کیا رائے ہے۔ مجھے تو کانگریس کی رائے
سے مطلب ہے۔ میں جانتا چاہتا ہوں کہ آپ کو اس سے کیا شکایت ہے کانگریس
کی رائے یہ ہے۔“

فرقہ وارانہ فیصلہ ایکٹ ۱۹۳۵ء ہندوستان کی آزادی کے لیے نقصان دہ
ہے۔ وہ ہندوستان کے ٹکڑے ٹکڑے کرتا ہے اور ہمارے اصل سوال غریبی اور
بے کاری کے ہیں۔ ان کو پیچھے کر دیتا ہے۔ یاد رکھیے کہ یہ فیصلہ ہندو مسلمانوں
کی نسبت نہیں ہے۔ اس میں بہت سی قومیں اور فرقے شامل کیے گئے ہیں۔
یہاں تک کہ انگریز بھی اس کے ذریعے سے ہندوستان میں آٹھ نو ٹکڑے ہو
گئے ہیں۔ بنگال میں جو یورپین ہیں، انہیں خاص اہمیت ہو گئی ہے۔ ان کی
رضامندی کے بغیر کسی گروہ کے لیے کام کرنا مشکل ہوگا۔ اس لیے یہ فرقہ وارانہ

فیصلہ ہندو مسلمانوں کا نہیں ہے۔ بلکہ اس میں اور بھی مہبت سی پیچیدگیاں ہیں۔ جو یہیں آگے بڑھنے سے روکتی ہیں۔ ایک اور بات غور طلب ہے کہ اس فیصلے کا اثر کچھ اوپر ہی لوگوں پر ہوتا ہے۔ چاہے وہ ہندو ہوں یا مسلمان یا کوئی اور۔ عام لوگوں پر ان کے سوالوں کا کوئی اثر نہیں۔ غریبی یا ہندوستان کی بڑھتی ہوئی بے کاری سے کوئی مطلب نہیں۔ جو شخص ملک کی آزادی چاہتا ہے، یا جو شخص عام لوگوں کی غریبی دور کرنا چاہتا ہے اس کو ان دو ہری باتوں سے دلچسپی نہیں ہو سکتی اور جو رکاوٹیں ان کے راستے میں آئیں ان کو ہٹانا چاہتا ہے۔ لہذا فرقہ وارانہ فیصلہ ایک بنیادی طور سے ہماری قومیت اور آزادی کے خلاف ہے۔ اس لیے اس کو اٹھانا ہی ہے۔ کیونکہ آزادی اور یہ فیصلہ ساتھ ساتھ نہیں چل سکتے۔

یہ کانگریس کی رائے ہے۔ جہاں تک اصول کا سوال ہے کانگریس کا یہ بھی یقین ہے کہ اس پر کوئی مناسب فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ جب تک مختلف فرقے رضامندی سے کسی فیصلے پر نہ پہنچیں۔ اس لیے کانگریس کوئی قدم بغیر اس رضامندی کے نہیں اٹھا سکتی۔ علاوہ اپنی رائے کے وہ یہ کوشش کرنا چاہتی ہے کہ ہم سب مل کر فیصلہ پر پہنچیں۔ آپ ان دونوں باتوں میں فرق دیکھئے گا کانگریس کی رائے بالکل صاف ہے۔ وہ فرقہ وارانہ فیصلے کے بالکل خلاف ہے۔ لیکن عملی طور پر وہ کچھ کرنا نہیں چاہتی۔ جب تک کہ آپس کا فیصلہ نہ ہو جائے۔ اس کی رائے کہیں لی جائے تو وہ رائے تو ضرور دے گی۔ اگر نئی نسلوں میں یہ بات پیش ہو۔ کانگریس والے پیش نہیں کریں گے۔ تب کانگریس اپنی رائے ضرور دے گی۔ کہ فرقہ وارانہ فیصلہ غلط اور نقصان دہ ہے۔ لیکن اس کے ساتھ اس بات کو صاف کرنا چاہیے گی کہ اس میں ترمیم آپ کے سمجھوتے کے ساتھ ہونی چاہیے۔ اس کے لیے ایسے مسئلہ پر کوئی رائے نہ دکھانا یا خاموش رہنا ایک فضول اور نکستی بات ہو جاتی ہے۔

مہربانی کر کے آپ مجھے بتائیں کہ کانگریس کی رائے سے آپ کیوں

اتفاق نہیں کرتے۔ آپ اور احرار لوگ ہندوستان کی مکمل آزادی چاہتے ہیں آپ کیا سمجھتے ہیں کہ فرقہ وارانہ فیصلے کے ہوتے ہوئے ایسی آزادی ہم حاصل کر سکتے ہیں۔ اگر آپ اس کو ایک رکاوٹ سمجھتے ہیں تو وہ ایک غلط چیز ہے اس کو ہٹانا چاہیے۔ سوال یہ نہیں کہ ہندوؤں کو کیا ملے اور مسلمانوں کو کیا ملے۔ جو بھی کچھ کسی کو ملے یہ فیصلہ غلامی کا فیصلہ ہے اور کوئی قوم جو آزادی چاہتی ہے اس کو منظور نہیں کر سکتی۔ یہ ممکن ہے کہ مسلمانوں کو جو کچھ ملا ہے وہ کسی اور ذرائع سے بھی محفوظ رہ سکے۔ لیکن اس فیصلے کی بنیاد ہر صورت سے بدلنی پڑے گی اور عام مسلمانوں کو ملا کر آگے بڑھا جاسکتا ہے۔

میں چاہتا ہوں کہ آپ ان مسئلوں پر غور کر کے مجھے اپنی رائے بھیجیں۔ میرا خیال ہے کہ اس فیصلے سے مسلمانوں کو زیادہ نقصان ہے بہ نسبت اوروں کے۔ اگر کسی کو فائدہ ہے تو وہ ٹھٹھی بھراؤ پر کے آدمیوں کو۔ عام لوگوں کو نہیں۔

(نقطہ نیاز مند۔ جواہر لال نہرو۔ سوراج بھون الہ آباد ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء)

جواب۔ پیارے پنڈت جی!

تسلیم۔ آپ کا گرامی نام پہنچا۔ یاد آوری کا شکریہ۔

آپ نے مجھ سے دریافت کیا ہے کہ مجھے آپ کے کس طرح عمل سے شکایت ہے۔ مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں۔ البتہ جب آپ ایسے حضرات ہو ہندوستان کی آزادی کے علمبردار ہیں، بے ضرورت غلطیاں کرتے ہیں تو مجھے دکھ ضرور ہوتا ہے۔ ہندوستان میں یہ غوغا چھاپا جا رہا ہے کہ مسلمان کانگریس میں شریک نہیں ہیں۔ اگرچہ یہ بات سرے سے ہی غلط ہے مگر نیشنلسٹ ہندو اور انگریز اپنے اپنے مفاد کے لیے پروپیگنڈا کرتے ہیں۔ اس پروپیگنڈا سے دونوں کا مقصد جدا جدا ہے۔ انگریز یہ چاہتا ہے کہ وہ دنیا پر ظاہر کرے کہ کانگریس صرف ہندوؤں کی جماعت ہے۔ اس میں مسلمان شریک نہیں اور ہندو اس لیے پروپیگنڈا کرتے ہیں کہ مسلمانوں سے کانگریس کے جھڈے تلے وطن کی

آزادی کے لیے قربانی اور آزادی کا کام تو لیں لیکن ملکی حقوق کی تقسیم کا وقت آئے تو ہم مسلمانوں سے یہ کہہ کر انہیں محروم کر دیں کہ تم نے وطن کی آزادی میں کوئی حصہ نہیں لیا۔ آج بھی مسلمان اس اتحاد سے شریک ہیں، جو ہندو کی تناسب آبادی سے کسی طرح کم نہیں ہیں۔ میرا یہ بھی یقین ہے کہ مانو سے فیصد ہندو نیشنلسٹ زبان سے یہ کہتے ہیں کہ مسلمان کانگریس میں آئیں اور دل سے یہ چاہتے ہیں کہ نہ آئیں۔ آپ کو یاد ہو گا کہ مولانا شفیع داؤدی، سید مرتضیٰ بہادر وغیرہ وغیرہ ۱۹۲۴ء تک کانگریس میں تھے۔ لیکن جب سراج پارٹی نے اسمبلی میں سرحد کی اصلاحات کے متعلق ہندو ذہنیت کا ثبوت دیا اور واک آؤٹ کر گئی تو یہ لوگ کانگریس سے الگ ہو گئے۔ میں ان لوگوں میں سے ہوں جن کا جذبہ یہ ہے کہ ہندوؤں کی تمام غلط کاریوں کے باوجود آزادی وطن کے لیے مسلمانوں کو کانگریس میں شریک رہنا چاہیے۔ مجھے وطن کی آزادی ہر چیز سے زیادہ عزیز ہے۔

فرقہ دارانہ تصفیہ کے متعلق جو پروپیگنڈا ہندوستان میں ہو رہا ہے مجھے پھر کر بے حد حیرت ہوتی ہے۔ ہم کیسی احمق دنیا میں آباد ہیں۔ جو چیز ہمارے اپنے تصفیہ کی ہے اور جس کا تصفیہ محض خود غرض اور وطن دشمن ہندوؤں نے خود نہیں ہونے دیا۔ اس کا الزام دوسروں پر کیوں دیتے ہیں۔ (یعنی وزیراعظم برطانیہ پر) لکھنؤ میں منرو رپورٹ کی شکل میں فرقہ دارانہ تصفیہ ہوا مگر گاندھی جی نے سکھوں کو خوش کرنے کے لیے اسے دبائے راوی میں غرق کر دیا۔ جن لوگوں نے منرو رپورٹ کے لیے اپنی قوم سے بازاروں میں پتھر کھائے ان سے اس کے غرق کرنے کے وقت مشورہ بھی نہ لیا گیا۔ اس کے بعد گاندھی جی مکمل آزادی، راؤ ڈیٹیل کا نفرنس میں لینے کے لیے گئے۔ ان دنوں میں بمبئی میں موجود تھا۔ میں نے ان سے مل کر کہا کہ آپ لندن نہ جائیے۔ جب تک ہندوستان کی قومیں آپس میں تصفیہ نہ کریں۔ مگر گاندھی جی دنیا میں کسی کی سننے والے نہیں۔ نہ ماننے والے گاندھی جی راؤ ڈیٹیل کا نفرنس میں لندن گئے اور ملک کو اس سے جو نقصان پہنچا تھا اپنا بچا لیا۔

ملک کے بدترین دشمن فرقہ پرست ہندو اور مسلمان کانفرنس میں بلائے گئے تھے، جنہوں نے وزیراعظم کو دیکھ کر لکھ دیا کہ ہمارے فرقہ وارانہ معاملات کے متعلق جو فیصلہ آپ کر دیں گے وہ ہمیں منظور ہوگا۔ جب وہ تصفیہ ان لوگوں کے ارادے کے خلاف آیا تو انہی لوگوں نے اس کو فرقہ وارانہ وقار کا مسئلہ بنا کر اس کے خلاف پروپیگنڈا کیا۔ سردار ٹپیل نے ایک تقریر میں جو انہوں نے لڑھیانہ میں کی تھی، کہا تھا کہ:

الویہ جی خود وزیراعظم برطانیہ سے فرقہ وارانہ فیصلہ لے کر آئے ہیں اور خود ہی اس کے خلاف پروپیگنڈا کر رہے ہیں۔ سردار ٹپیل نے الویہ جی کے بارے میں سخت الفاظ کہے تھے۔ مگر میں انہیں نقل کرنا نہیں چاہتا۔

کاش! یہ پارٹی اس فرقہ وارانہ فیصلے کے خلاف اگر اس بنیاد پر پروپیگنڈا کرتی کہ فیصلہ ہندوستانی قومیت کے منافی ہے تو یہ بات معقول ہوتی۔ لیکن پنڈت الویہ جی سے لے کر ان کی پارٹی کے تمام اراکین اور ہندو اخبارات نے یہ کہا کہ پنجاب اور بنگال میں اسلامی راج قائم ہو گیا ہے۔

میرا یقین تھا کہ آپ اس خیال سے علیحدہ رہیں گے۔ کیونکہ جو شخص ہندوستان کی مکمل آزادی چاہتا ہے، اس کا اس بات سے کیا تعلق ہے کہ انگریز ہندوستانیوں کو کیا دیتا ہے۔ اس کا تو ایک ہی کام ہے کہ وہ بدیشی طاقت کو کسے کہ میرا گھر خالی کروا دیں۔

لازماً لاجپت رائے نے مجھے دھرم سالہ جیل میں کہا تھا کہ اگر کانگریس نے ہندوستان کے لیے کوئی آئین تیار کیا، یا وہ کسی آئین کے رد و قبول کی بحث میں پڑ گئی تو تمام اقوام ہندوستان میں گٹنے لگ جائیں گی اور ہندوستان کی آزادی بہت دور ہو جائے گی۔

یہ بات کتنی سچ نکلی۔

آپ سے یہ دکھ پہنچا ہے کہ آپ نے کمیونل ایوارڈ کے سلسلے میں کانگریس

میں تبدیلی پیدا کی اور آپ اس پارٹی کے سامنے جھٹ گئے جو وطن کی آزادی کے ساتھ ہندو راج کے خواب دیکھ رہی ہے۔ کیا آپ مجھے سمجھا سکتے ہیں کہ کمیونٹی یوٹھ کے مسترد کرنے کے کیا معنی ہیں۔ کیا ہم پھر انگریز سے کہیں گے کہ وہ دوبارہ ہمارے لیے فیصلہ دے۔ اگر اس سے یہ مراد نہیں تو پھر فرقہ وارانہ فیصلے کو مسترد کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ ہندوستان کی تمام فرقہ وارانہ ملتیں خود کو فی باہمی تصفیہ کر لیں۔ اگر پہلی بات ہے تو بدیشی حکومت جو فیصلہ کرے گی وہ ہندوستان منہد کے خلاف ہوگا۔ اور اگر ہم خود کو فی فیصلہ کرنا چاہتے ہیں تو یہ فیصلہ ملے ہوئے چلبیسے۔ باہمی فیصلہ سے فرقہ وارانہ فیصلہ خود بخود مسترد ہو جائے گا۔ میں آپ کو نشان دلاتا ہوں کہ پنجاب کے سکھ اور ہندو اب کال کے ہندو رہا سہاں کسی ایسے فیصلے کو ماننے کے لیے تیار نہیں۔ خواہ وہ خالص قوم پرستی کی خیانتوں پر مبنی کیوں ہو۔ کہ جس سے ان کو خطرہ ہو جائے۔ کہ اس تصفیے سے پنجاب۔ اور پنجاب میں سہاؤں کی اکثریت ہو جائے گی۔

آپ کے موجودہ طرز عمل سے کانگریس کے وقار کو نہ صرف ہندوستان میں پنجاب میں اول تو سیدھے ہی کانگریس کا کوئی خاص وقار نہیں۔ کیونکہ چنانچہ کانگریس آپ نے چارٹرڈ کڑیوں (ڈاکٹر گوپی چند برہارگوڑا، ڈاکٹر سیف الدین بیجو، ڈاکٹر جگن ناتھ پال) کے ہاتھوں میں دے رکھی ہے۔

ہندوہ میں سے میں دیکھ رہا ہوں کہ ان ڈاکٹر اور تواریف کے ہوا کوئی کام نہیں دوڑا کر تو نہ کانگریس سے الگ ہو گئے ہیں۔ میں نے اسے ایک تو مسجد شہید گیس کے ٹسٹ پر کام کر رہا ہے اور دوسرے ڈاکٹر۔ سبب امرتسر کی مسجد کے حوض میں نماز ترویج کے بعد مسلمانوں سے کہہ رہے ہیں کہ پنجاب اسمبلی میں اس لیے جا۔ ہا ہوں کہ پنجاب اسمبلی میں مسلمانوں کو تو چھ فیصد سیٹیں ملیں۔ باقی دو ڈاکٹر ہیں انہیں لڑنے سے فرصت نہیں۔ اس لیے کہ نے ایک مخلص کانگریسی ڈاکٹر۔ سبب۔ ہندوہ۔ ہندوہ۔ ہندوہ۔ ہندوہ۔

گئی۔ مجھے اندیشہ ہے کہ مالویہ جی کی پارٹی پنجاب الیکشن میں کامیاب ہوگی۔
 مکمل آزادی کے ریزولیشن کے بعد کانگریس کا یہ کام ہے کہ وہ انگریزی حکومت
 کے ہر عہدے سے بے نیاز رہے اور انگریزی حکومت کے ہر فیصلے کو فرقہ پرستوں کے
 حوالے کر دے اور ہر کانگریسی کا ایک ہی فرض ہے کہ وہ ہندوستان کے عوام میں آزادی
 کی سچی تڑپ پیدا کرے۔ میرے نزدیک نہ اب ہندوستان میں اسلامی حکومت ہے
 نہ آئندہ ہوگی۔ اس لیے فرقہ وارانہ فیصلے کو ماننے اور تبدیل کرنے سے کوئی دلچسپی
 نہیں۔ لیکن نہ معلوم آپ جیسے آدمی کو کیوں دلچسپی ہے۔

(آپ کا حبیب الرحمن حبیب روڈ۔ لدھیانہ۔ ۲۔ جنوری ۱۹۳۷ء)

مندرجہ بالا خطوط سے ظاہر ہے کہ مجلس احوار اور کانگریس میں کس قدر بعد موجود ہے۔ اس
 سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ نئے آئین کے مصنفین کی نیتیں درست نہیں تھیں ورنہ ایک ڈگر کے
 مسافروں میں بعد کیوں؟ — جبکہ منزل بھی جدا نہیں۔

ظاہر ہے کہ غیر ملکی مقننہ کے ممبران کی تمام تر کد کاوش میں خلوص مفقود تھا۔ وہ پتیل کو سونا اور
 کوئلے کو ہیرا بنا کر لائے تھے۔ تاکہ اقوامِ افرننگ کا سورج کچھ دیر مزید غلاموں کی آنکھوں کو خیر
 کر سکے۔ مگر تاڑنے والے بھی قیامت کی نظر رکھتے ہیں۔

ان دنوں کانگریسی حلقوں میں یہ بحث زور پکڑ رہی تھی کہ اسمبلی میں جا کر وزارتیں قبول کی جائیں
 یا نہ۔ کیونکہ نئے آئین میں صوبائی خود مختاری کے باوجود تمام تر اختیارات گورنروں کے پاس
 تھے اور وزیر اعظم ایک کھلونا تھے۔ جس سے یہ شبہ مزید بچتا ہو چکا تھا کہ ایکٹ ۱۹۳۵ء
 کوئی جاندار چیز نہیں۔ انگریز صرف اپنے غلاموں کو مہلانا چاہتا ہے اور بس۔

مولانا شوکت علی ان دنوں مسلم لیگ کے امیدواروں کی حمایت کے لیے پنجاب کا دورہ کر
 رہے تھے۔ انہوں نے اپنی ایک تقریر میں کہا کہ اگر اسمبلیوں میں وزارتیں قبول نہیں کرنی
 تو پھر اسمبلیوں میں جانے کی کیا ضرورت ہے۔ ہمیں وزارتیں قبول کر لینی چاہیں، تاکہ حکمرانی
 کی ٹریننگ ہو سکے۔ ہمیں چاہیے کہ رحمت پسندوں کو اقتدار پر نہ آنے دیا جائے۔

میں باجید آئین کو تباہ کرنے کے خلاف ہوں۔ بلکہ ہمیں اس آئین کو کامیاب بنانا چاہیے۔

اور اصلاحات کی مزید شق حاصل کرنی چاہیے۔ آپ نے ترقی پسند مسلمانوں سے تائید و مدد
سمجھوتہ کرنے کی درخواست کی۔

(۳۔ جنوری ۱۹۳۷ء روزنامہ "القیاس" لاہور)

احرار امیدواروں کا اعلان | حالات کی ناسازگاری کے باوجود ۸ جنوری کو مرکزی احرار رہنماؤں
نے بڑی احتیاط سے اپنے مندرجہ ذیل مختصر امیدواروں کا
اعلان کیا۔

- ۱۔ چودھری افضل حق گڑھ شنگر تحصیل ہوشیار پور۔ ۲۔ چودھری عبدالرحمن تحصیل جالندھر
- ۳۔ شیخ حسام الدین امرتسر شہر۔ ۴۔ مولانا مظہر علی اظہر بیا لکوٹ، گوبہرانوالہ اور جڈیا، گورد تحصیل امرتسر
- ۵۔ خواجہ محمد یوسف لدھیانہ شہر۔ ۶۔ خواجہ غلام حسین ایڈوکیٹ لاکپور، جھنگ وغیرہ کا شہری حلقہ
- ۷۔ شیخ غلام حیدر فیروز پور، جالندھر وغیرہ کا شہری حلقہ۔ ۸۔ سردار محمد شفیع قصور ضلع لاہور۔ ۹۔
چوہدری غلام رسول ترائی سکہ ضلع بیا لکوٹ۔

ڈاکٹر عالم کے مقابل راولپنڈی کی برٹش پارٹی جو بیب کی حمایت کا فیصلہ کیا
احرار امیدواروں کے مقابل سوائے ان شہری سبٹ کے باقی تمام دیگر رکنانہ طور سے متعارف
احرار امیدواروں کا اعلان ہوتے ہی روزنامہ "القیاس" نے ایک ایک امیدوار کا
لے کر ان کی مخالفت شروع کر دی۔ اس سلسلے میں ان کے خلاف جاننا مے کے ایک
کراسے شکست دینا ضروری قرار دیا گیا۔ اس سلسلے میں ان کے خلاف جاننا مے کے ایک
ضروری ہوئی چاہیے۔ ان کے خلاف ایک سب سے پہلے مخالف کی
کو چھ کلمے لکھنا ایک سب سے پہلے مخالف کی سب سے پہلے مخالف کی سب سے پہلے مخالف کی
میں چھ کلمے لکھنا ایک سب سے پہلے مخالف کی سب سے پہلے مخالف کی سب سے پہلے مخالف کی
سب سے پہلے مخالف کی سب سے پہلے مخالف کی سب سے پہلے مخالف کی سب سے پہلے مخالف کی
سب سے پہلے مخالف کی سب سے پہلے مخالف کی سب سے پہلے مخالف کی سب سے پہلے مخالف کی
کی اور کئی حرکتیں کی گئیں۔

تیسری پارٹی بھی ہے | کانگریسی پریذیڈنٹ پنڈت جواہر لال نہرو نے کلکتہ میں انور کرتے
ہوئے کہا کہ:

”اس وقت ہندوستان میں صرف دو پارٹیاں ہیں۔ ایک حکومت برطانیہ اور دوسری کانگریس۔ اگر آئندہ کوئی بات چیت ملکی اصلاحات پر ہونی ہے تو وہ صرف انہی کے درمیان ہوگی۔“

اس کے جواب میں مسلم لیگ کے صدر سٹر محمد علی جناح نے مولانا محمد علی جوہر کے یوم وصال کے موقع پر ۵۔ جنوری کو ٹھکانے میں کہا، اگر ”کانگریس کا یہ دعویٰ غلط ہے کہ ہندوستان میں صرف دو جماعتیں ہیں۔ میں کہتا ہوں دو نہیں تین جماعتیں ہیں۔ یعنی حکومت، کانگریس جو ہندوؤں کی نمائندہ ہے اور اس کے علاوہ تیسری جماعت مسلمان ہیں۔ ان کے مشورے کے بغیر ہندوستان کی آزادی کی گفتگو نامکمل ہوگی۔“

کانگریس پریذیڈنٹ نے ۶۔ جنوری کو بانکی پور (پٹنہ) میں ایک تقریر کے دوران کہا کہ **بجواہر لال** جس مقصد کے لیے ہم سب بڑے ہیں اگر اس کے حصول کے لیے کونسلوں اور مجلس وضع قوانین سے باز نہ نہی تو مجھے ان کی کوئی ضرورت نہیں۔ کونسلوں کے اندر سوراخ کے لیے اتنی جدوجہد نہیں ہو سکتی، جتنی باہر رہ کر ہو سکتی ہے۔ اس کے باوجود ہم کونسلوں میں جائیں گے اور اس ملک کی بہتری کے لیے جس قدر غامہ ہو سکے گا، حاصل کریں گے۔“

بنگال کا مسئلہ طے ہو گیا وزارتوں کی ترتیب اور الیکشن سے پیشتر ہر پارٹی جوڑ توڑ میں مصروف تھی۔ بنگال اور پنجاب ایسے صوبے تھے، جہاں مسلمانوں کو اقلیت کی کسی پارٹی سے نہ تو خوف تھا۔ نہ ہی ان دو صوبوں میں جوڑ توڑ کی ضرورت تھی۔ لیکن اس پر بھی بنگال کے سٹراے ایچ۔ غزنوی نے بغیر کسی مشورہ کے بنگال کے ہندوؤں سے فیصلہ طے کر لیا۔ ۷۔ جنوری کو ہندوؤں کی طرف سے مہاراجہ دھرج راج آف بردوان نے سٹراے ایچ۔ غزنوی سے بات چیت کر کے بنگال کا قضیہ ختم کر دیا۔ سٹراے غزنوی نے بنگال کے فردوارہ مناقشات کو رفع کرنے کے لیے مندرجہ ذیل تجاویز مہاراجہ بردوان کو پیش کیں۔

۱۔ کیمپونا ایوارڈس سال تک بنگال رہے گا۔ اور اس کے بعد اس پر نظر ثانی کی

جائے گی۔ یا اس وقت تک بحال رہے گا۔ جب تک متعلقہ قوموں کے باہمی فیصلہ سے کمیونل ایوارڈ میں ترمیم نہ ہو جائے۔

۲۔ بنگال کی کابینہ میں ہندو اور مسلمان کی تعداد مساوی ہوگی۔

۳۔ سرکاری ملازمتوں میں ہندو اور مسلمانوں کا تناسب یکساں رہے گا۔ یعنی یورپین اینگلو انڈین اور ہندوستانی عیسائیوں کے مقابلہ میں ہندوؤں کے بعد دونوں قوموں کا تناسب یکساں ہوگا۔

ہمارا جہ بردوان نے بحیثیت انٹی کمیونل ایوارڈ کے صدر۔ ان تجاویز پر دستخط کر دیے۔
(کلکتہ ایسوسی ایٹڈ پریس)

ظاہر ہے کہ اسے یاچ غزنوی کی مندرجہ بالا تجاویز بنگالی مسلمانوں کے لیے ضرر پہنچا رہی ہیں۔
مگر اس پر بھی ۱۰ جنوری کے روزنامہ انقلاب نے اپنے ادارہ میں خوشی کا اظہار کیا۔ کہ بڑے
اس سے یونیٹ ذہن کی تائید ہوتی تھی۔

منشی احمد دین کو سزا | مشہور سوشلسٹ لیڈر منشی احمد دین جنہوں نے اپنی تقریر میں مذکور
مسجد شہید گنج کی ذمہ داری حکومت پنجاب پر عائد کی تھی۔ انہیں
دفعہ ۱۲۸ کے تحت رولمنڈی سے واپسی پر تہلم کے پل پر گرفتار کر لیا گیا۔ ۱۰ جنوری کو ہریانہ
ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ جالندھر نے منشی صاحب کو دو سال قید با مشقت کی سزا دی

سرکندہ حیات کی تقریر | ہوشیار پور میں ۱۱ جنوری کو سرکندہ حیات نے اپنی انتہائی
تقریر کے دوران کہا، اگر مجھے کابینہ بنانے کا موقع ملتا تو میں

پارٹی کے علاوہ دیگر سیاسی جماعتوں کے نمبرن کو بھی کابینہ میں شامل کروں گا۔ گواہی ملی میں اتحاد
پارٹی کے ارکان کی اکثریت ہوگی۔ اس کے باوجود اتحاد پارٹی ایک سیاسی جماعت ہے جس
میں کسی فرقہ وارانہ تمیز کے بغیر ہندو، سکھ اور مسلمان شامل ہیں۔ یہ کہنا غلط ہے کہ یونیٹ
پارٹی صرف مسلمانوں کی سیاسی جماعت ہے۔

آپ نے کہا دستور اساسی کو چلانے کے لیے ہندو پروگریسو پارٹی دہن دہا سہا
کے ساتھ تعاون کرنے میں مجھے انتہائی خوشی ہوگی، کیونکہ اتحاد پارٹی کوئی مذہبی جماعت

نہیں، جس کا مقصد کسی خاص مذہب کی حفاظت کرنا ہو۔ بلکہ یہ امیر اور غریب اور صوبہ کے درمیانہ طبقہ کی نمائندگی کرتی ہے۔ تقریر کے آخر میں آپ نے میثاق بنگال کے متعلق اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ:

”میں پنجاب میں بھی اس قسم کی تجویز کا خیر مقدم کروں گا“

(روزنامہ انقلاب لاہور، ۱۷-جنوری، ۱۹۳۷ء)

مولانا شوکت علی کی ناراضگی | ۱۲-جنوری کو آلہ آباد سے ایسوسی ایٹڈ پریس کو ایک بیان دیتے ہوئے مولانا شوکت علی نے کہا کہ:

”اے۔ ایچ۔ غزنوی اور ہمارا جبر بردوان کو کوئی سیاسی حیثیت حاصل نہیں اور نہ ہی غزنوی کی مسلم قوم میں کوئی حیثیت ہے۔ لہذا میثاق بنگال سے بنگال کا کوئی مسئلہ حل نہیں کیا جاسکتا۔ اس میثاق کی حیثیت ایک مذاق کے سوا کچھ نہیں“

مرزاؑ اور سکندر حیات | جیسے کہ سر سکندر حیات نے ۱۱-جنوری کو ہوشیار پور میں اپنی تقریر کے دوران کہا کہ یونینسٹ پارٹی کوئی مذہبی جماعت نہیں اس

پر روزنامہ احسان لاہور نے اپنی ۱۵-جنوری کی اشاعت میں ایک ادارتی نوٹ لکھا کہ:

”یونینسٹ پارٹی کا لیڈر اگر مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا وعدہ کرے

تو ہم احرار رہنماؤں کو مشورہ دیں گے کہ وہ یونینسٹ پارٹی کے ساتھ تعاون کریں“

بجلی چٹھیوں کی اشاعت | ایکشن کے دوران احرار کے خلاف باضابطہ پروپیگنڈہ کی مہم چل رہی تھی۔ اس سلسلے میں عاشق حسین ٹیلوی اپنی

کتاب ”اقبال کے آخری دو سال“ کے صفحہ ۳۱ اور صفحہ ۳۲ پر لکھتے ہیں۔

”امر تسر سے دو آدمیوں نے کھڑے ہونے کا اعلان کیا تھا۔ ایک یونینسٹ

پارٹی کے امیدوار شیخ محمد صادق اور دوسرا احرار کے امیدوار شیخ حسام الدین اس

مقابلے میں شیخ محمد صادق کا پڑا بھاری نظر آتا تھا۔ اور اندیشہ تھا کہ کہیں یونینسٹ

پارٹی کامیاب نہ ہو جائے۔ اس موقع پر علامہ اقبال نے ڈاکٹر سیف الدین کچلو

کو کھڑا ہونے پر آمادہ کیا جو ۱۹۳۰ء کی تحریک سول نافرمانی میں تین سال قید کاٹ کر رہا ہوئے تھے۔ اور اب امرتسر کی بجائے لاہور میں پریکٹس کر رہے تھے۔ یہ صحیح ہے کہ امرتسر میں ڈاکٹر کچلوک سامنے کسی بڑے سے بڑے آدمی کا چہرہ نہ جل سکتا تھا۔ لیکن وقت یہ تھی کہ کچلو مسلم لیگ کے ٹکٹ پر کھڑے ہونے کو تیار نہ تھے۔ ادھر کانگریسی ٹکٹ پر ان کی کامیابی کے امکانات قطعا نہیں تھے علامہ اقبال نے ایک درمیانی راستہ تلاش کیا اور ڈاکٹر کچلو کو انڈیپنڈنٹ کھڑا ہونے پر آمادہ کر لیا۔ جب انہوں نے امرتسر کے شہری حلقے سے کھڑے ہونے کا اعلان کیا تو ایک پبلک جلسے میں لوگوں نے پوچھا کہ آپ کس ٹکٹ پر کھڑے ہوئے ہیں تو انہوں نے جواب دیا: کچلو ٹکٹ“

ڈاکٹر اقبال کے اس مشورہ کا نتیجہ یہ نکلا کہ نیشنلسٹ مسلمانوں کے ووٹ بٹ تقسیم ہو گئے۔ جس سے اہل راویو نیشنلسٹ پارٹی دونوں شکست کھا گئے۔ اگر ایسا نہ ہوتا، تو مجلس اہل راہ کا نمائندہ کامیاب ہو جاتا۔

ان دنوں اہل راہ کے خلاف سابقہ شائع شدہ جعلی چٹھیاں بھی از سر نو شائع کی گئیں چنانچہ ۲۰ جنوری کے روزنامہ نقاب نے ان جعلی چٹھیوں کو اپنے اخبار کے صفحہ اول پر جعلی عنوان سے شائع کیا۔ حاکم ننگر نہشتہ سال تحریک مسجد شہید گنج میں یہ چٹھیاں اور بعد میں ان کے تصنیف کا حلفی بیان شائع ہو چکا تھا۔ لیکن یونینسٹ پارٹی کا حق نمک داری نے کے یہ جعلی چٹھیاں کو شائع کرنا مناسب سمجھا۔ بعد میں ان چٹھیوں کے بڑے بڑے پوسٹر شائع ہوئے، ہونہو پنجاب بھرمیں تقسیم ہوئے۔ اس پر مولانا منظر علی اظہر کا حسب ذیل بیان ۲۱ جنوری کے روزنامہ احسان میں شائع ہوا۔

”کسی شخص کا مرید نہ حسین امرتسری نے ایک اشتہار کے ذریعے میری ایک فریبنی چٹھنی شائع کی ہے، جس میں یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ میں نے چودھری افضل حق کو مسجد شہید گنج کے متعلق کچھ باتیں لکھی ہیں۔

میں نے یہ ہی اعلان کر چکا ہوں کہ جعلی چٹھیاں میرے اور احباب کے نام

پر شائع کی جائیں گی۔ چنانچہ یہ پہلی چھٹی ہے، جو شائع کی گئی ہے۔ بالکل فرضی اور بے بنیاد ہے۔

اس چھٹی پر ۲۲ جولائی ۱۹۳۵ء کی تاریخ ہے۔ اور ظاہر کیا گیا کہ یہ چھٹی گورداسپور سے لکھی گئی ہے۔ اس کا پہلا فقرہ یہ ہے کہ

میں دورے سے واپسی پر دفتر پہنچا لیکن آپ موجود نہ تھے۔ زبانی طور پر تمام واقعات مولوی محمد شفیع سے کہہ آیا ہوں۔ غالباً انہوں نے تمام منشیب و نقل بیان کر دیے ہوں گے۔ احتیاطاً دوبارہ عرض کرتا ہوں۔

اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ میں ۲۲ جولائی ۱۹۳۵ء کو گورداسپور میں تھا اور لاہور سے گورداسپور گیا تھا اور اس سے پہلے لاہور سے باہر دورے پر تھا اور دورہ کرتا ہوا لاہور پہنچا۔ لیکن چودھری افضل حق ۲۲ سے پہلے لاہور میں نہ تھے۔

کیا آج کوئی واقف حال شخص اس عظیم غلطی میں مبتلا ہو سکتا ہے کہ شائع کردہ چھٹی میری لکھی ہوئی ہے۔ کس کو معلوم نہیں کہ ڈیڑھ سال تک ہمارے خلاف یہ پروپیگنڈہ کیا گیا کہ جب گولیاں چل رہی تھیں ہم دفتر میں بیٹھے پلاؤ اور کیا بکھا رہے تھے۔ گولیاں ۲۰-۲۱ جولائی ۱۹۳۵ء کو چلیں اور سب کو علم ہے کہ چودھری افضل حق ان دنوں لاہور میں تھے۔ ۲۲ جولائی کو ہم سب مسجد وزیر خاں میں گئے، جہاں سید عطاء اللہ شاہ بخاری بھی موجود تھے ۲۳ جولائی کو ہم نے سول نافرمانی کے خلاف اپنا پہلا بیان دیا، جو زمیندار لاہور میں مورخہ ۲۶ جولائی میں شائع ہوا۔ اس کے بعد اور بھی اعلان شائع ہوئے اور چودھری افضل حق اور میں لاہور میں رہے۔ حتیٰ کہ ۲۲ اور ۲۸ جولائی کو برکت علی ہال لاہور میں احوار کارکنوں کے اجلاس ہوئے۔ پنجاب اور سرحد کے زعماء کے اجلاس ہوئے تو ہم لاہور میں تھے۔

۱۲ جولائی کو پنجاب کونسل کے ارکان کا اجلاس ہوا اس میں شامل ہوا

اور ۱۸-۱۹ جولائی کی گفتگو سے مصالحت کے سلسلہ میں لاہور میں مقیم رہے۔

الغرض ۱۰ جولائی سے ۲۹ جولائی تک چودھری افضل حق اور میں

لاہور میں رہے۔ لیکن اس مفروضہ چھٹی سے ظاہر ہوتا ہے کہ میں اور چودھری صاحب دونوں دورے پر نئے۔ کیا اس سے زیادہ بھی کوئی بدکاری ہو سکتی ہے کہ الیکشن کے دروغ یا ایجنٹ یہ جعلی خط شائع کر کے مجھے اور احرار کو بدنام کرنے کی کوشش کریں۔

میں ان اخبارات سے جنہوں نے اس جعلی چھٹی کو شائع کیا ہے اس پر رکھتا ہوں کہ وہ میرے اس بیان کو شائع کر کے اس پر تنقید کرنے کی تکلیف گوارہ فرمائیں گے۔

ملک برکت علی پر الزام | انہی دنوں پنجاب اسمبلی کے مسلم لیگی امیدوار ملک برکت علی کے خلاف ایک اشتہار شائع ہوا جو مسلم لیگ پارلیمنٹری سیکرٹری غلام محمد خاں بیرٹر کے نام بھیجا گیا اور اس کی نقل اخبارات میں شائع ہوئی۔ اس اشتہار میں ملک برکت علی پر دو الزام لگانے گئے تھے۔

۱۔ کیا ملک برکت علی نے مسجد شہید گنج میں بحث کرنے کے لیے مبلغ تین سو روپیہ شہید گنج ٹریفنس کمیٹی سے حاصل نہیں کیے اور اس رقم کا خرچہ بی بی ٹی فیکٹری انہوں نے عدالت میں داخل نہیں کیا۔؟

۲۔ کیا اس مسلم رئیس اور خواجہ سے جن کی طرف سے متذکرہ بالا اشتہار میں اشارہ ہے۔ انہوں نے معائنہ مشل اور حصول نقل کے لیے مبلغ ایک سو روپیہ چیک نمبر ۲۶۵۲۱ مورخہ ۲۴ فروری ۱۹۴۶ء کو حاصل نہیں کیے؟

(روزنامہ انقلاب - لاہور - ۲۱ جنوری ۱۹۴۶ء)

پنڈت مالوی پنجاب میں | ۱۹۔ جنوری کو پنڈت مہن موہن مالوی کانگریسی امیدواروں کی مخالفت کے لیے پنجاب کے دورے پر لاہور پہنچے مگر وہ جس جگہ گئے وہاں کے ہندو عوام نے ان کی مخالفت کی اور ان کی تقریر سننے سے انکار دیا۔

آخر وہ ایک ہفتہ کے بعد واپس چلے گئے۔

حلف نامہ آزادی خلاف قانون قرار دے دیا گیا | ۲۲۔ جنوری کو مدراس گورنمنٹ نے

۲۶۔ جنوری کو یوم آزادی کے موقع پر پڑھا جانے والا حلف نامہ خلاف قانون قرار دے دیا۔ اس کے بعد بمبئی، سی پی اور پنجاب کی صوبائی حکومتوں نے بھی یہ حلف نامہ ممنوع قرار دے دیا۔

۱۹۳۰ء میں آل انڈیا کانگریس ورکنگ کمیٹی نے اپنے ریزولیشن کے مطابق ہر سال ۲۶۔ جنوری کو یوم آزادی منائے جانے کا فیصلہ کیا تھا۔ جس میں اس ریزولیشن کا اعادہ کیا جاتا اور اسے بطور حلف نامہ کے ہر سال پڑھا جاتا تھا۔ لیکن اس سال صوبائی حکومتوں نے ایمر جنسی پاور ایکٹ ۱۹۳۱ء کی دفعہ ۱۹ کے تحت بحکم ملک معظم اس حلف نامے کو خلاف قانون قرار دے دیا۔ چنانچہ پولیس نے اس ریزولیشن کی تمام کاپیاں سارے ملک میں کانگریس کے دفاتروں پر چھاپہ مار کر ضبط کر لیں۔

مجلس احرار کا اعلان | ۲۳۔ جنوری کو مجلس احرار ہند کے سالار اعظم سردار محمد شفیع نے اعلان کیا کہ

”احرار وطن عزیز کی آزادی کے لیے کانگریس سے پورا پورا تعاون کریں گے کیونکہ ہندوستان کی آزادی سے وسط ایشیا کے مسلمان ممالک کی آزادی وابستہ ہے۔“

مولانا عبید اللہ سندھی کی صدائے بازگشت | سیٹھ عبداللہ مارون نے ۲۴۔ جنوری ۱۹۳۴ء کو اسمبلی کے اجلاس میں

حکومت ہند سے دریافت کیا کہ:

”آیا، حکومت نے عبید اللہ سندھی کے ہندوستان میں داخلے کو منسوخ

قرار دے دیا ہے۔ کیا حکومت کو یہ علم ہے کہ مولانا عبید اللہ سندھی

ہندوستان واپس آنا چاہتے ہیں؟“

جواب میں سر ہنری بیگ نے کہا کہ

”مولانا نے خود اپنے آنے کی تفصیل سے حکومت کو ابھی تک آگاہ نہیں

کیا اور نہ ہی کوئی درخواست کی ہے“

مولانا عبید اللہ سندھی ۱۵ اکتوبر ۱۹۱۵ء کو ہندوستان سے کابل گئے تھے اور سات برس کے بعد ۱۳ اکتوبر ۱۹۲۲ء کو افغانستان سے روس پہنچے۔ ایک سال یہاں رہنے کے بعد مولانا عبید اللہ سندھی ترکی چلے گئے اور ابھی تک وطن سے باہر ہیں۔

انتخابات شروع ہو گئے | ایکٹ ۱۹۳۵ء جس کی رو سے ہندوستان کو نئی اصلاحات مل رہی تھیں جس کے لیے گزشتہ سال سے سیاسی جماعتیں مصروف

تھیں۔ آخر وہ دن، وہ گھڑی، اور وہ وقت آن پہنچا۔ جب ہندوستان کی پولیٹیکل پارٹیز اپنے منشور اور اس کے حصول میں عوام کے سامنے پہنچ گئیں۔

کانگریس، مسلم لیگ اور مجلس احرار کے علاوہ پنجاب میں یونینسٹ پارٹی، سندھ میں سندھ یونائیٹڈ اس طرح یوپی، بہار، سی پی، اڑیسہ، بنگال، آسام اور شمال مغربی سرحدی صوبہ میں مختلف عنوانات اور ناموں سے جدا جدا جماعتیں الیکشن کے میدان میں اتر چکی تھیں۔

لاہور کے ڈپٹی کمشنر نے ۱۸ سے ۲۰ جنوری تک لاہور میں الیکشن کی تاریخوں کا اعلان کر دیا۔ فروری کے شروع میں دوسرے صوبوں میں بھی انتخابات شروع ہو چکے تھے۔ ہر روز طلوع ہونے والا آفتاب اخبارات کو نئی اطلاعات فراہم کرتا۔ جس سے تیس تالیوں نے جنم لینا شروع کیا۔ کبھی کانگریس، کبھی مسلم لیگ اپنے اپنے خیالی گھوڑے دوڑا رہی تھیں لیکن سرکاری اعلان کا انتظار تھا جو آخری اور حتمی تھا۔

اس دوران ۲ فروری کو ڈاکٹر محمد عالم نے بوشہید گنج کے ٹکٹ پر اولینڈی سے انتخاب لڑ رہے تھے، اپنی کامیابی کے گمان میں اعلان کر دیا کہ

”وہ کانگریس کے خادم ہیں اور کامیاب ہو کر کانگریس میں کام کریں گے“

اس پر اتحاد ملت کے کارکنوں نے اعتراض کیا کہ آپ شہید گنج کے لیے الیکشن لڑ رہے

تھے۔ اب آپ نے کانگریس کی پناہ لے لی۔

اس پر ڈاکٹر محمد عالم نے کہا کہ:

”میں اسمبلی میں کانگریس کی مدد سے مسجد کے لیے لڑوں گا۔ جو اہر لال کی امداد بھی

مجھے حاصل ہوگی۔ میں صرف حصول مسجد کے لیے کانگریس میں جا رہا ہوں۔“

پنجاب میں مسلم لیگ کے دو امیدوار تھے۔ ملک برکت علی اور راجہ غضنفر علی۔ اولیٰ الذکر نے مجلس اتحاد ملت کا ٹکٹ بھی برائے کامیابی حاصل کر لیا تھا۔ جس پر مسلم لیگی حلقوں میں تعجب کیا گیا۔ ۹ فروری کے اعلان کے مطابق مسلم لیگ کے دو ممبر کامیاب ہوئے۔ ملک برکت علی اور راجہ غضنفر علی۔ لیکن آخر الذکر کامیاب ہو کر یونینسٹ پارٹی میں جا ملے۔ راجہ صاحب کا استقبال کرتے ہوئے سرسکندر حیات نے کہا

”راجہ صاحب میری مرضی اور میرے ایماء پر مسلم لیگ کے ٹکٹ پر کھڑے

ہوئے تھے۔ انہوں نے شروع ہی سے میرے ساتھ وعدہ کر لیا تھا کہ وہ کامیاب

ہونے کے فوراً بعد یونینسٹ پارٹی میں شریک ہو جائیں گے۔“

(اقبال کے آخری دو سال ص ۳۷)

راجہ صاحب کے اس فعل پر سبقت روزہ نیوٹانز نے اپنی ۲۲ فروری کی اشاعت میں لکھا

”یہ صاف سیدھا فریب اور دھوکہ ہے۔ اگر مسلم لیگ کو معلوم ہوتا کہ راجہ غضنفر علی

اور سرسکندر کے درمیان کوئی عہد و پیمان قائم ہے تو پارلیمنٹری بورڈ کبھی ایسے شخص

کو ٹکٹ نہ دیتا، جو فریق مخالف کے میڈر کے ساتھ خفیہ ساز باز میں شریک تھا۔“

(اقبال کے آخری دو سال ص ۳۷)

یکم فروری کو صوبہ سرحد میں الیکشن کے دوران سارے صوبے میں دفعہ ۱۲۴ نافذ کر دی

جس کے تحت صوبہ بھر میں جلوس اور جلسے خلاف قانون قرار دے دیئے گئے۔

یوپی میں بھی اسی قسم کا کھیل تماشہ ہوا۔ مسلم لیگ کے ٹکٹ پر کامیاب ہونے کے

بعد حافظ اسماعیل، حافظ ابراہیم اور سعید الدین کانگریس میں شامل ہوئے۔

وسط فروری تک مسلم لیگ اور کانگریس کو اپنی اپنی پوزیشن کا واضح علم ہو چکا تھا۔

اس بنا پر بابور جند پرشاد نے ایک اخباری بیان میں کہا کہ کانگریس کسی دوسری جماعت سے اسمبلی کے اندر وزارت کے سلسلے میں منہاجت نہیں کرے گی۔

کانگریس رہنما کا یہ بیان یوپی کے چودھری خلیق الزمان کے لیے پریشانی کا باعث ہوا۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں۔ آخر اس بیان کی اتنی جلدی کیا تھی۔ جب کہ ابھی تک اکثر صوبوں کے انتخابات کے نتائج بھی معلوم نہیں ہوئے۔ علاوہ ازیں گوانیکشن کے دوران بیگ اور کانگریس کا کوئی باقاعدہ تحریری سمجھوتہ بھی نہ تھا۔ پھر بھی دونوں ادارے ایک دوسرے کی مدد کرتے رہے تھے۔ اس سے مجھے خوف ہوا کہ راجن بابو کا یہ بیان بہت خطرناک مستقبل کی دعوت دے گا۔ اور اسی وقت میں نے ایک مجمع کے سامنے کہہ دیا کہ کانگریس کی اس پالیسی کا میں پورا مقابلہ کروں گا۔

دشاہرہ پاکستان مصنف چودھری خلیق الزمان ص ۲۲

برطانیہ کی جنگی تیاریاں | لندن - ۱۲ فروری کو دارالعلوم میں برطانیہ کے وزیراعظم نے اعلان کیا کہ جنگی تیاریوں کے پیش نظر حکومت کو چالیس لاکھ پونڈ خرچ لینا پڑے گا۔

راجہ غنصفر علی کا بیان | ۱۱ فروری کے روزنامہ "الاقلام" لاہور میں راجہ غنصفر علی کا ایک بیان شائع ہوا۔

"میں ہمیشہ سے ہندو مسلم اتحاد کا حامی رہا ہوں۔ چنانچہ یوٹیسٹ پارٹی میں شامل ہونا اس کا زیادہ ثبوت ہے۔ اس کے علاوہ میں زمینداروں کی خدمت کو بھی مدد دیتا سمجھتا ہوں۔ اتحاد پارٹی کے تمام افراد کو اس کو زیادہ تر حقائق پر مبنی ہونی چاہیے۔ لیکن اب بھی مسلم لیگ کی طرح اس کو باریات سے اتحاد پارٹی کے ہمارے عجیبے مدت سے نیاز مندی حاصل ہے۔ جسے مختلف قوموں میں اگر کوئی شخص زیادہ سے زیادہ غماص ہے تو وہ سرکندہ حیات ہے۔ یہ وہ جیسے کہ بڑے ہوئے ہوں۔ حالات بہت خراب تھے۔ لیکن ان کے گورنمنٹ نے ہی حالات درست ہو گئے اس پر تمام انتخابات لے انہیں مبارکباد دی۔ جو مذہبی اعتبار سے بالکل درست ہے۔"

برلن - ۱۹ فروری کو ہٹلر نے فرنس کے تمام سابق برخاستہ فوجی جہازوں بشلہ کا اعلان | اور فرنس کے سامنے تو یہ کرتے ہوئے کہا کہ

”جرمن قوم کسی قوم سے جنگ نہیں چاہتی۔ اس وقت ہمارے دل میں اپنے
قدیم مخالفین کے سوائے احترام کے اور کچھ نہیں۔ آج تک جنگیں کسی قوم کے
یہے مفید نہیں رہیں، بلکہ تباہی لائی ہیں۔“

جس حالت میں جرمن حالات سے برہم ہو جائیں گے یا ہمارے امن میں
خلل وارد ہوگا اور جرمن کے حالات بگڑ جانے کا خدشہ ہوگا تو جرمن مجبور ہوگا کہ
وہ اپنا دفاع کرے اور اس کی تمام تر ذمہ داری ہم پر نہیں ہوگی۔“

(روزنامہ انقلاب لاہور ۲۱ فروری ۱۹۳۷ء)

انتخاب کے نتائج | فروری کے آخر تک تمام صوبوں کے نتائج نکھر کر سامنے آچکے تھے
اس کے نتیجے میں کانگریس کی پوزیشن حسب ذیل تھی۔

| | | | |
|----------------------------|-----------------------|---------|---------------|
| مدراں | کل دو سو پندرہ نشستیں | کانگریس | ایک سو اکیاون |
| بمبئی | کل ایک سو پچھتر | " | اٹھاسی |
| اڑیسہ | کل ساٹھ | " | چھتیس |
| یوپی | دو سو اٹھارہ | " | ایک سو بارہ |
| سی پی | ایک سو بارہ | " | اکتر |
| بنہار | ایک سو باون | " | ستانوے |
| شمال مغربی صوبہ علیہ۔ پچاس | " | " | انیس |
| آسام | ایک سو اسی | " | پینتیس |
| بنگال | دو سو پچاس | " | بیالیس |
| پنجاب | ایک سو پچھتر | " | اٹھارہ |
| سندھ | ساٹھ | " | سات |

اس کے مقابل آل انڈیا مسلم لیگ کسی جگہ بھی ایسی پوزیشن حاصل نہ کر سکی کہ وہ اپنی
وزارت بنا سکتی۔ مثلاً بنگال میں مسلمانوں نے ایک سو تیس نشستیں حاصل کیں۔ یہاں کا
یڈر فضل الحق تھا اور وہ پر جا پارٹی بنا کر بیٹھا ہوا تھا۔ گو اس کا اتحاد مسلم لیگ سے تھا مگر وزارت

فضل الحق نے ترتیب دی جسے لیگی وزارت نہیں کہا جاسکتا۔ پنجاب میں مسلم لیگ کے
نما عاقبت اندیش کارکنوں کی وجہ سے مسلم لیگ کو شکست ہوئی۔ البتہ صوبجات متحدہ میں مسلم لیگ
نے انیس نشستیں حاصل کیں یعنی اسی فیصد کامیاب رہے۔ لیکن یہاں وزارت بنانے کا سوال ہی
پیدا نہیں ہوتا تھا کیونکہ یہ علاقہ یوپی میں شامل تھا۔

مختصر نتائج یہ تھے کہ مسلمانوں کے چار سو اکانوے حلقوں میں مسلم لیگ نے ایک سو
چار نشستیں حاصل کیں۔ جبکہ کانگریس مدراس، یوپی، سی پی، بہار اور اڑیسہ میں واضح اکثریت
سے کامیاب ہوئیں۔

مجلس احرار | مجلس احرار نے پنجاب اور دیگر صوبوں میں بری طرح شکست کھائی
پنجاب میں اس کے ۱۰ نمائندے کامیاب ہوئے۔ لیکن پارٹی ایڈ چودھری
افضل حق کے شکست کھانے کے باعث صرف تین آدمی جماعت کے ساتھ رہے۔ وہ انارکلی میں تھے
ایڈووکیٹ (لاہور) خواجہ غلام حسین ایڈووکیٹ (لاہور) چودھری عبدالرحمن راول (ضلع جانا بھرا)
اس کی کئی وجوہات تھیں۔ اول مسجد شہید گنج کا غلط پروپیگنڈہ۔ دوسرے درجے پر یونیونسٹ پارٹی
اور حکومت کا گٹھ جوڑ۔ تیسری وجہ یہ کہ مجلس احرار کا اپنا کوئی اخبار نہیں تھا۔ اس وجہ سے پنجاب کا
غیر مسلم پریس احرار امیدواروں کی مخالفت کرتا رہا۔ مسلم لیگ کے کارکنوں کی منافقت بھی سبب
کے ساتھ احرار کے لیے نقصان دہ ثابت ہوئی۔ حقیقت میں مسلم لیگ کے ساتھ احرار بدست
یونیونسٹ پارٹی کے رکن تھے۔ وہ فضل حسین کے اٹا سے میرٹھ جناح کو فریب دیتے تھے۔
یوپی میں جمعیۃ علماء ہند نے مسلم لیگ سے ناٹ جوڑ یا تو اس مجموعہ کے احرار
لیکشن میں حصہ لینے کا فیصلہ کیا اور سیکرٹری مرحوم کے لکھاؤں پر سے بھی پریس جاری کیا۔
سے اجتناب کیا۔ سرحد کے احرار کو ان کی نموا بدید پر چھوڑ دیا تھا۔ البتہ بن محمد اسد نے لکھنؤ میں
لیا۔ حافظ علی بہادر مدیر علی "روزنامہ امت" بمبئی کے علاوہ عورتوں کی ایک کمیٹی پر۔
یہاں بھی دونوں سیٹیوں پر شکست ہوئی۔ بہار میں مجلس احرار ۱۹۳۰ء کے الیکشن میں اتار کھائی
یونیونسٹ پارٹی | پہلی جنگ عظیم کے شروع ہونے کے بعد ہندوستان میں آزادی کے لیے
بیرونی ممالک کی مدد سے ہندوستان کی آزادی کے لیے لڑا۔

تھیں پنجاب کے دیہاتی سکھ نوجوان جوان دنوں ہندوستان سے باہر کاروبار کے لیے گئے ہوئے تھے۔ انہوں نے انگریزوں کے خلاف اپنے وطن کے لیے ایک عظیم سازش کی جس کی تفصیل زیر نظر کتاب کی دوسری جلدوں میں آگے چل کر آئے گی، جب یہ لوگ واپس وطن آئے تو ان کے گاؤں برطانیہ کے خلاف بغاوت کا مرکز بن گئے۔ شہروں میں تو آگ روشن تھی جب دیہاتی عوام بھی فرنگی سامراج کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے تو حکومت کی حکمت عملی سے شہری اور دیہاتی کی تمیز اور اس افتراق کو ہوادینے کے لیے ۱۹۲۲ء میں سر فضل حسین کی سرپرستی میں یونینسٹ پارٹی قائم کی گئی تاکہ انگریز کے خلاف اٹھنے والی آواز بگڑ کر رہ جائے۔ اور شہروں کی طرح گاؤں بھی فرقہ وارانہ فضا میں جلنے لگے۔ گو یہ سکیم کامیاب نہ ہو سکی تاہم ۱۹۲۲ء کے انتخابات سے پیشتر اس لاش کو جس میں بدبو پڑ چکی تھی زبردستی نکالا گیا۔ حکومت کی خواہش پر رائے بہادروں، خان بہادروں اور سروں کا یہ ٹولہ ہندو مسلم اتحاد اور شہری، دیہاتی کے عنوان سے پنجاب میں کامیاب ہوا۔

پنجاب میں ناکامی پر مسٹر جناح کا بیان | پنجاب میں مسلم لیگ کی شکست پر ۲۸ فروری کو بمبئی میں مسٹر محمد علی جناح نے حسب ذیل بیان دیا۔

”یہ پہلا موقع ہے کہ آل انڈیا مسلم لیگ نے کسی مؤثر صوبائی یا ڈسٹرکٹ اداروں کے بغیر پنجاب میں حصہ لیا۔ اگرچہ یہ اجتہادی کوشش ہے، تاہم میں اس کے نتائج سے مطمئن ہوں۔ جگہاں میں مسلم لیگ نے پچاس فیصد مسلم نشستوں پر قبضہ کر لیا ہے یوپی مسلم لیگ کے پینتالیس امیدواروں میں انیس کامیاب ہوئے ہیں۔ مدراس میں گیارہ امیدوار تھے، دس کامیاب ہوئے ہیں۔ بمبئی میں دو تہائی مسلم نشستیں لیگ کے حصہ میں آئی ہیں۔“

پنجاب کا ذکر کرتے ہوئے قائد اعظم نے پنجاب میں مسلم لیگ کی ناکامی کا افسوس ناک لمحے میں اعتراف کیا۔

لیگ کی طرف سے بہار، صوبہ سرحد، اڑیسہ اور سندھ میں پارلیمنٹری بورڈ قائم نہیں

کئے گئے تھے۔ اسام میں چوبیس مسلم نشستوں میں سے بیگ کو صرف ایک نشست ملی ہے۔ اس جگہ مسلم لیگ کے دو "طرزوں کی قیادت میں باہم مار چکا تھا۔"

(روزنامہ "انقلاب" لاہور ۲۔ مارچ ۱۹۴۷ء)

سیکرٹری انجمن اسلامیہ | یکم مارچ کو سیکرٹری انجمن اسلامیہ نے کہا کہ روزنامہ "احسان" کی یہ خبر غلط ہے کہ انجمن اسلامیہ لاہور نے مرزائیوں پر اپنے دواڑے کھول دیے ہیں۔ انجمن اسلامیہ کا ممبر صرف مسلمان ہو سکتا ہے۔

سیاسی قیدیوں کی رہائی | اتر سریکیم مارچ کو ایک سرکاری اعلان کے ذریعے کہا گیا کہ ۱۵-۱۹۴۷ء کے وہ قیدی جنہیں ایک سازش کے تحت عہد قید کی سزا دی گئی۔ وہ رنگون جیل سے رہا کر دیے گئے ہیں۔ ان قیدیوں میں بابا امر سنگھ نامی شخص گرفتاری سے پہلے ملا یا میں انجمن رہتا تھا۔

ان لوگوں نے انگریزوں کے خلاف عسکری جنگ لڑنے کے لیے جاپان سے گہاٹا مارا۔ جہاز خریدتا تھا۔ یہ بحری جہاز جب بچ بچ کے گھاٹ پر پہنچا تو انگریزوں سے اس کا مقابلہ ہوا جس سے بہت سے ہندوستانی مارے گئے، جو بچے وہ گرفتار کر لیے گئے۔ سرواگورت سنگھ اس جہاز کا لیڈر تھا۔

گرفتاری کے وقت ان لوگوں کی عمریں بیس تیس سال کے درمیان تھیں اور جہب رہا ہوئے تو ان کی ڈاڑھیاں سفید ہو چکی تھیں۔ پھر یہ لوگ بابے کہلائے۔ ہر ہندوستانی انہیں عزت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔

حکومت پنجاب کا اعلان | چار ماہ کے اخبارات میں حکومت پنجاب نے اعلان کیا کہ نئے آئین میں پنجاب کے وزراء کون کون ہوں گے۔ سرکندر

ہودھری چھوٹو رام، نضر حیات ٹوانہ، میاں عبدالحی، سرنوہر محل، سرسندر سنگھ مجیٹھ، پنجاب وزیر کے متعلق آخری فیصلہ یکم اپریل ۱۹۴۷ء تک کوئی اعلان یا نوٹیفکیشن نہیں ہوگا تاہم یہ امر قطعی طور پر معلوم ہو چکا ہے کہ گورنر پنجاب نے سرکندر حیات کے مشورے سے مندرجہ بالا اصحاب کو کابینہ میں لے لیا ہے۔

وزیر اعظم پنجاب کا اعلان | سرکاری اعلان کے دوسرے روز پنجاب کے وزیر اعظم نے
آئین کے تحت ہر صوبے کا وزیر اعلیٰ وزیر اعظم کہلاتا تھا۔
سرسکندر حیات نے اپنی پارٹی کی ایک میٹنگ میں اخبارات کے نمائندوں کو چائے پر بلایا۔
ان کے سامنے تقریر کرتے ہوئے وزیر اعظم نے کہا: کہ

”آئندہ حکومت پریس کے متعلق قوانین بنانے میں ایک نئی پالیسی کا اعلان
کرے گی۔ نئی حکومت کی نگاہ میں کسی اخبار کے جرائم میں سب سے بڑا جرم
ایسی تحریریں ہوں گی جو مختلف اقوام کے درمیان نفرت پھیلانے والی ہوں گی“
(روزنامہ انقلاب لاہور ۶-مارچ ۱۹۳۷ء)

روزنامہ پرتاپ کی ایک خبر | ۶-مارچ کے روزنامہ پرتاپ لاہور میں یہ خبر مندرجہ ذیل
پر شائع ہوئی۔

”سرسکندر شیکھ مجیٹھ نے یونینسٹ پارٹی سے اس شرط پر اتحاد کیا ہے کہ اسمبلی
کے اندر مسجد شہید گنج کے متعلق کوئی سوال نہیں اٹھایا جائے گا۔ اگر کسی غیر نے
یہ سوال اٹھایا تو حکومت اس کی مخالفت کرے گی“

مسٹر جناح کا ایک اور بیان | ۹-مارچ کو نئی دہلی سے ایک اخباری نمائندے کے سوال
کے جواب میں مسٹر جناح نے کہا۔

”ہماری پوزیشن بالکل واضح ہے۔ ہم ہر اس ترقی پسند پارٹی سے تعاون کریں
گے جس کا پروگرام ہمارے بنیادی اصولوں کے مطابق ہوگا۔

ہماری اور جگواپال اچاریہ کی پالیسی میں کوئی فرق نہیں ہم چاہتے ہیں کہ
وزراء اور ممبران مجالس وضع قوانین میں جانے کے مسئلہ پر غور کریں۔ اور اپنی
ذمہ داریاں انجام دیں اور اصولوں پر حکومت چلائیں“

مرکزی مجلس احرار کا اجلاس | لدھیانہ ۱۱-مارچ مرکزی مجلس احرار کا اجلاس ہوا جس میں
احرار امیدواروں کی شکست پر غور کیا گیا۔ اس ضمن میں سرگتھ
کی کمی، غیر مناسب سرکاری مداخلت اور پارٹی کا آرگن نہ ہونے کو شکست کا موجب قرار

دیا گیا۔

سرحد میں وزارت کا قیام | جیسے ہی انتخابات ختم ہوئے گورنروں نے اکثریتی پارٹیوں کو دعوت دی کہ وہ وزارت

قائم کریں۔ اس سلسلے میں ۱۶ مارچ کو شمال مغربی صوبہ سرحد کے گورنر نے نواب سر عبد القیوم کو بحیثیت صدر یونائیٹڈ پارٹی کو دعوت دی کہ وہ وزارت قائم کریں۔ ان دنوں صوبہ سرحد میں مختلف پارٹیوں کی

پوزیشن یہ تھی۔

یونائیٹڈ پارٹی۔ ۲۱ ارکان، کانگریس۔ ۱۹، ہندو سکھ نیشنلسٹ۔ ۸، مسلم انڈیپنڈنٹ۔ ۱۰

اس طرح سرحد میں پہلے وزیر اعظم سر عبد القیوم مقرر ہوئے۔

سبھاش بابو کی رہائی | کلکتہ ۱۴ مارچ سٹر سبھاش چندر بوس جنہیں گزشتہ سال دفعہ سڑک کے تحت نظر بند کیا گیا تھا۔ آج شام رہا کر دیا گیا۔

کانگریس کی قرارداد | جب سے ملک میں انتخابات ختم ہوئے ہیں۔ حکومت اہم نئی ایجنس میں پھنسی ہوئی ہے۔ کیونکہ اس ایکشن میں کانگریس پانچ صوبوں میں کامیاب ہو چکی ہے اور وہ کسی دوسری پارٹی سے کونیشن پر آمادہ نہیں۔ اس کے علاوہ کانگریس میں مختلف عناصر اپنے اپنے ذہن اور خیال کے مطابق سوچ رہے ہیں۔ ایک گروں کی رائے ہے کہ ہمیں وزارتیں قبول کرنی چاہیں۔ دوسرا طبقہ مشروط وزارتیں قبول کرنے کے حق میں ہے۔ ایک پارٹی کا کہنا ہے کہ ہمیں گورنروں سے اختیارات کے استحوال کی ضمانت حاصل کر لینی چاہیے۔

انہی حالات میں ۱۴ مارچ کو دہلی میں آل انڈیا کانگریس ورکنگ کمیٹی نے کانگریس کے فکٹس پر کامیاب آٹھ سو نمبر ان کی موجودگی میں دو روزہ بحث کے بعد تیسری ذیل بیڑی پیش کر دی۔

”جس صورت میں حکومت برطانوی دست ہند کی دافع اور بینہ رائے کے اعلان کرنے کے باوجود جدید دستور اساسی پر عمل ہے۔ آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے آئین ساز کے ارکان کو تاکید کرتی ہے کہ اس صورت میں تجاویز آئین ساز کے

اندر اور اس کے باہر ان کے اقدامات کانگریس کی بنیادی پالیسی پر مبنی ہونے چاہئیں۔ تاکہ وہ جدید دستور سازی کا مقابلہ کر سکیں اور اسے ختم کر دینے کے قابل بن سکیں۔

یہ وہی پالیسی ہے جس کے تحت کانگریس نے لوگوں سے ووٹ حاصل کیے ہیں اور انتخابات میں اسے فتح نصیب ہوئی ہے۔ یہ پالیسی اس مرحلے تک پہنچنی چاہیے جس راستے سے برطانیہ حکومت کی راہ میں رکاوٹیں حائل کی جا سکیں اور برطانوی استعماریت اور ہندوستانی نیشنلزم کے درمیان ایک دائمی تنازعہ پیدا کیا جاسکے۔ اور جدید دستور کے خلاف جمہوریت کی دفعات کو طشت از بام کیا جاسکے۔

آل انڈیا کانگریس اپنے اور کانگریس ورکنگ کمیٹی کے ان ریزولیشنوں کی تصدیق کرتی ہے جو ۲۰ اور ۲۸ فروری کو دارلحکام میں منظور ہوتے تھے۔ ان قرار دادوں میں مجلس آئین ساز کے کانگریسی ارکان۔ اقدامات مجلس آئین ساز کے اندر اور باہر ان کی کوششیں، عوام الناس سے ان کا میل جول اور مجلس آئین ساز میں کانگریس پالیسی کی وضاحت کی گئی تھی۔

آل انڈیا کانگریس ورکنگ کمیٹی کا یہ اجلاس مجلس آئین ساز کے کانگریسی ارکان سے ملتی ہے کہ وہ انہی ریزولیشنوں کو اپنا دستور العمل بنائیں۔ وزارتوں کی قبولیت یا عدم قبولیت کے تصفیہ شدہ موضوع کے بارے میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی۔ مجلس آئین ساز کے کانگریسی ارکان کو مجاز قرار دیتی ہے کہ وہ کانگریس کی اکثریت والے صوبوں میں وزارتیں قبول کر لیں۔ بشرطیکہ کوئی وزارت اس وقت تک قبول نہ کی جائے جب تک مجلس آئین ساز کی کانگریس پارٹی کا لیڈر مطمئن نہ ہو جائے اور عوام الناس کے سامنے اعلان کرنے کے قابل ہو جائے کہ جس وقت تک وہ یا اس کی کابینہ دستور اساسی کی حدود میں کام کریں گے گورنر اپنے اختیارات خصوصی کو استعمال نہیں کریں گے۔ اور نہ ہی وزیر ار کی رائے کو

نظر انداز کریں گے۔“

(روزنامہ ”انقلاب“ لاہور۔ ۱۸ مارچ ۱۹۳۷ء)

مندرجہ بالا قرارداد کانگریس کے سالانہ اجلاس ۱۹- مارچ کو زیرِ صدارت جواہر لعل نہرو زیرِ بحث آئی اور چند لفظی ترمیمات کے ساتھ اسے منظور کر لیا گیا۔

علامہ اقبال کا خط مسٹر جناح کے نام | کانگریس کی قرارداد کے بعد ڈاکٹر سر محمد اقبال نے ۲۰- مارچ کو مسٹر جناح کے نام حسب ذیل خط لکھا۔

”میرا خیال ہے، آپ نے پنڈت جواہر لعل نہرو کا خطبہ صدارت ملاحظہ فرمایا ہوگا، جو انہوں نے آل انڈیا نیشنل کنونشن میں دیا ہے۔ اس خطبہ میں مسلمانانِ ہند کے بارے میں جس پالیسی کا اعلان کیا گیا ہے، اس کو جی آپ نے بخوبی محسوس کیا ہوگا۔ آپ یقیناً اس بات سے بھی آگاہ ہوں گے کہ نئے آئین نے ہندوستان کے مسلمانوں کو اس بات کا اور موقع ضرور دیا ہے کہ وہ ہندوستان اور اسلامی ایشیا میں رہنا ہونے والے سیاسی حالات کے پیش نظر اپنی تنظیم کر سکیں۔ بلاشبہ ہم ملک کی دیگر ترقی پسند جماعتوں کے ساتھ اشتراک و تعاون کرنے پر تیار ہیں۔ لیکن ہمیں اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کہ ایشیا میں اسلام کی اخلاقی اور سیاسی طاقت کے مستقبل کا انحصار بہت بڑی حد تک ہندوستان کے مسلمانوں کی مکمل قومی تنظیم پر ہے۔ اس لیے میری رائے ہے کہ آل انڈیا نیشنل کنونشن کو ایک مؤثر جواب دینا بے حد ضروری ہے۔ آپ کو چاہیے کہ فوراً دہلی میں ایک آل انڈیا مسلم کنونشن منعقد کریں۔ جس میں شرکت کے لیے نئی سو بائی اسمبلیوں کے ممبروں کے علاوہ دیگر بڑے بڑے مسلمان رہنماؤں کو بھی مدعو کریں۔ اس کنونشن میں آپ پوری صفائی اور تندہی کے ساتھ حقیقت بیان کیجئے کہ ہندوستان کے مسلمان ایک جداگانہ سیاسی ہستی کے مالک ہیں اور اس حیثیت سے ان کا سیاسی مطلع نظر لیا ہے۔

یہ امر بے حد ضروری ہے کہ اندرون و بیرونِ ہند کی تمام دنیا کو بتایا جائے۔

کہ ملک میں محض اقتصادی مسئلہ ہی تھا ایک مسئلہ نہیں ہے۔ بلکہ مسلمانوں کے
نکتہ نگاہ سے دیکھا جائے تو مسلمان ہند کے لیے ثقافت اور کلچر کا مسئلہ اپنے
انداز زیادہ اہم نتائج رکھتا ہے۔ بہر حال کلچر کا مسئلہ کسی طرح بھی اقتصادی مسئلہ
سے کم اہم نہیں ہے۔

اگر آپ نے اس قسم کی کنونشن منعقد کی تو ایک فائدہ یہ ہوگا کہ اس طرح ان
مسلمان ممبروں کی نیتوں کا بھی امتحان ہو جائے گا، جنہوں نے مسلمان ہند کے
اغراض و مقاصد کے خلاف اپنی الگ جماعتیں قائم کر رکھی ہیں۔ اور دوسرا فائدہ
یہ ہوگا کہ ہندوؤں پر یہ حقیقت اچھی طرح منکشف ہو جائے گی کہ باریک سے
باریک سیاسی چال بھی مسلمانوں کو فریب نہیں دے سکتی۔ اور اپنی جداگانہ تمدنی
حیثیت کو کسی طرح نظر انداز نہیں کر سکتے۔

میں چند روز میں دہلی آ رہا ہوں۔ پھر اس موضوع پر آپ سے زبانی گفتگو
ہوگی۔ (اقبال کے خطوط خراج کے نام۔ پبلشر شیخ محمد اشرف)

یوپی میں لیڈر شپ کا جھگڑا | یوپی کے چودھری خلیق الزمان عجیب و غریب طبیعت کے
آدمی تھے۔ سیاسی سوجھ بوجھ کے علاوہ عملی دھڑ دھوپ میں
بھی کافی مہارت رکھتے تھے۔ چار۔ پیسے بھی پاس تھے۔ اس بل بوتے پر اقتدار کے محاذ کی کمان
کرنے کو بھی جی چاہتا تھا۔ اگرچہ آل انڈیا شہرت کے آدمی نہیں تھے۔ تاہم اپنے صوبے میں انہیں
کافی وقار حاصل تھا۔

نئے انتخاب میں کامیابی کے بعد انہیں ایک ادھ وزارت ملنے کا امکان تھا۔ اس بنا پر
انہوں نے باغبان اور صیاد دونوں کو راضی رکھنے کی کوشش کی۔ ان کا ارادہ تھا کہ کانگریس اور
مسدینک میں کسی طرح مفاہمت ہو جائے۔ اس ملاپ میں وہ پیش پیش تھے۔ اگر ایسا ہو
جاتا تو اظہار ہے کہ چودھری خلیق الزمان کو کانگریس مسلمانوں کی طرف سے وزارت میں لے
یتی۔ لیکن راجندر بابو نے یہ کہہ کر کہ کانگریس وزارت بنانے میں کسی دوسری پارٹی سے تعاون
نہیں کرے گی، چودھری خلیق الزمان کی تمام خیالی عمارت دھڑام سے نیچے گرا دی اور چودھری صاحب

کو انفسوس کے لمحے میں کہنا پڑا کہ راجندر پرشاد کو ایسا بیان دینے میں اتنی جلدی کیا تھی۔ ان کا یہ بیان بہت خطرناک مستقبل کو دعوت دے گا۔

اگر کانگریس کے سابق صدر راجندر بابو یہ غلطی نہ کرتے اور کانگریس اپنے طور پر ہی مسمیٰ، خلیق الزمان کو وزارت میں شامل کر لیتی تو آگے چل کر تحریک پاکستان کو یوپی میں یہ کامیابی حاصل نہ ہوتی جو کانگریس کی اس غلطی سے ہوئی۔

کانگریس سے یوس ہونے کے بعد چودھری خلیق الزمان نے مسلم لیگ کی طرف رجوع کیا۔ پھر کیا ہوا یہ کہانی سر محمد یامین خاں کی زبانی سنئے۔

یوپی میں مسلم لیگ کے پارلیمنٹری بورڈ کا اجلاس لکھنؤ میں منعقد ہوا۔ اس میں پارٹی کا لیڈر چنا جانا تھا۔ ظاہر ہے کہ اسوائے دو تین مسلم لیگ کے بھروں کے سب نواب اسماعیل کے طرفدار تھے۔ اور چودھری خلیق الزمان کے طرفدار صرف دو تین تھے۔ نواب اسماعیل خاں کی وجہ سے بہت مسلم لیگی کامیاب ہوئے۔ لیکن خلیق الزمان اس کو کیسے گنہگار کرتے کہ وہ کچھ نہ ہوں۔ چونکہ انہوں نے ہی نواب اسماعیل خاں کی مدد سے مسٹر جناح کو لیگ ٹکٹ پر الیکشن لڑانے پر تیار کیا تھا اور کانگریس سے سارا درون خانہ سمجھوتہ کر رکھا تھا کہ ڈیکانے ڈک (Decoy Duck) بن لیں۔ کانگریس سے ملا دیں گے اور وزارت حاصل کریں گے۔ اب اگر یہ لیڈر منتخب نہ ہوتے تو وزارت کے مستحق نہیں ہو سکتے۔ اس لیے یہ ترکیب کھیلی گئی کہ بچانے مہربن اسمبلی کے پارلیمنٹری بورڈ میں انتخاب کرے اور چونکہ پارلیمنٹری بورڈ کو پورا اختیار نہ تھا۔ لہذا مسٹر جناح کو مدعو کیا گیا۔ اور ان کو خفیہ طور پر سمجھایا گیا کہ نواب اسماعیل خاں فوری طور پر پلٹے ہوئے آکر یہ نہیں کر سکتے اور پہلے جب مرکزی اسمبلی میں تھے، تو کوئی تقریر چھ سال کے عرصے میں نہیں کی تھی۔ اس لیے اسمبلی میں مسلم لیگ پارٹی کا لیڈر خلیق الزمان کو کر دیا جائے جو وہاں لڑائی لڑتے رہے اور وہ وہاں لیگ کے صدر نواب اسماعیل خاں ہوں۔ چونکہ صوبہ میں ان کی عزت و وقعت ہے اور خلیق الزمان کو اودھ کے باہر کوئی نہیں جانتا۔

مسٹر جناح اس پر تیار ہو گئے۔ تب پارلیمنٹری بورڈ میں یہ تجویز کی گئی کہ مسٹر جناح پر چھوڑ دیا جائے۔ جس کو چاہیں منتخب کریں۔ نواب اسماعیل خاں اس انداز میں سازش سے قطعاً ناواقف

تھے۔ وہ رضا مند ہو گئے۔ مسٹر جناح نے بھی فیصلہ دیا کہ نواب اسماعیل خاں صوبائی لیگ کے صدر ہوں اور چودھری خلیق الزمان صوبائی اسمبلی میں مسلم لیگ کے لیڈر ہوں۔ اس طرح چودھری خلیق الزمان منسٹری کے مستحق بنے۔ چونکہ اب وہ اسمبلی میں مسلم لیگ پارٹی کے لیڈر ہو گئے۔ اگرچہ مسلم لیگی ممبران کی اکثریت نواب اسماعیل خاں کے ساتھ تھی۔

یونی کے گورنر سر ہنری ہیک نے عارضی وزارت بنانے کے لیے نواب چغتاری کو مدعو کیا۔ چونکہ کانگریس کے بعد ایگریکلچرل پارٹی سب سے بڑی تھی۔ نواب چغتاری نے مسلم لیگ کا تعاون حاصل کرنا چاہا کہ ایک منسٹر لیگ کا بھی لے لیں۔ چودھری خلیق الزمان سے مشورہ کیا۔ انہوں نے اپنے آپ کو پیش کر دیا۔ لیکن نواب چغتاری کو معلوم تھا کہ نواب اسماعیل خاں کے طرفدار زیادہ ممبر تھے۔ اس لیے بخیران کی مدد کے کام نہ چلے گا۔ اور نواب اسماعیل خاں کی ریاست جہانگیر آباد ضلع بلند شہر میں ہے۔ جس ضلع سے نواب چغتاری ممبر ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کو نظر انداز کرنا مصلحت کے خلاف ہے۔ اس لیے انہوں نے دونوں کو چھوڑ کر راجہ سلیم پور کو وزارت میں لے لیا۔ راجہ سلیم پور کو بھی نیشنل مسلم لیگ نے ۱۹۳۴ء میں یونٹی بورڈ کا لیڈر بنایا تھا اور ان کے روپے اور نام سے فائدہ اٹھایا تھا۔ اب یہ گروہ لیگ میں آگیا۔ راجہ سلیم پور کو رد نہیں کر سکتے۔ لیکن ان لوگوں کا اصل مقصد تو کانگریس سے مل کر مستقبل کی وزارت میں شامل ہونے کا ہے۔ اس لیے کانگریس سے ساز باز جاری ہے۔ لیکن مشکل ہے کہ خلیق الزمان اکیلے کانگریس وزارت میں جائیں تو مسلم لیگ کے سب ممبر منحرف ہو جائیں گے۔ اور نواب اسماعیل خاں کو لیڈر اسمبلی مسلم لیگ پارٹی کا منتخب کر لیں گے۔ اور خلیق الزمان کا سارا پول کھل جائے گا۔ اور اگر تنہا اسماعیل خاں کو وزارت میں لے لیا جائے۔ جس کے لیے جواہر لال وغیرہ تیار ہو جائیں گے تو خلیق الزمان کانگریس کے خلاف سازش شروع کر دیں گے۔ اس لیے اگر وزارت میں جائیں تو دونوں ور نہ کوئی نہ جائے گا۔

(نامہ اعمال مصنفہ یا مین خان ص ۶۴۲-۶۴۳)

اس کے برعکس چودھری خلیق الزمان اپنی کتاب ”شاہراہ پاکستان“ کے ص ۶۲۲، ۶۲۳ میں لکھتے ہیں۔

۱۹- مارچ کو شاہ محمد حسین عثمانی کے ذریعے نواب چغتاری نے مجھے اپنے مکان پر بلایا۔

اور کہا کہ گورنر مہرزی بیگ نے ان سے کانپور اسٹیشن پر کہا کہ میں یوپی میں ایک انٹیم گورنمنٹ بنا
وں اور میرا ارادہ ہے کہ میں آپ کو اپنی کینڈٹ میں شامل کروں۔ آپ میرے ساتھ شریک ہو کر
میرا ہاتھ بٹائیں۔ میں نے جواب میں کہا، میں اس عزت کو جو آپ مجھے دینے والے ہیں، قبول نہیں
کر سکتا (اس عبارت کے آخر میں چودھری صاحب کہتے ہیں)۔

راجہ سلیم پور کی چھٹاری وزارت میں شرکت کے متعلق دن میں مجھے خبریں ملتی رہیں کہ نواب
چھٹاری کے ساتھ شریک ہو جائیں گے۔ دوسرے روز اعلان ہوا کہ راجہ سلیم پور انٹیم گورنمنٹ میں
وزیر تعلیم ہو گئے۔ اس واقعہ کا میرے دل پر بہت اثر ہوا اور سال دو برس میں راجہ سلیم پور سے
نہیں ملا۔ اور ان کو پارٹی سے خارج کر دیا۔

(نوٹ)۔ چودھری خلیق الزمان کو اگر وزارت کی خواہش نہیں تھی۔ نیز ان کے انکار پر نواب
چھٹاری نے راجہ سلیم پور کو عارضی وزارت میں شامل کر لیا تو اس پر چودھری صاحب کو فسوس کیوں ہوا؟
(مصنف)

وزارتیں قائم ہو گئیں | نئے آئین میں گورنروں کے ناجائز اختیارات کے باعث کانگریس نے
اپنی اکثریت کے صوبوں میں وزارتیں بنانے سے انکار کر دیا۔ اگرچہ بطور
حجت گورنروں نے کانگریس کے رہنماؤں کو وزارت ترتیب دینے کی دعوت دی۔ جیسے ر یوپی
میں پنڈت پتھ کو، بہار میں شری کرشن سنہا، اڑیسہ میں مہاراجہ مکھیڈی، مدراس میں شری نواز شاستری
کو۔ لیکن ان سب نے کانگریس ریزولوشن کے تحت وزارت بنانے سے انکار کر دیا۔ سدا اکثریت
والے صوبوں میں کسی خاص پارٹی کو اکثریت حاصل نہیں تھی۔ لہذا گورنروں نے اقلیتی پارٹیوں
کو وزارت بنانے کی دعوت دی۔ چنانچہ سرحد میں نواب سر عبد القیوم، سندھ میں غلام حسین
ہدایت اللہ، آسام میں سر سدا لہ اور یوپی میں نواب چھٹاری نے انٹیم گورنمنٹ بنالی۔
پنجاب میں یونیٹسٹ پارٹی کو اکثریت حاصل تھی لہذا اس کے سوا جس قدر صوبوں میں حکومتیں
بنیں، ان کی پائیداری مشکوک رہی۔

کانگریس کے رویے پر صدر مجلس احرار کا اظہارِ افسوس | ”مجھے یہ دیکھ کر حیرت
ہوتی کہ کانگریس کے

ذمہ دار رہنا عارضی فتح کے نشہ میں اس قسم کے تلخ بیانات دے رہے ہیں، جس سے ملک میں بجائے اس کے کہ کانگریس کا وقار بڑھے ایسے بیانات سے اس کے وقار کو سخت صدمہ پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ ہر کانگریسی کی زبان سے یہی صدا بلند ہو رہی ہے کہ ہم مسلم لیگ یا کسی دوسری جماعت سے تعاون کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہر شخص کانگریس سے بدظن ہو کر بدیشی حکومت کی پناہ ڈھونڈنے لگے گا۔ ہر ہندوستانی کانگریس سے محبت رکھتا ہے۔ لیکن کانگریس کے طرز عمل نے قریب آنے والوں کو بھی دور کر دیا ہے۔

کانگریسی ارکان کیلئے حلف نامہ | ہم موثر ہند کے ارکان انفرادی اور اجتماعی طور پر حلف اٹھاتے ہیں اور وعدہ کرتے ہیں کہ ہم ہندوستان کی خدمت کرتے رہیں گے۔ مجالس آئین ساز اور اس کے باہر ہندوستان کی آزادی کے لیے کوشاں رہیں گے۔ اس کے لیے جو حکم کیا جائے گا۔ ہم پوری جدوجہد کریں گے۔ نیز عوام الناس کے افلاس کو دور کرنے کے لیے پوری کوشش کریں گے۔

ہم عہد کرتے ہیں کہ کانگریس کے تحت رہتے ہوئے کانگریس کے نظریے کو تقویت پہنچانے کی کوشش کریں گے۔ ہندوستان کی آزادی کا حصول کروڑوں انسانوں کو غلامی کی مصیبت سے نجات دلانا ہمارا منتہائے مقصود ہوگا۔

مسٹر محمد علی جناح کا اعلان | نئی دہلی۔ آل انڈیا مسلم لیگ کی ایگزیکٹو کونسل میں انتخابات کے دوران مسلم لیگ کی کارگزاریوں پر تبصرہ کرتے ہوئے مسٹر جناح نے کہا کہ

”ہندوستان میں اس وقت ایک بھی ذمی شعور آدمی ایسا نہیں جس کے دل میں آزادی کی تڑپ نہ ہو۔ اس موضوع پر رائے کا اختلاف ہو سکتا ہے مگر اس کا سبب یہ نہیں کہ مسلمانوں میں قوم پرستی کا جذبہ مغفود ہے۔ اس کے اسباب کچھ اور ہیں۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ہندو اور مسلمانوں کے لیے ایک دوسرے میں بدعنوانی ہو جانا ممکن نہیں۔ کیونکہ ان دونوں قوموں کی

تمہذیب اور معاشرت اصولی طور پر علیحدہ علیحدہ ہیں۔ لیکن دونوں قوموں کے لیے لازم ہے کہ وہ شانہ نشانہ ہو کر آزادی کی منزل مقصود کی طرف پیش قدمی کریں۔ یہ نصب العین سیف گورنمنٹ کا ہے۔ اگر مسلمانوں نے آزادی کی منزل کی طرف پیش قدمی کرنے کا فیصلہ کیا تو میری دلی تائید اور حمایت انہیں حاصل ہوگی۔ مگر میں یہ نہیں چاہتا کہ مسلمان یہ اقدام کسی خاص شخص یا جماعت کو خوش ارٹے کے لیے اختیار کریں۔ میں نہیں چاہتا کہ مسلمان مؤخر الجیش ہو کر رہ جائیں ہیں انہیں ہر اول دستہ میں دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ مسلمان گاؤں گاؤں میں مسلمانوں کی تنظیم کا پیغام لے کر جائیں۔ میرا منشا یہی ہے، خواہ ڈوبو یا ترے جو یا مرو۔ مگر متحد قوم کی طرح رہو۔

(روزنامہ انقلاب لاہور۔ ۲۴ مارچ ۱۹۴۷ء)

ایک نظم کی ضبطی | یونیسٹ پارٹی نے اپنی وزارت قائم کرتے ہی سب سے پہلے راج کو مجلس احرار کے شاعر ابراہیم خادم کی پنجابی نظم "سرسے دی بول گئی لگڑوں کڑوں" جو مزار غلام احمد کے خلاف تھی، ضبط کر لی۔

ابراہیم خادم تانڈیا نوالہ ضلع لاہور کے رہنے والے تھے اور ان کی زندگی کا اکثر حصہ مجلس احرار کے ساتھ وطن کی جدوجہد میں گزرا۔ مریض کی موت دریا میں ڈوب جانے کے باعث ہوئی۔ وہ کہیں دوسرے گاؤں میں نماز پڑھنے جا رہے تھے۔

پٹنٹ منرو کا اعتراض شکست | کانگریس کنونشن میں تقریر کرتے ہوئے کانگریس کے صدر پٹنٹ منرو نے کہا کہ

"ہم مسلم نشستوں کے متعلق بری طرح ناکام رہے ہیں۔ اور اس ناکامی نے ہمیں تباہ کیا۔ یہ ہماری دسترس میں تھا۔ کیونکہ مسلم عوام کانگریس کی طرف زیادہ متوجہ ہیں۔ اور ہم ناکام اس لیے ہوئے ہیں کہ ہم نے مسلم عوام میں کام کرنے کی طرف سے بے توجہی برتی اور ہم ان کے پاس نہ پہنچ سکے۔ جہاں ہم پہنچ سکے وہاں کے عوام بالخصوص دیہاتی حلقوں میں ہمیں ویسی ہی آزادی کی لہر لفظانی

ہم نے ہندو اسکھ اور مسلمان دیہاتیوں سے باتیں کیں تو وہاں فرقہ وارانہ مسائل بالکل بے وجود معلوم ہوئے، جن کی نسبت ہم بہت کچھ سنتے رہے ہیں۔ لیکن اگر ہم مسلم عوام پر زیادہ توجہ کرتے تو ان مشکلات کے باوجود یہیں اچھی خاصی کامیابی ہوتی۔

یکم اپریل کو ہڑتال | برطانوی آئین ۱۹۳۵ء کے نفاذ پر کوئی ہندوستانی مطمئن نہیں تھا۔

من حیث القوم مسلمانوں کے تمام گروہوں، جماعتوں اور فرقوں نے اسے بہ طور قبول کر لیا تھا اور نہیں تو اس سے حکمرانی کی ٹریننگ ہوگی۔ یہاں تک کال انڈیا کانگریس نے بھی اسے بادلِ خواستہ قبول کر لیا۔ ورنہ وہ انتخاب میں شامل نہ ہوتی۔ اس کے باوجود یکم اپریل کو جس روز سے اس آئین کا نفاذ ہونے والا تھا۔ کانگریس نے تمام ہندوستان میں اس آئین کے خلاف بطور احتجاج ہڑتال کا اعلان کیا۔ لیکن جب مسلم لیگ کے پریذیڈنٹ سے اس کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے ۲۶-۱۷ مارچ کو ممبئی سے ایسوسی ایٹڈ پریس کے نام ایک پیغام ارسال کیا، جس میں انہوں نے مسلمانان ہند سے التماس کی کہ وہ یکم اپریل کو ہڑتال نہ کریں۔ اس بیان کی وضاحت کرتے ہوئے مسٹر خاج نے کہا کہ

”مجھے ہندوستان کے مختلف حصوں سے مسلمانوں کے پیغامات وصول ہو رہے ہیں کہ یکم اپریل کو ہڑتال کی جائے یا نہ۔

میں نے اس سلسلہ میں ٹھنڈے دل سے غور کر کے فیصلہ کیا ہے، کہ

مسلمانوں کو اس ہڑتال میں شامل نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ کال انڈیا مسلم لیگ

فیصلہ کر چکی ہے کہ جدید دستور اساسی سے جس قدر امکان ہوا استفادہ کیا

جائے۔ اس کے ساتھ ہی ہڑتال کی وجہ سے تاجروں، مزدوروں اور دیگر

کاروباری لوگوں کو نقصان ہوگا۔ لہذا ہڑتال میں شامل ہونا مسلمانوں کیلئے مضر ہے۔“

۳۱-۱۷ مارچ کو ایک سرکاری اعلان کیا گیا کہ سنیوں اور شیعوں کے تنازعہ کو حل

مدح صحابہ کیٹی | کرنے کے لیے جو غیر سرکاری کمیٹی قائم کی گئی تھی۔ مسلسل کوششوں کے

باوجود اپنے مقصد میں ناکام رہی ہے لہذا اب گورنر نے تمام معاملات کو حکومت کے سپرد کر

دیا ہے اور جسٹس آنسپ اس کمیٹی کے صدر ہوں گے۔ اور وہ تمام واقعات کی از سر نو تحقیق

کریں گے۔

مسلم ماس کنٹیکٹ کانگریس میں ہندو سماجی و بنیت کے آتے ہی ہندوستان کی یہ منظم، غیر مذہبی اور آزادی ہند کی دھویدار پولیٹیکل جماعت اپنے متعین راستے سے ایسی بھٹکی یا اسے غیر ملکی حکومت کی حکمت عملی کیسے کہ اس نے کانگریس میں ایسے عناصر کو داخل کیا کہ کانگریس صرف ایک قوم کی نمائندہ ہو کر رہ گئی۔ اس پر مجلس اجراء نے ۱۹۳۱ء میں اور مسلم لیگ نے ۱۹۳۰ء میں سنجالایا اور مسلمانوں کو اپنی علیحدہ تنظیم کا احساس دلایا۔ کانگریس کو اس کا پتہ حالیا انتخاب میں چلا، جب کانگریس کے ٹکٹ پر کوئی مسلمان امیدوار کامیاب نہ ہو سکا۔

آخر کانگریس نے ۳۱ مارچ کو الہ آباد میں فیصلہ کیا کہ مسلمانوں کو مجبور کیا جائے کہ وہ کانگریس میں شامل ہوں۔ اس کے لیے کانگریس نے مسلم ماس کنٹیکٹ، مسلم عوام سے رابطہ کی جماعت کے نام سے ایک علیحدہ شعبہ قائم کیا جس کے صدر علی گڑھ کالج کے پرنسپل ڈاکٹر محمد اشرف اور جنرل سیکرٹری منشی احمد دین مقرر ہوئے۔ پنجاب میں اس کے انچارج میاں افتخار الدین تھے۔ اس سلسلے میں اشتہارات، پمفلٹ وغیرہ شائع کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ نیز اخبارات میں مضامین لکھنے کی تجویز بھی کی گئی۔ اس کے ساتھ ہی کانگریس کے صدر پنڈت نہرو نے تمام کانگریس کمیٹیوں کو ہدایت کی کہ وہ اپنی دلچسپی پر مسلمانوں کو کانگریس میں شامل کرنے کیلئے کام کریں۔

ایکٹ ۱۹۳۵ء کا نفاذ یکم اپریل ۱۹۳۵ء کو ایکٹ ۱۹۳۵ء کا عملی طور پر نفاذ کر دیا گیا۔ اس کے تحت تمام صوبوں میں وزارتیں قائم کر دی گئیں۔ اس موقع پر ملک معظم نے گورنر جنرل کے نام حسب ذیل پیغام ارسال کیا۔

”آج دستور اساسی کا پہلا حصہ نافذ ہو گیا ہے۔ جس کی تیاری کے لیے برطانیہ اور ہندوستان کے بہترین دماغوں نے متحدہ طور پر کام کیا تھا۔ اس موقع پر میں اپنی ہندوستانی رعایا کو یقین دلاتا ہوں کہ میری دعائیں ان کے ساتھ ہوں گی۔ آج ہندوستان کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوا ہے۔ مجھے کامل امید ہے اور میری دعا ہے کہ جدید دستور اساسی کے پیدا کردہ مواقع سے فائدہ

اٹھانے میں بصیرت سے کام لیں کیونکہ اس سے میری ہندوستانی رعایا کو پورا فائدہ پہنچے گا۔

برما علیحدہ کر دیا گیا | زنگون یکم اپریل ۱۹۳۷ء نصف رات سے نئے آئین کے تحت صورِ برما برما ہندوستان سے علیحدہ کر دیا گیا۔ اس اعتبار سے برما اب برطانیہ کے زیرِ سایہ ایک الگ ملک قرار دیا گیا ہے۔ ایک تقریب میں غیر سرکاری افراد اور ملک کے اہم مندوبین کے روبرو برما کی علیحدگی کا اعلان کیا گیا اور تاجِ برطانیہ سے وفادار رہنے کا حلف لیا گیا۔

وزیرِ اعظم بنگال کا اعلان | حکمتہ یکم اپریل کو وزیرِ اعظم بنگال مسٹر فضل الحق نے اعلان کیا کہ میں اخباروں میں دیکھتا ہوں کہ کہیں ہندو راج اور کہیں مسلم راج کے متعلق خوف و ہراس کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ میں اس موقع پر واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ بنگال میں مسلم راج اسی طرح نہیں ہوگا جس طرح بہار میں اور یوپی میں ہندو راج کا امکان نہیں۔ ہر جگہ برطانوی راج ہوگا۔ مختلف صوبوں میں یہ نمایاں خصوصیت ہوگی کہ کسی صوبے میں نظم و نسق چلانے والے زیادہ تر ہندو ہوں گے اور کسے صوبے میں یہ کام زیادہ تر مسلمانوں کے ذمہ ہوگا۔ لیکن حکومت کا تخیل اور نصب العین ہر جگہ برطانوی ہوگا۔

(روزنامہ انقلاب لاہور ۳۰ اپریل ۱۹۳۷ء)

جدید دستور | تقریباً ایک سو اٹھ غلامی کے بعد غیر ملکی آقاؤں کا ۱۹۰۹ء میں اپنے غلاموں پر پہلی دفعہ دستِ کرم دراز ہوا اور اسے آزادی کی پہلی قسط کہا گیا، جس کی رو سے قانون ساز کونسلوں کے ارکان کی تعداد میں قدرے اضافہ کر دیا گیا۔ گورنر جنرل کی کونسل کے ارکان کی تعداد بڑھادی گئی۔ لیکن کونسلوں میں سرکاری اکثریت برقرار رکھی گئی مرکزی قانون ساز کونسل میں سرکاری ارکان کی تعداد سینتیس^{۲۳} اور غیر سرکاری ارکان کی تعداد تیس^{۲۴} مقرر کی گئی۔ سینتیس^{۲۵} سرکاری ارکان میں سے اٹھائیس^{۲۶} کو گورنر نے نامزد کرنا تھا اور باقی بلحاظ عمدہ مقرر کیے جانے تھے۔ تیس غیر سرکاری ارکان میں سے پانچ کو گورنر جنرل نے منتخب کرنا تھا اور باقی ارکان کا انتخاب ہونا قرار پایا۔ یہ تھا حکومتِ ہند کا قانون مجریہ ۱۹۰۹ء۔

۱۹۰۹ء کی اصلاحات سے ہندوستان کے عوام مطمئن نہیں تھے۔ لہذا پہلی جنگ عظیم کے بعد برطانیہ نے ہندوستان پر ایک اور احسان کیا۔ یعنی ہندوستان کو آزادی کی دوسری قسط دی۔ اب مرکزی اسمبلی میں امپریل یجلیٹو کونسل کی جگہ دو ایوانی مقننہ قائم کی گئی۔ ایوان بالا کا نام کونسل آف سٹیٹ اور ایوان زیریں کا نام سنٹرل یجلیٹو اسمبلی رکھا گیا۔

کونسل آف سٹیٹ ایک سو پینتالیس^(۲۵) ارکان پر مشتمل تھی۔ اس میں ایک سو تین ارکان منتخب کیے جاتے تھے۔ باقی بیالیس ارکان کو گورنر جنرل نامزد کرتا تھا۔ ایک سو تین ارکان کی تقسیم اس طرح تھی۔ عمومی حلقہ ہائے انتخاب سے اکیس^(۲۱)۔ مسلمان پینس^(۲۱)۔ سکھ دو^(۲)۔

خاص حلقہ ہائے انتخاب سے بیس ارکان۔ ان کی تقسیم اس طرح تھی۔

زمیندار۔ سات، یورپین۔ نو، ایوان تجارت۔ چار۔ نامزد ارکان میں پچیس^(۲۵) سرکاری

اور باقی غیر سرکاری۔

ظاہر ہے کہ انگریز کا یہ قانون بھی ہندوستان کے لیے مفید نہیں تھا۔ چنانچہ ۱۳۔ اپریل ۱۹۱۹ء کا حادثہ جیلدیا نوالہ باغ بھی اسی بے چینی کا نتیجہ تھا۔ تحریک خلافت بھی یہیں سے آگے بڑھی اور ترک موالات کے منگنا سے بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی۔

آخر برطانیہ نے مرجان سامن کی صدارت میں ایک کمیشن قائم کیا جو ۱۹۲۸ء میں ہندوستان آیا۔ اس کمیشن میں ہندوستان کا کوئی نمائندہ شامل نہیں تھا۔ جس میں بطور پاراضگی کانگریس اور مسلم لیگ نے اس کمیشن کا بائیکاٹ کیا۔ اس کے باوجود کمیشن نے ہندوستان کا دورہ کیا اور اپنی رپورٹ برطانوی پارلیمنٹ کے سامنے پیش کر دی۔ ۲۲۔ مارچ ۱۹۳۲ء میں حکومت نے ایکسپریس اینش شائع کیا۔ جس پر ہندوستان کے سیاسی رہنماؤں نے تنقید کی۔ برطانوی حکومت نے انہیں تمام باتوں پر سو مانے رکھتے ہوئے ۵۔ نومبر ۱۹۳۵ء کو ایک مسودہ بل تیار کر کے پارلیمنٹ میں پیش کیا جسے ۲۔ اگست ۱۹۳۵ء کو منظور کر لیا گیا۔ یہی وہ قانون ہے جو اکیس^(۲۱) ۱۹۳۵ء کو لایا اور یکم اپریل ۱۹۳۶ء کو اس کا نفاذ ہندوستان میں ہو گیا۔

ابھی عشق کے امتحان اور بھی ہیں — (جباری)

(جانباز مرزا)

تاریخ آزادی برصغیر پر تقسیم کے بعد پہلی مستند کتاب چند عنوانات

- ◆ کانگریس نے وزارتیں قبول کر لیں
- ◆ یوپی مسلم لیگ اور کانگریس وزارت
- ◆ جمعیتہ علمائے ہند اور مسلم لیگ کے مابین معاہدے کا خاتمہ
- ◆ شیعوں کی طرف سے لکھنؤ میں تبرہ ایچی ٹیشن
- ◆ قائد اعظم کا خطاب
- ◆ حضرت مولانا حسین احمد مدنی اور حضرت امیر شریعت کے مابین تلخی کا خاتمہ
- ◆ خاکسار تحریک - بیلچہ اور کلہاڑی
- ◆ قائد اعظم اور مساتما گاندھی کے مابین خط و کتابت
- ◆ دوسری جنگ عظیم اور مجلس احرار کی قرارداد
- ◆ کانگریس مسلم لیگ اور خاکساروں کی دوسری جنگ عظیم کے متعلق قراردادیں
- ◆ قرارداد لاہور
- ◆ پاکستان کا بانی کون تمام پس منظر کے ساتھ
- ◆ کانگریس وزارت اور تحریک مدح صحابہ
- ◆ چودھری افضل حق کا پشاور میں خطبہ صدارت
- ◆ پاکستان کے متعلق مجلس احرار کی پالیسی
- ◆ لکھنؤ مسلم لیگ کی قرارداد اور تحریک شہید گنج
- ◆ شہید گنج اور مجلس احرار کی سول نافرمانی
- ◆ اور دیگر عنوانات

(جلد سوم)

کاروائی حلال



